



کلام

حصہ دوم

ایم اے راحت

KALA JADOO (Part II)

By.: M.A. Rahat

Price "H.B." : Rs. 100/=

Price " P.B." [REDACTED]

Edition : 2005

KITAB WALA

2794, Gali Jhot Wali.

Pahari Bhojla, DELHI-110006

Phone: (G) 2528 1499, (R) 2259 3249

نام ناول : کالا جادو (حصہ دوم)

مصنف : ایم. اے. راحت

سن اشاعت : ۲۰۰۵ء

قیمت رف [REDACTED]

قیمت جلد : ۱۰۰ روپے

مطبوعہ : فائن آفسیٹ پریس، شاہد رہ، دہلی-32

ناشر : کتاب والا 2794، گلی جھوت والی،

پہاڑی بھو جلا، دہلی-110006

کیا کے زلمے

کالا کارو

ماموں ریاض مجھ سے اس قدر بے گام ہو گئے

بارے میں سن کر کیوں کیا انہیں الیاس خان کی بات پر یقین نہیں آیا۔ یا پھر وہ لوگ، وہ لوگ میری وجہ سے اس قدر پریشان ہوئے ہیں کہ ان کے دلوں میں میرا کوئی مقام نہیں رہا وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ کیا امی بھی، ابو بھی اور میری بہنیں۔ حلق میں گولا سا اٹک گیا۔ الیاس خان نے تانگہ روک لیا تھا۔

”آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔ الیاس خان نے کہا۔

”کیا؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”بہی کہ فطی ریاض آپ کے ماموں ہیں۔“

”ہاں بس یو بچی۔“

”آپ کا پورا خاندان ہو گا مرشد۔“

”ہاں ہے۔“

”کہاں کے رہتے دے میں آپ؟“

”الیاس خان میں خاموش رہنا چاہتا ہوں۔“ میں نے

کہا۔ اور الیاس خان نے گردن ہلادی۔ تانگہ دوڑتا گیا۔

الیاس خان نے تانگے والے کو ایک پت بتا دیا تھا مگر میں نے

اس پر غور نہیں کیا تھا۔ ابار کے گل کو چے نگاہوں سے

گزرتے رہے مگر میں نگاہ بھر کر انہیں نہیں دیکھ سکا دماغ

بجھا ہوا تھا۔ دل میں آرزوؤں کی کسک تھی سماں باپ کا

احساس ہو رہا تھا وہ یہاں ماموں ریاض کے ساتھ ہیں بھی

یا نہیں۔ ویسے امید تو یہی تھی کہ وہ بھی ماموں ریاض کے ساتھ

ہوں گے۔

ماموں ریاض بچپن ہی سے امی کے ساتھ تھے مشکل

حالات میں وہ بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اہ کاش

وہ سب یہاں ہوں۔

بہت فاصلے ہو گیا پھر تانگہ ایک بہت بڑے مکان کے سامنے رکا اور الیاس خان نیچے اتر گیا۔ اس نے تانگے والے کو پیسے دیے اور نیچے اتر آیا۔ وسیع و عریض مکان کا احاطہ کئی انٹوں سے بنا ہوا تھا لکڑی کا بڑا دروازہ نظر آرہا تھا۔ اندر کی عمارت احاطے کی بلند دیواروں میں چھپی ہوئی تھی۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا الیاس خان نے اسے کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ آئیے مرشد بے دھڑک چلے آئیے۔ وہ بولا۔

”کیا یہ فرید خان کا گھر ہے؟“ میں نے دروازے سے اندر قدم رکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ نہیں یہ نواب دہر کی حویلی ہے۔“

”یہاں کیوں آئے ہو۔“

”سب یہیں ملیں گے۔“

”ماموں ریاض بھی۔“

”ہاں۔“ وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔ میں جھجکتے قدموں سے

آگے بڑھا احاطے کی یہ دیوار بند میں بنوائی گئی تھی۔ اندر کی

عمارت بوسیدہ تھی۔ وسیع احاطے میں جگہ جگہ جھنکارا

لگے ہوئے تھے، ٹوٹی دیواروں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے سامنے

ہی ایک بڑا دروازہ تھا جسے کھول کر الیاس خان نے مجھے

اندر آنے کا اشارہ کیا۔

”یہاں خواتین نہیں ہیں۔“

”ہیں۔“ الیاس خان بولا ہم دروازے سے اندر

داخل ہوئے تھے کہ ہمیں دو افراد نظر آئے وسیع ہال میں

کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے سامنے میز پر بھی ہوئی تھی جس پر

خال بوتل اور خالی گلاس رکھے ہوئے تھے۔ وہ چونک کر ہمیں

دیکھنے لگے۔ میں نے ان دونوں کو بھی پہچان لیا تھا۔ یہ بھی

اس وقت موجود تھے جب میں نے ماموں ریاض کو دیکھا

تھا۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور پھر سوالیہ نظروں سے الیاس

خان کو دیکھنے لگے۔

”مرشد ہیں۔“ الیاس خان بولا۔

”کون مرشد۔“ ان میں سے ایک نے پوچھا۔

”کمال ہے مرشد کو نہیں جانتے، میں نے بتایا تھا نہیں

کہ کتنے والے ہیں۔“

”ارے وہ ادھ ادھ اے تو یہ ہیں وہ۔“ معاف کیجئے

گا محترم ہم پہچان نہیں سکے تھے۔ وہ آگے بڑھے اور میرے

ساتھ کمرہ کر رہے تھے۔

” مرشد یہ فرید خان صاحب ہیں اور یہ رحمت یار خان
میں نے آپ کو بتایا تھا۔“

” اوہ ہاں۔ فرید خان صاحب ہمیں غشی ریاض صاحب
سے ملنا ہے۔“

” کام سے گئے ہوئے ہیں۔ آتے ہی ملو اور یا جائے گا آپ
سے مرشد۔“ فرید خان نے کہا اور بولا: ”آپ تشریف رکھئے۔“
” شکر یہ اکب تک آجائیں گے۔“ میں نے بے عبری سے
پوچھا۔

” ہمیں آپ کی آمد کا علم نہیں تھا عالی حضور درہائیں ز
جلنے دیتے چند کاموں سے گئے ہوئے ہیں واپسی میں
کچھ دیر لگ جائے گی۔ آپ تشریف رکھیں رحمت تم نواب صاحب
کو خبر دے دو۔ رحمت یار خاموشی سے اٹھ کر اندر چلا گیا تھا
فرید خان بار بار مجھے دیکھنے لگتا تھا پھر دو آدمی اندر داخل
ہوئے ایک رحمت یار تھا دوسرا یقیناً دابہ لبر ہو گا یہ شخص
ان سب میں نمایاں نظر آ رہا تھا۔ گہری سر آنکھیں نکیلی
مویں محض بلند و بالا قد مضبوط ہاتھ پاؤں موٹے ہونٹوں پر
پان کی دھڑکی جی ہوئی اس کے دو دانت سونا پیٹھے تھے۔
” تو یہ ہیں تمہارے مرشد الیاس خان۔ نواب دلہنے

کہا۔

” ہاں ہی ہیں۔“

” ہمیں تو اب کبھی یقین نہیں آیا۔“ وہ بولا۔

” کیا مطلب؟“

” سکنا پڑھا کر لائے ہو گے کون سا مشکل کام ہے۔
” تم لوگوں نے انہیں سمجھایا نہیں پہلے ہی انہوں نے
ایسی ہی باتیں کی تھیں برداشت کی ایک حد ہوتی ہے اب
مرشد کے سامنے بھی یہی باتیں ہو رہی ہیں۔ میری غلطی یہی ہے
کہ دوبارہ تم لوگوں کے پاس آ گیا اور سب کچھ ایمان داری
سے تمہارے حوالے کر دیا۔“

” نواب دلبر یہ تمہاری زیادتی ہے۔“ رحمت یار بولا اور
دلبر نے قہقہہ لگایا۔

” اچھا زیادتی ہے تو کی کے دیتے ہیں مگر بڑے
چھوٹے ہیں مرشد ابھی تو ان کے گلی ڈنڈا کیلئے کے
دن ہیں۔ خیر ہمیں کیا یار دکھنا ہے مان لیتے ہیں اماں کچھ
خاطر مدارت کر دان کی الیاس خان اندر بے چلو انہیں
یہاں چور ہے یہ کیوں بٹھا رکھا ہے۔“

” الیاس خان تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ میں نے
کہا۔

” یہ سب آپ سے ملنا چاہتے تھے مرشد میں نے ان سے
دعہ کیا تھا کہ مرشد آئے تو ان سے ضرور ملاؤں گا۔“

” مگر میں صرف غشی ریاض سے ملنا چاہتا ہوں۔“

” ان سے بھی مل لینا میاں خان پریشانی کی بات کیا
ہے ہم بھی اتنے برے نہیں ہیں۔“ نواب دلبر مسخراہ انداز

میں بول لپٹے بے چینی کا احساس ہونے لگا۔ سب کچھ
غلط ہوتا جا رہا تھا یہ لوگ برے لوگ معلوم ہوتے تھے

اس کا اندازہ مجھے پہلے کر لینا چاہیے تھا۔ ابتدا ہی اندازہ
ہونا چاہا ہے تھا وہ مجھے کسی بہتر جگہ نہیں ملے تھے

طوائفوں کے کونٹھوں پر نظر آنے والے لوگ اچھے نہیں
ہوتے۔ میں اتنا فیاض ہو گیا کہ نہ یزدین نظر آنے والا خزانہ

الیاس خان کے سپرد کر دیا اپنی ملکیت کی طرح اور پھر۔ آہ
بڑی غلطی ہو گئی اس کا احساس تو پہلے ہی ہو گیا تھا۔

” اٹھئے مرشد۔“ الیاس خان نے کہا۔

” میں واپس جانا چاہتا ہوں ماموں ریاض مل جائیں
تو بعد میں مجھے ان سے ملا دینا۔“ میں نے اٹھتے ہوئے
کہا۔

” ارے کہاں میاں خان۔ ہمارا آتے اپنی مرضی سے ہیں
جلتے میزبان کی مرضی سے ہیں۔ ایسے تم لوگ آنکھیں پھاڑ

دے ہو لے چلو انہیں اندر۔ اس بار نواب دلبر کا لہجہ
سخت تھا وہ کھڑے ہو گئے۔ الیاس خان کے انداز میں

جھجھک نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔
” چلیے مرشد۔“

” گویا تم لوگ میرے ساتھ نمنی پر آمادہ ہو۔“

” اماں ہم سے بات کرو۔ نماں۔ ہمارا نام ہے دلبر چھری
کا کیل کیلے ہیں اور پکے دوزخی ہیں۔ جنت تو ہمیں ملنے

کی نہیں ہے گناہ ہی اتنے کے ہیں تم جانو ہو ایک قتل
کی سزا بھی موت ہے اور دس قتل کی بھی سمجھ گئے ہو گے

سو بیس گناہ اور کریں گے سو سبھی دوزخ میں جائیں
گے۔ یہ بے چارے کچھ میں تم سے ڈر رہے ہیں۔

” اٹھو اندر چلو ورنہ چھری بھونک دیں گے اور انڑیاں
نکال کر الٹنی پر لٹکا دیں گے۔“ اس نے نیفے سے چھری
نکال لی۔ مجھے اٹھنا پڑا میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

دھیک ہے الیاس خان۔

”آپ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی مرشد بلکہ ہم تو آپ کو آسمان پر بٹھادیں گے۔ خلعت آپ کے پاؤں پہن دے گی۔ آپ دیکھیں تو یہی نواب مداح آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔“ الیاس خان بولا۔

”اور تم ہمیں دھوکا دے کر یہاں مجرموں کے درمیان لے آئے۔ خیر حساب ہو جائے گا بعد میں۔“ انھوں نے ان لوگوں کے ساتھ اندر آگیا۔ باہر سے برے حال نظر آنے والی یہ عمارت اندر سے بہت بہتر تھی مجھے کافی اندر ایک کمرے میں لایا گیا یہاں خوب روشنی تھی کچھ قدیم فرنیچر بھی پڑا ہوا تھا نواب دبیر نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر خود بھی میرے سامنے بیٹھ گیا۔

”ہاں میاں خاں، کہانی یہ ہے کہ یہ الیاس خان دلی گیا وہاں آیا تو سونے کے ڈیر لایا تھا۔ ہم لوگ پرانے ساتھی ہیں کبھی آپھے خاندانوں کے تھے مگر یہ پرفانی بات ہے۔ وقت نے جو دکھائی دیکھنی پڑی اور جو کرایا کرنا پڑا اب تو ماضی کی ساری باتیں بھول گئے ہیں جہاں سے جو کچھ مل جائے ہے سارے مل کر کام چلائیوں ہیں۔ سو جب الیاس خاں گینوں کے توڑے لے کر آیا تو بید جا ہمارے

عملیات میں یوں تو مختلف ناموں سے بے شمار کتابیں بازار میں بھری پڑی ہیں لیکن

”کتاب والا“ نے جن چار کتابوں کا انتخاب کیا ہے وہ ہر لحاظ سے کامل ہیں۔ ان میں تعویذ گنڈروں کو قطعی دخل نہیں یہ کتابیں جدید سائنس کی روشنی میں لکھی گئی ہیں۔ جنہیں پڑھ کر ہر آدمی کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ ان کتابوں کو پڑھ کر خاطر خواہ علم حاصل کر سکتا ہے۔

• دنیا کے چھ پر اسرار علوم پندرہ روپے

• آئینہ بینی و عمل حاضرات پندرہ روپے

• نام اور اس کے اثرات پندرہ روپے

• وح کرافٹ (کالے جلاو پر بہترین کتاب) دس روپے
چاروں کتابیں ایک ساٹھ منگوانے پر محسول اک معاف

پاس پہنچا دوستوں میں یہ معاہدہ ہے مگر اس نے کہانی بڑی عجیب سنائی۔ ہمیں تو خیر ایسی باتوں پر یقین نہیں آتا مگر یہ سب ٹکڑے ہو گئے کہ ایسے میاں صاحب مل جائیں تو پانچوں انگلیاں کسی منہ میں کڑھائی میں ہم بھی چپ ہو گئے کہ چلو تیل دیکھو مگر یہ نہیں پکڑ ہی لایا سبھائی جی پہلے تو یہ بتاؤ تم ہو کون۔

”تم نے ہمیں سنگتی پور میں دیکھا تھا۔“
”ہاں۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔

”کہاں۔“

”سنگت نامی طوائف کے کوٹھے پر۔“

”تم وہاں کیا کر رہے تھے۔“

”کچھ کر رہا تھا تمہیں بتانا ضروری نہیں ہے۔“

”یہی تو کانٹے کی بات ہے ہمیں سے پول کھلتی ہے

ایسے سو قین درویش کہاں مینتے ہیں۔ چلو مان لیا مگر یہ

کنیا کہاں سے آئی۔ کیا اپنی مٹی تم نے وہ خزانہ بتایا تھا۔

”ہاں۔“

”تب تو پیارے اور بھی خزانے معلوم ہوں گے تمہیں؟

کیوں۔“

”کچھ نہیں معلوم مجھے۔“

”وہ کیسے معلوم ہو گیا جو الیاس خان کو دیا تھا۔“

”تمہیں بتانا ضروری نہیں ہے۔“

”گو یا شرافت سے کام نہیں لے گئے گا تمہاری مرضی ہے

میاں خاں۔“ اُدھم تمہیں اپنا خزانہ دکھائیں۔ لے کر اُدھ

مرشد کو۔“ نواب دلیر نے کہا۔

میری جدوجہد بے کار تھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک بار پر

دلہل میں پھنس گیا ہوں۔ جو کیا ہے اس کا خمیازہ شرمع ہو

گیلے اب نقصانات کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ جانا پڑا۔

پڑی پر اسرار حویلی تھی۔ مرنے در مرنے سب کے سب

دیران پڑے تھے۔ ایک کمرے میں قید خانے کا دروازہ تھا

یہ دروازہ ایک الماری کے پیچھے تھا جسے دو آدمیوں نے

پوری قوت سے سرکایا تھا تب وہ دروازہ نمودار ہوا تھا

الماری سرکانے سے جو جگہ پیدا ہوئی تھی اس میں کو اڑکھلا

تھا اور گہری تاریکی تھی رحمت یا رخان نے میرا ہاتھ پکڑا

الیاس خان نے باجس نکال کر تیلی چلائی اور مجھے وہ زینہ

نظر آگیا۔ جو نیچے جاتا تھا۔ بارہ میڑھیاں تھیں اس کے بعد کوئی لاٹھ دو جگہ جو تار یک پڑی تھی۔ نواب دلبر پہلے ہی نیچے اتر گیا تھا۔ پھر اس نے ایک شمع دان میں لگی شمع لپیٹیں روشن کر دیں۔ شمع دان ایک بلند اسٹینڈ پر رکھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے روشنی پھیل گئی تھی یہاں ایک بیڈ پڑا تھا۔ اور بیڈ کی کچھ آرام کرسیاں لپٹی ہوئی تھیں مگر یہ تہ خانہ دسین لگتا تھا۔ روشنی بہت دور تک نہیں جا رہی تھی۔

”بٹھا دو انہیں“ دلبر نے کہا اور مجھے ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ دوسرے لوگ بھی بیٹھ گئے۔ تو میاں مرشد اصل بات تو تم ہی جانو ہو میرے۔ ہم سے جو کچھ کہا گیا ہے ہمیں تو وہ ہی معلوم ہو گا۔“

”اجہاتم نہیں کر رہے ہو نواب دلبر۔“
”زندگی بھر نہیں کیا۔ اب کیا کریں گے، مگر تم کلی کرو۔“
”کیا چاہتے ہو۔“

”خزانہ خزانے، سٹے کے نمبر۔ ڈرنی کی ریس میں انعام۔ سترہ تاریخ کو بمبئی میں ڈرنی ہو رہی ہے، گھوڑوں کے نمبر بتاؤ، سٹے کے دو چار نمبر بتا دو۔ کوئی خزانہ دبا پایا ہو تو وہ بتا دو۔ ہماری ضرورت پوری ہو جائے تو ہم نہیں چھوڑ دیں گے۔“

”فشی ریاض کہاں ہیں۔“

”ان سے بھی ملا دیں گے۔“

”مجھے ان سے ملا دو۔“

”ہمارا کام ہونے کے بعد۔“

”تمہارا کوئی کام میرے یہ ممکن نہیں ہے۔“

”کیوں۔“

”بس وہ خزانہ مجھے زمین میں دفن نظر آگیا تھا میں نے

ایاس خاں کو بتا دیا۔“

”زمین میں خزانوں کی کیا کمی ہے۔ تمہیں میرا دیں گے

چندا۔ یہاں بڑے بڑے راجوں ہمارا جوں کے نعل دو مخلوق

کے کندھ بکھرے پڑے ہیں۔ کہیں تو کچھ ملے گا۔ دیے چندا

تو ہمیں کوئی ناہی ہو گا۔ ہم بڑے سر بھرے ہیں زمین میں اپنے

خزانے دیکھ سکتے ہو تو اس تہ خانے کے فرش کے نیچے بھی

آپ کا ریڈیو اور فی ڈی خراب بھی ہو سکتا ہے۔
ریڈیو اور فی ڈی رکھنے والے کیوں کہ ان کی تکنیک سے واقف نہیں ہوتے اس لئے پریشان رہتے ہیں۔ اور معمولی معمولی خرابیوں کے لئے بہت زیادہ پیسہ بھی خرچ کر دیتے ہیں۔

فی ڈی کی تصاویر عموماً اسٹیناکے میڑھا ہونے سے خراب ہوتی ہیں جو ہر شخص خود درست کر سکتا ہے۔
ریڈیو اور فی ڈی پر جدید ٹیکنالوجی کی بہترین کتابیں۔

ریڈیو گائیڈ پچیس روپے

فی ڈی ریپیئر گائیڈ بارہ روپے

کلری ڈی گائیڈ پنٹیس روپے

جہانک لینا چار بندوں کی ہڈیوں کے ڈھانچے نظر آجائے گے نہیں۔ ان سے لگی ہوئی سستی ہماری گلابا کو ہمیں قبرستان بنادیا سرور کا۔ پوچھ لینا ان سے ساری رام کہانی سنادیں گے نہیں۔ پانچویں تم ہو گئے ہماری نہ مانی تو دیے بھی تم اللہ والے ہو یہاں دفن ہو گئے تو برکت رہے گی کیسے۔“

”ٹھیک ہے جو تمہارا دل چاہے کرو۔“

”مذاق سمجھ رہے ہیں میاں صاحب ہماری بات کو چلا تھوڑا سا آرام کرنے دو۔ دو تین دن کے بعد۔“

”نہیں نواب دلبر، ایسے میں کام ہو سکتا ہے۔ ایاس خان بولا۔“

”ابے رحمت یار۔ فرید خاں۔ ایاس خان کچھ زیادہ

ہی بولنے لگا ہے کئی دفعہ دیکھ چکا ہوں۔ میاں چار

گنیوں پر اکڑ رہے ہو تو حساب کتاب کرو، لاگوں خرچ

کر چکا ہوں تم پر۔ ہمیں جو کرنا تھا وہ تم کر چکے اب میں

اپنا کام کرنے دو، آؤ۔ نواب دلبر نے سخت لہجے میں

کہا۔ اور اس بار ایاس خان کچھ بولا۔ وہ سب میڑھیاں

عمود کے باہر نکل گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔

میرے بدن میں ٹھنڈی لہریں پیدا ہو رہی تھیں۔
 دماغ پر ایک عجیب سا سکوت چھایا ہوا تھا جو کچھ ہوا تھا
 وہ ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ یہ تو کم ہے اس سے زیادہ ہونا
 چاہیے تھا۔ پھل پھینکنے کے درد سے گزر رہا تھا پھل
 کھانے کی اجازت ملی تھی مگر میں نے باغ لٹانے شروع
 کر دیے تھے، مجھے اس کا حق کہاں پہنچتا تھا اس غلطی کا
 احساس تو پہلے ہی ہو چکا تھا نہ جانے کیوں میں نے
 یہ سوچ لیا تھا کہ اب میرا کوئی محاسب نہیں ہے ہی غلطی
 کی تھی اب؟ کچھ ذہن میں نہیں تھا کچھ بھی نہیں تھا۔
 دیر تک بیٹھا سوچتا رہا۔ شمعیں روشن تھیں ان کی لو
 لوز رہی تھی ماحول بڑا ہونٹا ک ہو گیا تھا آہ الفاظ نہیں
 تھے میرے پاس اب تو معافی بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔
 فرش پر لیٹ جاتے کوئی چاہا اور میں نے اس پر عمل کر
 ڈالا۔ خنک گیا تھا۔ شدید تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ دماغ
 کو خالی کر دیا تھا میں نے اس عالم میں کافی دیر گزر گئی
 تھیں آنکھوں کے سامنے تھیں پلکوں پر پیلی روشنی بڑھ
 رہی تھی۔ مگر اتنی ہمت نہیں تھی کہ انکڑے تھیں بجا دیتا
 اور پھر اندھیرا جیتا جاگتا انسان تھا اندھیرے سے ڈرتا
 تھا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھا شمعوں ان اٹھایا اور اس وسیع

اس کے ایک ایک حرف میں دس زبانیں منور ہیں
 مغفرت کا ہے عجیب سا ماں قرآن عظیم
 قرآن شریف ہر مسلمان گھرانے میں پڑھا جاتا ہے لیکن
 سمجھتے بہت کم لوگ ہیں کیونکہ عربی زبان سے ہر مسلمان
 واقف نہیں اس لئے قرآن پاک کا اردو میں سلسلہ اد
 با محاصہ ترجمہ شائع کیا گیا ہے روشن چرائی
 تاکہ عربی نہ سمجھنے والے مسلمان بھی کلام پاک کو آسانی
 سمجھ سکیں اور جہاں کہہ سارے خالق حقیقی نے
 ہمیں کن باتوں۔۔۔ کے کزنیکا
 حکم دیا ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ کلام پاک کو
 سمجھ کر پڑھے۔ ہر یہ صرف: چالیس روپے، ملاوہ
 محصول ڈاک۔ آٹھ کے ہمراہ دس روپے کا منی آرڈر آنا فرمائی

ہمہ خانے کے دوسرے گوشے دیکھنے لگا۔ بہت بڑے صفے
 میں تھا خالی پڑا ہوا تھا۔ سوائے ان چند چیزوں کے
 فرش جگہ جگہ سے کھدا ہوا تھا اور چار ایسے نشیانات تھا
 مل گئے تھے جن سے نواب دلبر کے بیان کی تصدیق
 ہوتی تھی۔ یعنی اس نے چار انسانوں کو ہلاک کر کے یہاں
 دفن کر دیا تھا۔ مگر میں اس سے خوف زدہ نہیں تھا۔ وہ
 کیا اور اس کی اوقات کیا میں تو خود سے ڈر رہا تھا
 جو کیا تھا اس سے دہشت زدہ تھا۔

بہت دقت گزر گئی کوئی آواز نہیں تھی۔ احتیاطاً
 چند شمعیں بجھا دی تھیں بس ایک روشن رہنے دی تھی
 زیادہ دقت گزارنا پڑا تو تاریکی میں رہنا پڑے گا۔
 نواب دلبر تو کئی دن کی بات کر گیا تھا۔ شاید رات ہو
 گئی تہہ خانے میں ان کا تعین نہیں کیا جاسکتا تھا بس
 دقت سے اندازہ ہو رہا تھا۔ تھکن سے نہ حال ہو رہا
 تھا۔ فرش سے اٹھ کر بیڈ پر جا لیٹا۔ بستر سے بد بواہی رہی
 تھی مگر اس پر پڑا رہا۔ پھر اچانک سر سر ہٹ مٹا دیں
 اور میں اچھل کر بیٹھ گیا۔ نگاہیں دروازے پر ہی تھیں مگر
 کوئی تحریک نہیں ہوئی۔ آواز ہی پھر سنائی دیں۔ سمت
 کا بھی اندازہ ہو گیا۔ پھر قی سے پٹا اور تاریکی کی عادی آنکھوں
 نے اس انسانی سائے کو دیکھ لیا۔ جو ایک گوشے میں نظر آ
 رہا تھا۔ میرا ششدر رہ گیا۔ یہ کون ہے اور کہاں سے آیا
 دروازہ تو بند ہے، ہمت کر کے آواز دی: "کون ہے؟"

"ہم ہیں۔" جواب ملا۔
 "کون۔"

"اے ہم اور کون۔ تمہارے پاس ہمارا ایک کبیل ہے۔
 کیا؟" میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوئے۔
 "رہل، تمہارے تم ہمارا کبیل لے گئے تھے۔ واپس نہیں
 دیا تم نے؟" یہ وہ آواز تھی جس نے کہا تھا آرام بڑی چیز
 ہے نہ ڈھک۔ وہ۔۔۔ در اس کے بعد کبیل میرے چہرے
 پر ڈھک دیا تھا۔ کبیل ہٹا تو میں دہلی میں تھا۔ وہی آواز تھی
 مگر کبیل۔ واقعی میں دیوانہ ہو گیا تھا اپنی لگی میں سب کچھ
 بھول گیا تھا۔ کبیل میں ایسا خاں صاحب کا۔۔۔
 آیا تھا اور وہ کبیل۔ وہ تو میری رہنمائی کرتا تھا۔

محترم ابن صفی کی ایک تحریر

”پھر حلف دینے کی رسم شروع ہونے ہی والی تھی کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”کسی موبہم ہستی کو درمیان میں لائے کی ضرورت نہیں میں جو کچھ کہوں گا، سچ ہی کہوں گا۔ البتہ میں بتتے ہوئے خون کی قسم کھا سکتا ہوں کیونکہ خوریزی ہی میرا مذہب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جو مقصد کسی مذہب کا ہو سکتا ہے وہی میری خوریزی کا بھی تھا۔ مذہب انفرادی اور اجتماعی سکون کا ذریعہ ہے اور میں صرف انفرادیت میں یقین رکھتا ہوں۔ محض اس لیے کہ اجتماعی زندگی نے مجھے حرامی قرار دے دیا تھا۔ حرامی! ہاں میں حرامی ہوں۔“

نادر لاشوں کا آئینہ

اتار کر میں نے ایک طرف پھینک دیا۔ وزنی اسٹینڈ اٹھا کر میں نے دروازے کی طرف بڑھایا نیچے گری ہوئی شمشیں روشن تھیں۔ اور مجھے دروازہ نظر آ رہا تھا آخری سیرھی پر کمرے ہو کر میں نے اسٹینڈ ہاتھوں میں تولی اور پیر پوری قوت سے اسے دروازے پر مارا۔ لکڑی ترختنے کی آواز سنائی دی اور دروازے میں سوراخ ہو گیا۔ میرے ہاتھ شیشی انداز میں چلتے رہے اور تھانے میں دھلکے گونجتے رہے میں نے دروازے کے پونچے اڑا دیئے تھے جب اس کے دونوں کواڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تو میں نے اس اسٹینڈ سے الماری پر دار شروع کر دیے الماری سے ٹوٹ تو نہیں سکی مگر کھسک فرار کی۔ تھوڑی سی جگہ بنی تو میں نے اس میں ہاتھ ڈال کر اسے مزید سرکایا اور اتنی جگہ بنائی کہ باہر نکل آؤں۔ اور میں باہر نکل آیا۔ اتنے زوردار دھماکے ہوئے تھے اتنی آوازیں ہونی تھیں مگر کوئی متوجہ نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ کوئی موجود نہیں ہے اچھا ہی تھا درتہ۔ نہ جانے میری دیوانگی کہاں تک جاتی۔ راستہ تلاش کرتا باہر نکل آیا آسمان پر چاند چمک رہا تھا خاموش چاندنی تاحدنگاہ بکھری ہوئی تھی۔ لوہے کا اسٹینڈ پھینک دیا۔ دماغ تار یک ہو رہا

نے ہر لمحہ ساتھ دکھاتھا اس سے مجھے ہمیشہ مدد حاصل ہوتی تھی اس نایاب چیز کو میں اس طرح چھوڑ آیا۔

”ہمارا اکیل دایس دو گے بھائی۔ سائیں فردت ہے۔ اس وقت وہ میرے پاس نہیں ہے۔“

”کہاں گیا۔؟“

”میں اسے وہاں بھول آیا ہوں جہاں میں تھا۔“

”تم ایک اچھے امانت دار نہیں ہو بھائی ارے داد ہمارا اکیل ہی کھو بیٹھے۔ یہ کوئی بات ہوئی۔“

”معافی کا کوئی راستہ ہے میرے لیے، جو غلطی ہو گئی ہے۔ اس کا ازالہ ہو سکتا ہے کسی طرح؟ میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

”راستے مشکل سے ملتے ہیں۔ نظر آجائیں تو یاد رکھنا فردری ہوتا ہے۔ بھول بھلیاں ہیں سب بھول بھلیاں ہیں۔ سورج تو بڑا روشن ہے ایک دھبے کو سورج سمجھ لینا دانشمندی تو نہیں ہے جو دانشمند نہیں وہ کچھ نہیں ہے۔“

”معافی کا کوئی راستہ ہے میرے لیے“ میں چیخ کر بولا۔

”اے میں کیا معلوم ہم سب پر کیوں بگڑ رہے ہو۔ ایک تو ہمارا اکیل کھو دیا اوپر سے بگڑ رہے ہو۔“

”دیکھو انسان ہوں گوست پوست کا بنا ہوا انسان ہوں بہت متحک گیا ہوں جھک جاؤں گا مجھے ہمارا دو مجھے سہارا چاہئے در نہ راستہ بھول جاؤں گا۔“

”ہمیں کچھ نہیں معلوم ہمارا اکیل دے دو۔“

”سہارا چاہیے مجھے سہارا چاہیے مجھے سہارا دو۔“

”سہارا دینے کا کام ہمارا نہیں بھائی کا ہے۔“

انسانی ہیولا غائب ہو گیا، مجھ پر دیوانگی سوار ہو گئی تھی جنون طاری ہو گیا تھا میں چیختا رہا مگر اب میری آواز سننے والا کوئی نہیں تھا پھر میں خاموش ہو گیا۔ دماغ بند بند سا ہو گیا تھا۔ میں نے تند نظروں سے چاروں طرف دیکھا آگے بڑھا اکلوتی شمع سے ساری سمعیں روشن کر دیں تھیں میری نظر شمع دان کے اسٹینڈ پر پڑی۔ وزنی تولی کا بنا ہوا تھا کوئی تین فٹ لمبا اور ٹھوس شمع دان اس پر سے

تھا اس عمارت سے باہر نکل آیا اور آگے بڑھ آیا۔ چلتا رہا
 بے مقصد، کوئی منزل نہیں تھی۔ نہ جانے کون سی قوت سیدھے
 راستے پر لے آئی۔ چونک کر دیکھا تو ایسا خان کے مکان
 پر کھڑا تھا یقین نہیں آیا کسی راستے کا تعین نہیں تھا نہ جانے
 یہاں تک کیسے پہنچا تھا اگر حواس کے عالم میں ہوتا تو راستہ
 تلاش کرنا ناممکن نہیں تھا۔ لیکن بے حواسی رہنا بن گئی
 تھی۔ سب کیا کروں۔ اس مکان سے میرا واسطہ ہے۔ مجھے اب
 دوبارہ یہاں نہیں آنا چاہیے۔ مگر یہاں میرا کبیل تھا دوسرا
 سامان اور پھر ایسا خان۔ آہ کچھ بھی ہو جائے ایسا خان
 ہی مجھے ماموں ریاض کے پاس پہنچا سکتا ہے۔ اگر غور
 کیا جائے تو میرا بدترین دشمن ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے
 راندہ درگاہ ہونا پڑا ہے۔ وہ بھی ان کا شریک کا رہے
 اس نے بددی کی ہے مجھے، حالانکہ رات بہت ہو گئی
 تھی۔ مگر دستک دینا پڑی، دوسری دستک پر دروازہ
 کھل گیا۔ جمال احمد خان صاحب تھے چونک کر بولے۔
 "ارے بیٹے آپ آج آئے، ایسا کہاں ہے؟"
 "گھر نہیں آئے؟" میں نے پوچھا۔
 "ہیں۔"

"صبح ہی کے گئے ہوئے ہیں؟"
 "ہاں آپ ہی کے ساتھ گیا تھا۔"
 "وہ اپنے دوستوں کے ساتھ تھے؟" میں نے کہا۔
 "ہاں دوستوں نے تو اسے تباہ کیا ہے آدمیاں اندر
 آؤ۔ آرام کرو اس کا انتظار کرنا۔" میں اندر داخل ہو گیا
 مجھے بہر حال اس کا انتظار کرنا تھا۔ کسی چیز کی ضرورت ہو
 بیٹے تو بتا دو۔"

"نہیں بے حد شکریہ میں نے کہا اور وہ چلے گئے۔ میں
 اس کمرے میں داخل ہو گیا جو میری آرام گاہ تھا۔
 پہلے میں اپنے سامان کی طرف لپکا۔ مجھے کبیل کی تلاش
 تھی۔ مگر کبیل موجود نہیں تھا۔ سارا سامان اسی طرح موجود
 تھا سو اے کبیل کے، کبیل کہاں گیا، سوچ بھی نہیں سکتا
 تھا کہ کبیل کسی نے غائب کر دیا ہو گا کوئی اور ہی معاملہ
 تھا۔ اس وقت پوچھ گچھ بھی نہیں کر سکتا تھا بہر حال
 صبح ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ نیند کا تو اب تصور بھی

نہیں کر سکتا تھا، جاگتا رہا سوچتا رہا۔ رات شاید آخری
 پہر میں داخل ہو گئی تھی دروازے پر ہولے ہولے
 دستک ہوئی۔ اور میں اچھل پڑا، ایسا خان، میرے
 ذہن میں گونجا اندر سے سارا وجود کھول اٹھا۔ آنکھوں
 سے شرارے ابلی پڑے میں جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا کہیں
 اندر اس دستک کو نہ سن لیا جائے اس سے پہلے ہی
 ایسا خان کو چھاپ لینا ضروری تھا۔ برق رفتاری سے ننگے
 پاؤں باہر نکلا دروازے پر پہنچ گیا آہستہ سے زنجیر کھولی
 وہی تھا۔ اس نے اندر قدم رکھا تو اس پر ٹوٹ پڑا ایک
 ہاتھ اس کی گردن میں ڈالا دوسرے سے منہ بھینچ لیا تاکہ
 وہ تیرخ نہ سکے۔ اور اس طرح دیوچے ہوئے اسے اپنے
 کمرے میں لے آیا۔ ایسا خان کچھ نہ سمجھ سکا تھا میں نے
 اسے فرش پر لایا تھا۔ پوری زندگی میں مجھ پر یہ کیفیت
 کبھی طاری نہیں ہوئی تھی۔ جو اس وقت محسوس ہو رہی
 تھی۔ آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔ ایسا خان بکلیں
 پیٹتا کر مجھے دیکھا۔ اور اس کے چہرے پر خوف کے
 آثار پھیل گئے۔

"تم۔" اس کے منہ سے سرسراہٹ نکلی۔
 "ہاں ایسا خان۔ تمہیں گمان بھی نہیں ہو گا کہ میں
 تمہارے قید خانے سے نکل آؤں گا۔"
 "مجھے یقین تھا،" وہ بولا اور پھر سہارا لے کر بیٹھ گیا۔
 "میں نے ان لوگوں سے بھی کہہ دیا تھا۔"
 "تم نے میرا برسوں کا مجاہد ختم کر دیا ایسا خان
 صرف تم ہو جس نے مجھ سے بہت کچھ چھین لیا جانے کیا
 کیا جتن کئے تھے میں نے نہ جانے کیا کیا۔ مگر تم نے
 ایسا خان تم نے۔"

"کچھ کہنا چاہتا ہوں سن لو گے؟" وہ بولا اور میں
 اسے گھورتا رہا۔ صدیوں کے بعد جاگا ہوں۔ برسوں کے
 بعد اکٹھے کھلی ہے بے ہوش تھا یا سو گیا تھا تمہاری وجہ سے
 اکٹھے کھلی ہے ایک اور بات بھی سن لو۔ سزا چاہتا ہوں
 ہر قیمت پر سزا چاہتا ہوں۔ بدترین سزا بہت ہے وہ موت
 ہو۔ تمہارا احسان ہو گا اتنا کچھ کھو چکا ہوں کہ ہوش
 میں آنے کے بعد جینا مشکل ہو گا، بے حد مشکل نہیں

نہ جانے کب

کوئی آپ کی کمزوری سے غائدہ اٹھانے کی نیت کرے۔ اس لئے ضروری ہے خود بھی اور اپنی اولاد کو بھی خود حفاظتی کے گر سکھائے یہ اب کچھ مشکل نہیں رہا ہے۔

جاپانی طریقے پر عمل کر کے انتہائی آسانی سے بغیر استاد کے مشقیں سکھانے والی چار باتیں یہ ہیں۔

جوڑو جوڑو
آسان کرائے
ایکادو
جو کاڈو

ہمارا دعویٰ ہے کہ ان کتابوں کی مدد سے پریکٹس کرنے کے بعد اپنے سے زیادہ طاقتور کو ہی نہیں بلکہ تعداد میں زیادہ افراد سے بھی مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

شریک تھے جب اس کے پاس سے سب کچھ ختم ہو گیا تو ہم چھوٹے موٹے جرائم کرنے لگے، جو اس کیلئے لگے ہیں پیسہ درکار تھا جس کے حصول کے لیے سب کوششیں کرتے تھے ہر وہ جگہ تلاش کرتے تھے جہاں سے کچھ ہاتھ لگ جائے سب ہی کہتے تھے میں اکیلا نہیں تھا۔ میں نے اپنے گھر میں چوری کی۔ ماں باپ کو رلایا۔ میں رستے داروں سے قرض لیتا رہا جسے میرے والد ادا کرتے رہے بے چارے شیخ عبدالقدوس صاحب سے بھی میں نے بہت کچھ لیا۔ وہ مجھے صرف اس لیے یہ رقم دیتے رہے کہ میں ان کی بیٹی کا سرالہ رشتے دار تھا۔ ہم سب جو بھی حاصل کرتے تھے اسے یکجا ہو کر خرچ کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ آپ نے جو مجھے قیمتی خزانہ دیا وہ میں نے لاکھوں کے سامنے دکھ دیا وہ دنگ رہ گئے۔ پھر میں نے انہیں آپ کے بارے میں بتایا

بہلا نہیں رہا یہ سب کچھ کہہ کر رعایت نہیں مانگا، رہا بلکہ کچھ سن لو ایک تھکا ہوا سبے میں انسان ہوں۔ میرا اختتام ہو چکا ہے آخری باتیں کہہ رہا ہوں تم سے، وہ لوگ نہیں نہیں جانتے مگر میں جانتا ہوں نواب دہشتے جو کچھ کیا وہ اس کا قدم تھا۔ مجھے اس کی خبر نہیں تھی جو کچھ ہوا مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا مگر میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ ہوا کو قید نہیں کر سکتے یہ ان کی بھول ہے۔

• میں فضول کہانیاں نہیں سننا چاہتا ایسا خان۔
• سن لو خدا کے لیے سن لو۔ اس کے بعد میں مرجانا چاہتا ہوں تم نے مجھے چھوڑ بھی دیا تو میں خود کشی کر لوں گا دل بکتا گیا ایک دم سے۔ دنیا بہت بری ہے میرے تصور سے بس زیادہ بری۔ میں خود بھی اتنا ہی برا ہوں۔ ایک برے انسان سے دنیا کو چھکارا دلانا چاہتا ہوں۔

میں ایسا خان کو گھورنے لگا اس کا ابو عجیب تھا جیسے جیسے وہ پرک بول رہا تھا جیسے وہ فریب نہ کر رہا ہو، وہ کہنے لگا۔

• جتنی باتوں کا تصور کیا جاسکتا ہے وہ مجھ میں موجود ہیں بوڑھا باپ ہے، جوان بہن ہے مگر میں نے کسی ان کے پاس سے نہیں سوچا اپنے تیشات میں گن رہا میرے گھر والے قاتل کرتے رہے اور میں اعلیٰ درجے کے کھانے کھاتا رہا میری بہن کے پاس دو جوڑے کپڑے بھی نہیں تھے اور میں ٹوائفوں کو کھنوں سے خوش کرتا رہا۔ یہ سب کچھ کیا ہے میں نے آج تک یہ کیا ہے مگر نہ جانے کیسے ہوش مانگیا۔ نہ جانے کیسے۔

• ایسا خان میں کچھ نہیں سننا چاہتا میں نے غرا کر کہا اور اس نے ہاتھ جوڑ دیے وہ سسک کر روتے ہوئے بولا۔

• خدا کے لیے مسعود صاحب خدا کے لیے آپ کو اللہ نے بڑا نیا باپ ہے میری سنی ہے دل ہلکا کرنا چاہتا ہوں بڑا بوجھ ہے سینے پر۔ آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کا اندازہ مجھے نہیں تھا نواب دہشتہ ہم پر حاوی ہے حالانکہ ہم بچپن کے دوست ہیں وہ بگڑا ہوا رئیس ہے پہلے اس کے پاس بہت کچھ تھا مگر عیاشیوں میں گنوا بیٹھا ہم تینوں ہمیشہ سے اس کے

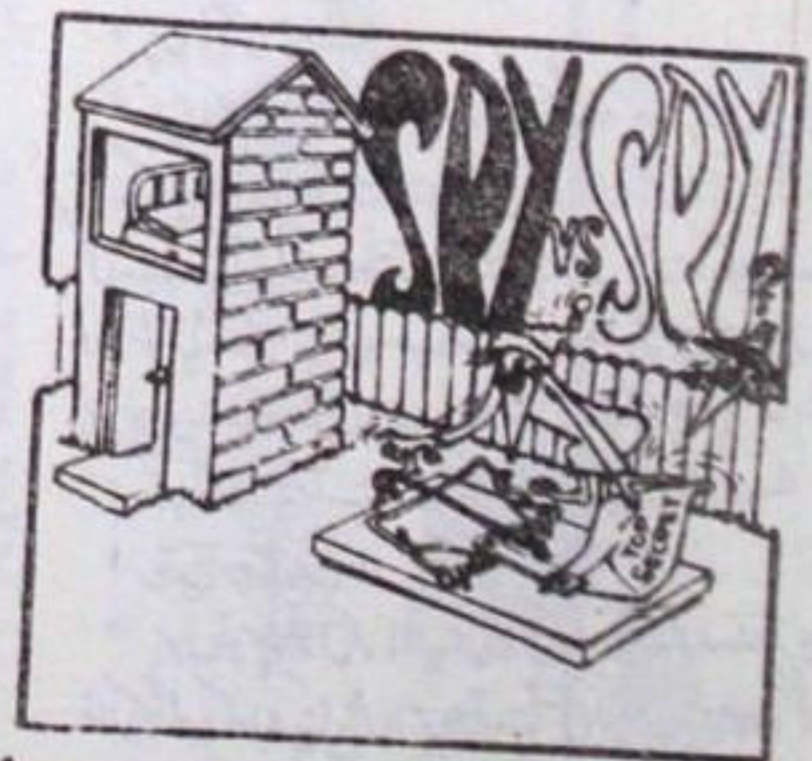
مرشد۔ اور وہ بے رحم ہو گئے کہ آپ کو لینے دہلی چلا جائے
میں نے انہیں منشی ریاض کے بارے میں بتایا یقین دلایا کہ
آپ منشی ریاض سے ملنے ضرور آئیں گے۔ اس دن سے سب
آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر میں نے یہ نہیں سوچا تھا
کہ وہ آپ کے ساتھ یہ سلوک کرے گا۔ اس نے آپ کو قید
کر دیا اور اس وقت میرے خیمہ پر ضرب پڑی مجھے احساس
ہوا کہ خدا کے ایک برگزیدہ بندے کے ساتھ یہ سلوک
میری وجہ سے ہوا، بعد میں میں ان سے راز کیا میں نے کہا
کہ انہوں نے غلطی کی ہے اچھا خاصا جھگڑا ہو گیا ہمارا اور
میری آنکھیں اچانک کھل گئیں۔ میں اسی احساس میں ڈوبا
ہوا اس وقت گھر میں داخل ہوا تھا۔ سستے بھر میں یہ
سوچتا رہا تھا کہ اب کیا کروں مجھے کتنا تو میرے بس میں
نہیں ہے مگر خود کشی تو کر سکتا ہوں۔

میں خاموشی سے اس کی کہانی سنتا رہا سچ بول رہا
ہے یا جھوٹ یہ تو اللہ جانے مگر اب میں اس کا کیا کروں
اب میں اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں
غصہ اتر گیا تھا میں نے اسے اٹھا کر بٹھا دیا۔

میں نے تمہارے ساتھ نیسکل کی تھی الیاس خان
مگر تم نے۔۔!

مجھے احساس ہے مسعود صاحب۔
اگر دل میں واقعی سہائیاں اتر آتی ہیں تو کچھ کہنا چاہتا
ہوں۔۔

فرمائیے!۔



تم خود کشی کر لو۔ اس الیاس خان کو ختم کر دو جو برا انسان
تھا اسے فنا کر دو ایک باپ کا سہارا بن جاؤ۔ محنت مزدوری
کر کے اس برے انسان کی برائیوں کا کفارہ ادا کر دو۔
خود کو مٹا کر ایک اور گناہ نہ کر دو، اس بوڑھے شخص کو جو ان
بچے کی موت کا داغ زندہ جو بے کس ہے بلکہ اس کے
توان بدن کو اپنے طاقتور جسم کا سہارا دو، ہو سکتا ہے
اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے۔ وہ گردن جھکائے
آنسو بہاتا رہا یہ آنسو مگر کے آنسو نہیں تھے میں نے کچھ
سمجھ کر کہا۔ اب وہ لوگ کہاں ہیں۔

اسی عمارت میں گئے ہیں۔

تم اب تک انہیں کے ساتھ تھے؟

ہاں ان سے قطع تعلق کر کے آیا ہوں۔

وہ یہ تو نہ سوچیں گے کہ تم نے مجھے وہاں سے نکالا ہے؟

نہیں، میں تو اسی وقت سے ان کے ساتھ تھا مگر میں

نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ وہاں قید نہیں رہ سکیں گے نواب دہر

فنے لگا تھا۔ وہ مجھے بھی وہیں لے جا رہا تھا مگر میں واپس

آ گیا۔

نواب دہر تمہارے لیے خطرہ تو نہیں بن جائے گا۔

اس میں میرے مقابل آنے کی ہمت نہیں ہے مرشد۔

تو پھر میری ہدایت کے متعلق کیا خیال ہے؟

مرشد! میں آپ کا مجرم ہوں۔

تو اسے میری طرف سے سزا سمجھ کر قبول کر لو۔

آپ کا دل صاف ہو جائے گا میری طرف سے۔

ہاں مگر بعد میں تم مجھ سے سنے کا نہر مت مانگ

بیٹھنا۔ میں نے کہا۔

نہیں مرشد، حرام کا پیسہ اب میرے لیے حرام ہے۔

میں محنت کی کمانی مجھ کے اپنے ماں باپ کو کھلاؤں گا۔

آپ سے وعدہ کرتا ہوں مرشد جواب کر چکا ہوں وہ اب

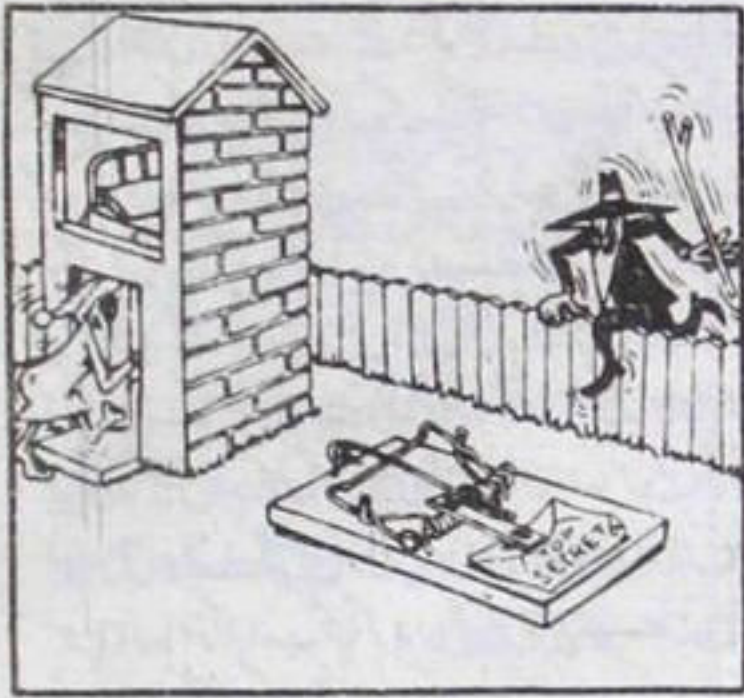
نہیں کر سکتا۔ مرشد میرے حق میں دعا کریں اللہ مجھے زندگی

دے تو اب اسے میرے گناہوں کے کفارے کیلئے وقف

کر دے، پھر سے گناہوں کی دہل میں پھنسون تو مجھے موت

نہ دے۔ اس کے الفاظ سہائی کا اظہار کر رہے

تھے میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔



”اب کچھ اور پوچھوں تم سے ایسا خان۔“

”پوچھیں مرشد۔“

”منشی ریاض سے واقعی ملتے تھے؟“

”ہاں! وہ میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔“

”ان سے میرا تذکرہ کیا تھا۔“

”ہاں۔“

”اور ان پر وہی رد عمل ہوا تھا جو تم نے بتایا۔“

”بالکل وہی۔“

”وہ فرید خاں کے پاس کام کرتے تھے۔“

”بالکل یہی بات ہے۔“

”مجھے ان سے ملا سکتے ہو۔“

”آپ اسے میری ذمہ داری پر جھوڑ دیں میں کل ہی۔“

”انہیں یہاں لاؤں گا۔“

”وہ فرید خان کے پاس رہتے ہیں۔“

”نہیں اس کے ساتھ نہیں رہتے۔“

”پھر۔“

”ان کا کوئی اور گھر ہے۔ شام کو چھٹی کو کے چلے جاتے ہیں۔“

”تم ان کا گھر جانتے ہو؟“

”نہیں۔“

”کل مجھے وہاں پہنچ سکتے ہو جہاں وہ کام کرتے ہیں۔“

”فرید خاں کے گھر پر رہتے ہیں وہ۔“

”وہی ہی۔“

”مرشد! فرید خاں کے گھر پر ان سے ملنا درست

نہیں ہوگا۔ ان لوگوں کو آپ کے نکل آنے کا پتہ چل چکا

ہوگا۔ وہ پاگلوں کی طرح آپ کو تلاش کریں گے اس

یاد سے میں بات ہوئی تھی۔“

”کیا۔“ میں نے چونک کر پوچھا۔“

”مرشد! میں نے نواب دبر کو سمجھانے کی کوشش

کی تھی میں نے کہا تھا کہ کچھ لینے کا طریقہ یہ نہیں ہوتا جو اس

نے اختیار کیا ہے اس کے لیے آپ کی خدمت کی جاتی۔

آپ کی محبت حاصل کی جاتی مگر اس نے کام ہی دوسرا

قرعہ کر دیا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا اس سے کہ اس کا وہ

قید خانہ مرشد کو نہ روک سکے گا اور وہ اپنی روحانی قوتوں

سے کام لے کر وہاں سے نکل جائیں گے۔ اس سے

فرید خان نے کہا تھا کہ ایسا ہوا تو نواب دبر کی گردن میں

پھانسی کا پھندہ فٹ ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ مرشد کو ان پادشاہوں

کے بارے میں بتا چکے ہیں جو ہر خانے میں دفن ہیں اور

جنہیں نواب دبر نے قتل کیا ہے۔“

”ادہ۔ ہاں۔“ میں چونک پڑا۔“

”نواب دبر اس بات پر پریشان ہو گیا تھا اس

وجہ سے وہ واپس پرانی گڑھی گیا تھا۔“

”پرانی گڑھی۔“

”اسی حویلی کا نام ہے وہ رہتا تھا۔“

اس کے پرکھوں کی ملکیت ہے اور جامداد میں بس وہی باقی رہ

گئی ہے۔ باقی سب وہ ختم ہو چکا ہے ان باتوں کے بعد

وہ اٹھ گیا اور اس نے سب سے کہا کہ پرانی گڑھی چلیں کہیں

کچھ ہو ہی نہ جائے میں اس سے اختلاف کر کے چلا آیا تھا۔“

”تب تو اس وقت اس کی جان ہی نکلی ہوئی ہوگی۔“

”یقیناً مرشد۔“

”ہاں تو پھر یوں کر نا ایسا خان کہ تم مجھے دوسرے فرید

خاں کا گھر دکھا دینا۔ میں اس وقت منشی ریاض سے ملوں گا

جب وہ فرید خاں کے گھر سے نکلیں گے اور اپنے گھر جائیں

ہو گیا اس کے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی۔ انکیس سرخ اور
مغموم تھیں۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ جلدی جاگ
گئے الیاس خاں۔

”جی۔! وہ آہستہ سے بولا۔

”خیریت۔“

”جی ہاں ناشتہ کر لیجئے۔“

”آجاء۔“ میں نے کہا ”تم بھی ناشتہ کرو۔“

”میں نے چائے پی لی ہے ابھی کچھ نہیں کھاؤں گا۔“

”کب چلو گئے۔“

”بتا دوں گا ابا آپسے ہیں۔“ وہ بولا اسی وقت جمال

خاں صاحب اندر آگئے تھے انہوں نے سردنگا ہوں سے

الیاس خاں کو دیکھا اور وہ گردن جھکا کر باہر نکل گیا۔

”ناشتہ کریں میاں“ جمال خاں صاحب بیٹھے ہوئے

بولے اور میں نے ٹرے سامنے سرکالی دے آج یہ کوئی ناکم کر

رہا ہے ضرور کوئی چکر ہے۔“ وہ پر خیال انداز میں بولے۔

”کیا بات ہے؟“

”صبح میں جاگا تو یہ وضو کر چکا تھا سات کو کسی وقت آیا

اور کیسے اندر داخل ہوا پتہ نہیں وضو کے بعد باقاعدہ

نماز پڑھی پھر ماں کے پاس جا بیٹھا اور انہیں دیکھتا رہا۔“

”خوب مگر یہ ناکم کیسے ہوا۔“

”وہ اور نماز، میرے خیال میں تو اسے نماز آتی

بھی نہیں بھائی مجھے تو شبہ ہو گیا اور میں نے فوراً احتیاطی

تدابیر کر لی۔“

”وہ کیا۔؟ میں نے پوچھا۔

”تمہارے جو عنایت کی ہے اس نے مجھے جینے کا حوصلہ

دیا ہے یہ جانو بیٹے ہمارے ٹوٹے دل جڑ گئے میری اہلیہ

نے تو اتنے سجدے کئے ہیں کہ گئے نہ جاکیں بیٹی کے چند

رشتے ہیں جن پر اس لیے غور نہیں کیا تھا کہ پاس پلے کچھ

نہیں تھا۔ ہاں یا تا کرتے تو کس پر تے پر مگر اب اب مجھے

شبہ ہوا کہ کہیں اسے پتہ نہ چل گیا ہو اس لیے میں نے

تہا سے عطیے کو محفوظ کر دیا۔“

”میرا ناقص علم کچھ اور کہتا ہے محترم بزرگ۔“

”کیا۔؟“

گئے۔“
”جو حکم مرشد، مگر آپ خود کو محفوظ رکھیں۔“

”اطمینان رکھو۔“ میں نے کہا اور الیاس خاں نے گردن

جھکا۔ میں نے خود ہی کہا۔ اور اب تم جاؤ آرام کرو اس

نی زندگی پر سب سے پہلی مبارک باد میں تمہیں پیش کرتا ہوں

وہ ایک بار پھر رو پڑا۔ میرے ہاتھ چومے اور باہر نکل

پڑا مجھے خوشی ہو رہی تھی۔ جمال احمد خاں کا بڑھا پانسو چلے

اس سے زیادہ خوشی کی بات افد کیا ہوگی۔ دیر تک ان

خوشیوں کا اندازہ لگا سارہا پھر آہستہ آہستہ اداسیوں

میں ڈوبتا چلا گیا۔ میری خوشیاں کہاں میں مجھے خوشیاں

کب ملیں گی مجھ پر یہ خوشیں کب تک طاری رہیں گی

وہ میری تقدیر کی تیغ کب ہوگی۔ الیاس خاں نے کہا

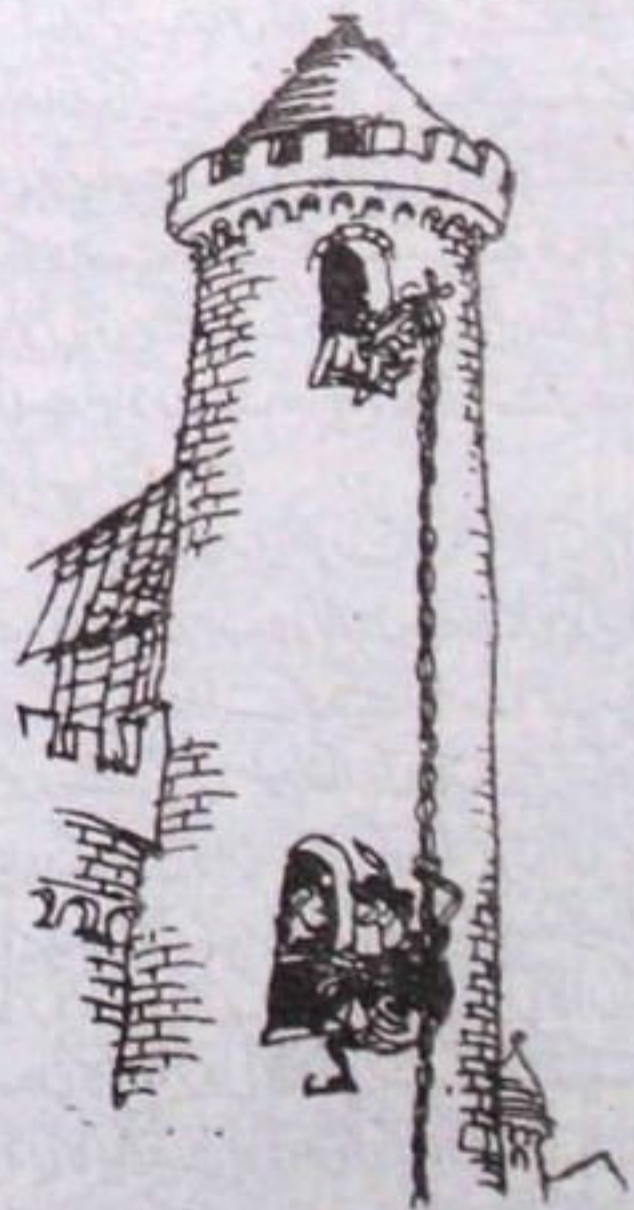
تھا کہ ملتی ریاض فرید خان کے ساتھ نہیں رہتے ان کا

کوئی گھر ہے اسی گھر میں مجھے میرے ماں باپ اور بہن نظر

میں گئے۔ آہ ماموں ریاض انہی کے لیے تو نوکری کر

ہے ہوں گے، آہ، صبح کب ہوگی کب صبح ہوگی۔

صبح ہوگئی۔ دردانے سے الیاس خاں اندر داخل



”صبح کا بھولا شام کو واپس آگیا ہے ایک گزراش
بھی ہے آپ سے۔“

”کیا بیٹے۔“
”اگر وہ نیکیوں کی طرف واپس آئے تو اسے سہارا دیں
مانی کو بھول جائیں اسے طعنہ نہ دیں۔“

”آہ مجھے اگر بیٹے کا سہارا مل جائے تو تو کا شایا
ہو جائے۔“ جمال احمد خاں آبدیدہ ہو گئے بہت دیر تک وہ
میرے پاس بیٹھے رہے پھر جب سٹھنے لگے تو مجھے چانک کچھ یاد
آگیا۔

”وہ جمال احمد صاحب یہاں ایک کمبل تھا کسی کی امانت
ہے وہ نظر نہیں آیا در اپنی جان اور بہن سے پوچھ لیں دھوپ
لگانے کو تو نہیں ڈرلا۔“

”کمبل اچھا پوچھے لیتا ہوں۔“ کچھ دیر کے بعد وہ واپس
آئے اور بولے ”نہیں میاں کمبل یہاں سے کس نے نہیں اٹھایا
کہاں گیا کہاں جا سکتا ہے۔“ وہ پریشانی سے بولے اور دل
ہونے لگا نہ جانے کمبل کہاں گیا، جمال احمد پھر باہر نکل گئے
نہ جانے کیسے تفتیش ہوئی مگر کمبل نہیں ملا وہ پریشان اور فرزندہ
تھے اور میں۔

ایاس خاں نے دو پہر کے کھانے کے بعد تیاری کر لی اس
بارے میں میری اس سے بات ہو گئی تھی اور طے ہو گیا تھا کہ
ہمیں کیا کرنا ہے پھر ہم تلنگے میں بیٹھ کر چل پڑے کافی فاصلہ
طے ہوا تھا اور پھر فرید خاں کا مکان آیا تھا شاندار مکان تھا
فرید خاں کھاتے پیتے گھر کا فرد تھا۔ منصوبے کے مطابق ایاس
خان مجھے چھوڑ کر فرید خان کے مکان میں چلا گیا۔ یہاں سے
اس کا آنا جانا تھا اور چونکہ اس کی ابھی ان لوگوں سے باقاعدہ
نہیں ٹھنی تھی۔ اس لیے کوئی مشکل بھی نہیں تھی دس منٹ
بعد وہ واپس آگیا۔

”وہ رات سے غائب ہے واپس نہیں آیا یقیناً وہ
پرانی گرمی میں ہوں گے اور آپ کے نکل جانے سے خوفزدہ
ہوں گے خیر منشی ریاض اندر موجود ہیں کام میں لگے ہوئے
میں پانچ بجے چمٹی کر کے نکلیں گے۔“

”کچھ کہا تو نہیں تم نے ان سے۔“
”بالکل نہیں آپ نے منع کیا تھا۔“
”ہاں یہ اچھا کیا۔“ اب کیا حکم ہے مرشد؟

”ایاس خاں تم واپس جاؤ جس نئی زندگی کا تم نے آغاز
کیا ہے۔ اسی پر ثابت قدم رہنا ہی ذریعہ نجات ہے
برائی بہت خوبصورت ہوتی ہے مگر اس کی انتہا بے حد
بھیاں تک اس کے برعکس نیکیوں کا سفر مشکل ترین لیکن
منزل نہایت سکون بخش۔“

”میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا لیکن مرشد ابھی میں
آپ کے پاس رکنا چاہتا ہوں۔“
”کیوں۔“

”مرشد، ان کو میں اچھی طرح جانتا ہوں انہوں نے آپ
کی تلاش شروع کر دی ہوگی۔ ان کے بہت سے گھر گئے ہیں
وہ انہیں بھی استعمال کریں گے۔“
”اور تم میری حفاظت کرو گے؟“ میں نے مسکرا کر کہا۔
”نہیں مرشد میں تو خود ایک کمزور انسان ہوں لیکن
میں ان لوگوں کو جانتا ہوں۔ اگر کوئی نظر آیا تو آپ کو
ہوشیار تو کر سکتا ہوں۔“

تمہارا شکریہ ایاس خاں میری نصیحت ہے کہ ان لوگوں
سے تصادم کی کیفیت نہ اختیار کرنا اب تم ایک ذمے دار
شخص ہو تمہارے شانوں پر جوان بہن اور بوڑھے ماں
باپ کا بوجھ ہے، بہت مشکل سے تمہارے ماں باپ کو
اپنی خوشنختی پر یقین آئے گا مگر انہیں یقین دلانا تمہارا
فرض ہے بجاؤ دوست خدا تمہاری حفاظت کرے۔“
”آپ مرشد۔“

”میں آجاؤں گا میری فکر مت کرو۔“ مشکل تمام میں نے
اسے روانہ کیا اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو فرید
خان کے گھر کے دروازے کو دیکھنے لگا انداموں ریاض
موجود تھے۔ جنہیں معلوم تھا کہ امی ابا کہاں ہیں۔ آہ میں
انہیں دیکھ سکوں گا ان سے مل سکوں گا میری امی میرے
ابا، میری بہن دل میں سرور اتر آیا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا
تھا کہ ماموں ریاض کے سامنے نہیں آؤں گا ان کے گھر
تک ان کا پیچھا کر دوں گا اور پھر سب کے سامنے ایک دم
جاؤں گا کیا کیفیت ہوگی ان کی کیا ہوگا۔۔۔ بدن امنٹ
رہا تھا اعصاب کشیدہ ہو رہے تھے کہ جانے کتنے عرصے
کے بعد پانچ بجے اور پھر پھر میں نے فرید خان کے گھر سے
ماں ریاض کو نکلتے دیکھا۔ ہاں وہ ماموں ریاض ہی تھے!

کھوئے کھوئے سے، مضمل مضمل سے شیوڑ رہا ہوا تھا ہاتھ میں کپڑے کا بنا ہوا تھیلا تھا جس میں کوئی چیز محسوس ہوتی تھی لباس بھی بہت معمولی تھا ان کی پریشان حالی کا صاف احساس ہوتا تھا آہ نجانے کیسی زندگی گزار رہے ہیں یہ لوگ ظاہر سے اب تو کچھ کہنے کے قابل نہ رہے ہوں گے ان سب کی کفالت کا بوجھ ماموں پر ہو گا۔ دل بے اختیار ہور ہا تھا جذبات میل رہے تھے۔ خواہش ہو رہی تھی کہ سب کچھ بھول کر دوڑوں اور ان سے ریٹ جاؤں۔ اتنا روؤں کہ عمر کے رکے ہوئے سارے آنسو بہ جائیں لیکن خود کو سنبھالا احتیاط ضروری ہے مجھے ماضی کو نہیں بھولنا چاہیے۔

ماموں ریاض کافی دور نکل چکے تھے میں چل پڑا۔ خیالات کے بحور میں گھرا ہوا تھا سو نے کے چند کئے میرے پاس موجود تھے یہ ان کے کام آئیں گے اس کے بعد جس طرح بھی بن پڑا میں ان کے حالات بدل دوں گا۔ آہ تو میرا فرض ہے۔ میری تو ابتدا یہیں سے ہونی چاہیے تھی۔ عمر تقدیر میں نہیں تھا۔ اگر امی ابو شمسہ وہاں موجود ہوتے جہاں ماموں جا رہے ہیں تو مجھے دیکھ کر ان پر کیا گزیرے گی۔ کیا کیفیت ہوگی کہیں یہ لوگ بھی مجھ سے بدل نہ ہوں۔ مجھ اپنی پریشانیوں کا ذمہ دار سمجھ کر مجھ سے نفرت نہ کرنے لگے ہوں۔ یہ احساس مجھے ایسا خاں کے ان الفاظ سے ہوا تھا جن میں اس نے ماموں ریاض کے بارے میں بتایا تھا کہ میرے پیغام کا ان پر کوئی رد عمل نہ ہوا تھا خیر اگر ایسا ہوا بھی تو کیا بالآخر میں انہیں خود سے راضی کر لوں گا اپنی کہانی انہیں سنا کر بتاؤں گا کہ میں نے اپنے گناہوں کا کیا کفارہ ادا کیا ہے ان سوچوں نے ان احساسات نے اس سفر کی طوالت کا احساس تکمیل کیا تھا جو ماموں ریاض نے رکے پیر طے کر لیا تھا یہ بہت طویل سفر تھا نہ جانے کتنی سڑکیں تھکیاں باز اور غلطے ہو کر گئے آئے تھے وہ آبادی خال خال رہ گئی تھی جس جگہ وہ پہنچ گئے تھے وہاں کھیت بکھرے ہوئے تھے اور ان کھیتوں کے دوسرے سرے پر کچھ بوسیدہ مکانات دور دور نظر آ رہے تھے غالباً یہاں بجلی نہیں تھی کچھ بھی نہیں لگے ہوئے تھے ان ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں سے کچھ

میں ملگبی مدھم روٹنیاں ٹٹھاری تھیں۔ میں چونک پڑا۔ ان روشنیوں کو دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ کتنا فاصلہ پیدل طے کیا گیا ہے کہ چلتے چلتے رات ہو گئی اور پھر یہ آبادی بھی عجیب سی تھی یہاں رہتے ہیں یہ لوگ اتنی دور اور ایسی جگہ جو زندگی کی ہولناکیوں سے محروم ہے اس کی وجہ بھی عزت ہی ہو سکتی تھی دل روتے لگا کتنی بے بسی کا شکار ہیں یہ لوگ کیا بیت رہی ہے ان پر۔

ماموں ریاض ایک دروازے پر رک گئے ایک لمبے رکے پر بے پیر اندر داخل ہو گئے میرا دل بند بند سا ہو گیا۔ منزل آگئی تھی وہ جگہ آگئی جس کی مجھے صدوں سے تلاش تھی قدم من من بھر کے ہو گئے نہ جانے کتنی مشکل سے یہ بقیہ راستہ طے کیا تھا ان مکانوں کو قریب سے دیکھا نہانہ قدیم کے بنے ہوئے تھے دیواروں میں ایک اینٹ بھی سلامت نہیں تھی اس کے باوجود بھی مضبوط تھے جس دروازے میں ماموں ریاض داخل ہوئے تھے اس کی زنجیر بجائی اور دھڑکتے دل کے ساتھ انتظار کرنے لگا۔ دروازہ کون کھولے گا شمسہ امی ابو، یا ماموں ریاض کس سے کیا کہوں گا کیا وہ لوگ مجھے ایک نگاہ میں۔

پہچان میں گئے مشکل ہو جائے گا کچھ دیر انتظار کے بعد زنجیر دوبارہ بجائی پھر تیسری بار بہت زور سے لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ جگہ شاید بہت بڑی ہے یہ لوگ دروازے سے دھڑکتے ہوں گے یا کوئی اور یہاں آتا نہ ہو گا۔ یا ماموں ریاض اکیلے..... اس خیال سے دل لرز گیا اگر ماموں ریاض یہاں اکیلے ہیں تو امی ابو الیکدم بے چینی طاری ہو گئی۔ زور زور سے زنجیر بجانے لگا پھر دروازے کو زور سے اندر دھکیلا تو دروازہ کھل گیا بے صبری سے اندر قدم رکھ دیا گھب اندھیرا چھایا ہوا تھا جگہ بھی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

”ماموں ریاض میں نے آواز لگائی اور میری آواز گونج کر رہ گئی دل پر دھشت چلنے لگی تھی اس بار پہلے سے زیادہ زور سے چنچا مگر کوئی جواب نہ ملا یہاں کوئی ہے۔ میں نے پھر حلق پھاڑا اور اس بار روشنی کی ایک مدھم سی کرن ابھری یہ کرن کسی دروازے کی جھری سے ابھری تھی اسے دیکھ کر میں اندھوں کی طرح

اس طرف لپکا بہت مدھم کرن تھی لیکن اس کی نشاندہی میں میں دروازے تک پہنچ گیا اس دروازے کو بھی دھکا دے کر میں نے کھول دیا اور دوسری طرف نکل آیا۔ یہاں زیادہ تاریکی نہیں تھی گول سا بڑا سامن نظر آ رہا تھا جس کی زمین اینٹوں سے بنی ہوئی تھی لیکن وہی کیفیت یہاں بھی موجود تھی ٹوٹی بھوٹی اینٹیں درمیان میں کیا ریوں جیسی جگہ چھوڑ دی گئی تھی جن میں درخت لگے ہوئے تھے بہت اونچے اونچے چار درخت یہاں نظر آ رہے تھے جو اوپر جا کر آپس میں ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے تھے اور انہوں نے اس صحن پر سایہ کر لیا تھا لیکن چونکہ آسمان پر ابھی تھوڑی بہت مدھم مدھم سی روشنی تھی۔ اس لیے صحن زیادہ تاریک نہیں ہوا تھا روشنی کی وہ کرن جس نے دروازہ اجاگر کیا تھا اس دروازے کے عین سامنے ایک اور دروازے سے ابھر رہی تھی اور ایک چھوٹی سی کھڑکی سے اس کی روشنی باہر چھن رہی تھی۔ خوف و دہشت کا ایک ہولناک احساس میرے وجود پر طاری ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں پھوٹنے لگے اور کانوں میں ٹنائیں ٹنائیں کی آوازیں گونجنے لگیں شاید یہ خوف کا احساس تھا جو میرے ذہن پر مسلط ہو گیا تھا ماموں ریاض کہاں گئے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میرے ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے اور دل چاہ رہا تھا کہ بیٹھ جاؤں ساتس بے حد تیز ہو گیا تھا اس حالت میں کئی منٹ یہاں کھڑے کھڑے گزر گئے بچانے کس طرح میں نے ایک باہر اپنے حلق سے آواز نکالی اور ماموں ریاض کو پکارا لیکن جواب نہ دار دہل کے کسی گوشے میں یہ احساس ابھر رہا تھا کہ جو کچھ ہوا ہے وہ غیر حقیقی ہے کچھ ہو گیا ہے کوئی ایسی بات جو آنے والے وقت میں میرے لیے خطرناک ہو سکتی ہے۔ آہ یہ کیا ہوا سوچا تو کچھ تھا اور کچھ ہا ہے کیسے کیسے احساسات کے کمرے طویل اور تھکا دینے والا سفر کیا تھا۔ کیا کیا امیدیں باندھی تھیں کیا ہونے والا ہے آخر کیا ہونے والا ہے۔

لڑتے قدموں میں اس دروازے کی جانب بڑھا جہاں بھی روشنی آ رہی تھی یہاں پہنچ کر دروازہ زور زور سے بجایا میرے ہاتھوں سے پیدا ہونے والی آواز کی

گنا زیادہ ہو کر پھیل رہی تھی اس میں ہوا کی ٹائیں ٹائیں بھی شامل تھی درختوں کے پتے ایک دوسرے سے ٹکا کر بج رہے تھے اور ماحول پر ایسا دہشت ناک منانا سا پھیلتا جا رہا تھا کہ دل کی دھڑکنیں چیخ اٹھیں میرے زور زور سے دروازہ بجانے سے یہ دروازہ بھی اندر کھول گیا اور میں نے کسی انوکھے جذبے کے تحت اندر قدم رکھا اس بار میں ایک وسیع و عریض کمرے میں داخل ہوا تھا جس کی قدامت کا اندازہ اس میں موجود اشیاء سے ہو رہا تھا۔ گرد کی ایک دبیز لہر بدبو دار تہاں کے فرش پر جمی ہوئی تھی اور پچی چھت کے درمیان میں ایک بہت بڑا جھاڑ فافا نوش تک رہا تھا۔ دیواروں پر چاروں طرف جالے لگے ہوئے تھے اور ایک طرف آتش دان میں مدھم مدھم سی روشنی ہو رہی تھی اسی آتش دان کے اوپر ایک شمع روشن تھی میں نے اس کمرے کی فضا میں ہلکی ہلکی گرمی محسوس کی اور میرا بدن ایک بار پھر دہشت سے لرز اٹھا کیونکہ اچانک ہی کمرے کی روشنی میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے کوئی سات فٹ کے فاصلے پر آتش دان کے اوپر رکھی چند شمعیں خود بخود روشن ہو گئی تھیں یہ شمعیں پرانے قسم کے ایک صحن دان میں لگی ہوئی تھیں۔ سفید سفید لمبی لمبی خدا جانے۔ ان شمعوں کو روشن کس نے کیا تھا۔ میں اب شدید دہشت کا شکار ہو چکا تھا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر میں ان شمعوں کے قریب پہنچ گیا۔ میں یہ جانتا چاہتا تھا کہ پہلے تو صرف ایک ہی موم بنی جل رہی تھی لیکن اب یہ شمعیں کس نے روشن کیں وہ نادیدہ ہاتھ مجھے نظر نہیں آ رہے تھے جنہوں نے یہ حرکت کی تھی۔ موم بنیوں کے شعلے بالکل سیدھے اوپر اٹھ رہے تھے۔ جیسے ہوائے محفوظ ہوں میں غیر ارادی طور پر ان پر پھونکیں مارنے لگا ایک بار پھر میری آنکھوں میں خون ابھر آیا میری پھونکوں سے کسی نہ کسی شعلے کو بجھ جانا چاہیے تھا لیکن وہ جیش بھی نہیں کر رہے تھے دل پر ہی طرح دھک دھک کرنے لگا پورا بدن پسینے میں ڈوب گیا اور اب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچا جاسکتا تھا کہ جو کچھ ہوا وہ قریب نظر تھا۔ ماموں ریاض حقیقت نہیں تھے بلکہ کوئی خوفناک دھوکہ تھے جس کا تعاقب کرتا ہوا میں اس

ہونا ک مکان میں پہنچ گیا ہوں لیکن اس دھوکے کی
 بنیاد کیا ہے یہ سب کچھ کیوں ہوا ہے بہت عرصے تک میں
 اس سے محفوظ رہا تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ
 میری ایک حیثیت بن گئی تھی آہ اس کے بعد یہ سب کچھ
 یہ سب کچھ کیوں ہوا... کیا کر دل کیا کرنا چاہیے مجھے ہشک
 شدید ترین حالات کا شکار رہ چکا تھا ان حالات میں
 رہنے کی عادت پڑ گئی تھی لیکن کچھ عرصے سے صورت حال
 ذرا مختلف ہو گئی تھی اور اب یہ سب کچھ میرے لیے بڑا
 دہشت ناک تھا۔ میں نے پریشان نگاہوں سے چاروں
 طرف دیکھا دروازہ دروازہ ایک کے اندر ایک
 دروازہ نظر آ رہا تھا ماموں ریاض کا تصور تو اب دل
 سے نکلتا ہی جا رہا تھا۔ میری تقدیر میں بھلا یہ روشنی کہاں
 ہے۔ میں تو تاریک اندھیروں کا مسافر ہوں مجھے انہیں
 تاریکیوں میں زندگی بھر کا سفر کرنا ہے ان خوشیوں سے
 بھلا میرا کیا واسطہ ہوا انسان کی زندگی میں آتی ہیں مگر
 اب یہ نیا جال نیا فریب کیا معنی رکھتا ہے آہ پچاس بار
 غور کر چکا تھا اس بات پر کہ غلطی ہوتی ہے مجھ سے اور
 میری اس غلطی نے مجھ سے میرا سائبان چھین لیا ہے وہ
 کبیل جو میرے لیے ایک بزرگ کا عطیہ تھا مجھ سے وہاں
 مانگا گیا تھا صاف کہا گیا تھا کہ میں اس کی حفاظت کرتے
 میں ناکام رہا تھا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا ہاں اس میں کوئی
 شک نہیں کہ جو کچھ ہوا تھا اس میں میری غلطی نمایاں تھی
 لیکن اب کیا کرنا چاہیے اپنی اس غلطی کو تسلیم کر کے کیا ایک
 بار پھر موت کی آرزو کروں یا زندگی کی جانب رخ کیے
 رہوں جیسا بھی ہو جو کچھ بھی ہو اسی میں زندگی گزاروں
 زندگی کتنی قیمتی شے ہے کوئی جینے والوں سے پوچھے جو
 کسی بھی طور مرنا نہیں چاہتے میں بھی مرنا نہیں چاہتا ہوں
 ہاں بے شمار بار دل اس دنیا سے کہتا آیا ہے آپ سے
 آگیا لیکن جب موت کو گلے لگانے کی آرزو کروں گا تو
 نہ آئے کیا احساس ہو گا دل میں کافی دیر تک میں اسی
 طرح پر اسرار کمرے میں کھڑا سوچوں میں گم رہا اور اس
 کے بعد میں نے سوچا کہ کم از کم یہاں کا حق تو ادا سا جائزہ
 اور لے لوں اور اس کے بعد اس گھر سے باہر نکل جاؤں
 جہاں میں صرف ایک دھوکے کے تعاقب میں آیا تھا۔

سامنے ہی جو کمرہ نظر آ رہا تھا اس کے دروازے کے
 قریب پہنچ گیا تھا۔ میں اس دروازے کے رنگ کو دیکھ
 رہا تھا۔ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اسے مدت سے نہیں
 کھولا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے دوسری طرف تاریکی ہی مار چکی
 ہو کیونکہ روشنی نظر نہیں آ رہی تھی اسی لیے میں دھمپنا
 ایک شمع باتھ میں اٹھائی اور دوبارہ دروازے کے
 قریب پہنچ گیا پھر میں نے دروازے کو آہستہ سے دھکیلا
 اور ایک لمحے میں دروازہ کھل گیا۔ شمع کی روشنی میں مجھے
 ایک اور بڑا کمرہ نظر آیا یہاں بھی فرش بالکل ابلالک
 رہا تھا جیسے اس پر صدیوں سے انسانی قدموں کا
 گزرنہ ہوا ہو دیواریں پلاسٹر کے بغیر تھیں اور ان سے
 ٹوٹی پھوٹی انٹیں جھانک رہی تھیں ایک سمت ایک
 زینہ سا بنا ہوا تھا جو اوپر جا کر چھت میں گم ہو گیا تھا یہ کمرہ
 پہلے کمرہ سے بھی زیادہ پر اسرار تھا ابھی میں یہیں کھڑا
 ہوا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ دفعتاً ہی مجھے اوپر قدموں
 کی سی آہٹ سنائی دی اور میرا دل دہشت سے اچھل
 پڑا میرے حلق سے ڈری ڈری آواز نکلی۔

ماموں ریاض ماموں ریاض کہاں ہیں آپ۔ ماموں
 ریاض کیا آپ یہاں اس گھر میں موجود ہیں۔ اپنی آواز
 کے کھونکے پن کا خود بھی احساس ہوا تھا جسے بھلا ہوا تھا
 اب اس کی موت ہو گئی سے ماموں ہو گیا تھا لیکن کوئی اور
 ہے ضرور یہ مکان خالی نہیں ہے یہاں یقینی طور پر زندگی
 ہے آہ کوئی نظر تو آئے کوئی دکھائی دے تو اس سے
 اس سے پوچھوں کہ مجھے اس طلسم خانے میں لائے کا مقصد
 کیا ہے آخر میں یہاں کیوں آیا ہوں بس دماغ پر ایک
 دھند سی طاری ہو گئی اور میرے قدم ان سیڑھیوں کی
 جانب بڑھ گئے۔ گیارہ سیڑھیاں تھیں اور اس کے بعد
 لکڑی کی بنی ہوئی چھت تھی۔ اوپر پہنچا تو شمع کی روشنی
 نے ایک اور دروازہ اجاگر کیا لیکن اس دروازے
 کے دوسری جانب روشنی تھی یقینی طور پر وہاں کوئی
 موجود تھا کچھ سرسراہٹوں کی سی آوازیں بلند ہو رہی تھیں
 میں نے دروازے کو دھکا دیا یہ دلچسپ بات تھی کہ یہاں
 کوئی دروازہ اندر سے بند نہیں تھا یہ دروازہ بھی میرے
 دھکا دینے سے کھل گیا اور وہاں مجھے تیز روشنی نظر آئی

یہ روشنی بالکل نیچے لگی ہوئی تھی شمعوں کی جیسی روشنی تھی۔ یہاں بھی پانچ شمعیں تھیں جو کافی لمبی اور روشن تھیں۔ اور یوں لگتا تھا جیسے انہیں ابھی ابھی روشن کیا گیا ہو۔ کیونکہ ان کا دھواں ابھی نہیں تھا۔ لیکن کمرے کے متعلق کچھ ایسی افواہیں باتیں تھیں جنہیں دیکھ کر میرا دل ایٹھنے لگا۔ اعصاب میں عجیب سی کھینچاؤٹ پیدا ہوئی سامنے ہی ایک تابوت جیسی شے رکھی ہوئی تھی اور سرسراہٹوں کی آوازیں وہیں۔ آری تھیں مگر روشن تھا لیکن میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی شمع پھینکی نہیں اور آہستہ آہستہ اس تابوت کے قریب پہنچ گیا میرے خدا میرے خدا میں نے جو کچھ دیکھا وہ ناقابل یقین تھا تابوت خاص قسم کا بنا ہوا تھا اس کے کنارے اونچے اونچے تھے۔ اور اس کے اندر ایک لاش نظر آرہی تھی ایک انسانی لاش جس کی بے نور آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں اور یہ چہرہ..... یہ چہرہ ماموں ریاض کا چہرہ تھا ہاں میں اس چہرے کو صاف پہچانتا تھا ماموں ریاض ہی تھے لیکن جو چیز مجھے ایسی نظر آئی جو میرے حواس کو بالکل ہی بے قابو کر رہی تھی وہ ماموں ریاض کی لاش کے پیٹھی ہوئی لا تعداد پیلی پیلی مکڑیاں تھیں جو ان کے جسم پر ادھر سے ادھر پھر رہی تھیں اور جگہ جگہ ان کے کپلے جسم میں اپنے نئے جمائے ان کا خون چوس رہی تھیں آہ ماموں ریاض..... ماموں ریاض..... میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی گئی شمع میرے ہاتھ سے چھوٹ کر کھلے ہوئے تابوت میں جا گری مکڑیاں ایک دم منتشر ہونے لگیں ان کی تعداد بے پناہ تھی ان کا سائز بھی مختلف تھا۔ شمع گرنے سے ان میں سے کچھ مکڑیاں جل بھی گئی تھیں وہ ایسے انداز میں اوپر کی جانب پھینکیں جو بے حد لڑخیز تھا میں بدحواس ہو کر مجھے ہٹا لیکن پاؤں کسی چیز میں الجھ گیا اور میں چاروں طرف دیکھتے دیکھتے نیچے گر گیا پھر دفعتاً ہی مجھے ایک دھماکہ سانسائی دیا اور اس کی وجہ بھی مجھے معلوم ہو گئی وہ دروازہ جس سے میں اندر داخل ہوا تھا دروازہ اُڑانے کے ساتھ بند ہو گیا تھا۔ ہوا بالکل نہیں چل رہی تھی اگر ہوا چلتی تو شمعوں کے شعلے بڑھتے اس کا مقصد ہے کہ کسی نادیدہ شیطانی قوت نے یہ دروازہ بند کیا ہے میں ادھر ادھر



ہاتھ مارنے لگا۔ سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کرنا پاتا تھا لیکن جسم جیسے مفلوج ہو گیا تھا آن واحد میں لا تعداد سفید اور پیلی مکڑیاں میرے جسم تک پہنچ گئیں اور میں اپنے جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر ان کی نوکدار پیروں کی گردش محسوس کرنے لگا۔ وہ میرے جسم سے چپٹ رہی تھیں جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر ان کے نوکدار پیروں کی گردش محسوس کرنے لگا۔ وہ میرے جسم سے چپٹ رہی تھیں جسم کے کھلے ہوئے حصوں میں ہا ریک ہا ریک سوئیاں ہی چھنے لگیں اور درد کی شدت سے میرے حلق سے باخدا چیخیں نکلتے لگیں اعصاب اچانک ہی قابو میں آ گئے تھے میں نے جوش و خروش میں ان مکڑیوں کو ہاتھ مارا کہ دور کرنا پاپا مگر بے سود ان کی تو کھلی ٹانگیں میری کھال میں پیوست ہو رہی تھیں اور وہ اپنے ہا ریک ہا ریک دانتوں سے میرے جسم کو نوچ رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ میری گردن تک پہنچ گئیں اور اس کے بعد انہوں نے میرے چہرے پر چڑھنے کی کوشش کی۔ ایک خوفناک دھماکہ میرے منہ سے نکلی اور میں نے ایک دم کڑوٹ بدل کر زمین پر ہاتھ لگا کر اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا جسم میں انتہائی خوف کے عالم میں قوتیں بیدار ہو گئیں۔ میں نے بہت زور سے ہاتھ اور پاؤں جھٹک جھٹک کر ان مکڑیوں کو نیچے گرایا اور اس کے بعد دروازے کی

جانب دوڑ لگائی پوری قوت سے میں نے دروازے کو کھڑکھٹایا اور دروازہ کھل گیا لیکن میں باہر نکلنے لگتے ایک بار پھر گھبراہٹا تھا۔ چند لمحوں میں جو میرے لباس پر چڑھ گئی تھیں میرے ساتھ ہی باہر آگئی تھیں۔ میں باہر بے آب کی طرح تر پنے لگا۔ لمحوں نے میرے جسم کے کھلے حصوں کی طرف دوڑنا شروع کر دیا اور وہاں پہنچ کر مجھے کاٹنے لگیں۔ میں بار بار چیخ رہا تھا اور ان لمبی لمبی ٹکڑیوں کو ہتھکیوں سے پکڑ پکڑ کر نیچے پھینک رہا تھا ساتھ ہی میں اسے باؤں سے مستحکم بھی جا رہا تھا یہ ایک بے حد گھناؤنا کام تھا لیکن اس وقت زندگی بچانا سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا کمزیاں ان کا کام کر رہی تھیں مگر میری کوششوں سے ان کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ آخری ٹکڑی بھی میرے پاؤں کے نیچے آکر گر گئی اس مصیبت سے ہنسٹار پاتے ہی میں اس راستے کی طرف دوڑا جہاں سے اندر داخل ہوا تھا سامنے ایک دروازہ کھلا نظر آیا اور میں اس میں گھس گیا مگر وہ ایک کمرہ تھا اور اس میں کوئی دروازہ نہیں تھا وہاں سے نکل کر ایک راہ داری میں بھاگا جو آگے جا کر دوسری طرف گھوم گئی تھی لیکن دوسری طرف مڑی رہا تھا کہ سامنے بند دیوار آگئی اور بمشکل دونوں ہاتھوں کا سہارا لے کر ٹکرانے سے بچا آہ۔ وہ راستہ..... وہاں سے پٹا..... کہاں گیا وہ راستہ جہاں سے اندر آیا تھا..... پھر جہاں تک بھاگ سکا بھاگا۔ لیکن جہاں پہنچا راستہ بند ملتا حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے آواز ابھری تھی۔ بھلا ایک تاریک کمرے میں داخل ہو گیا اگر آپ اندھیرا نہ پائی گرنے کی آواز آ رہی تھی غائب فسل خانہ میں محسوس کر آگے بڑھنے لگا ایک جگہ پانی کی دھار گر رہی تھی پانی ہلکا گرم تھا مگر پیاس اتنی شدت کی تھی کہ میں نے منہ کھول دیا پانی کے کئی گھونٹ حلق سے اتارے مگر پانی ہلکا نہیں تھا اور اس میں پانی جیسا پتلا پن نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ایک عجیب سی بو ایک عجیب سی سٹرائنڈ..... میں ایک دم بچے بہت گیا۔ دونوں ہاتھوں کا چلو بنایا پانی اس میں لیا اور اسے انگلیوں سے مسل کر دیکھنے لگا۔ ایک عجیب سی چپکن تھی اس میں مگر تاریکی میں کچھ نظر نہیں آ رہا

تھا۔ اس سٹرائنڈ سے الٹی آ رہی تھی۔ پیٹ اور سینے پر ایک دم بڑا بھاری پن پیدا ہو گیا تھا میں کراہتا ہوا وہاں سے بھی نکل آیا۔ کوئی عظیم شیطانی جال تھا جس میں میں بری طرح جکڑ گیا تھا۔ آہ کیا ہے یہ سب کچھ کہاں جاؤں کئی جگہ روشنی نظر آئی اس سے پہلے یہ روشنی نہیں تھی مگر اس طرف رخ کرتے ہوئے خوف محسوس ہو رہا تھا اور ہر لمحہ تھا کہ حلق کے راستے باہر نکل آنا چاہتا تھا۔

راستہ کہاں..... کوئی ہے اس منحوس گھر میں اے کوئی ہے ماموں ریاض، ابو، امی، شمس..... کوئی ہے کوئی ہے۔ میری آواز گھٹ گئی متلی آگئی تھی اور میری حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی میرے چکر مار رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے ستارے ناپ رہے تھے لگ رہا تھا یہی آخری وقت ہے مر جاؤں گا۔ آہ پھر وہی سب کچھ آہ..... آہ آگے بڑھا۔ رخ ایک روشنی کی طرف تھا نہ جانے کہاں گیا ہے۔ کھلا ہوا لمبا چوڑا دروازہ تھا۔ پھر مکرہ تھا کہ دروازہ فرش دیوار میں کارنس پر رکھشن سمیع سامنے ایک اور دروازہ بھی تھا نقشہ بدل گیا تھا اس گھر کا میرے داخل ہونے کے بعد کیسے آفریں کیسے روشنی میں ہاتھوں پر نظر نہ گئی ایک اور جمع حلق سے بلند ہو گئی دونوں ہاتھ سرخ ہو رہے تھے۔ اگلیاں ایک دوسرے سے چپک گئی تھیں خون آہ..... خون..... پورا جسم خون میں مٹ رہا ہوا تھا دھار جو نہ جلنے کہاں سے گر رہی تھی..... پانی کی نہیں خون کی دھار تھی۔ اور میں نے کئی گھونٹ خون پیانھا اس بار تو لگا جیسے حلق کے راستے سے آنتیں باہر نکل رہی ہوں بری طرح متلیاں ہو رہی تھیں اور مجھے بیچ جانا پڑا تھا۔ آنکھیں بند کر لی تھیں تاکہ حلق سے نکلنے والی آلاش نظر نہ آئے۔ سر بالکل خالی ہو گیا تھا جب حالت کچھ بہتر ہوئی تو اپنی جگہ سے اٹھا اور سامنے نظر آنے والے دروازے سے اندر داخل ہو گیا بے فوری آنکھوں سے کمرے کے ماحول کو دیکھا وہی کمرہ تھا جہاں تابوت رکھا تھا اور تابوت میں ماموں ریاض کی لاش نظر آئی تھی مگر اب وہاں کمزیاں نہیں تھیں فرش صاف پڑا تھا کمریاں یقیناً دوبارہ تابوت.....

میں جاہلی تھیں مومن ریاض مر گئے میں نے دل میں سوچا
 بے اختیار قدم آگے بڑھے تابوت میں جھانکنا لاش موجود
 تھی مگر کڑیاں نہیں تھیں ایک۔ بھی مڑی نہیں تھی البتہ
 مومن ریاض کی لاش خون۔ عاری تھی بالکل زرد،
 بے رونق، سرد۔ تابوت میں بھکا دودن اٹھ بیٹھے
 کئے ان کے شانوں کو مضبوطی سے پکڑا اور اوپر اٹھایا
 بالکل ہلکا سا جیم تھا مگر اچانک یوں محسوس ہوا جیسے مومن
 ریاض نے پاؤں اٹھایا ہو یہ صرف اس لیے نہیں تھا اس لیے
 تھا میرے ہاتھوں کے سارے دھتارے سے نکلنے کی
 جدوجہد کر رہے تھے۔ میں نے دہشت زدہ نظروں سے
 ان کا چہرہ دیکھا۔ چہرہ بلی سے انہیں چھوڑ دیا مومن
 ریاض میں تھے بلکہ اب یہ چہرہ مکروہ صورت بھوریا چرن
 کا چہرہ بن چکا تھا وہ سو فیصدی بھوریا چرن تھا اس کی
 شکل نامعلوم سے انداز میں کسی مکڑی کی شکل سے مشابہ تھی
 ہاتھ پاؤں بھی اسی طرح مڑے مڑے تھے اب میرے ہمارے
 کی ضرورت تھی وہ اچھل کر تابوت سے باہر نکل آیا۔
 ”کیسے ہو میاں جی۔؟“ اس نے جھمکی آواز میں پوچھا۔
 ”بھوریا چرن۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔
 ”بیہجان لیا نا۔؟ ہا ہا۔ چلو اچھا ہے ہم تو کچھ بھول
 گئے ہو گئے۔ ہمیں بہت سے بیت گیا تھا۔“
 ”مومن ریاض کہاں ہیں بھوریا۔؟“
 ”سب مل جائیں گے میاں جی۔ سب مل جائیں گے۔
 اب کیا رہ گیا ہے مگر تم بھی دھن کے پتے نکلے۔“
 ”وہ کیسے بھوریا چرن۔؟“
 ”ہمارا کام ہی کر کے نہ دیا۔“
 ”اب بھی ہیں کدوں کا بھوریا چرن۔ اب بھی نہیں
 کدوں کا۔“
 ”اب۔؟ اس کے لیے میں طنز تھا۔“
 ”ہاں تو کیا سمجھتا ہے ہمارا مان لی میں نے تجھے، تو
 پاگل ہے بھوریا چرن۔“
 ”دوب مرد میاں جی کہیں چلو بھر پانی میں۔ ڈوب
 ہی مرد تو اچھا ہے اب تم ہو کیا میاں جی ذرا اس پر
 تو غور کر لو۔“
 ”میں تو کبھی کچھ نہیں تھا بھوریا چرن مگر تو دیکھ لے

آج تک تو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔
 ”مقصد میں تو ہم ایسے کامیاب ہوئے ہیں میاں جی کہ
 جانو گے تو جی خوش ہو جائے گا تمہارا۔“
 ”اچھا۔ کیا تو کھنڈر لایا گیا۔؟“
 ”ہم تو کھنڈر لے ناپے۔ پر تم بھی دھرم اتنا نہ بن
 سکے یہ ہے تمہارا دھرم جیون بھر کشت اٹھائے، پراک
 غلطی کری اور مارے گئے۔ اس سے سرور ہیجے میں کہا اور
 میں اسے گھورنے لگا۔ اب تم ہم میں سے ہو میاں جی
 نام اور بدل لو اپنا۔ دھرم داس رکھ لو یا کالی چرن بسود
 احمد تو تار ہے اب تم۔ وہ خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا
 اور میں اس کے الفاظ پر غور کر رہا تھا کیا کہہ رہا ہے یہ کدوں
 کہہ رہا تھا اتنا عرصہ دور رہا تو دل میں یہ خیال پیدا گیا
 تھا کہ اب آپ سے جان چوٹ گئی جو ذمہ داری تجھے دی
 گئی ہے اگر اسے پورا کر لوں تو شاید اس کرب کی زندگی
 سے نجات پاؤں مگر۔ اور اب اسے برا بھلا کہہ لوں تو
 کیا ملے گا۔ کم از کم معلومات ہی حاصل کروں کچھ سمجھ میں
 ہی آئے۔“
 ”تم اس مقصد میں کامیاب ہوئے ہو بھوریا چرن۔“
 ”ہا۔ بھاگ ہوتے ہیں منٹس کے شکم بانی تو من
 میں آئی کہ کھنڈر دے بنیں مگر بھاگ میں نہیں تھا۔ ملا لگے
 تو تم جیسا پاگل۔ دھرم کے پیچھے بھاگنے والا ارے پانی
 تو دھرم داس بننے تو نہیں آیا تھا ہمارے پاس بے کاٹوٹا
 کے لیے ہی تو آیا تھا۔ ریس کے گھوڑے، سٹے کے بنزدولت
 کے انبار، ایلادوں کی قربت یہی سب مانگے آیا تھا تو ہم سے
 ہم نے کب منع کیا تھا تو ہمارا کام کر دیتا تو ہم تجھے وہ دیتے
 کہ جیون بھر مزے کرتا۔ دھرم ضرور بھر شٹ ہوتا تیرا، مگر
 دھرم داس تو ہی بتا کیا تیرے ہی دھرم میں یہ سب جائز ہے
 ریس میں دوڑے ہوئے گھوڑوں کے کیل سے جو
 دولت ملتی ہے وہ نیک کمائی ہے، پھر تیرے من میں
 نیکیاں کیوں پھوٹ پڑیں۔ ہمارا استیاس مار دیا تو نے
 اور اس کے بعد جو کچھ تو کرتا رہا وہ میرے پر سودرے
 تھے طرح طرح کے لوگوں سے دہائی دی تو نے اور ہیں
 نقصان پہنچا با تو کیا سمجھتا تھا چھوڑ دیتے ہم تجھے۔
 ”تو تم میرے پیچھے لگے رہے۔“ میں نے کہا۔

” پہلے تو ہی سوچا تھا ہم نے کہ ایک دن راستے پر آجائے گا مگر اس مسئلے نے کیل بگاڑ دیا۔“
 ” کس نے۔؟ “ میں نے پوچھا۔
 ” ارے اسی فضل نے۔“
 ” بابا فضل کی بات کر رہے ہو۔“
 ” ہاں اس نے جیون دان دے کر تیری رکشا کی نہ صرف رکشا کی بلکہ بلکہ۔“

” بلکہ۔؟ “ میں نے رندی آواز میں پوچھا۔
 ” رستے کھول دیئے تیرے تو نے جو گناہ کئے تھے اپنے دھرم کی نگاہ میں، اس نے انہیں دھوئے کے لیے اپنی قربانی دے دی اور تونج گیتیری گھٹائیں دور ہونے لگیں مگر ہمارے لیے مشکل پیدا ہو گئی۔“
 میرے حلق میں گولا سا آچنسا بڑا روح فرسا انکشاف تھا بابا فضل نے میری مشکلات دور کرنے کے لیے جان کا نذرانہ دیا تھا۔ اتنا بڑا ایثار کیا تھا انہوں نے اتنا بڑا ایثار۔ بھوریا چرن میری کیفیت سے بے نیاز بولا۔
 ” ہماری بھی کچھ مشکلیں ہوتی ہیں۔ کچھ بھید بھاد ہوتے ہیں اگر تو ہمان بن جاتا اگر تیرے ہاتھوں کا لے جادو دالوں کو نقصان پہنچتا تو وہ ہمارے حساب میں لکھا جاتا ہمیں جواب دینا ہوتا اس کا اور ہمارے درجے کم ہوتے جلتے مصیبت گلے پڑ گئی تھی ہمارے تو، لینے کے دینے پڑ گئے تھے اپنا کام بھولنا پڑا تیری تاک میں لگے رہے تھے دیکھتے رہے تیرے ہم راستے روکنا تھے ہیں اور ہم کامیاب ہو گئے۔ جو ہے میں جاگسی تیری ہمانتا۔“ وہ پھر اٹھ پڑا ” وہ کیسے بھوریا چرن۔“ میں نے خود کو ہنسا کر پوچھا۔

” بتائیں گے سسر سب کچھ بتائیں گے تجھے بھی تو کچھ دکھ ہو تو بھی تو ہماری طرح کھسے۔“
 ” بتاؤ بھوریا چرن۔“
 ” دیوتا میں رہے تھے ہمارا ج ہمان پرش بن رہے تھے سسار کو دکھوں سے دور کرنے جا رہے تھے، اپنے دین دھرم کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔“
 ” تم جانتے ہو۔؟ “
 ” کیوں نہیں ہیں سب سے پہلے دشمنوں سے ہوشیار

رہنے کی سکھشادی جاتی ہے اس لیے دوسرے دھرموں کے بارے میں جانتا ہوتا ہے۔“
 ” میرے دین کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔؟ “
 ” جتنا جانتے ہیں وہ مجھے زیادہ ہے تیرے دھرم میں ایک نکتہ ہے سب سے بڑی چیز ایک نکتہ ہے۔“
 ” وہ کیا۔؟ “

” ساری ہم سے پوچھ لے گا کیوں بتائیں تجھے۔“
 ” اس لیے کہ تم نے میرے دین کو جاننے کا دعویٰ کیا ہے۔“ میں نے کہا۔

” ہاں ہم جانتے ہیں۔ نکتے کی بات بالکل ٹھیک کہی ہم نے تیرے دھرم میں داستانوں کی گنجائش نہیں نفس کی موت کو پہلا درجہ حاصل ہے اور جو نفس کے جال میں پھنسا دوپ گیا تجھے ڈبونا فروری ہو گیا تھا ہمارے لیے دھن کے چکر سے تو نکل گیا۔ سندھاریاں مجھے متاثر نہیں کر سکتی تھیں اور ہمارا کام اس سے کم نہیں بن سکتا تھا جب تک تو ایسے کسی پھر میں نہ پڑے سو ہم لگے رہے تیری تاک میں اور موقع مل گیا ہیں بڑا دین دیال بنا ہوا تھا تو اور لوگوں کے بڑے کام آ رہا تھا۔ ہم نے حساب کتاب لگایا اور ہم کام میں مصروف ہو گئے یا وہ سب وہ مکا جو مجھے درخت کی جڑ میں نظر آیا تھا کسی کا دبا ہوا خزانہ نہیں تھا وہ تو ہم نے سونے کی بہروں سے بھر کر وہاں گاڑ دیا تھا سو مجھے وہ نظر آ گیا وہاں پر ہمارا کام بن گیا تو وہ نکتہ بھول بیٹھا مجھے بتایا گیا تھا یاد ہے ناں جمعے سے کہا گیا تھا کہ پہلا کام انسانوں کے کام آتا ہے دوسرا کام اپنے نفس کو مار کر اپنی منزل کی تلاش۔ اس کے بغیر ہمانا کمیل نہیں ہوتی اگر تو اپنی خواہشوں کے حال میں پیش گیا تو کچھ نہیں حاصل کر سکے گا اس سسار میں بول۔ یہی بتایا گیا ہے ناں تجھے سویوں ہوا کہ تو نے دیکھا اس آدمی الیاس خان کو اور مجھے یاد آگئے اپنے ماما جی ارے ہم نے سوچا کہ اس سے بڑھیا موقع ملنا تو ممکن ہی نہیں ہے ماما جی کے پیر میں تو لمبے سے لمبے پیر میں پڑ سکتا ہے اور بات بن گئی بھیا ہماری۔ سوتے کا وہ مکا تو نے الیاس خان کو دے دیا اس لیے کہ وہ تیرے ماما جی کا پتہ مجھے بتا دے بس کام تو وہی ہے ہو گیا تھا ہمارا تو خود سوچ دھرتی تو بہت بڑی ہے نجانے کتنے خزانے بھرے

ہوئے ہیں اس دھرتی میں اور سب کے سب آجاتے تیری
آنکھوں میں کیونکہ تجھے آہستہ آہستہ روشنی مل رہی تھی تو تو
بہت بڑا بن جاتا بھائی مگر راستے روکنا ہی تھے سو تو نے
دی ہی کیا جو ہم نے جا ہا اور نکل گیا تو ان پابندیوں سے جو
تجھ پر قائم کی گئی تھیں۔ بس ایک کے بعد ایک ہمارا کام بنتا
رہا۔ اور پھر بن گئے ہم تیرے مامی۔

تم! میں خوف سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

”ہاں رے اس سے تو یہی سب کچھ کرنا تھا لگائے تجھے
اپنے پیچھے ہم اور سب کچھ بھول گیا تو جو کچھ تجھے دیا گیا تھا اسے
بھول کر تو پڑ گیا اپنے مامی کے پیرے میں ماننا تھا کہ جال
میں مادی ہی ہم چاہتے تھے اور یہ جگہ اب جہاں تو آیا ہے کہلاتی
ہے بیرمنڈل جہاں سارے کے سارے ہمارے بیرہتے ہیں
وہ کڑیاں جو تیرے مامی کی لاش سے چبئی ہوئی تھیں، تیرا کیا
خیال ہے مادیے تو نے رے جا باؤ لے بیرہیں مرنے میں
وہ تو اپنا کام کر رہے تھے ہمارے کہنے سے اور پھر ہم نے وہ
خون تیرے سرے میں اتار دیا جو ہم نے سات پورن ماشیاں
منتر بڑھ پڑھ کر تیار کیا تھا۔ سترہ آدمیوں کا خون جنہیں ہم نے
اپنے ہاتھوں سے مارا تھا اور جن پر سات پورن ماشیاں
منتر بڑھا تھا ہم نے کالے جادو کا وہ سب سے بڑا منتر جس
سے بڑا منتر اور نہیں ہوتا اور جو ایک شکشا ہی کو معلوم ہوتا ہے
بس وہ خون باقی سمجھ کر پی لیا تو نے اور تیرے اندر سے
سب کچھ صاف ہو گیا کچھ نہیں ہے اب تیرے پاس بھھا۔
تو ایک کورے ٹکے کی طرح ہے جو اندر سے خالی ہے اور
کو رہا ہے یقین نہ آئے تو آزمائے اپنی کسی بھی بات کو ارے
پاکل تیری ساری تپسا ایک لمحے میں ختم ہو گئی اس طرح کم
از کم ہمارا ایک کام تو بنا ایک کام سے تو فارغ ہوئے
ہم نہ تو اپنے دھرم کا رہا اور نہ اس سنسار کا۔ اب جا بھاڑ
جو ہے میں ہمارا کام کر دیتا تو بہت کچھ مل جاتا نہیں کیا تو
ہمارا کیا بگاڑا ہم شکشا تو ہیں مگر تو کیا ہے تو کیا رہ گیا
اب اگر کہے تو کتنا بنا کر نکال دیں تجھے یہاں سے بول کیا
کریں تیرے ساتھ۔“ میں بھورا چمن کو دیکھتا رہا جو کچھ
اس نے بتایا تھا، دل میں اتر رہا تھا کمبخت اپنے مقصد میں
کامیاب ہو گیا تھا نجانے کیا کیا جتن کئے اس نے اپنے
کام کے لیے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کا کہنا بالکل

درست تھا ایک نکتہ صرف ایک نکتہ۔ ہی تو اصل حیات ہوتا
ہے بڑے بڑے عالم دین، بڑے بڑے ولی درویش
قلندر اپنے آپ کو تیاگ کر کچھ حاصل کرتے ہیں اپنی خواہشوں
کے لگے سر جھکا دیا اپنی محبتوں کے ہاتھوں دیوانے ہو گئے
تو پھر کیا باقی رہ گیا۔ عام انسان بھی تو یہی سب کچھ کرتا ہے
میرا تو آزمائشی دور تھا اور میں اس امتحان میں نامکمل
رہ گیا۔ میں نے وہ نعمتیں شکرا دیں۔ جو مجھے دی گئی تھیں
اتنی ساری نعمتیں دے کر صرف ایک ہدایت کی گئی تھی مجھے
کہ اپنی خواہشوں کا غلام نہ بنوں وہ نہ مانگوں جن کا دینا
ابھی آسمانوں میں منظور نہیں ہوا ہے لیکن کر ٹالا میں نے
وہ سب کچھ ماموں ریاض کے چکر میں پڑ کر وہ کبلی بھی
دہم چھوڑ آیا جس نے میری آنکھوں کو روشن کر دیا تھا
جس نے میرے دل و دماغ کو منور کر دیا تھا۔ بھورا چرن
بقیہ لگانے لگا تھا بھر بولا۔

”اور اب مہا اس سنسار میں جا دیکھوں آگے کیا کرتا ہے
چھوڑ دوں گا نہیں تجھے پانی۔ ہتھیارے تو نے میرے دل سے
رد کے ہیں۔ میں سنسار کے سارے راستے تجھ پر بند کر دوں
گا چل بھاگ رے یہاں سے اب تو مٹی کا ڈھیر ہے میرے
یہ کچھ نہیں رہا۔“

میں گرجاں جھکائے وہاں سے واپس پلٹ پڑا اندر سے
یہ احساس ہو رہا تھا کہ درحقیقت خالی ہو چکا ہوں اور اب کچھ
نہیں ہے میرے پاس ایک بار پھر دنیا میرے لیے امتحان
گاہ بن گئی تھی اور اس بار میں نے خود کو اس امتحان میں
ڈالا تھا بلاشبہ ہی ہوا تھا یہاں سب کچھ ہوا تھا آہ۔
میں نے اپنے ہاتھوں اپنے منہ کو ادیے تھے یہ میرا
گناہ تھا صرف میرا گناہ اس میں کسی کا قصور نہیں تھا مجھے
تو جگہ جگہ سمجھایا گیا تھا مجھے سے کہا گیا تھا کہ پہلے چل چکوں
پھر کھلنے کو ملے گا۔ بھورا چرن نے بالکل درست
کہا تھا میرا مذہب پہاڑ ہے انہیں چھوٹے ہے جو کچھ نہیں
جانتے لیکن جو واقف ہوں ان پر ذمہ داری ہوتی ہے
مجھے بتایا گیا تھا مگر میں نے اپنی خواہشوں کو اول قرار دیا
اس بار سارے راستے کھلے ہوئے تھے میں باہر نکل آیا
یاہر گہری رات چھا چکی تھی نہ جانے کیا جگہ گیا تھا چاروں
طرف ہو کا عالم طاری تھا جگہ جگہ درخت بکھرے ہوئے

تھے میں آگے بڑھتا رہا کچھ سوچے بغیر اب تو کچھ سوچنے کی
ہمت بھی نہیں تھی کچھ فاصلے پر دریا کا شور ابھر رہا تھا
آواز میرے کانوں تک آرہی تھی مگر احساس کچھ نہیں
تھا۔ خشک گیا تو جہاں تھا وہیں لیٹ گیا وہیں سو گیا خوب
گہری نیند آگئی تھی۔ صبح کو اس وقت جاگا جب کہیں دور
سے اذان کی آواز سنائی دی اس آواز نے اعضا میں
تھر تھری سی پیدا کر دی بے اختیار اٹھ گیا دماغ کھویا کھویا
ساتھا، دل کچھ چاہ رہا تھا، اعضا کچھ طلب کر رہے تھے
مگر کیا۔ یاد نہیں آرہا تھا کھڑا ہو گیا وہی جگہ کھڑا ہو گیا
دونوں ہاتھ نیت کے انداز میں بندھے گئے مگر اب کیا
کروں آہ۔ اب کیا کروں کچھ یاد نہیں آرہا تھا کچھ بھی یاد
نہیں آرہا تھا۔ بہت کوشش کی مگر سب کچھ بھول گیا تھا
جو کچھ پیر گھنٹوں کے بل بیٹھ کر سجدے میں کر پڑا۔ آنکھوں
سے آنسو ابل پڑے، ہلک ہلک کر رونے لگا قبول جانے کا
غم تھا یاد کرتا چاہ رہا تھا مگر یادداشت ساتھ چھوڑ چکی تھی سارے
آنسو بہ گئے، آنکھیں خشک ہو گئیں تو اسٹھ کھڑا ہوا کانوں
میں ایک آواز ابھری۔

”جی شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے
اگر لاکھوں برس سجدے میں سہارا تو کیا مارا
میری عمر ہی کیلے ہے آہ۔ چند لمحے میری بخشش
کا ذریعہ تو نہیں بن سکیں گے مگر یہ زندگی جو ایک سزا ہے
یہ تو میرے لیے مزید گناہوں کا باعث بن جائے گی۔ مزید
گناہ نہیں اور گناہ نہیں اور گناہ نہیں اس سزا کو ختم ہو جانا
چاہیے۔ برائی میرے لیے نہیں ہے میں برائی کے قابل
نہیں ہوں اور گناہ کرنے کے لیے مجھے اس دنیا میں نہیں
رہنا چاہیے مر جانا چاہیے مجھے مر جانا چاہیے۔۔۔۔۔ ہاں
مجھے مر جانا چاہیے میں نے دہشت تک نظروں سے چاروں
طرف دیکھا پھر میری سماعت نے مجھے اس شور کی طرف
متوجہ کیا جو مجھے کے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا میرے
قدم تیز و تند دریا کی طرف بڑھ گئے۔ میں عالم بے خودی
میں اس طرف چل پڑا وسیع و عریض چوڑا پاٹ میرے
سارے تنہا پانی برق رفتاری سے اپنا سفر طے کر رہا تھا
مٹیالی لہریں جھاگ اڑا رہی تھیں۔ میں دریا میں اتر
گیا آگے آگے اور آگے اور پھر پانی نے میرا اذن

پنہال لیا ایسی پٹنی لگائی کہ نیچے پاؤں اوپر ہو گئے دوسری
پٹنی اور اس کے بعد تار کی گہری اور سکون تار کی پھس
روشنی دھندلے روشنی پھر ایک آواز

”ہاں رہا ہے کا کا۔“
”ہاں رہا ہے۔“
”کراہ بھی رہا ہے۔“
”ہاتھو۔ ارے دیکھو بوٹو۔ اوکا ہوس آئے رہے۔“
”آت رہیں کا کا۔ ابجو آت رہیں۔“
”اب کا کرت ہے جانکی۔“
”آنکھیں پٹیٹا رہا ہے۔“
”ہیں۔ اب آئی سرور اوکا ہوس۔ اری جی جانکی
دودھ گرم کر لی ہے کا۔“
”ہاں کا کا۔ ہنڈیا چھلے پر رکھی ہے۔“
”بھردو کٹورے ماں۔ دیدی اے ہی کہہ گئے تھے۔
جاری جلدی کر۔“

یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔ ہوش میں تھا سوچ رہا تھا
کہ اب کہاں ہوں یہ بھی یاد آگیا کہ دریا میں کود کر جان دینا
چاہی تھی یہ بھی سمجھ میں آگیا تھا کہ موت نے قبول نہیں کیا ہے
یہ بھی یاد تھا کہ سودا احمد نام ہے میرا اور بھوریا چرن بھی یاد
تھا۔

”کہاں ہو س آئی کا کا۔ ایک مردانہ آواز سنائی دی۔
”نا آئی۔ جانکی ہی بولت رہی۔ دوسری آواز نے
کہا۔ اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اتنی دیر میں ایک لڑکی
بڑا سا کٹورا لیے اندر آگئی جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔
نوجوان مجھے دیکھ کر مسکرا دیا پھر بولا۔

”جاد کا کا دودھ کی کس بو پڑتے ہی ہوش آگئے۔
انجانی کو چل بوا دودھ پی لے۔“ اس نے سہارے
سے مجھے اٹھاتے ہوئے کہا۔ سخت بھوکا تھا لڑکی نے
کٹورا میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے اپنی اوڑھنی کا ایک
حصہ گرم کٹورے کے نیچے رکھ دیا۔ باقی اوڑھنی اس کے
شانوں پر تھی اور اسے نیچے اس طرح جھکنا پڑا تھا کہ اس
کا چہرہ میرے سینے سے آگیا تھا۔ دودھ کا گھونٹ
لیتے ہوئے میں نے اسے دیکھا سانولا سلونا چہرہ سادہ
سے نقوش انیس بیس سال کی عمر۔ جوانی کی تمازت سے

چلتے ہوئے سانس۔ کاجل بھری آنکھوں میں دھڑکتی
زندگی۔ مجھے اپنی طرف دیکھتے پا کر آنکھیں جھکیں چہرے
کارنگ بدلا پھر آنکھیں اٹھیں کڑے انداز میں مجھے دیکھا
پرکھ اور پھر جھک گئیں۔ ہونٹ، آہستہ سے کپکپائے
جیسے انہوں نے کہا ہو۔ مگر بے آواز۔ میں کچھ بدحواس
ہو گیا مگر گرم دودھ کے دھڑکے گھونٹوں نے سنبھال
لیا آئین تک چل گئی تھیں۔

دودھ پیو رہے تھے کہ نا، کاکا پھر بولا۔

”سب کو سس گئی سسر“ نوجوان نے ہنستے ہوئے
کہا۔ لڑکی نے جلدی سے کٹورا میرے ہاتھ سے لے کر اپنی
اڈھنی سنبھال لی۔ اور پھر کٹورا ایسے باہر نکل گئی۔ میری
نظروں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔ بہت سی لڑکیاں دیکھی
تھیں شکست نے مجھ سے اظہار عشق کیا تھا، شناسری
دیوانی تھی، یہ لڑکی ان کے مقابلے میں کچھ نہیں تھی مگر نہانے
دل اس کی طرف مائل کیوں ہو رہا تھا۔ وہ باہر نکل گئی تو
اس جگہ کا جائزہ لیا کچی مٹی کی دیواروں سے بنا کمرہ تھا
چھت پھونس کے چہرے بنی ہوئی تھی۔ تین چار پائیاں
کل کائنات تھیں۔ جن میں سے ایک پر ایک بوڑھا شخص
بیٹھا تھا۔ وہ غالباً اندھا تھا یہی احساس ہوا تھا۔
”ہاں بھائی گیسورام۔ اب بولو جتنا مال کا کر دے
تھے، نوجوان نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”جنا میں؟“

”ارے تو اور کاکا، کاکا اندر جہاز ان کے دستہ مال میر
کر دے تھے۔“

”انہیں بس کنا دے پر تھا پاؤں پھسل گیا۔“

”بھلے پھسلے ہوا۔ اور ہم نالکالتے تو۔“

”مر جاتا۔“ میں نے کہا اور ایک بکس مسکراہٹ میرے
ہونٹوں پر پھیل گئی۔ اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا
”یو کاکا۔ بولہن لیے گئے تھے جتنا مال۔“

”کلبے بٹو۔ بیٹوں بھاری ہو گیا کاکا۔“

”ہاں چاچا۔“

”دکھی لاگو ہو۔ ارے نا تمہوے، مہمان بتا لو اپنا لے
جی پہل جائے تو جان دینا۔“

”ارے اسی کہاں جائے رہے اب کاکا۔ ہم منت کریں

ہے اس پر، ایسے کلبے جانے دیں گے سسر واکو۔“
”بس ٹھیک ہے۔“ بوڑھے نے کہا۔

دھویوں کی آبادی سستی۔ جتنا گھاٹ پر آباد سستی۔ سستی کا
تمام تھا پور یا۔ کوئی سو گھرتے پوری سستی میں۔ بوڑھے
شخص کا نام راکھو تھا۔ بیٹے کا نام تھا اور لڑکی کا نام جانیکی
تھا۔ نام تو گھاٹ پر چھوڑا مگر رہا تھا کہ میں بہتا ہوا اس کے
سامنے سے گزرا اور اس نے مجھے نکال لیا۔ جانیکی کی نگرانی

میں پیٹھ پر لادھ کر مجھے اپنے جھونپڑے میں لے آیا۔ کچھ
فاصلے پر ایک بڑا شہر تھا جہاں سے یہ لوگ بیل گاڑیوں
پر گھروں کے کپڑے دھونے لاتے تھے اور پھر وقت پر
انہیں ان کے مالکوں کے پاس پہنچا دیا کرتے تھے سادہ سی
زندگی۔ جو روکھا سوکھا ملا کھالیا اور خوش۔ کیا عجیب بات
ہے بس اسے تقدیر ہی کہا جاسکتا ہے۔ نمود ہوتی ہے اور
کوئی طلب نہیں ہوتی کہ کون کہاں پیدا ہو۔ لیکن اس کے
بعد کی کہانیاں انوکھی ہوتی ہیں۔ سادگی کی حد یہ تھی کہ مجھے
میرا نام تک نہ پوچھا گیا اور نہ اتھو نے مجھے ٹیو کہا تو سب
اس نام سے پکارتے تھے، یہ سستی بڑی لمبی لگی تھی۔ میں یہاں
رہ پڑا کہاں جاتا کیا طلب کرتا جو مال کا وہ گناہ بن گیا۔ اور
اب یہ سوچا تھا کہ کچھ نہیں مانگوں گا جو ملے گا قبول کروں گا
بھول جاؤں گا سب کو کوئی فائدہ نہیں کسی کو یاد کرنے سے
وہ بھی مجھے بھول گئے ہوں گے۔ صبر کر لیا ہو گا مجھے خدا کرے
عمود اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائے خدا کرے اس
کا مال باپ سے رابطہ ہو جائے خدا کرے میری بہن شمر
اپنا مستقبل پلے میں تو ان کا قاتل تھا۔ اب کیا کروں گا
اس کے پاس جا کر۔ جو چین گیا تھا وہ نہیں ملا تھا۔ آہ جب
بھی وقت ملتا جب دوسروں کی نظروں سے محفوظ ہوتا۔
قبلہ رو کھڑا ہو جاتا تھا باندھ لیتا پھر سجدے میں چلا جاتا
لیکن جو چین گیا تھا یاد نہ آتا۔ ایسے لمحوں میں ذہن سو جاتا
تھا۔

”راکھو بابا۔ میں کپڑے دھوؤں گا۔“

”کلبے بٹو۔“

”اسی سستی میں رہوں گا میں۔“

”راکھو بٹو۔“

”تمہارا کھانا تیار ہوں۔“

سو کا ہے۔

”ٹھیک تو کہے ہے کا کا۔ دلی مٹی ہو جاوے گی۔ کام کرنے دے اے۔“ نانتھو نے کہا اور وہ میرا استاد بن گیا میں اس کے ساتھ کپڑے دھونے لگا۔ اس کا کام بڑھ گیا تھا ایک دن جانکی نے شرماتے ہوئے کہا۔
”کچھ معلوم ہے میسوا۔“

”کیا۔“

”کانکا اور بھیا ہمارے بیاہ کی بات کر رہے تھے۔ کانکا کہہ رہا تھا کہ چھوڑا بڑھیا ہے کام بھی کوڑے ہے، جانکی کے ساتھ پھرے کر دیں اس کے چوکھار ہے گا۔“

میرے ہاتھ رک گئے۔ میں عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا جانکی مجھے اچھی لگتی تھی اس کی قربت سے ایک نشہ سا چھایا رہتا تھا مجھ پر۔ وہ بھی میرا بہت خیال رکھتی تھی مجھے چاہتی تھی جس کا صاف اظہار ہوتا تھا۔ مگر وہ میری ہم مذہب نہیں تھی، کچھ بھی تھا مجھے اپنا نام یاد تھا، اپنا مذہب یاد تھا اور مجھے اس سے محبت تھی۔ جو کچھ مجھ سے چھین گیا تھا وہ میری بد قسمتی تھی لیکن باقی سب..... کیا..... کیا خود کو بھول جاؤں، کیا.....

”جانکی نے کہا۔“ کیا سوچنے لگا۔“

”کچھ نہیں جانکی۔“

”اپنے یاد آ رہے ہوں گے۔“

”ہاں۔“

”سب بچہ بھلا دوں گی تجھے، سب کچھ“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا مگر میں بہت بے چین ہو گیا تھا۔ اس رات میں بہت بے کل تھا۔ ساری رات بے کلی میں گزری۔ صبح کو اٹھا۔ دل کی بے چینی کی طور دور نہیں ہو رہی تھی۔ ایک گوشہ تلاش کیا اور بے کسی سے کھڑا ہو گیا ہاتھ باندھ لیے پھر سجدے میں گر گیا۔ بہت دیر گزری چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ اٹھا تو..... نانتھو پر نظر پڑی وہ اچھپے سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کے منہ سے سراسرائی آواز نہ نکل سکی تو مسلمان ہے۔“

پورا جسم مجسم آواز بن گیا۔ رواں رواں پکارنے لگا۔
”ہاں..... ہاں۔ اور یہ کہتے ہوئے جو سکون ملا تھا اس کی قیمت کائنات کے سارے خزانے میں نہیں تھے یہ الفاظ

میری گمشدہ بنیاتی تھے۔

”مسلمان ہے تو؟“ نانتھو نے اس بار کوڑک کر پوچھا۔
”ہاں میں مسلمان ہوں۔“ میں نے عجیب سی کیفیت میں کہا۔
”ہم کا دھوکا کا ہے دیت رہے تھے۔ ہمارے سامنے میسوا کلے بنا رہے۔“

”نہیں نانتھو..... نہیں۔ میں کچھ نہیں بنا میں تو مصیبت کا مارا ہوں نانتھو میں نے تو..... میں نے تو.....“

”ہمارا ہنسیا سے بہاہ کرنے لگا تھا تے رہے ہم بھ کی آنکھن میں دھول جھونک رہے رہے۔“

نانتھو تم لوگوں نے جتنا مجھے اس وقت نکالا تھا جب میں بے ہوش تھا۔ میں تو خود اپنی زندگی ختم کرنے کے لیے دریا میں گرا تھا میں کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل کیسے کر سکتا ہوں تمہیں معلوم ہے نانتھو تم جانتے ہو کہ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ کل جانکی نے مجھے بتایا کہ تم لوگ ایسا سوچ رہے ہو میں ایسا کبھی نہ کرتا۔ اپنے اور پر احسان کرنے والوں کو کبھی میں دھوکا نہیں دیتا۔ اگر میں تمہیں حقیقت نہ بتا تو کم از کم یہاں سے چلا جاتا۔“

”اور جانکی سے بیاہ نہ کرتا۔“

”کبھی نہیں نانتھو..... کبھی نہیں۔ نانتھو میرا چہرہ دکھایا۔“

وہ ان بچائیوں پر غور کر رہا تھا بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس نے پریشانی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”بڑی بکٹ بات ہو گئی رہے میسوا۔ جانکی تیرے سپنے دیکھن لاگی رہے اس نے اپنی سکھیوں کو بھی بتا دیا ہے۔ اب بات برادری مانکل گئی ہے تو ہم پر کدیا کر بھرا..... کہہ پا کر ہم پر رہے۔ تو یہاں سے چلا جا چپ چاپ چلا جا۔ سب سوچیں گے کہ نے بھاگ گیا۔ ہم کہہ رہی ہے کہ نے ہمارے روپے لے کر بھاگ گیا ہماری محبت بچ جاتی ہے۔ لوگ تو برا بھلا کہہ کر چپ ہو جاتی ہے۔ تیرا کچھ نا بگڑے گا۔ ہماری مان لے۔ ہماری محبت بچائے بھرا۔“

نانتھو نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

میں جا رہا ہوں۔ ابھی جا رہا ہوں نانتھو میرے بھائی تیری عزت مجھے زندگی سے زیادہ پیاری ہے ابھی چلا جاتا ہوں میں ابھی زیادہ وقت بھی نہیں گزرا ہے۔ میں نے

اس کے جڑے ہوئے ہاتھ الگ کیے اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا میں نے پلٹ کر اسے نہیں دیکھا تھا۔

بستی بہت چھوٹی تھی میں آخری مکان سے بھی گزر گیا آگے کھیت بکھرے ہوئے تھے اکا دکا لوگ نظر آ رہے تھے کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ میں نے رفتار تیز رکھی تھی۔ کسی رخ کا تعین نہیں کیا تھا۔ رخ کدھر کرتا کہاں جاتا۔ بس جمل بڑا تھا۔ ناتھو اور دھوبی کسی بستی کا تذکرہ کرتے تھے کہتے تھے کوئی بڑا شہر ہے جہاں سے وہ کپڑے لاتے ہیں اور دھوبی ان کے مالکوں کو پہنچا دیتے ہیں مگر میں نے کبھی اس شہر کے بارے میں کسی سے نہیں پوچھا تھا۔ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا چلتا ہوا اس وقت صرف ناتھو رام کی عزت پیش نگاہ تھی اور کچھ نہیں سوچ رہا تھا۔ چلتے چلتے دوپہر ہو گئی اب دیوان جنگلوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ درخت نظر آ رہے تھے پرندے پرواز کر رہے تھے۔ آسمان شفاف تھا دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ جب پیروں نے جواب دے دیا تو ایک درخت کے نیچے پناہ لی اور زمین پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ نیند تو نہیں آئی تھی البتہ لقاہت نے غنودگی طاری کر دی تھی۔ بدن کو سکون ملا۔ کچھلے کچھ دن آرام سے گزارے تھے۔ اس لیے برداشت کتنی قوت میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ سوج ڈھلے اٹھا افسردہ بھر چل پڑا شام جھلک آئی اور پھر میں نے سیاہ رنگ کی ایک کوٹھی دیکھی۔ ٹوٹی دیواریں بکھری ہوئی زمینوں کے ڈھیر ایک بڑا سا گنبد۔ قدم اسی جانب بڑھ گئے کچھ دیر کے وہاں وہاں پہنچ گیا کوئی قدیم مسجد تھی۔ سیڑھیاں تک سلامت نہیں تھیں برا سا صحن تھا جو میری طرح ادھڑا ہوا تھا چاروں طرف تپتے بکھرے ہوئے تھے دل میں عقیدت کا ایک جذبہ ابھر آیا۔ پیارا بھر آیا یہ سب مجھ سے روٹھے ہوئے تھے۔ گناہ گار تو تھا میں لیکن..... لیکن مجھے پیار تھا۔ اس احساس سے پیار تھا کہ میں مسلمان ہوں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس سے یہ صحن صاف کرتا میٹھیں اتاری اور صحن کی صفائی میں مصروف ہو گیا وسیع و عریض صحن کو صاف کرتے کرتے اتنی دیر ہو گئی کہ رات

ہو گئی۔ سوکھے تپتے سیٹ کر میں نے مسجد کے پچھلے حصے میں پھینکے اور وہاں ایسے تھول کے انبار دیکھ کر حیران رہ گیا۔ یوں لگا جیسے کوئی باقاعدگی سے صحن صاف کر کے یہ تپتے یہاں پھینکتا ہو۔ نہ کون۔ کچھ کچھ میں نہیں آیا۔ زیادہ غور بھی نہیں کیا۔ اب کوئی کام نہیں تھا میٹھیوں کے پاس آکر ایک جگہ صاف کی اور لیٹ گیا جھوک لگ رہی تھی دن بھر پیاس کی شدت بھی رہی تھی کہیں سے پانی بھی نہیں پیا تھا بس چلتا رہا تھا اور یہاں آکر اس مسجد کے پاس کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ جھوک پیاس بیشک تھی لیکن اسے رخ کر نے کا کوئی ذریعہ سامنے نہیں تھا۔ لیٹے لیٹے ایک بار پھر غنودگی کی کیفیت طاری ہو گئی اور شاید سو گیا۔ بجائے کتنا وقت گزرا تھا۔ عالم ہوش میں نہیں تھا کہ دفعتاً کچھ۔ آہیں سنائی دیں۔ شاید ان آہٹوں سے نہیں جاگا تھا۔ بلکہ کسی نے پاؤں پر کدھر جھنجھوڑا تھا۔ چونک پڑا ادھر ادھر دیکھا۔ تین چار آدمی نزدیک کھڑے ہوئے تھے۔ چاند نکلا ہوا تھا اور مسجد کا پورا ماحول روشن تھا ان میں سے ایک نے کہا۔

یہ سونے کی جگہ نہیں ہے میاں صاحب یہاں کیوں سو رہے ہو۔ راستہ گزر گا ہے۔ میں بڑبڑا کر کھڑا ہو گیا اس ویرانے میں اس وقت مسجد میں آنے والے کون ہیں جن لوگوں نے مجھے جگایا تھا وہ آگے تھے۔ میں ادھر ادھر لگا ہوں دوڑانے لگا سفید لباسوں میں ملبوں پاکیزہ نورانی چہرے والے بزرگ نوجوان اور چھوٹی عمر کے لوگ جوق در جوق مسجد کی جانب آ رہے تھے اور اندر مسجد میں بڑا اہتمام تھا میں پر غوا انداز میں آگے بڑھ گیا۔ اس وقت یہ اجتماع کیوں ہوا ہے تجسّس میرے دل میں جاگ اٹھا تھا۔ لوگ صفیں بنا کر بیٹھے تھے میں بھی ایک سمت بیٹھ گیا سامنے ہی ایک منبر لگایا گیا تھا پہلے یہاں موجود نہیں تھا۔ غالباً یہاں آنے والے اپنے ساتھ لائے تھے۔ میں نے قریب بیٹھے ہوئے ایک نوجوان آدمی سے جس کی دائرہ اور رنگت سفید تھی مدھم بچے میں پوچھا۔

”یہاں کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے چونک کر مجھے دیکھا

اور بولا۔

”درس کیا تم درس میں شرکت کے لیے نہیں آئے؟ میں نے دیکھے والے انداز میں دیکھے والے انداز میں گردن ہلا دی تھی پھر میں نے ایک مغمض شخص کو دیکھا ٹخنوں تک چغہ پہنا ہوا تھا۔ سر پر سفید عمامہ تھا۔ براق سفید۔۔۔ دائرہ جو سینے تک ملکی ہوئی تھی بنویں تک سفید تھیں وہ منبر کی جانب بڑھے اور پھر منبر پر جا بیٹھے اور اس کے بعد انہوں نے وہاں موجود تمام لوگوں کو سلام کیا سب نے بلند آواز سے جواب دیا اور معمولی رنگ کہنے لگے۔

”اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تو مسجد پوری بھری ہوئی ہے بھی آگئے ہیں۔“ جی امام صاحب آج ایک عجیب واقعہ بھی ہوا ہے۔ ایک شخص نے کہا۔

”ہمارے آنے سے پہلے ہی کسی نے مسجد کا صحن صاف کر دیا ہے۔ جب یہاں ہم پہنچے تو صحن صاف ملا تھا۔“ ہو گا کوئی بندہ خدا۔ خدا کے بندے کہاں موجود نہیں ہوتے۔

”ایک اجنبی شخص کو ہم نے میز میزوں کے پاس بڑے پایا“ سو رہا تھا۔ غالباً اسی شخص نے صحن صاف کیا ہو گا۔ کہاں ہے وہ۔! جن بزرگ کو امام صاحب کہہ کر پکارا گیا تھا انہوں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر کسی کے بتائے بغیر ان کی نگاہیں میری جانب اٹھ گئیں۔ فاصلہ کافی تھا لیکن مجھے یوں محسوس ہوا جیسا کہ ان آنکھوں سے روشنی کی ایک لکیر نکل کر آگے بڑھی ہو اور مجھ تک پہنچ گئی ہو۔ اس روشنی سے اسرار احاطہ کر لیا تھا اور اس کے بعد مجھے امام صاحب کی کوئی اور آواز سنائی دی۔

”آگے آؤ۔ کون ہو تم۔! مجھے یوگیا جیسے کچھ نا دیدہ ہاتھوں نے میری ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے اٹھا کر کھڑا کیا ہو۔ قدم بھی خود بخود ہی آگے بڑھتے تھے درمیان میں آنے والوں نے مجھے امام صاحب تک پہنچنے کا راستہ دیا تھا اور میں وہاں تک پہنچ گیا تھا۔ جو یہی میں امام

صاحب کے قریب پہنچا انہوں نے عمامے کا لٹکتا ہوا حصہ ہاتھ میں پکڑ کر ناک پر رکھ لیا۔ پیشانی پر ناگواری کی شکین نمودار ہو گئی تھیں۔ انہوں نے کڑی نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

”کون ہے تو اور یہاں کیا کر رہا ہے۔ میں نے بولنے کی کوشش کی لیکن آواز نہیں نکل سکی تھی امام صاحب کہنے لگے۔“

”میں تو نے اس مسجد کا صحن صاف کیا تھا! میرے منہ سے تو آواز نہ نکل سکی البتہ گردن ہل گئی تھی۔“

”کیا تجھے علم نہیں ہے کہ یہ مسلمان کی مسجد ہے۔! میں نے امام صاحب کو دیکھا ان کی نگاہیں مجھ پر گڑی ہوئی تھیں میری آنکھوں میں بنانے کیا کیا کیفیات تھیں وہ چونک کر بولے۔

”مسلمان ہے تو۔!“

”ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میرے حلق سے جیسے رکی ہوئی بے شمار آوازیں نکل گئیں۔“

”مگر تیرے جسم نے تو بد بواہر ہی ہے ایک ایسی بد بوجھ کی کسی مسلمان کے جسم میں نہیں ہوتی ایسا کیسے ہوا۔ نہیں تو جو ان تو صاحب ایمان نہیں ہے یہ بد بوجھ تیرے بدن سے اٹھ رہا ہے کسی ایمان والے کے جسم سے نہیں اٹھ سکتی یہ تو غلاظت کی بو ہے براہ کرم صحن مسجد سے باہر نکل جا یہاں ذکر الہی ہو گا اور اس کے بعد نماز تہجد پڑھو جیسے کسی بے ایمان شخص کو ہم اپنے بیچ میں جگہ نہیں دے سکتے۔ براہ کرم باہر نکل جا اس سے پہلے کہ تجھے مسجد کے صحن کو ناپاک کرنے کی سزا دی جائے یہ سزا تجھے صرف اس لیے نہیں دی جائے گی کہ تو نے کسی بھی جذبہ کے تحت یہی صحن مسجد کو صاف کیا ہے مگر تجھے اپنے درمیان جگہ نہیں دیں گے ہم۔“

میں ہلکے ہلکے کر دوپڑا میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہا۔

”سارے زمانے کا ٹھکرایا ہوا ہوں میں، میں ایک بد نصیب انسان ہوں مجھے سہارا چاہیے میں تصور وار ہوں آنکھوں گناہ کیے ہیں میں نے تائب ہو رہا ہوں۔ میری مدد کرو۔ خدا کے لیے میری مدد کرو تمام لوگ

اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے تھے کسی نے چیخ کر کہا۔
اس ناپاک کو دھکے دے کر مسجد سے باہر نکال
دو اس پر نہ شخص کو مسجد میں داخل ہونے کی سزا دواؤ
یہ یہاں آیا کیوں ہے نکالو اسے۔۔۔ نکالو اسے۔

امام صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ایمان والو! ایمان والوں جیسی باتیں کرو۔ وہ جو کچھ بھی ہے اس نے کوئی دشمنی نہیں کی ہے کوئی بھولے سے اگر خدا کے گھر میں داخل ہو گیا ہے تو خدا کے گھر سے اسے دھکے دے نہیں نکالا جاسکتا کیسی باتیں کر رہے ہو تم لوگ۔ چاروں طرف سناٹا مچا گیا لوگ خاموش ہو گئے کسی کے منہ سے ہلکی سی آواز بھی نہیں نکلی امام صاحب نے کہا۔

”اور تو اپنے کو مسلمان کہتا ہے مگر کیا یہ بتا سکے گا کہ یہ بدبو تیرے جسم میں کیسے داخل ہوئی۔“

یہ میرے گناہوں کا پھل ہے۔۔۔ میری مدد کرو۔۔۔ میں گنہگار ہوں۔

گناہوں کے لیے توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں مگر یہ کیسا گناہ ہے جس سے تیرے جسم میں کفر کی بدبو پھیل گئی ہے۔ خدا کے لیے ہمارے ان لمحات کو ضائع نہ کرو ہم نے اپنے طور پر جو انتظام کیا ہے اور جس مقصد کے لیے کیا ہے ہمیں اس کی تکمیل کرنے دے تو باہر جا تیرے لیے توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور یہ دروازے کبھی بند نہیں ہوتے جب بھی بارگاہِ ایزدی میں تیری توبہ قبول ہوگئی تجھے تیری مشکلات کا حل مل جائیگا لیکن تو جا یہاں سے۔ یہاں سے چلا جا۔ فوراً چلا جا۔ ہم اپنی عبادت میں تیری مداخلت پسند نہیں کرتے اسے راستہ دے دو۔ امام صاحب نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب مجھے ان کے درمیان جگہ نہیں ملے گی پھر یہاں رکنا بے مقصد ہی ہے نڈھال اور مضحکہ خیز قدموں سے دباؤں سے واپس پلٹنا تو امام صاحب کے کہا۔

”سیدھے راستے پر چلے جانا کافی دور جا کر تجھے ایک درخت نظر آئے گا اس درخت میں پھل ہوں گے ان پھلوں سے تو اپنی شکم سیری کر سکتا ہے بس اس سے زیادہ

اور تیری کوئی مدد نہیں کی جاسکتی۔ میں نے کچھ نہ سنا بنانے کیسے کیسے خیالات دل میں آ رہے تھے جو کچھ ہوا تھا اس پر بھی غور نہیں کر رہا تھا بس یہ احساس تھا کہ میرے جسم سے ایک ایسی بو اٹھنے لگی ہے کہ ایسی بو کسی مسلمان کے جسم میں کبھی پیدا نہیں ہوتی اور اس بو کی وجہ میں جانتا تھا بھور یا چرن نے میرے وجود میں کفر اتار دیا تھا یہ کفر میرے دل پر تو اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لیکن جسم غلیظ ہو گیا تھا اور بقول امام صاحب وہ بو اس کے جسم سے اٹھ رہی تھی جو ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی آہ جو کچھ بولے جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں کافی حد تک میرا قصور ہے بلکہ قصوری میرا ہے بلاشبہ انسان کو اس کی حیثیت سے زیادہ مل جائے تو وہ بھول جاتا ہے۔ اپنے آپ کو کھو جاتا ہے۔ لیکن ایک لمحہ صرف ایسا آتا ہے جس کے بعد ساری عمر تو یہ بھی ناکافی ثابت ہوتی ہے جو ہو گیا تھا وہ ہو گیا تھا۔ بے عزت کر کے ہر جگہ سے نکالا جا رہا تھا۔ پوریا بیتی سے بھی۔ اور اب اس مسجد سے بھی۔ آہ یہ سب کچھ میرے لیے از حد ضروری تھا گناہوں کی سزا میں جس قدر تذلیل ہو کم ہے۔ وہاں سے بھی چل چڑا کوئی منزل تو تھی نہیں بس چلتا رہا اور پھر کسی شہری آبادی کے آثار نظر آئے تھے اجالا پھیل رہا تھا قدم اس طرف بڑھو گئے بستی کے پہلے مکان سے نکھر بیٹے کی آواز سنائی دی اس کے بعد پھیل کا گھنٹہ کئی بار بجا اور پھر ایک موٹی بھڑکی آواز سنائی دی۔

بھجن قسم کی کوئی چیز تھی لیکن اس کے بول بڑے دل ہلا دینے والے تھے اور ان کا مفہوم میری سمجھ میں آ رہا تھا۔ جب تک فس ریو چولا میں: چولا جب تک بن ریو جسم میں جب تک روح رہی جسم برقرار رہا۔

اڑ گیو نہس رہ گیو مائی بولن بارو کدو گیو روح جسم سے نکل گئی تو بس مٹی کا بدن رہ جاتا ہے اور جب تک چراغ میں تیل رہتا ہے چراغ جلتا رہتا ہے تیل ختم ہوا چراغ کی بتی حل گئی تب پھر اس روشنی کو پیدا کرنے والا اکون ہو سکتا ہے۔

بھجن کے ان الفاظ نے ذہن کے بنائے کون سے گوشوں کو چھو لیا تھا۔ دیر تک وہیں کھڑا ان الفاظ پر

خود کو تاراج کر دیا۔ گردن گھمائی تو اوپر سے برہنہ جسم کے مالک
دھوٹی باندھے ہوئے۔ ماتھے پر تکیہ لگائے ایک بھاری
بدن کے شخص کو دیکھا۔ چہرے پر شوخی سی چھائی ہوئی تھی
دونوں ہاتھ کمر پر رکھے تھے گھور رہا تھا۔ مجھے نگاہ ملی تو
گردن شکلاتے ہوئے بولا۔

”آج بھی رہ گئے مہاراج آج بھی کامیابی نہیں ہوئی
نہیں۔“

”جی میں نے حیران لگا ہوں سے اسے دیکھتے ہوئے۔“

”بھینس کھوئے آئے تھے ناپنڈت کاشی رام کی اسے
بہت دن سے تم ہماری بھینس کی تاک میں ہو اور ہم تمہاری
تاک میں آج ملاپ ہو ہی گیا۔ اسے دیا کہ وہ مہاراج دیا
کر۔ غریب آدمی جس اس بھینس کے علاوہ اگر اسنہار
میں اپنا کوئی نہیں ہے اسے اسی کے دودھ پر اپنا بیون
گزار رہے ہیں کیا کرو گے اسے لے جا کر۔ مجھے ہنسی آگئی
میں نے آہستہ سے کہا۔“

”نہیں پنڈت جی“ میں نے تو آپ کی بھینس دیکھی ہی نہیں
بھلا اسے چرانے کا خیال کیسے آتا میرے دل میں؟
”تو پھر کیا یہاں پوچھا کر رہے ہو کھڑے ہوئے وہ کسی
قدر طنز لہجے میں بولا۔“

”آپ بھجن گارہے تھے اسے سننے کھڑا ہو گیا۔“

”ارے.... ارے.... بھجن سننا ہے تو بیٹھ کر سنو بیٹیا
ایسے کیوں کھڑے ہو جیسے بھینس چرانے آئے ہو۔ آؤ آؤ
تمہیں اور بھی بہت سے بھجن سناؤ گے۔ ایک تم ہو کہ ہمارا
بھجن سن کر چلتے چلتے رک گئے اور ایک دھبے جو
کہتی ہے کہ بھینس کی اور ہماری آواز میں کوئی فرق ہی
نہیں ہے۔ ذرا آؤ جانا اسے کیسا بھجن گاتے ہیں ہم۔“

اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑا اور احاطے سے اندر لے
گیا۔ چوڑا سلکان تھا بڑا سادہ وارہ۔ اسی چھوٹے سے
احاطے کے ایک گوشے میں بھینس بندھی ہوئی تھی اس کے
آگے کھانے پینے کا سامان پڑا ہوا تھا۔ ایک طرف بانوں
سے بڑی ہوتی جھلکا چار پانی جو میٹھنے کے لیے تھی اور کاشی
رام جی نے مجھے اسی چار پانی پر بٹھا دیا اور خود مجھ سے
کچھ فاصلے پر بٹھرتے ہی ہوئی ایک سل پر بیٹھ گئے اور

اس کے بعد انہوں نے لہک لہک کر پھرے اپنا بھجن
شروع کر دیا۔ کافی زوردار آواز میں گارہے تھے۔
آواز میں ذرہ برابر دلکشی نہیں تھی لیکن بول مست کر دینے
والے تھے پھر کاشی رام جی اس وقت چپ ہوئے جب
اندر سے ایک دھڑکنائی دی۔

کسے پکڑ لائے تم جمع ہی جمع۔ اور کیوں بھینس کی طرح
ڈکارے جا رہے تھے۔ میں کہتی ہوں تمہاری کھوپڑی

بالکل ہی خراب ہو گئی ہے۔.... ارے تو کون ہے اسے؟
میں اور کاشی رام دونوں ہی چونک کر اس بھینک

آواز کو سننا تھا اور گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ چہرہ تو اتنا
بھینک نہیں تھا۔ لیکن آواز اور جسمت خوف زدہ

کر دینے والی تھی۔ سفید دھوٹی باندھے ماتھے پر تکیہ
لگائے آنکھیں شکلاتے کھڑی وہ ہم دونوں کو گھور رہی

تھی کاشی رام جی اچھل کر کھڑے ہو گئے اور خاتون
آگے بڑھ کر ہمارے سامنے بیٹھ گئیں۔ پھر ایک پونڈنا کر

دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اور باری باری ہم دونوں کو
گھورتے ہوئے بولیں۔

”یہ تم دونوں صبح ہی صبح کیا کر رہے ہو۔۔۔“

”ارے وہ دیورانی جی.... یہ بے چارہ مسافر
ہے بھجن سن کر کھڑا ہو گیا کہنے لگا کہ من کیجی رہا ہے یہ بھجن

سن کر کھڑا ہو گیا تھا کہنے لگا کہ اب سب تیرے جیسے ہی
تو نہیں ہوتے کہ کاشی رام کی آواز پسند ہی نہ آئے

اب اس سے پوچھ کیا حال ہوا ہے اس کا بھجن سن کر میرا۔
”اور جو حال میں کروں گی اس کا وہ کون دیکھے گا

پنڈت جی؟ خاتون نے کہا اور ادھر ادھر کوئی چیز تلاش
کرنے لگی۔ اصولاً تو مجھے بھاگ جانا چاہیے تھا لیکن

کاشی رام جی میرے سامنے آگئے۔

”دیکھو دیوتی بھکر کی بات گھر تک رہنی چاہیے بے چارہ
باہر سے آیا ہے کیا سوچے گا ہمارے بارے میں ارے

پر جو بیوی دیوتی جی ہیں دیورانی پر نام کرنا نہیں۔
کہنے کو تو ہماری دھرم پتی ہیں۔ مگر.... مگر اصل میں یہ

ہمارے دھرم پتی ہیں۔ سمجھ رہے ہونا۔ ارے پر نام کر لو
انہیں پر نام کر دو۔“

”کون ہو تم۔ کیوں آئے ہو یہاں۔۔۔“

”بس وہ دیوی ہی..... میں..... میں :-

”پر بھو نام ہے تمہارا۔ عورت نے پوچھا۔

”تو اور کیا۔ صورت سے نہیں لگتا تمہیں کچھ شرم کرو دیوتی۔ بھگوان نے جمع ہی جمع نہیں مہمان سے فوانا اہم تم نے اس کے ساتھ سلوک.....!“

”اور تم بڑا اچھا سلوک کر رہے ہو اس کے ساتھ اپنی بھئیے ڈھول جیسی آواز سے اسے بھجن سنا رہا ہے ہو۔ کاٹی رام جی بھینس دودھ دینا چھوڑ دیا ہے۔ جب سے تم نے یہ بھجن وچن گانے شروع کئے ہیں۔

”ہرے رام۔ ہرے رام سن رہے ہو پر بھو بھیا بھینس نے دودھ دینا چھوڑ دیا ہے اجاب تو جا زیادہ باتیں نہیں کرتے، پتی ہی رہ۔ میری مائا بننے کی کوشش مت جا مہمان کے لیے بھو جن تیار کراری جاتی ہے یا نہیں۔ کاٹی رام جی عزائے اور خاتون کچھ مصلیٰ پر نہیں اس کے بعد مڑیں اور پاؤں کچھتی ہوئی اندر چلی گئیں۔ کاٹی رام انہیں جاتے دیکھ رہے تھے پھر انہوں نے رلا داری سے کہا۔

”ایسا بھی کبھی کبھی ہی ہوتا ہے۔ نہ نہیں کیوں تم بتا سکتے ہو کہ اس وقت میرے چہرے پر کیسے تاثرات تھے کاٹی رام کا انداز عجیب سا تھا۔ میں کچھ نہیں سمجھا پا رہا تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

”سمجھا نہیں کاٹی رام جی :-

”ارے بھائی یہ دیوتی ہے میری دھرم تپنی مگر دیوتی ہی نہیں دیوتی بھی ہے۔ تم نے دیکھا ایک ہاتھ کسی پر پڑ جائے تو بھگوان کی سو گند گھنٹوں بیجا کال سہاڑے وہ تو کبھی کبھی میری دھونس میں آجاتی ہے۔ پر کبھی کبھی ہی ایسا ہوتا ہے اس سے بھی ایسا ہی ہوا ہے میں ہی تو پوچھ رہا تھا تم سے کہ میں میں نے کیسا چہرہ بنایا تھا جس کی وجہ سے یہ ڈر کر اندر چلی گئی ایسا کم ہی ہوتا ہے لے لے بیٹھو۔ بس اب سب ٹھیک ہو گیا ہے اب بہت نہیں پڑے گی اس کی۔ تو تمہیں میرا بھجن پسند آیا :-“

”ہاں کاٹی رام جی :-

”بھگوان تمہیں کبھی رکھے کچھ دن ہمارے مہمان رہو۔ اسے لیکن یہ جمع ہی جمع تم آئے کہاں سے ہو :-

”مسافروں۔ بس اس سبھی میں مکمل آیا، دراصل یہاں نوکری کی تلاش میں آیا ہوں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

”نوکری۔ کیسی نوکری :-

”صرف ایسی نوکری کاٹی رام جی، جس میں دو روٹیاں اور بدن ڈھکنے کے لیے لباس مل جائے۔ تو تو پھر تم کوئی غلط جگہ آئے سیدھے نوکری کے پاس چلے آئے..... نوکری مل گئی تمہیں، کاٹی رام جی بولے۔

”جی :- میں نے حیرانی سے منہ پھاڑ کر کہا۔

”جی :- کاٹی رام نے گردن جھٹکا کہ سحرے پن سے کہا۔

”کاٹی رام جی اگر..... اگر مجھے واقعی نوکری مل جائے تو میں ہر قسم کی نوکری کر لوں گا :-

”دیکھو پر بھو بھیا بات اصل میں یہ ہے کہ ہم تو بھنے اچھے آدمی ہیں لیکن عورتیں عام طور سے بری ہوتی ہیں اور دھرم پتیاں بن کر تو رہ بہت ہی بری ہو جاتی ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ دھرم تپنی بن کر دھرم کے علاوہ اور سب کچھ ہوتا ہے ان کے پاس تو ایسا کرتے ہیں۔ پر بھو جی کہ ہم تمہیں نوکری کہہ کر اپنے گھر میں رکھ لیتے ہیں روٹی اور کپڑے کی تو بالکل جلتا مت کہ تاخیر کے پیسے بھی لے لیا کرنا ہم سے کوئی مشکل بات نہیں مگر ذرا ان دیوتی جی کو برداشت کرنا ہوگا تمہیں۔ بڑی خراب ہیں مزاج کی۔ کام بھی کرائیں گی تم سے گھر کے بھینس کے کام کرنا آتے ہیں تمہیں :-“

”آپ فکر نہ کریں میں بھینس کا کام تمام کر دوں گا۔ میں لے کر آتا :-

”ارے ارے..... نا بھیا نا۔ اسی بھینس پر تو جیتے ہیں ہم کچھ نہیں کھاتے مٹے بس دودھ پیتے ہیں اور جیتے ہیں تم ذرا اس کا خیال کر لینا۔ ننھوئی تھی گھر کی صفائی تمہاری۔ باز اگر کا سودا سلف اور کوئی کام نہیں ہے۔ رسوئی میں وہ اپنے علاوہ اور کسی کو جانے نہیں دیتی لکاتی کھاتی بھی اپنا ہی ہے۔ پر وہ کوئی نہیں ہے ہمارے یہاں بس یہ کام ہوگا تمہارا اور اس کے بعد مزے ہی مزے ہم تمہیں بھی بھجن سنا دیں گے پر بھو بھیا :-

میں عجیب سی نظروں سے کاخی رام جی کو دیکھتا رہا
انہوں نے اپنی بیوی کے خوف سے میرا نام پر عبور رکھ لیا
تھا اور اب مجھے اسی نام سے پکار رہے تھے ویسے
سید صاحب آدمی معلوم ہوتا تھا کام بھی میرے سر دے دیا
تھا اس کے نتیجے میں اگر روٹیاں مل جائیں تو کوئی
خرج تو نہیں ہے ویسے بھی کون سا میرا سلیکشن رہ
گیا تھا کہ یہ کام کروں اور وہ کام نہ کروں زندگی اگر
تھوڑی سی سکون سے گزر جائے تو کیا ہر جے اب
تو کوئی بات بھی اپنے بارے میں سوچنا معنی خیز لگتا
تھا۔ یہ کروں وہ کروں سب بے کار ہے بس زندگی
کی سانسیں پوری ہو جائیں موت اپنی مرضی سے مجھ
تک پہنچ جائے بس یہی میری زندگی کا مصروف رہ گیا ہے
اب اتن میں کوئی تبدیلی بے کار ہے۔ کوئی مجھے پرہیز
کے نام سے پکارے یا مسعود کے نام سے جب زندگی
کا کوئی مقصد ہی نہیں رہ گیا تو ان ناموں میں بھی کیا
رکھا ہے۔ ٹھیک ہے مسعود احمد ٹھیک ہے اب وقت
جو کچھ کہہ رہا ہے۔ وہی مناسب ہے۔

میں نے کاخی رام سے کہا: آپ کی دیا ہے۔

مہاراج۔ دیا ہے آپ کی۔ میں تیار ہوں۔
"اے تو پھر بات ہی کیا ہے۔ مگر ناٹھ کر لینا اس
کے بعد بتائیں گے یہ بات آسے پہلے سے چل گئی تو
سوچے گی کہ گھر کے نوکر کی خاطر مدارات ہو رہی ہے
اور ناٹھ کر لے جائے گی کھا لینا۔ بعد میں
بتائیں گے اسے کہ تم کون ہو اور ہم کون ہیں؟ میں
نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی تھی۔ دونوں ہی
گردن دھپکے تھے۔ دونوں خاصے پر لطف میاں
بیوی معلوم ہوتے تھے۔ چلا اچھا ہے ذہن بنانے میں
آسانی ہوگی اب دل پر لدے ہوئے اس بوجھ کو کہاں
تک اپنے آپ پر لادے رکھوں۔ ٹھیک ہے ٹھیک
ہے جیسے بھی گزرتے وقت کی آواز ہے۔ وقت جو
کچھ کہے گا وہی سب سے مناسب ہوگا۔ کچھ دیر کے
بعد کاخی رام کی دھرم پٹی نے ناٹھ لاکر رکھ دیا
گرم پوریاں اور آلو کی بھاجی۔ بہت بھوکا تھا پل پڑا
کاخی رام جی کوئی بھجن گنگنا نے لگے تھے۔

"آپ ناٹھ نہیں کریں گے پنڈت جی؟ میں نے

پوچھا۔

"ڈٹے رہو۔ ڈٹے رہو پرہیز مہاراج بھگوان نے
اپنے بھاگ میں بس بھینس لکھ دی ہے اسی پر گزارہ
کر رہے ہیں۔ پنڈت جی نے کہا۔ پنڈت تائن مزید گرم
پوریاں لے کر اندر داخل ہوئی تھیں۔ پنڈت جی کی
پشت ان کی جانب تھی اور وہ اس وقت ہی الفاظ
ادا کر رہے تھے پنڈت تائن کچھ اور سمجھیں پوریاں بڑی
زور سے سامنے رکھی ہوئی تھالی میں پٹھیں اور غزلے
ہوئے لمبے میں بولی۔ آج فیصلہ ہو جائے پنڈت جی اب
دوسروں کے سامنے بھی تمہارے زبان کھلنے لگی ہے۔
میں بھینس ہوں بھینس پر گزارہ کر رہے ہو تم۔

"ہرے رام۔ ہرے رام۔ ارے کیا بک رہی ہے
کون بھینس کیسی بھینس۔ ارے پرہیز بھیا گڑ بڑ ہو گئی
ذرا سمجھاؤ ان دیوتی کو ہم کیا کہہ رہے تھے کہ ہم ناٹھ
داٹھ نہیں کرتے۔ بلکہ وہ بدلتی جی نے پیٹ کی بیماری
ٹھیک کرنے کے لیے ان بند کر دیا ہے اور بھینس
کے دودھ پر گزارہ ہے۔

"پنڈت جی کسی اور کو چراؤ۔ تمہارے منہ سے
کئی باری بات سن چکی ہوں: پنڈت تائن نے غزا کر کہا
ارے پرہیز جی اب پوریاں منہ میں ٹھونسے جا رہے
ہو یا کچھ بولے گئے بھی۔ ذرا بتاؤ تم ان پنڈت تائن جی کو
کہ بات کس کی ہو رہی تھی ان کی بھینس کی.....!
"جج..... جی..... ہاں..... جی ہاں۔"

"جی ہاں..... جی ہاں ارے بھائی میں ان پوریوں
میں سے ایک بھی پوری نہیں چھوڑوں گا۔ میری جان تو
چھڑا دے تو۔ پنڈت تائن بھگوان کی سوگند میں تمہیں بھینس
نہیں کہہ رہا تھا بلکہ..... بلکہ ذکر ہو رہا تھا ناٹھ کاتیں نے
کہا بھائی اپنے بھاگ میں بس بھینس کا دودھ لکھا ہے
اس پر گزارہ کر رہے ہیں۔ ہرے رام تو ہواؤں
سے لڑتی ہے۔"

پنڈت جی زبان منہ سال کر بات کیا کر اپنی میں بھی
کسی ایسے ویسے گھر کی نہیں ہوں تم سے کھڑے تھے میرے
چتا۔ کیا سمجھتے ہو تم مجھے۔

”کھرے پنڈت کی بیٹی اور کیا۔ کاشی رام نے جلدی سے کہا اور مجھے ہنسی آنے لگی۔ پنڈت اس بکیتی جھلکی اندر چلی گئی تھیں اور پنڈت جی سینے پر ہنسنے لگیں مار رہے تھے۔ پھر انہوں نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

”پر بھو جی تم بھی بس اپنے گن کے کپے ہونا ختم کیے جا رہے ہو، میری کوئی مدد نہیں کی تم نے، اب تین دن تک اس کام نہ چھو لا رہا ہے گا۔ ویسے چلو اچھا ہے تم سے ذرا اطمینان سے باتیں ہو جائیں گی۔

پنڈت جی کافی دلچسپ آدمی تھے میرا بھی جی لگنے لگا پنڈت ان کے بس آکر برتن اٹھائے تھے اور پنڈت جی اس کا چہرہ دیکھتے رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد پنڈت جی نے کہا۔

”تو پھر یہ بھو بھیا آؤ ہمارے ساتھ گھر کے پھوڑے ہم نے اپنی دکان کھولی ہوئی ہے، آ جاؤ، آ جاؤ وہیں بیٹھ کر۔ تمہارے ساتھ ساری باتیں کریں گے۔

گھر کا یہ پھوڑا ایک چوڑی گلی تھا اور یہاں پنڈت جی نے واقعی اپنے منہ کے لیے ایک بڑے سے کمرے جیسی جگہ بنا رکھی تھی ایک چھوٹا سا ڈیسک رکھا ہوا تھا وہاں پر چادر بھی ہوئی تھی۔ دروازہ چاندنی تھی پنڈت جی ڈیسک کے نیچے بیٹھ گئے اور میں ان سے ٹھوڑے فاصلے پر..... بھر میں نے ان سے پوچھا۔

”آپ کیا کرتے ہیں پنڈت جی.....“

بڑے مہمان ہیں ہم۔ بس بھگوان جس کام سے دو روٹی دے دیتا ہے وہی کر لیتے ہیں۔ جیوتش دیا بھی جانتے ہیں حالانکہ ستاروں سے ہماری کبھی نہیں بنی ہیں دیکھ کر ہمیشہ اٹنے سیدھے ہو جاتے ہیں اور مجال ہے جو کبھی صبح بات بتا دیں۔ مگر ایک بات ہے ان کا اٹنا سیدھا پن بھی اپنے کام آجاتا ہے ہم بھی لوگوں کو ان کے ہاتھوں کی رکھائیں دیکھ کر الٹی سیدھی باتیں ہی بتا دیتے ہیں۔ بس جیسے ستارے ویسی بات کام چل جاتا ہے اس کے علاوہ کبھی کسی کے گھر میں بھجن کرتے ہوں تو بھلا پنڈت کاشی رام کے بغیر کیسے ہو سکتے ہیں دھننا بھی۔

ٹھیک ٹھاک ہی مل جاتی ہے۔ کتنا کہہ دی کام چل گیا شادی بیاہ کی مہورتیں نکال دیں جس کا جو کام ہوا

کر ڈالا۔ ویسے اپنا صحیح دھندہ جیوتش ہی ہے اور پر بھو جی ٹھیک کھا چکے ہو اپنا اس لیے دسوا خاں ہے کہ ٹھیک حرامی نہیں کرو گے۔ بتا چکے ہیں ہم تمہیں کہ ہمیں جیوتش دیوتش نہیں آتی کہو کیسی رہی..... پنڈت جی ہنسنے لگے پھر بولے اب تین دن تک تو تم عیش کی اڑاؤ۔ مہمان کہہ ہی دیا ہے ہم نے تم کو، اس میں ساری برائیاں ہیں مگر سب سے بڑی اچھائی یہ ہے کہ جو بات ایک بار کہہ دی جائے اس میں منہ پھلائے سو پھلائے کوتاہی نہیں کرتی تین دن تک تو مزے سے ہمارے مہمان رہو اور جو تھے دن جب اس کام نہ کر جاؤ تو کام دھندہ شرف سزا کر دینا۔

میں پنڈت جی کی باتوں پر نہتا ہی رہا تھا پھر میں نے ان کے پاس بیٹھ کر یہ بھی دیکھا کہ ان کا کاروبار ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے اکا دکا لوگ ہاتھ دکھانے بھی آ جاتے ہیں اور پنڈت جی پوری کھکشاں زمین پر اتار کر اس کا جائزہ لے کر اس شخص کے ستارے۔

نکالتے ہیں اور پھر ان ستاروں کے بارے میں ایسی باتیں بتاتے ہیں اپنے گاہکوں کو کہ خود پنڈت جی کو سمجھ میں آتیں نہ ان کی سمجھ میں آتیں بحالت مجبوری وہ بے چارے پنڈت جی کی فیس ادا کر کے اپنی جان چھڑا کر چلے جاتے تھے۔ اگر پنڈت جی کی دی ہوئی ان ہدایات میں سے کچھ باتیں واقعی کارآمد ثابت ہوئیں تو بس پنڈت جی کا بول بالا۔ دن بڑا دلچسپ گزرا ہوا تھا۔ شام کو پنڈت جی کو کتنا کہنے کہیں جا دانا تھا مجھ سے کہنے لگے۔

”چلو میرے ساتھ چلو کتنا میں بڑا مزہ آتا ہے اپنی کتا بھی بس ایسی ہی ہوتی ہے لوگوں کو کبھی کبھی اعتراض بھی ہو جاتا ہے کبھی دیکھو نا اب پڑھے لکھے تو میں نہیں جو رامان کا ہر صفحہ کھکا ل ڈالیں گیتا کو ایک ایک لفظ کر کے پڑھ لیں جو جی میں آتی ہے سنا دیتے ہیں سب کو کچھ لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں اور کچھ تحقیقات کرتے نکل جاتے ہیں ایک دو دفعہ ایسا بھی ہوا کہ تحقیقات کرنے والوں نے گلا پکڑ لیا مگر خبر ہے ہمارا زبانیں بند کرنا آ جاتا ہے۔ چلو گے کتنا میں۔

”پھر سی دن چلوں گا پنڈت جی، آج رہنے دیجیے۔
 ۱۰ اچھا ٹھیک ہے، تمہارے آرام کی جگہ بتا دیتے ہیں
 پھل کا ایک درخت جو پنڈت جی کے گھر کے صحن
 کے ایک گوشے میں تھا میری رہائش گاہ قرار دیا گیا۔
 اس کے نیچے بانوں کی چار پائی بچھادی گئی ایک رٹیا
 رکھ دی گئی۔ بس اس کے علاوہ اور کیا درکار تھا۔
 لیکن اسی شام میں نے یہاں اپنی کارکردگی کا مظاہرہ
 شروع کر دیا۔ صحن میں پھل کے درخت کے پتے بکھرے
 ہوئے تھے۔ جھاڑو لے کر ان کی صفائی پر تل گیا اور
 پنڈت تان کے چہرہ کی لکیروں میں کچھ کمی واقع ہوئی میں
 نے پورا صحن صاف کر دیا تھا اور رات ہونے پر چار پائی
 پر جالیٹا تھا۔ دماغ کو ایک عجیب سی بند بند سی کیفیت کا
 احساس ہو رہا تھا اور میں ہر احساس کو ذہن سے جھٹک
 کر آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کر رہا تھا پنڈت
 جی کے گھر دو سر امیر اور چوتھا دن گزر گیا بڑے دلچسپ
 آدمی تھے۔ میں انہی تک محدود تھا اور میں نے باہر جانے
 کچھ دیکھنا ضروری نہیں سمجھا تھا جو کچھ دیکھ چکا تھا وہی کافی
 تھا۔ چوتھے دن پنڈت تان۔ ساڑی کا پلو کر کے گرداڑ سے
 پنڈت جی کے سامنے آکھڑی ہوئیں۔

ایک دن کا مہمان، دو دن کا مہمان، تین دن کا
 مہمان کیا تمہارا یہ مہمان ہمارے لیے بلاتے جان نہیں ہوگا
 انہوں نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

”ارے ارے بکے جا رہی ہے۔۔۔ بکے جا رہی ہے
 یہ بات پیچھے بھی تو کی جاسکتی تھی۔

”میں عورت ہوں کھری۔ جو کہتی ہوں سناٹے کہتی ہوں
 کب تک یہ مہمان رہے گا ہمارے یہاں۔

یہ مہمان ہے کہاں پنڈت تان میں نے تو اسے گھر کے
 کام کاج کے لیے رکھ لیا ہے دو روٹی کھائے گا سال سوا
 سال میں ایک دو جوڑی کپڑے بنا دیں گے اور بس پنڈت
 جی نے کہا اور پنڈت تان اس بات سے خوش ہو گئیں۔

انہوں نے اس حقیقت سے مجھے بخوشی قبول کر لیا تھا کیا
 برا تھا ویسے بھی کوئی تیرا رہا تھا۔ بس بیکار زندگی کا
 بوجھ جسے کہیں بھی رہ کر گھسٹا جاسکتا تھا۔ اب تو آرزوئیں
 بھی مرنی جا رہی تھیں۔ کب تک زندہ رکھتا ہے آپ

کو کیسے زندہ رکھتا صحن کے جھاڑو اس کے بعد پھینس
 کی دیکھ بھال۔ اس کے لیے کئی کرنا۔ سانی بنانا۔ اسے
 نہ لانا۔ پھر گھر کی ساری صفائی۔ بازار کا سودا سلف لانا
 یہ میری ذمہ داری بن چکی تھی ویسے ذمہ داری معمولی نہیں
 تھی۔ صبح منہ اندھیرے اٹھتا تو شام ہی ہو جاتی تھی اب تو
 پنڈت جی کا ساتھ بھی مشکل سے ہی ملتا تھا۔ البتہ وہ جب
 مجھ سے ملے ان کی آنکھوں میں تاسف کے آثار نظر
 آنے لگتے تھے میرا حلیہ خراب سے خراب تر ہو گیا تھا پنڈت
 جی نے ایک شام مجھ سے کہا۔

ایسے تو تیری ارٹھی نکل جائے گی پھو، مر جائے گا تو تو
 کام کاج کرتے کرتے یہ آج کل کچھ زیادہ ہی کام ہونے لگا
 ہے۔ دیکھا تو نے عورتیں ایسی ہوتی ہیں، شادی مت کر
 کبھی بالک یہ ہماری ہدایت ہے تجھے ورنہ اس سے بھی
 زیادہ کام پڑ جائیں۔ مگر کچھ کرنا پڑے گا تیرے لیے کچھ کرنا
 پڑے گا۔ تجھے اتنا کام کرتے دیکھ کر تو ہیں بڑا ہی افسوس
 ہوتا ہے۔

فہمیں پنڈت جی ایسی کوئی بات نہیں کاموں میں تو جی
 لگ جاتا ہے اور دن گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلتا۔

”انگ انگ جو ٹوٹ جاتا ہے اس کی بات کبھی نہیں
 کرے گا۔ ویسے آدمی تو شریف ہے پر بھو اس میں کوئی
 شک نہیں ہے سوچیں گے تیرے لیے سوچیں گے کہ کیا
 کریں۔

پنڈت جی اگر سوچ رہے ہوں تو سوچ رہے ہوں
 میں کبھی نہیں سوچ رہا تھا۔ یہاں رہ کر دل و دماغ کو
 ایک عجیب سا سکون ملا تھا۔ میں نے ساری سوچیں بھی
 ذہن سے نکال ڈالی تھیں۔ وہ رشتے وہ ملتے جن کی ٹپ
 نے دل کو باؤسیوں کے اندھروں میں ڈبو دیا غائب
 کچھ بھلا دیا تھا۔ صبح جاگتے ہی میں اپنے کاموں کا آغاز
 کر دیتا۔ پنڈت جی کے بھجن سننے کو ملتے اور پنڈت تان کی
 جھڑکیاں اور گایاں انہوں نے سب کچھ قبول کر لیں
 ایک مالکن کا رویہ اختیار کر لیا تھا۔ ایک بد مزاج مالکن کا
 ہر کام میں کیڑے نکالتی تھیں بات بات پر جھڑکیاں مارتی
 تھیں۔ لیکن مجھے کوئی بات بری نہیں لگتی تھی۔ میں جانتا
 تھا کہ میری تذلیل ہو رہی ہے اور ہو سکتا ہے یہ ہی چیز میرے

لیے باعث نجات بن جاتے۔ پندت کے انداز میں
اب بیدار ہو گئی تھی پندت نے سارے عموں اور سارے
ڈرے رہتے تھے۔ کچھ کہنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی کوئی
ایسی ترکیب سوچ رہے تھے۔ یہ جس سے بقول ان
کے میرا کلیان ہو سکے۔

پھر ایک دن چچی کا دن تھا غائب کوئی ہلکا ہلکا تھوڑا
بھی تھا۔ پندت ان کے صبح ہی صبح مجھ سے سارے گھر کی
صفائی کرائی تھی اور میرے سر پر کھڑے ہو کر ایک ایک
چیز کی نگرانی کرتی رہی تھیں پندت جی پیٹھے ہوئے تھے
اچانک ہی انہوں نے مجھ سے کہا۔

”پر جو تو نے اپنا ہاتھ نہیں دکھایا کبھی مجھے۔“

”ہاتھ میں نے پندت جی کو دکھایا۔“

”ہاں دیکھیں تو سہی تیری ریکھائیں کیا کہتی ہیں۔“

”بس... بس دماغ نہت خراب کر دیا اس کا پندت

جی اس کی ریکھائیں جو کچھ کہتی ہیں وہ جہیں کبھی نہیں معلوم

ہوگا۔ بے کار میں اس کا من خراب کر دے گا کام کرنے دو

اسے۔“

”اری بھگوان کچھ پتہ کو چلنا چاہیے کہ کون کتنے پانی

میں ہے۔ میں تو یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں

چوری کی لکیر ہے یا نہیں۔“

”چوری کی۔“

”تو اور کیا گھر کھلا رہتا ہے کسی دن بھینس لے کر نکل گیا

تو بتا کا تو مجھے دوسری بھینس خرید کر دے سکے گی پندت ان

بول کر خاموش ہو گئیں۔ پندت جی نے ایک آنکھ دبانے

اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سامنے کر دیا کان سے

پینسل نکال کر کاغذ پر لکیریں کھینچنے لگے اور پھر ایک دم

اچھل پڑے۔“

”سے بھگوان۔ ہے بھگوان یہ میں نے کیا کیا۔“

پندت ان قریب ہی کھڑی ہوئی تھیں چونکہ کہ بولیں۔

”ہاں رام کیا ہوگا۔“

”اری تیرا ستیاناس تو نے اپنے ساتھ میری بھی لٹیا

ڈبو دی۔ پندت جی نے انتہائی خوف زدہ لہجے میں کہا۔

پندت ان کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا تھا قریب آکر

بیٹھ گئیں اور بولیں۔

”ہٹلو ایک معمولی سپاہی تھا۔ اور۔۔۔“

”راہو تین ایک پادری۔ ایک نے جڑن کو اور

دوسرے نے روس کو منگھلی میں جکڑ لیا تھا۔ سوچئے،

کس طرح۔؟“

آپ کے جسم میں بھی یہ طاقت پوشیدہ ہے۔

آپ بھی اس قدر طاقت سے واقف ہو کر اپنے جسم میں

پچھلی طاقت کو جگمگا سکے ہیں، سوئی ہوئی جسمانی طاقت

کو بیدار کرنے کے لیے پڑھئے۔

”ہینا ٹرم کیا ہے؟“

”ہینا ٹرم کے عمل طریقے“

”ہینا ٹرم سے علاج“

”کیا ہو گیا... کیا ہو گیا۔؟“

”بس یہ سمجھ لے جو ہو گیا وہ بہت برا ہو گیا اور۔۔۔“

جو ہو چکا ہے اس سے آگے کچھ نہیں ہونا چاہیے ہے

پر جو جی معاف کر دیں ہیں۔ شام کو دیں غلطی ہو گئی پر جو جی

غلطی ہو گئی جو کچھ ہوا اس کی۔۔۔“

میں پچھتی پچھتی آنکھوں سے پندت جی کو دیکھنے لگا

تو پندت جی اپنی پتی کی جانب رخ کر کے بولے۔

”پر جو مہاراج کا ہاتھ تو دیکھو ذرا نظر تو ڈال ایک ال

پر سات ستارے جھلک رہے ہیں ان کی ریکھائیں میں

یہ دیکھو ایک دو تین۔ وہ پینسل سے اشارہ کر کے ہاتھ

کے تارے گناتے لگے اور پندت ان میرے ہاتھوں میں

ستارے تلاش کرنے لگیں چٹکے مجھے خوان ستاروں کی

جھلک کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

ایسے لوگ مہان ہوتے ہیں۔ سات پورنیاں ہیں ان

کی ریکھائیں میں اور کسی بھی سے ساتوں پورنیاں ان کا

گھیر کر نکلتی ہیں اور ایسے لوگ اچانک ہی دیوتا بن جاتے

ہیں پر جو مہاراج! اور آپ تو ہمارے دیوتا ہیں ہمارے

لیے۔ ہمارے بھاگ بھی بدل دیں پر جو مہاراج۔

جے جگرتی جے جگرتی۔ پنڈت جی دونوں ہاتھ جوڑ کر اونٹ سے ہو گئے پنڈت تان کے چہرے پر بھی کسی قدر غمی کے آثار نظر آنے لگے تھے انہوں نے آہستہ سے کہا۔
مجھے کیا معلوم تھا یہ تو ہیں ہی ایسے مگر... مگر یہ سات پورنیاں ارے تمہاری ایسی تھیں، مجھے بھی الونبار سے ہو تمہاری بیوہ اور میں اسے مان لوں کبھی کوئی بات سچ بھی کہی ہے تم نے: پنڈت جی سید سے ہو کر پنڈت تان کو گھورتے ہوئے۔

دیکھ دو پورانی ساری باتیں مان لیں میں نے قیری بیوں بھر تیری مانتا رہا ہوں مگر گھر اس بات میں میں نے کوئی برائی نکالی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔
”کیوں اسے پکارتے کام کاج سے بھی جلے گا سہرا پنڈت تان نے کہا۔

تیری مرنی ہے سوچ لے دیکھ لے جتنا اسے تائیگی بعد میں انہی نتیجے بھگتنا ہوگا تجھے اب تو جالے اور تیرا کام مجھے ضرور شکا کر دیں مہاراج بلکہ پورن مہاراج پورنیاں آپ کا گھبراؤ اور ڈالیں گی کسی بھی دن کسی بھی میں کہے دیتا ہوں۔ مگر اس کے آپ مرنے دیو رانی کے



”گورنمنٹ بھی بے محی جگہ پھول لگا دیتی ہے“

”یہاں میری بے چاری بیوی ابدی نیند سو رہی ہے۔ نہ اس کے نیچے بستر ہے نہ اوپر گیل ہجر خدا کا شکر ہے کہ وہ کسی گیل کی طرح بے جان ہو چکی ہے۔“



طرف رخ کریں گے جو آپ کے ساتھ زیادتی کرتی ہے میرا کوئی دوست نہیں ہوگا اس میں۔
”لو میں کوئی زیادتی کرتی ہوں گھر کے کام کاج ہی تو کرالیتی ہوں۔ ٹھیک طریقے سے ذکر کریں ہم کو نہا کہتے ہیں ان سے ہم خود کو یاد کرتے ہیں اپنا یہ کام اسے واہ سات پورنیاں گھبراڈالیں گی دیکھیں گے کیسے گھبراڈالیں گی۔ پنڈت تان نے کہا اور پاؤں چمتی ہوئی چلی گئیں ہیں پنڈت جی کا چہرہ دیکھ رہا تھا پنڈت جی بولے۔

بس مجھ لے تیرا کام بن گیا خود تھوڑا بہت کام کر دیا کہ بلکہ ہماری بھینس سنبھال لے تو گھر کے کام کاج سے تو چھٹی مل گئی پنڈت تان سلسلے کی بہادر ہیں اندر جا کر جب سوچیں گی تو حلیہ خراب ہو جائے گا کیا سمجھا۔ اور پنڈت جی کہنا کافی حد تک درست ہی ثابت ہوا پنڈت تان کی زبان ایک دم بند ہو گئی تھی مجھے خود بھی گھر کے کام کاج سے دلچسپی تھی اپنی پسند سے سارے کام کو لیتا تھا لیکن پنڈت تان نے اب میرا بچھا کر ناچھوڑ دیا تھا اور عموماً مجھ سے دور ہی دور رہنے لگی تھیں پنڈت جی کے اس نامک یہ مجھے اکثر نفی آجاتی تھی مگر میں خود گھر کے کاموں میں الجھ کر اپنا ذہن بٹائے رکھتا تھا پنڈت جی بے بیوقوفی تھے یا نہیں میں نہیں جانتا تھا۔ دال روٹی البتہ کھا لیا کرتے تھے اور لوگ ان کے پاس آتے رہتے تھے۔

مگر پورن مانی کی رات عجیب واقعہ ہوا پورے چاند کی روشنی بکھری ہوئی تھی۔ میں پیل کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ پنڈت جی پوچھی بھائے بیٹھے تھے پنڈت تان کسی بات پر ان سے الجھ رہی تھیں کہ اچانک صحن میں عجیب سی روشنی پھیل گئی۔ اتنی روشنی کہ پورے گھر جگمگانے لگا۔ دھنک کے سات رنگوں میں بی ہوئی سات حسین و جمیل دو شیرائیں نہ جانے کہاں سے نمودار ہوئی تھیں اور آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی میری طرف بڑھ رہی تھیں ان کے ہاتھوں میں طرح طرح کے غیر مانوس ساز تھے اور ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ۔ میں نے آنکھ کھلا کر پنڈت جی اور پنڈت تان کی آنکھیں بھی پھنی ہوئی تھیں اور دونوں ہنسنے لگے۔

میں نے پریشان نظروں سے ان عورتوں کو دیکھا
ایک سے ایک بڑھ کر حسین نصیب انہوں نے جگہ گاتے ہوئے
لباس پہن رکھے تھے سب کی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں
نصیب وہ پیل کے درخت کے نیچے میرے چاروں
طرف دو زانوں ہو کر بیٹھ گئیں اپنے ساڑا انہوں نے سامنے
رکھ لیے اور چہرے میں ان ساڑوں کی آواز ابھرنے
لگی ایک ایسا سحر انگیز نغمہ جو نے لگا کر دل کھینچ جائے
کچھ دیر ساڑوں کی آواز ابھرتی رہی پھر ان کی آوازیں
بلند ہوئیں۔ وہ کچھ گارہی تھیں مگر حسین تھے آوازیں درد
بھری لیکن بول نامعلوم کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا بس
دماغ سوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پنڈت کاٹھی رام اور
دیو متی جی بھی زنگا ہوں سے اوجھل ہو گئی تھیں دیر تک
یہ نغمہ جاری رہا پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں انہوں نے ساڑ
بلند کیے اور ان کے ہاتھوں سے ساڑ غائب ہو گئے
پھر جاتک ان کے ہاتھوں میں چراغوں سے جگہ گاتی
چاندی کی تھالیاں آگئیں تھالیوں میں سات سات
چراغ رکھ دیے تھے وہ تھالیاں کندھے تک بلند کیے
میرے گرد رقص کرنے لگیں رقص کا یہ انداز بھی عید
دیش تھان تھا۔ ایک ایک میرے سامنے آتی تھالی کو میرے
سر سے چھوٹی پیروں تک لے جاتی پھر دوسری کے لیے
جگہ خالی کر دیتی۔ یہ مشغل بھی خوب دیر تک جاری رہا۔
چاند آدھے سے زیادہ سفر کر چکا تو انہوں نے اپنا یہ
مشغل ختم کر دیا اور پھر میں نے آخری حیرت انگیز منظر
دیکھا وہ اچانک زمین سے بلند ہونے لگیں ان کے پیروں
نے زمین چھوڑ دی۔ ساتوں کی ساتوں بلند ہو رہی تھیں
وہ پیل کے درخت سے اونچی ہو گئیں اور اونچی پھریں
لگ رہا تھا جیسے سات تندیلین نفا میں اوپر اٹھتی چلی
جا رہی ہوں۔ یہاں تک کہ ٹھٹھاتے ہوئے مدھم تاروں
کی مانند ہو گئیں پھر یہ سنا ہے بھی ڈوب گئے۔
میں خود بھی اس انوکھے منظر میں اتنا کھو گیا کہ
باقی سب میری نظر سے اوجھل ہو گیا تھا پنڈت کاٹھی رام
اور ان کی دھرم پتی بھی یاد نہیں رہے تھے جب سب
کچھ نظروں سے دور ہو گیا تو مجھے وہ دونوں یاد آئے
اور میری نظروں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ پنڈت تان تو اوندھی

پڑی ہوئی تھیں اور پنڈت جی کو جاڑا چڑھا ہوا تھا بالکل
ایسے ہی کانپ رہے تھے وہ جیسے سخت سردی لگ رہی
ہو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور پنڈت جی کی طرف چل پڑا
جیسے تیسے میں آگے بڑھ رہا تھا پنڈت جی سمجھتے جا رہے
تھے وہ منہ ہی منہ میں کچھ بد بھائی رہے تھے۔
"یہ سب..... یہ سب کیا تھا پنڈت جی۔ میں نے پوچھا۔
"شما..... شما..... شما..... شاکر مہاراج اندھے میں ہم۔ تم تو
دیوتا ہو۔ ہے مہاراج..... ہے جگوتی ہمیں شاکر دو.....
کاٹھی رام جی میرے پیروں کی طرف لپکے۔
"ارے..... ارے کاٹھی رام جی۔ یہ کیا کر رہے ہیں
آپ؟ میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔
"جے جگوتی شاکر دو نہیں اسے بھی شاکر دو ہم نے
تو ٹھٹھول کیا تھا ہمیں کیا معلوم تھا کہ تم یح پورن بھگت
ہو۔ ہے پورن بھگت ہیں شاکر دو۔ اری اٹھ اندر چل یہ
بے ہوش ہو گئی ہے مہاراج..... اسے معاف کر دو ہم
سنسار باکی کیا جائیں کون کس روپ میں ہے۔
"میری بات تو نہیں پنڈت جی!" میں نے پریشان
ہو کر کہا۔
بس ایک بار مہاراج۔ ہم بچے جیوتشی نہیں ہیں۔
ناک کہتے ہیں پیٹ بھرنے کے لیے دیو متی۔ اری اٹھ جا
کم بخت۔ اری اٹھ جا مندر ماری جائے گی۔ پنڈت جی
دہشت کے عالم میں بے ہوش پنڈت تان کو جھنجھوٹے لگے
وہ میری کچھ نہیں سن رہے تھے بس اپنے کے جا رہے تھے
"میں پانی لاتا ہوں۔ میں نے کہا اور پانی لینے چل پڑا
خود میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پانی لایا گیا اور پنڈت تان
کو خوب نہلا یا گیا۔ تب کہیں جا کر وہ ہوش میں آئیں مجھے
دیکھ کر کچھ ماری اور پنڈت جی سے پیٹ گئیں۔
ارے..... ارے گرائے گی کیا۔ ستمی کی ستمی ہو رہی
ہے۔ اری سیدھی ہو چل اندر چل۔ پنڈت جی نے
انہیں دھکا دیا خود میری طرف نہیں دیکھ رہے تھے
بمشکل تمام وہ پنڈت تان کو سنبھالنے اندر داخل ہو گئے
پھر انہوں نے دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا حالانکہ
اس سے پہلے وہ دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا تھا میں بس
یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان لوگوں

لو ایسے بھگدوں میں تو خود ان کے سمجھنا چاہتا تھا پھر کچھ
 ذہن رکھتا تو واپس آکر اپنی چار پائی پر لیٹ گیا وہ انوکھا
 منظر آنکھوں میں بار بار آ رہا تھا جانے وہ کون تھیں
 اور یہ سب کچھ کیا کر رہی تھیں پیل کے پتوں کو تکتے تکتے
 نیند آگئی۔۔۔ اور پھر گہری نیند نے سب کچھ بھلا دیا۔
 صبح کو ہمیشہ جلدی آنکھ کھل جاتی تھی عادت پر گئی تھی
 اس کی۔ پنڈتائن دودھ دوسرے کی بائی ایک مخصوص
 جگہ رکھ دیا کرتی تھیں اور میں جاگ کر پہلا کام ہی کیا
 کرتا تھا۔ اس وقت بھی جاگ کر ادھر ادھر رخ کیا مگر
 دودھ کا برتن اپنی جگہ موجود نہ تھا اور اسے نہ پا کر مجھے
 رات کے ذائقے ایک دم یاد آ گئے تھے میں اچھل
 پڑا آنکھیں زور زور سے بند کر کے کھولیں رات کے
 ذائقے خواب نہیں تھے پنڈت جی خوف زدہ ہو کر اندر
 جا گھسے تھے اور انہوں نے دروازہ بند کر لیا اور شاید
 اسی خوف کے عالم میں آج دودھ کا برتن بھی اپنی جگہ
 نہیں پہنچا تھا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر آگے بڑھ کر بند دروازے
 کے قریب پہنچ گیا مگر قریب پہنچ کر اندازہ ہوا کہ وہ۔۔۔
 دروازہ کھلا ہوا ہے۔

پنڈت جی۔ جاتی جی۔ دودھ کی بائی دیدیں۔ میں
 نے آواز لگائی مگر اندر خاموشی ہی رہی۔ دروازے
 کو دھکیل کر میں اندر داخل ہو گیا پہلے بھی اندر اچکا
 تھا۔ دوسری اور تیسری بار بھی۔ آواز دینے پر جواب
 نہیں ملا تو یہ خیال گزرا کہ دونوں گھر میں نہیں ہیں سوئی
 سے دودھ کی بائی لے کر بھینس کے پاس گیا اور اپنا کام
 مکمل کر کے دودھ گرم کر کے چوبے پر رکھ دیا بھوک
 لگ رہی تھی دودھ کا ایک گلاس پی کر باہر نکل آیا احاطہ
 صاف کیا۔ پنڈت جی اور پنڈتائن نہ جانے کہاں چلے گئے
 تھے۔ انتظار کرتا رہا پھر دس بجے۔۔۔ بارہ۔۔۔ پھر انیس
 اور دو۔ اب بات پریشانی کی تھی کہاں گئے وہ دونوں
 پہلے تو سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ کسی کام سے نکل گئے
 ہوں مگر اب تو آدھا دن گزر چکا تھا اچانک دل میں
 خیال آیا کہ کہیں وہ خوف زدہ ہو کر گھر سے بھاگ تو
 نہیں گئے اس تصور سے خود میرے زردہ رہ گیا گھران کا
 تھا۔ ان کے بغیر تو بہاں رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا

آہ ایسا ہی ہوا ہے اب انہیں کہاں تلاش کروں وہ اس
 گھر کے مالک ہیں اگر میری وجہ سے خوف زدہ ہوئے ہیں
 تو مجھے گھر چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ کہاں چلے گئے انہیں
 کہاں تلاش کروں وہ اس گھر کے مالک ہیں اگر میری وجہ
 سے خوف زدہ ہوئے ہیں تو مجھے گھر چھوڑ کے کہیں اور
 چلا جانا چاہیے۔ وہ کہاں چلے گئے انہیں کہاں تلاش
 کروں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی سے پوچھنے پر پتہ چلے۔
 احاطے میں دھوپ چلی اور رہی تھی انتہائی گرم دن تھا
 مگر اس خیال کے بعد گھر میں بیٹھے رہنا بھی ممکن نہ تھا۔
 چنانچہ احاطہ عبور کر کے دروازے پر آ گیا۔ گرم لوگے۔
 تھیرپوں نے مزاج پوچھا اندر تو پھر بھی پیل کی وجہ سے
 امن تھا۔ مگر باہر۔۔۔ پھر دفعتاً ان بے شمار لوگوں پر
 نظر پڑی جو پنڈت جی کے گھر کے سامنے ولسے میدان
 میں سر نہ ہونے آئے بیٹھے تھے۔ پہلے کھیلے چھتھروں میں بھوس
 وہ قطاریں بند کئے بیٹھے ہوئے تھے بالکل خاموش حیرانی
 سے آگے بڑھا اور ابھی ان سے چند قدم دور تھا کہ
 اچانک وہ اچھل اچھل کر کھڑے ہونے لگے تب میں نے
 انہیں بغور دیکھا اور میرے بدن میں خون کی گردش
 رک گئی۔ آہ وہ انسان نہ تھے۔ لا تعداد بھیا تک۔

صورتیں میرے سامنے تھیں۔ چھوٹے بڑے قد چھتھروں
 میں لمبے پتلی ٹانگیں، سوکھے ہاتھ گنے سر اور ٹہنی بڑی
 کھوپڑیاں۔ گول آنکھیں بیتناک انداز میں پٹنی موٹوں
 دھشت کے عالم میں پلٹا اور دروازے سے اندر گس
 جانا چاہا۔ مگر دروازہ۔۔۔ وہاں کوئی دروازہ نہیں
 تھا پنڈت جی کا گھر ہی غائب ہو گیا تھا پیچھے وسیع میدان
 نظر آ رہا تھا میں آنکھیں پھاٹکے رہ گیا پنڈت جی کا گھر
 کہاں رہ گیا۔ آہ پھر گڑ بڑ شروع ہو گئی پھر کسی نئی مصیبت
 نے میری طرف رخ کیا۔ اب کیا کروں کیا پوری ہوتی ہی
 غائب ہو گئی۔۔۔۔۔ مگر سامنے کے رخ پر بہت دور کچھ
 مکانات نظر آ رہے تھے۔ اور میرے لیے اس کے سوا
 کوئی چارہ نہیں تھا کہ اب ان کے درمیان سے گزرنے کے
 بڑھوں۔ رننے دل کو سنبھال کر آگے بڑھا اور اس
 طرح ادب سے پیچھے ہٹ گئے جیسے مجھے راستہ دینا چاہتے
 ہوں میں ان کے پیچھے سے نکل کر آگے بڑھا تو پورا مجمع

یہاں بہ آفت نکلے پڑ گئی تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے
رک کر کھیتوں پر نظر دوڑائی۔ کھیتوں کے بچوں پر تجھے
ایک گینڈ ٹھہری نظر آئی تو میں اس گینڈ ٹھہری پر ہو گیا
لیکن صاحب کہاں میرے جاں نثار بدستور میرا
تغاق کر رہے تھے وہ کھیت روند رہے تھے۔
انہوں نے اپنی گردن میں شانوں سے اتار کر مضبوطی
سے اپنے بازوؤں میں بکڑ لی تھیں تاکہ کہیں وہ گرنے لگیں
اور وہ میرا بچھا کر رہے تھے۔ کھیتوں کا سلسلہ تو تاحہ
لگا ہوا چلا گیا تھا۔ جن کھیتوں میں بھی سمنائی دیں۔ یہ
ان غریب کسانوں کی چنچیں تھیں جو کھیتوں میں کام
کر رہے تھے۔ عورتیں بھی چنچیں تھیں۔ مرد بھی بیخ رہے
تھے مگر میرا بچھا کسی طرح نہیں چھوٹ رہا تھا بہت
فاسلہ طے ہو گیا اور اب میرے دوڑنے کی قوت
بھی جواب دے گئی تھی کہاں تک دوڑتا ہوں سب
طرح بانہنے لگا۔ وہ سب پھر میرے گرد جمع لگا کے
اٹھے ہو گئے تھے۔ اور عجیب و غریب انداز میں اٹھنے
کو دے لگے پھر شاید کچھ اور ہوا۔ تھوڑی دیر کے
بعد یلوں کی گھنٹیوں کی آوازیں سنائی دیں تھیں اور
میں نے ایک بہت ہی خوبصورت رتھ دیکھا۔ یہ رتھ
آہستہ آہستہ قریب آرہا تھا۔ سارے سامان سے
بجھا ہوا تھا۔ اور بڑی خوبصورتی سے اسے بنایا گیا تھا
رتھ قریب آگیا۔ اور رتھ سے ایک رتھ بان نیچے اترا
یہ اچھی خاصی شکل و صورت کا مالک تھا اسے رنگ کی
دھوئی اور کرتا پہنا ہوا تھا۔ گے میں مالائیں پر دی
ہوئی تھیں بڑی بڑی مونچھیں بڑی بڑی آنکھیں ہاتھ
پر تک میرے سامنے آکر اس نے دونوں ہاتھ سینے
پر باندھے اور نیچے جھک کر بولا۔

”رتھ حاضر ہے مہاراج جہاں بھی چلنا ہو رتھ میں
بیٹھ جائیے۔ ہمیں آگیا دیکھیے ہم۔“ چلیں گے آپ کو۔
بھاگ بھاگ میں کہتا ہوں۔۔۔ بھاگ بھاگ یہاں سے
لے جاؤ یہ رتھ مجھے نہیں بیٹھنا اس میں۔ میں کہتا ہوں
بھاگ بھاگ۔۔۔ رتھ بان نے خود فرودہ کی شکل بنائی گردن
خم کی اور مرے مرے قدموں سے چلتا ہوا واپس
رتھ میں ہا میٹھا اور اس کے بعد اس نے یلوں کو

واپس آنک دیا کچھ دیر کے بعد یہ رتھ میری نکلا ہوں
سے غائب ہو گیا تھا لیکن وہ مجمع بچھا نہیں چھوڑا ہاتھا
میں نے تھک ہار کر سان سے کہا۔
”آخر تم کون لوگ ہو، کیوں میرے پیچھے لگے ہوئے
ہو۔۔۔ ان میں سے ایک خوفناک شکل کا شخص آگے
بڑھا اس کی گردن شانوں پر تھی اس نے منمناتی
آواز میں کہا۔

”ہیر میں مہاراج آپ کے ایک سوا اکہتر ہیں پورے
ہیں آپ کے سوا اکا حکم دیا گیا ہے کہا گیا ہے کہ ہر کے
آپ کی سیوا میں رہیں۔“

”اور اس طرح مجھے دوڑاتے رہو۔۔۔۔۔“
”مہاراج آپ کا ساتھ تو دینا ہی تھا آپ چلے سویم
چلے۔ آپ دوڑے سویم دوڑے۔ ہم تو ہیر میں آپ
تھے۔ آپ کی پر جا ہیں مہاراج۔۔۔۔۔“
”کیا تم اپنی یہ صورتیں گم نہیں کر سکتے۔ میں نے
غراتے ہوئے لیے میں کہا۔

”کہہ سکتے ہیں اس شخص نے معصومیت سے جواب
دیا اسے شخص کہنا اس کے لیے عجیب سا بے شک لگتا
ہے لیکن میں کسی ایسے جانتا کہ کو کیا کہوں میں کے
دو ہاتھ دو پاؤں سرگردن آنکھیں سب کچھ ہوں میں
ذرا ہنسیت بدلتی ہوئی ہو میرے ان الفاظ کے ساتھ
ہی اچانک سارا مجمع لگا ہوں سے اوجھل ہو گیا
اور میں منہ بھاڑ بھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا بڑی
عجیب و غریب صورت حال تھی لگ رہا تھا کہ وہ سب
کے سب ہیں موجود ہیں لیکن بس آنکھوں سے اوجھل
ہو گئے ہیں۔ آہ کیا کہوں میں کیا کہوں میں نے
دونوں ہاتھوں سے سر کپٹ لیا۔ اتنا دوڑا تھا کہ بھوک
لگنے لگی تھی۔ ایک گلاس دودھ ہی تو پیا تھا بھلا اس
سے کیا بھلا ہوتا۔ میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر
کر ادھر ادھر دیکھا اور اسی وقت وہ شخص پھر نمودار
ہو گیا۔

”بھوجن لگا دیتے ہیں مہاراج۔ اس نے میرے
اگر کی آواز سن لی تھی آہ بڑا خوفناک وقت
آپڑا ہے مجھ پر میں نے کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا

کہ دفعتاً ہی میں نے اپنے سامنے ایک قالین کھلتے ہوئے دیکھا بڑا خوبصورت قالین تھا وہ اور وہیں کئی زمین پر کھل گیا تھا اور پھر قالین پر بے شمار چل اور کھلنے پینے کی دوسری اشیائیں لگیں میں حیران لگا ہوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پورا قالین کھانے پینے کی چیزوں سے بھر گیا تھا۔ ہنسی بھی آ رہی تھی اپنے آپ پر اور اپنے ان بیروں پر جو بنانے کہاں سے میرے بیرون گئے تھے۔ میں بڑی پریشانی کے عالم میں انہیں دیکھتا رہا وہ شخص اب میرے سامنے اس طرح ہاتھ باندھے کھڑا ہوا تھا جیسے میرے دوسرے حکم کا انتظار کر رہا ہو۔ یہ سارے کے سارے بڑی انکساری کا مظاہرہ کر رہے تھے لیکن جو چیز حقیقت ہی نہ ہو اسے تسلیم نہ کرنا ناممکنات میں سے ہوتا ہے میں تو انہیں حقیقت ہی ماننے کو تیار نہیں تھا۔ سب کالا جادو تھا سب کالا جادو اور یہ سب جو میرے سامنے آکر بچا تھا یہ بھی کالے جادو ہی کے زیر اثر تھا۔ حرام اور ناپاک چیزیں اسے اپنے شکم میں نہیں اتار سکتا۔ آہ جو غلاظت میرے وجود میں داخل ہو گئی ہے وہی کونسی کم ہے کہ میں اپنی بھوک کا شکار ہو کر مزید غلاظت اپنے وجود میں اتار لوں۔ میں نے دانت پیٹتے ہوئے کہا۔

اٹھا لو اس سب کو اٹھا لو مجھے نہیں چاہیے۔ یہ سب کچھ سمجھے اٹھا لو ورنہ میں اسے اٹھا کر پھینک دوں گا میں نے جھک کر قالین کے دونوں سرے پکڑے اور اسے اٹھ دیا ساری چیزیں اوندھی ہو گئی تھیں اور ہما ہوا بیر بھی ہٹ گیا تھا اس نے مایوس لگا ہوں سے ادھر ادھر ڈیکھا دوسرا کوئی میرے سامنے نہیں تھا لیکن ان سب کی موجودگی کا احساس مسلسل ہو رہا تھا میں جانتا تھا کہ وہ سب موجود ہیں بہر حال یہ کھانا پھینک دیا گیا اور میری نگاہیں سامنے کھیتوں میں ان پھولوں پر پڑیں جو خود رو تھیں۔ کھیتوں میں اب آئی تھیں۔ بھونک دانتی لگ رہی تھی، جو واقعات پیش آئے تھے اب ان میں ایڈجسٹ ہوتا جا رہا تھا۔ آگے بڑھا ایک پھوٹ توڑی اور اس کا چھلکا دانتوں سے ہی اتار کر لے آہستہ آہستہ کھانے لگا۔ پھوٹ نے شکم میر

کر دیا تھا لیکن جس مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا اس سے چھٹکارے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ دل میں سوچا کہ یہاں سے آگے بڑھوں اور چند قدم آگے بڑھ جائے لیکن اچانک ہی یوں محسوس ہوا جیسے زمین سے اوپر اٹھتا چلا جا رہا ہوں اور میں زمین سے غاصا اونچا اٹھ گیا میرے منہ سے بو کھلا ہٹ بھری آوازیں نکل رہی تھیں۔

”ارے ارے یہ لگ... کون... کیا کیا کیا ہے!“ جواب میں مجھے آواز سنائی دی۔

ہم اپنے کندھوں پر آپ کو لے کر چل رہے ہیں مہاراج آپ تھک گئے ہیں دھرتی پر سفر نہیں کر سکیں گے بیٹھے رہیں۔ بیٹھے رہیں۔ ہم آپ کو گھبراہٹ نہیں دیں گے۔ نیچے اتار دو مجھے میں کہتا ہوں مجھے نیچے اتار دو۔

میں نے کہا اور مجھے نیچے اتار کر کھڑا کر دیا گیا۔ وہ میری وجہ سے پریشان تھے اور میں ان کی وجہ سے پریشان تھا ان بیروں کے بارے میں کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا دل کی حالت بڑی عجیب ہو رہی تھی۔ سخت پریشان ہو رہا تھا نیچے اترا اور ایک لمحے کھڑا رہا پھر چند قدم آگے بڑھا لیکن جیسے ہی پیر آگے بڑھایا پاؤں کے نیچے کوئی بلبلی سی مٹے محسوس ہوئی دوسرا پاؤں آگے بڑھایا تو اس کے نیچے بھی بالکل ایسا ہی لگا پھر یہ ہو کر کہ میں قدم نہیں بڑھا تھا لیکن آگے بڑھتا جا رہا تھا پچھی آنکھوں سے اپنے پیروں کے نیچے اس ذریعے کو دیکھا جو مجھے آگے بڑھا رہا تھا تو ایک بار پھر میرے حلق سے تیزی و شہت بھری جم نکل گئی۔ دو بڑی بڑی مکڑیاں تھیں اتنی بڑی کہ میرے پاؤں باسانی ان کے جسموں پر ٹکے ہوئے تھے اور وہ اپنے بے شمار قدموں سے مجھے آگے بڑھا رہی تھیں۔ میں نے خوفناک جم کے ساتھ جھلاٹنگ لگائی لیکن جہاں گرا تھا وہاں بھی ایک مکڑی کی پشت پر پڑی گرا تھا اس کے پاؤں میرے وزن سے پھیل گئے لیکن رفتہ رفتہ وہ پھر پاؤں جما کر کھڑی ہو گئی دوسرا پاؤں آگے بڑھایا تو پھر وہی مکڑی آگئی۔ میں نے تھکے تھکے لپچے میں کہا۔

آہ مجھے آزاد کر دو مجھے آزاد کر دو میں میں تھک گیا

ہوں میں تنگ آگیا ہوں: سامنے ہی ایک درخت نظر آ رہا تھا اس کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں میں مکڑیوں سے پاؤں اتار کر جہاں بھی قدم رکھتا ایک نئی مکڑی نمودار ہو جاتی اور میرا پاؤں بھی اس کی پشت پر ہی پڑتا۔ میں بری طرح بدحواس ہو گیا تھا جیلا اس جگہی اور منحوس تھے پر کیسے سفر کرتا کس عذاب میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ میں نے بے بسی سے درخت کی جانب نظر اٹھائی تو ایک بار پھر ایک درخت بھری کیفیت کا سامنا کرنا پڑا ہاں وہ درخت تھا درخت ہی تھا لیکن اس کی دو شاخیں جو سامنے کی سمت پھیلی ہوئی تھیں دو انسانی بازوؤں کی شکل رکھتی تھیں اور اس کا ثنا انسانی کیفیت اختیار کرنا جا رہا تھا تنے کے اس حصے پر جہاں اسے بقیہ شاخیں مختلف سمتوں کو تقسیم ہو جاتی تھیں بھوریا چرن کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ بھوریا چرن جو مسکرا رہا تھا ایک طنز بھری مسکراہٹ اسے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی یہ بھی نظر کا واہمہ تھا۔ نہیں بلکہ ایک حقیقت تھی جو روشن دو پہر میں چمکاتی دھوپ میں میرے سامنے عیاں ہو گئی تھی۔ پھر مجھے بھوریا چرن کی وہی مخصوص مکروہ آواز سنائی دی۔

کیسے ہو میاں جی۔ کیا حال حال میں تمہارے ہیں نے نفرت سے بھوریا چرن کو دیکھا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ شدید غصے کے عالم میں اس پر تھوک مارا۔ بھوریا چرن ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

اب تو تمہارا یہ تھوک بھی بڑا قیمتی ہو گیا ہے کبھی کسی کے اوپر تھوک کر دیکھ لینا مہاراج مگر بڑے بے ایمان ہو تم، بہت ہی ناشکرے اگر یہ سب کچھ کسی اور کو مل جاتا تو چرن دھوم دھوم کر پتا بھوریا چرن کے ہمارے کسی دھرم والے کو یہ فکرتی مل جاتی مہاراج تو نبھانے کیا کر ڈالتا وہ گرو مان لیتا ہمیں اپنا۔ مگر تم تو ہو ہی بڑے خون والے مگر وہ تھوک رہے ہو اے سات پورن ماسٹیاں بنائی ہیں ہم نے تمہارے لیے سات پورنیوں کو سترہ انسانوں کا خون دے کر جگایا ہے اور وہ ساری کی ساری اب تمہاری سیوک بن گئی ہیں ایک سوا کہتر پیران کے قبضے میں ہوتے ہیں اور یہ سارے کے سارے تمہارے اوپر بلیدان ہونے کو تیار ہیں

دیکھ لیا تم نے کس کی مجال ہے کہ تمہاری طرف انگلی اٹھا جائے۔ بڑھریں گے یہ سب تمہارے لیے وہ سات پورنیاں جو اس باؤلے جیونیشی کے گھر میں اتنی تھیں سات اسپرائیں ہیں کسی کو مل جائیں تو وہ آکاش پر قدم رکھنے کی کوشش کرے آکاش باسی بن جائے مگر تم ہو کہ تھوک رہے ہو ہمارے اندر یہ ہے ہمارے دینے کا انجام.....

”بھوریا چرن میں ان ساری چیزوں پر لعنت بھیجتا ہوں کیسے: لعنت بھیجتا ہوں میں تیرے اس دینے پر میں نے طیش کے عالم میں کہا۔“

”تو ہم نے کیا کس لیے ہے یہ سب کچھ میاں جی من کی شانتی پھینکی ہے ہم نے تمہاری کچھ... اب کیا کر دے گی بڑی قوتوں کے مالک بن گئے ہو کسی بستی میں قدم رکھو گے تو لوگ پوچھا کریں گے تمہاری جہنموں میں آنکھیں رگڑیں گے مگر تمہارے من کی شانتی کہاں ہے تم نے ہم سے ہمارا سب کچھ چھینا ہمیں منہ دلا زبنتے دیا تو ہم نے بھی تمہارے من کی شانتی چھین لی بڑے دھرم واس بنے پھرتے تھے۔ بھوریا چرن نفرت بھرے لہجے میں بولا۔

دیکھو بھوریا چرن.....

ارے کیا دیکھیں، دیکھ لیا سب کچھ تم نے جو کچھ کیا اس کے نتیجے میں ہم نے تمہارا دھرم بھر شٹ کر دیا اب بھاگتے پھر دوسارے سنسار میں دھرم دھرم جیتے چلاتے کچھ دے گا جب تک تمہارے بدن میں ہمارے پہنچائے ہوئے خون کا ایک ذرہ بھی باقی ہے فلاؤ اس آکر دیکھ لو اپنے دھرم میں بھوریا چرن ہے ہمارا نام شکھا ہیں، کنڈولا بنا دیتے تو کیا بگڑ جاتا تمہارا اس وقت بھی یہی سکتی دیدیتے ہم تمہیں سمجھا اور اس سکتی کے ذریعہ گھوڑے تمہارے اشارے پر دوڑتے اور جوا تمہارے اشارے پر ہوتا۔ بنانے کیا کیا مل جاتا تمہیں مگر مگر تقدیر کی بات ہے بھاگ کے پھیریں تم اس قابل ہی نہیں تھے۔

”مگر بھوریا چرن اب میں کیا کروں۔“

بھاگتے پھر دو پاگلوں کی طرح اتنی بڑی طاقت ہے

تمہارے پاس مگر تم اسے استعمال نہیں کر سکتے مہاراج
 مجھے کیونکر تم نے مانا ہی نہیں ہے من سے انہیں جب
 استعمال کرو گے تو بات دوسری ہو جائے گی اور تم
 بڑے مہمان بن جاؤ گے مجھے مگر تم ایسا بھی نہ کر سکو گے
 من کی شانتی نہیں ملے گی تمہیں یہی ہمارا فیصلہ ہے یہی
 بھوریا چرن کا بدلہ ہے: بھوریا چرن نے اپنے شاخوں
 جیسے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اور اس کے بعد
 اس کے نقوش درخت میں معدوم ہوتے چلے گئے
 وہ میری نگاہوں سے اوچھل ہو گیا تھا اس کے دیے
 ہوئے ہیر اور پورنیاں اب میری سمجھ میں آرہی تھیں
 پنڈت کا شی رام نے تو صرف اپنی بیوی کو ڈرا لیکے لیے
 اور یہ سمجھانے کے لیے کہ میں بڑا مہمان ہوں سات پورن
 ماشیوں کا اور پورنیوں کا ذکر کیا تھا مگر بھوریا چرن نے
 وہ ساری بلا میں میرے اور پرنازل کر دی تھیں وہیں
 بیٹھ گیا اور گھٹنوں میں سر دے کر سوچنے میں مصروف
 ہو گیا اب تو آنکھیں بھی آنسوؤں سے خشک ہو گئی تھیں
 اگر میرے دل کا طبی تجزیہ کیا جاتا تو شاید وہ دنیا کا طاقتور
 ترین دل نکلتا کیونکہ اتنا کچھ برداشت کر لینے کی اہلیت
 تھی اس میں ان تمام مصیبتوں کے باوجود اس کی
 دھڑکنیں قائم تھیں مگر کچھ سکون بھی ہوا تھا نہ جل گیا
 تھا کہ یہ سب کیلئے بھوریا چرن انتقام کی آگ میں
 جل رہا تھا اس نے مجھ پر سخت محنت کی تھی اپنے کالے
 جادو کی ساری قوتیں صرف کر دی تھیں وہ بالکل ریح
 کہہ رہا تھا کہ اگر وہ اپنے دھرم کے کسی شخص کے تھے
 یہ سب کچھ کہہ دیتا اور اسے سات پورنیوں اور ایک سو
 اکہتر ناپاک غلاموں کی قوت ہو جاتی تو وہ دجانے
 کیا کر دیتا مگر مجھ پر یہ سب کچھ حرام تھا میرے لیے یہ
 بے کار تھا بلکہ ناقابل برداشت تھا میں تو اسے سزا
 سمجھتا تھا اب تو اس سزا پر دل دکنے لگا تھا مظلومیت
 کا احساس ہوتا تھا کیا میں اس کائنات کا سب سے بڑا
 گناہگار ہوں دو سرے لوگ بھی تو گناہ کرتے ہیں
 میں نے تو اس کے بعد سے صرف کفارہ ادا کر نیکی
 کوشش کی ہے ہمیشہ بچتا رہا ہوں لیکن انسان ہوں
 کہاں تک برداشت کر دوں بھوریا چرن نے یہ سب

کچھ اس لیے کہا ہے کہ میں بے سکون ہو جاؤں۔ اندر
 کی کیفیت مجھے ان قوتوں سے فائدہ اٹھانے سے باز
 رکھے۔ اور میری طور پر سب کچھ میرے قبضے میں ہو۔
 آہ..... نہ جانے مستقبل میں اس ایمان کو قائم کر سکوں گا
 یا نہیں..... بھاڑ میں جائیں پنڈت کا شی رام میں تو
 خود ایک مجبور انسان ہوں کیا کر سکتا ہوں میں نے
 نفرت بھری نظروں سے اس درخت کو دیکھا اور
 دفعہ میرے دل میں ایک خیال آیا میں نے گردن
 ہلائی اور آواز دی۔

میرے پیر و کہاں ہو تم.....

”یہیں ہیں مہاراج ہم کہاں جائیں گے؟ سارا
 مجمع پھر نمودار ہو گیا۔ اب انہیں دیکھ کر میرے دل میں
 خوف نہیں ابھرا۔

”اس درخت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ میں نے
 درخت کی طرف اشارہ کیا اور وہ سب بھرا مار کر درخت
 کی سمت نکلے سب نے مل کر درخت کو جڑ سے اکھاڑ
 پھینکا پھر آتش کی شاخیں توڑنے لگے ایک ایک پتہ
 کچل ڈالا انہوں نے تناؤ حیرت پھینکا وہ کیزروں کی طرح
 اس سے لپٹ گئے تھے۔ پھر وہ اسی وقت سیدھے ہوئے
 جب درخت ننھی ننھی لکڑیوں میں تبدیل ہو چکا تھا اس
 درخت میں مجھے بھوریا چرن نظر آیا تھا مگر میں خود بھی
 جانتا تھا کہ اس طرح بھوریا چرن ہلاک نہیں ہو جائے گا
 وہ سسٹکا ہے ہزاروں روپ دھار سکتا ہے بس
 ایک نفرت تھی اس کے خیال میں جو نفرت ابھی تھی اور
 یہ اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ یہ پیر کج میرے اشارے پر
 سب کچھ کہہ سکتے ہیں وہ سب اپنے کام سے فارغ ہو کر
 دوبارہ میرے گرد جمع ہو گئے میں نے اس پر کھڑکیا
 جو سب سے پیش پیش رہتا تھا۔

”آگے آ.....“ میں نے کہا اور وہ آگے بڑھ آیا۔

”کیا نام ہے تیرا۔“

”کھتوری مہاراج۔“

”میں کون ہوں۔“

”ہمارے مالک۔“

”کیا نام ہے میرا۔“

”پورن بھگت :-

”غلط میرا یہ نام نہیں ہے :-

”ہیں نام سے کیا لینا مہاراج..... ہیں تو کام

بتاؤ :-

”بھور یا چرن کہاں ہے :- میں نے پوچھا اور میر

ادھر ادھر کیجئے لگا۔ پھر بولا :-

”جئے گئے یہاں سے :-

”کیا تو بھور یا چرن کو بارہا سکتا ہے :-

”وہ شک ہے شواہی شکھا۔ شریہ کہاں ہوتا ہے

وہ تو ہوا ہوتا ہے اور ہواؤں پر ہمارا بس نہیں ہے :-

”اگر بھور یا چرن میرے سامنے ہو تو تم لوگ اس کی مانو گے یا میری :-

”تمہاری مہاراج۔ ہم تمہارے اس میں :-

”رہتا اور میرے لیے۔ میں نے کہا اور کھتوری

نے گردن ہلا دی ذرا سی دیر میں رتھ میرے سامنے

آگیا میں رتھ میں جا بیٹھا اور کھتوری نے رتھ سنبھال

لیا۔ چلو میں نے کہا اور اس نے بیل بانکنے شروع

کر دیئے پیچھے وہ سب میڑھے میڑھے چل رہے تھے

دل میں ایک لمحے کے لیے خیال آیا کہ اس طاقت سے

میں جہلکہ مچا سکتا ہوں سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے

مجھے جو چاہوں سامنے لا سکتا ہوں بہت بڑی طاقت

حاصل ہو گئی ہے مجھے مگر نہ جانے کیوں آنکھوں میں

نمی آگئی بے اختیار آنسو نکل آئے آنکھوں نے دل

کو احساس دلایا تھا کہ یہ سب کیا ہے کالا جادو ہے

یہ جسے کرنے والے ایمان ہوتے ہیں ان کی بخشش

کبھی نہیں ہو سکتی یہ سب کچھ کھونے کے مترادف ہے اور

جو کھو گیا اسے دوبارہ نہیں حاصل کیا جا سکتا دل میں

گرم گرم ہریں دوڑ رہی تھیں اعضا میں تناؤ پیدا ہو گیا

اور میں نے رتھ سے باہر چلا انگ لگا دی لیکن میرے

پیروں نے مجھے زمین پر گرے نہیں دیا تھا وہ زمین

پر بیٹ گئے تھے اور میں ان کے اوپر گر رہا تھا لیکن میں

بھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے دیوانہ پن کے طرح ان

پر لائیں برساتا شروع کر دیا اور وہ ادھر سے ادھر

نزدکے لگے رونے اور چیخنے لگے مگر کسی نے اجتماع

نہیں کیا تھا۔ میں نے کھتوری کے ہاتھ سے سونٹا لیا اور

بیلوں پر پل پڑا بیل ڈر کر اکر بھاگے اور کھتوری اچھل کر

سر کے نیچے گرا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

بھاگ جادو تم سب بھاگ جاؤ یہاں سے ورنہ میں

سونٹا لے کر ان پر پل پڑا اور وہ سب بھاگنے لگے کچھ

دیر میں وہ بہت دور نکل گئے اور میری نظروں نے

ادھل ہو گئے۔

”بھور یا چرن..... بھور یا چرن تو نے میرے

خون میں گندگی گھول دی ہے مجھ سے میرا دین تھین

یلا ہے۔ مگر میرا دین میرے دل میں ہے کبھی نہیں

چھوڑوں گا اسے کہ لے جو تجھ سے کیا جاسکے۔ میں

مسلمان پیدا ہوا ہوں مسلمان مروتوں کا بھور یا چرن

میری آواز دیرالوں میں گونجتی رہی خلق پھاڑ پھاڑ کر

چیخ رہا تھا آواز پھٹ رہی تھی گلا دکھ رہا تھا چیتا رہا

پھر تھک کر خاموش ہو گیا وہاں سے چل پڑا اب میرے

گرد سرسراہٹیں نہیں تھیں میرے پیر جھاگ گئے تھے۔

میں نے جو ان سے کہا تھا۔

چلتا رہا۔ چلتا رہا پھر ایک بستی آئی لوگ نظر آئے

مگر میں نہ رکا اور چلتا رہا۔ گھاس، پھوس پتے جو بھی

ملتا کھا لیتا پھر کچھ کندرات نظر آئے ایک دیر نہ تھا۔

اور یہاں کافی کچھ اور جو ہڑ بھی تھا کچھ جانی پہچانی جگر

محسوس ہوئی پھر یاد آیا یہ تو نیا زالمند کی بستی تھی مگر مزاح

رہتی تھی یہاں اور یہ جگہ کیا نام تھا اس کا بال شاید

راما مندی یہی نام تھا اس کا بھور یا چرن نے اسے ہلاک

کر دیا تھا اور وہ بے چارہ راما مندی اچھا انسان تھا۔

چاروں طرف بھیا نک سننا مچایا ہوا تھا کھلنا

پر خوفناک خاموشی طاری تھی سنا مچا مچا محسوس ہو رہا تھا

اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا میری نظریں۔

جو ہڑ کی طرف اٹھ گئیں۔ اسی اس پر حسرات الارض رنگ

رہے تھے میرے منہ سے آواز نکلی۔

”کھتوری.....

”بھگت پورن :- کھتوری میرے نزدیک ظاہر ہوا۔

”دوسرے کہاں ہیں :-

”آپ کے دور میں مہاراج :-

”بلاؤ سب کو۔“

”ہم تو یہیں ہیں بھگت: ان کا پورا ریوڑ نمودار ہو گیا۔“

”اس جو ہڑ میں ایک فیٹھے کی بوتل ہے جس میں راماندی کی لاش ہے اس کو تلاش کر کے لاؤ: میں نے کہا اور وہ سب جو ہڑ کی طرف دوڑ پڑے پورے جو ہڑ میں بھونچال اُگیا۔ مکھیوں اور مچھروں کے غول کالے بادلوں کی طرح لٹھے اور چاروں طرف پھیل گئے سخت ٹھن پیدا ہو گیا تھا کچھ دیر جو ہڑ میں ہچل رہی پھر ایک برہ وہ بوتل نکال لایا۔“

”یہی بھگت۔“

”کھول اسے: میں نے بوتل کو ہاتھ لگائے بغیر کہا اور اس نے بوتل کھول دی بوتل سے دھواں نکلنے لگا۔ پھر دھواں زمین پر جم گیا اور کچھ دیر کے بعد وہ راماندی کی شکل اختیار کر گیا۔ راماندی کھڑے کھڑے بھول رہا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں پھر وہ کرتے کرتے سنبھلا اور آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔“

”چلا گیا: اس نے سرگوشی کے عالم میں پوچھا۔“

”کون۔“

”نظر نہیں آ رہا۔“

”کسے کہہ رہے ہو۔“

”شکھا.... وہی بڑا چرن۔“

”تم ٹھیک ہو راماندی: میں نے پوچھا مگر راماندی نے اب ان بیروں کو دیکھا جو آہستہ آہستہ جو ہڑ سے نکل کر جمع ہو رہے تھے۔“

”یہ کون ہیں.... تم کون ہو؟“ پہلے اس نے مجھ سے اور پھر ان سے پوچھا۔

”سیوک ہیں پورن بھگت کے: کھتوری بولا۔“

”پورن بھگت.... ایں.... ارے اوں.... وہ جے بھگوتی جے پورن مہاراج راماندی نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے مگر اس کی آنکھیں مسل مسل کر کئی بار مجھ کو دیکھا پھر چیران لہجے میں بولا۔“

”تم مہا بھگت تم وہی ہونا.... مسعود احمد.... وہ نیاز اللہ معاف کرنا مجھے نہ جانے کیوں میری بات کا برا

مت ماننا وہ دراصل تمہاری صورت کا: وہ بار بار ہاتھ جوڑ کر مجھ سے معافی مانگتا۔“

”راماندی میں مسعودی ہوں آقا اندر چلو۔ آؤ پریشان نہ ہو میں نے اس کا بازو پکڑ کر کھنڈرات کی طرف ہٹتے ہوئے کہا۔“

”ارے وہ مگر تم.... پورن بھگت یہ۔ اس نے بیروں کی طرف اشارہ کر کے کہا وہ سارے سارے پھر میرے پیچھے لگ گئے تھے۔“

”تم کہاں آ رہے ہو چلو بھاگ جاؤ اور جب تک میں نہ بلاؤں میرے قریب مت آنا جاؤ۔ میں گرجا اور وہ خوف زدہ ہو کر ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے بھاگنے لگے۔ راماندی سخت پریشان تھا میں اسے لے ہوئے کھنڈرات میں آگیا راماندی سخت الجھا ہوا نظر آ رہا تھا کھنڈرات میں جہاں وہ رہتا تھا وہاں کی حالت دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا اس نے چٹی پٹی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔“

یہ سب تمہارا کالاجادو ہے راماندی۔ تم شاید صورتحال کو سمجھ نہیں پاتے تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کئی ماہ سے اس کشتی میں بند جو ہڑ میں پڑے ہوئے تھے طویل عرصے کے بعد تم اس سے لکے ہو۔“

کئی ماہ سے۔ راماندی گھٹے گھٹے لہجے میں بولا۔ ہاں کئی ماہ سے بیٹھ جاؤ میں تمہیں پوری تفصیل بتاتا ہوں بیٹھ جاؤ پریشان مت ہو: وہ بیٹھ گیا تب میں نے اسے شروع سے اب تک کی ساری کہانی سنائی وہ میرا منہ دیکھتا رہ گیا آخر تک کی کہانی سننے کے بعد بھی وہ دیر تک کچھ نہیں بولا تھا۔ اس کے بعد راماندی تم مجھے بتاؤ گے کہ اب میں کیا کروں: میں نے پوچھا لیکن وہ اس کے بعد بھی دیر تک کچھ نہیں بولا تھا اور سوچتا رہا پھر کئی گہری گہری سانسیں لے کر اس نے خود کو سنبھالا اور بولا۔“

کالے جادو کے سولہ درجے ہیں ابتداء نہ تھو سے ہوتی ہے نہ تھو پہلا جاپ ہے۔ اس میں گندی اور غلیظ چیزوں سے شریر کو بھنگ کیا جاتا ہے اس طرح کالہ علم سکھنے والا خود کو کالی قوتوں کے حوالے کر دیتا ہے۔“

دوسرا درجہ سنگت کہلاتا ہے اس میں کمال حاصل کرنے کے بعد کئی کئی کوروں کا کام اتاراجاتا ہے اسی طرح جاپ ہوتے رہتے ہیں انھوں نے گنتھ میں لونا چوڑیل اور نیوں میں کانی دیوی سے واسطہ پڑتا ہے پوریاں گیارہوں درجے میں آتی ہیں۔ اور جسے پورنیوں کا اختیار حاصل ہو جائے وہ کالے جادو کا گیارہواں ماہر ہوتا ہے۔ سات پورنیوں کے ایک سواکھتر ہوتے ہیں جو پورن بجکت کے غلام ہوتے ہیں اور بارہواں درجہ بھیروں ستوترن ہوتا ہے وہاں سے شنگھ کا سفر شروع ہوتا ہے اور پھر شنگھ باب ہوتے ہیں ایک شنگھابی پورن جاپ کر کے اپنا جاپ کسی اور کو دے سکتا ہے کوئی دوسرا ایسا نہیں کر سکتا مگر تمہیں جو قوت حاصل ہوگئی ہے وہ بہت بڑی ہے۔ تم اس سے نکلے درجے کے سارے ویرداسیوں کو نیپا دکھا سکتے ہو مگر تمہارا معاملہ دوسرا ہے۔

”اس نے دھوکے سے میرے ساتھ یہ کیا۔“
 ”ہاں مگر بہت بڑا کام کیا ہے اور اسے سترہ انسانوں کی بلی دینا پڑی ہوگی۔“
 ”تم اب ٹھیک ہو راما منندی۔“
 ”ہاں میں ٹھیک ہوں مگر اب میں یہاں نہیں رہوں گا۔“

”کیوں۔“
 ”وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔ راما منندی نے کہا اور میں سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر میں نے کہا۔“
 ایک بات بتاؤ راما منندی کیا ان بیروں سے میں اپنے ماں باپ اور بہن کل سرائے لگا سکتا ہوں کیا یہ مجھے بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہیں۔“
 ”سہول کر بھی ایسا مت کرنا۔“
 ”کیوں۔“

”ان سے تمام کالے کام لے سکتے ہو صرف کالے کام اگر کوئی ایسا کام لیا ان سے جو کسی طور کالے علم سے تعلق نہ رکھتا ہو تو یوں سمجھ لو وہ شے باقی نہیں رہے گی تمہارے مانا پنا کا پتہ لگا کر یہ تمہیں خبر دیں گے مگر بعد میں انہیں مار دیں گے یہ ریت ہے کالے جادو کی

یہ برائی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کسی نیک اور ضرورت کے کام کے لیے نہیں مثال کے طور پر تم اپنے کسی دشمن کو مرنے تو کہتے ہو۔ مگر کسی بیمار دوست کے لیے ذرا نہیں منگوا سکتے۔“

”لعنت ہے اس علم پر۔۔۔ اپنے لیے میں کیا کر سکتا ہوں۔“

”راجہ بن جاؤ محل بنو الو دولت کے ڈھیر لگا لو مندر ناریاں اٹھو الو یہ سب خوشی سے سارے کام کریں گے۔ ایک بار پھر لعنت ہے اب بتاؤ میں اس مصیبت سے چھٹکارا کیسے حاصل کروں۔ میں نے کہا اور راما منندی سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔“

”بہت مشکل ہے ایک طرح ناممکن ہے۔“
 ”راما منندی دل چاہتا ہے یہ سب قبول کر لوں اور وہی بن جاؤں جو بنادیا گیا ہوں۔ میں نے دانت پیٹے ہوئے کہا۔ اور راما منندی چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر وہ آہستہ سے بولا۔“

”مسودہ جی من کیا چاہتا ہے۔“
 ”کیا بتاؤں میں کیا بتاؤں۔“
 ”میں ایک مشورہ دوں۔“
 ”بولو۔۔۔۔۔۔“

”بڑے کشت اٹھائے ہیں تم نے اپنا دھرم بنائے رکھنے کے لیے اب اسے کھونا اچھا نہیں ہوگا مگر تمہاری اس بات کو میں مانتا ہوں وہی بن جاؤ جو بنادے گئے ہو۔ میں الجھی ہوئی نظروں سے راما منندی کو دیکھنے لگا۔“
 ”نہ جانے کیا کہہ رہے ہو۔“

”بڑے کانٹے کی بات کہہ رہا ہوں بھوریا جرح نے تمہیں اضا بڑا جاپ دے کر تم سے من کی شانتی چینی ہے نا۔“

”ہاں یہی اس کا مقصد ہے۔ میں نے نفرت سے کہا۔“

”اور تمہارے من کی شانتی چھین گئی ہے اگر تم نے اپنا من شانت کر لیا۔ تو پھر اس کے من کی شانتی چھین جائیگی وہ سوچے گا کہ یہ تو بات اپنی ہوگئی اور پھر وہی۔ کچھ ابائے کرے گا۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ.....“

”سناؤ چرنوں میں جھکالو، ہنسو، بولو، خوش رہو۔ تمہاری خوشی اسے بھگ کر دے گی وہ تمہیں خوش ہی تو نہیں دیکھنا چاہتا۔“

مگر کالے جادو سے کام لے کر میں اپنے لیے جو کچھ کروں گا راما ندی وہ مجھے میرے دین سے دور نہ کر دے گا۔

اپنے لیے کچھ نہ کرنا یہ تو اسے جلانے کے لیے ہو گا کسی کنواری کو پریشان نہ کرنا کسی کو نقصان نہ پہنچانا بس ایسے کام کر لینا جس سے اسے تر چلے کہ تم خوش ہو من کے بھید تو کوئی اور ہی جانتا ہے باقی سب عمل کے بھید ہوتے ہیں اور تمہارے عمل کے بھیدی سامنے آئیں گے۔ میں راما ندی کی بات پر غور کرنے لگا۔ کچھ سمجھ میں آرہی تھی کچھ نہیں آرہی تھی وہ بے جا رہ میرے دین کی نزاکتوں کو کیا جانے بس ایک معمولی سی لغزش اور..... مگر کوئی راستہ بھی تو نہیں ہے میرے پاس آخر کروں بھی تو کیا کس سے رہنمائی حاصل کروں اور بھوری چرن وہ تو میرے سلسلے میں ہمیشہ ہی کامیاب رہا ہے بڑا عجیب سا دل ہو رہا تھا میں نے راما ندی سے کہا۔

”تمہارا کیا ارادہ ہے راما ندی؟“

”مجھے تمہیں متہجیانہ ہے مسعودی ہاں اگر تم اپنے ساتھ رکھنا چاہو تو بنگر میں مجبور نہیں کروں گا۔“

”میرے ساتھ مگر بھوری چرن تمہیں دیکھ لے گا۔“ کچھ بگاڑ نہ پائے گا تمہارے ساتھ میرا جیون محفوظ رہے گا۔ ورنہ مجھے خطرہ ہے۔“

ٹھیک ہے راما ندی مگر تمہیں میرے ساتھ ٹکلیفیں رہیں گی؟

”اٹھالوں گا جیون تو بچا رہے گا۔ میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی تھی راما ندی نے کہا۔“ اب یہاں سے نکل چلو مہاراج مجھے اندیشہ ہے کہ وہ یہاں نہ چلا آئے۔“

چلو میں نے ٹھنڈی سانس لی اور ہم دونوں فوراً کھنڈرات سے باہر نکل آئے جو بڑے پاس سے گزر کر

ہم دور نکل آئے میں نے راما ندی سے نیازا لندھیا کے پاس سے کہا۔

”چلو گے ان کے پاس؟“

”دل تو چاہتا ہے مگر.....“

”میرا بھی یہی خیال ہے بھوری چرن کو ان کی طرف متوجہ مت کرو کہ وہ تمہیں نقصان نہ اٹھا جائیں ویسے اگر تم چاہو تو خاموشی سے انہیں کچھ بتائیے بغیر ان سے ملے بغیر ان کی کچھ مدد کرو۔“

”اوہ..... نہیں راما ندی نیازا لندھیا صاحب ایسے لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے فقر و فاقے کی زندگی گزار کر اپنا ایمان قائم رکھا ہے یہ قلیل مدت ان پر مسلط کر کے میں ان کی ایماندارانہ زندگی کو راعدا کر نہیں کروں گا۔“

”ٹھیک کہتے ہو یہ بات مجھ سے بہتر کون جانتا ہے پھر یوں کرتے ہیں کہ بستی کا رخ ہی نہیں کرتے کوئی دوسری سمت اختیار کرتے ہیں آؤ اس طرف چلیں راستے میں میں نے راما ندی سے کہا۔“

”بھیں اب کرنا کیا چاہیے راما ندی؟“

”وقت اور حالات کے ساتھ دیکھنا ہو گا کاش تمہیں افسردہ۔ ملول اور پریشان دیکھنا چاہتا ہو گا۔ تمہیں اس کے برعکس کرنا ہے تاکہ اسے احساس ہو کہ اس نے جو محنت کی وہ بے کاری اور پھر کیا سمجھے؟ ہاں سمجھ رہا ہوں۔“

”ہیروں کو بلاؤ۔ سناری کے لیے کچھ منگواؤ دور جانا ہو گا ہمیں۔“ راما ندی نے کہا اور مجھے ہنسی آگئی۔

”واہ راما ندی دو قدم چل کر ہی بھول گئے میرے ساتھ رہ کر تمہیں کافی پریشانی اٹھانی پڑے گی میں اس علم کی قوت سے اپنے لیے کوئی آسائش بھی حاصل نہیں کروں گا سوچ لو۔“

”اوہ..... ہاں بچ بھول گیا تھا کوئی بات نہیں چلو راما ندی تم سے پیچھے نہیں ہے۔“ راما ندی نے کہا اور ہم چل پڑے کوئی منزل ذہن میں نہیں تھی بس قدم اٹھ رہے تھے نہ جانے کس طرف.....

راماندی کا ساتھ بڑا پر سکون تھا تہائی سے نجات مل گئی تھی اس سے باتیں کر کے دل کا بھر اس نکل سکتا تھا کسی بھی قدم کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتا تھا ہم نے آبادی کا رخ نہیں کیا تھا جان بوجھ کر ویرانوں کی سمت چلے پڑے پڑے تھے۔ راماندی نے کہا۔

بھوریا چرن کے کہیں بھی ملاقات ہو سکتی ہے اس کے بیرون نے میرے بارے میں بتا تو دیا ہو گا۔

کیا ممکن ہے؟
ہاں بالکل میرا اسے سب کچھ بتاتے رہتے ہیں ان کی حیثیت رپورٹروں جیسی ہوتی ہے پھر وہ تو سنکھیا ہے۔ تمہارے خیال میں وہ زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا ہے؟ میں نے پوچھا اور راماندی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے کہا۔

تمہارا تو وہ کچھ نہیں بگاڑے گا ویسے یقین کر دو خود جی۔ تم تقدیر کے دشمن ہو تمہارے بارے میں کچھ باتیں میری سمجھ میں آج تک نہیں آئیں۔
کیا۔؟

پوری کہانی مجھے معلوم ہے عام جوانوں کی طرح تم زندگی کی آسائشیں چاہتے ہو اور اس کے لیے تم نے دین و دھرم کے سارے رستے توڑ کر ہر ناجائز طریقے سے طاقت حاصل کرنا چاہی۔ بھوریا کو ایک کپے دماغ والے مسلمان لڑکے کی ضرورت تھی جو ایک مقدس مزار کو ناپاک کر کے اس غلیظ وجود کو پاک قدموں میں پہنچا دے۔ تم نے ایسا نہ کیا اور وہ کندہ و نابھنے سے رہ گیا۔ چو اس سے اس نے سوچا تھا کہ تمہیں خوب پریشان کر کے اپنے کام کے لیے مجبور کرے گا مگر تم اس کے جال میں نہیں آئے۔ بجائے اس کے کہ وہ تمہیں ختم کر دیتا اس نے دوسرے کام شروع کر دیے اس نے تمہیں پورا بنا دیا۔ آدھا جیون لگ جاتا ہے کسی کو پورا نہ جلتی کرتے ہوئے۔ تب پورنیوں کا حصول ہوتا ہے مگر اس نے تمہیں کال سکٹی دے دی۔

اس طرح وہ میرے دل کا سکون چھینا چاہتا تھا۔
نہیں ہمارا آج ایسا کرنے کے لیے وہ نہیں بلے کتے کا روپ بھی دے سکتا تھا۔ اس نے یہ کیوں نہ کیا؟

تمہارا کیا خیال ہے راماندی۔؟

میرا جیون بھر کا تجربہ کہتا ہے مسود جی پورے جیون کا تجربہ کہتا ہے کہ کوئی جہان شکستیں تمہارے پیچھے ہے کوئی ایسی قوت جو اس کا دماغ پیٹے ہوئے ہے۔ وہ تمہارے لیے برے کام کر رہا ہے مگر اسے سیدھے کام وہ نہیں سوچ پا رہا۔

ایسی کوئی قوت ہو سکتی ہے۔ میں نے ایک مقدس مزار کی بے حرمتی کرنے سے گریز کیا تھا کیا مجھے وہاں سے فیض مل رہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ بزرگ مجھے اس گندی گرفت سے کیوں نہیں بچاتے۔
میرا کچھ اور خیال ہے مسود میاں۔
کیا۔؟

ماں ہے نا تمہاری۔؟ راماندی نے سوال کیا اور میرے قدم رک گئے اعضاء پر جیسے بجلی سی گر پڑی میں نے راماندی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ہاں۔؟ میرے خلق سے کبھی گھٹی آواز ابھری۔
تو پھر پیش کر دو تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا بات سمجھ میں آگئی۔ اس کے علاوہ کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا۔ اتنے عرصے سے اس سے دور ہوا اس کے دعا کے لیے اٹھ ہوئے ہاتھ کبھی خالی نہیں رہ سکتے۔ وہ کچھ نہیں جانتی ہوگی۔ تمہارے بارے میں گھر کہتی ہوگی کہ بھگوان تمہیں زندہ سلامت رکھے۔ اور بھگوان تمہیں زندہ سلامت رکھے گا۔ تمہارے دشمن کے دماغ اسے کرتا رہے گا۔

دل ڈوب گیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہنے لگیں۔ حسرت و یاس کلیجہ کاٹنے لگی۔ بالکل پر تھا ایک لفظ جھوٹ نہیں تھا ماں کی دعائیں آفات سے بچائے ہوئے تھیں باقی جو کچھ تھا وہ کیسے کی سزا تھی مگر زندگی ماں کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کی مہربان منت تھی۔

ارے ارے۔ مسود جی سننا تو خود کو ارے نہیں بھائی روتے نہیں، میں میں گے۔ سب میں گے تمہیں۔
بھگوان کے ہاں اندھیرا ہے اور پھر تم تو... تم تو اپنی مصومیت کے شکار ہو رہے ہو۔ تم اتنے سکتی ماں ہونے کے باوجود اس سکتی کو کالی شکستیں سمجھ کر قبول نہیں کر رہے کچھ ہو گا ضرور کچھ ہو گا تمہارے لیے۔ مگر اے ارے

اے۔ دفعۃً راما ندی کا حلق بند ہو گیا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ چہرہ سرخ ہو گیا رگیں ابھرائیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ میں پریشان ہو گیا اپنی کیفیت بھول کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔ جانے اسے کیا ہو گیا تھا میں اس کے قریب بیٹھ گیا پھر میں نے اسے آواز دی۔

”راما ندی، راما ندی کیا بات ہے بتاؤ تو یہی کیا بات ہے کیا ہو گیا راما ندی۔“

راما ندی نے آنکھیں پھینچ کر گہری گہری سانسیں لیں اور بولا۔ ”کچھ نہیں مسعود جی کچھ نہیں۔ یار عجیب سی بات ہو گئی ہے پتہ نہیں پتہ نہیں میرا کیا بننے والا ہے پتہ نہیں، بیٹھو یا تم بھی جذباتی ہو گئے اور میں بھی نہ بچ سکا، کچھ ایسی بات ہو گئی جو بڑی عجیب ہو سکتی ہے۔“

”آخر کیا۔“ میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔
بھور یا چرن کا خوف ہر طور دل پر سوار تھا اس کم بخت کے تصور سے کب جان چھوٹ سکتی تھی اور کچھ نہیں تو راما ندی کی زندگی ہی اس کے لیے تکلیف دہ ہو سکتی تھی راما ندی اس کا اظہار بھی کر چکا تھا کہ بھور یا چرن اسے نہیں چھوڑے گا لیکن اطراف پر سکون نظر آرہے تھے اور بغاوت بھور یا چرن کہیں قرب و جوار میں محسوس نہیں ہوتا تھا راما ندی نے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی اور کہنے لگا۔

”کالا جادو سیکھنے کے لیے سب سے پہلا کام دھرم کو کھو نا ہوتا ہے۔ دھرم کو اس کو نا ہوتا ہے اور اس کے لیے گندے گندے کام شروع کیے جاتے ہیں۔ اور دھرم دیتا کا نام کبھی زبان پر نہ لے نہیں دیا جاتا یہاں تک کہ عادت پڑ جاتی ہے کالا جادو بھگوان کے بتائے ہوئے اصولوں کے خلاف ہی تو ایک گندی کوشش ہے۔ جو طاقت شیطان کو مل گئی ہے اسی طاقت کا سہارا تو بنتا ہوتا ہے اور جب انسان شیطان کا ساتھی بن جائے تو پھر اللہ کا نام بھگوان کا نام اس کی زبان پر بھی نہیں آتا۔ یہاں تک کہ اس کا دل پتھر کی مانند سخت ہو جاتا ہے بھگوان اسے یاد نہیں رہتا۔ میں تے بھی تو ہی سب کچھ کیا تھا، بھگوان کے نام سے اپنا من ہٹا لیا تھا اور بدلنے کتنا عرصہ ہو گیا کہ میں نے بھگوان کا نام نہیں لیا ہمارے

کالے جادو کے دھرم میں اگر اس کا کوئی پانی دھرم ہے تو بھگوان کا نام لینا سخت منہ ہے بلکہ کالے جادو کا تھوڑا بہت علم اس وقت آتا ہے جب بھگوان کے نام سے دوری اختیار کر لی جائے۔ آج تمہاری ماں کا ذکر کرتے ہوئے میرے منہ سے بار بار بھگوان کا نام نکل گیا۔ یقیناً کہ وہ یہ نام میں نے نجانے کتنے عرصے نہیں دیا۔ یہ تو مجھے ایسے بھول گیا تھا جیسے..... جیسے بس کیا بتاؤں تمہیں۔ لیکن تذکرہ ایک ماں کا تھا اور بھگوان کی سو گند ماں بھگوان ہی کا دوسرا روپ ہوتی ہے اس کا مقصد ہے کہ بھگوان پھر سے میرے من میں آ گیا بار بار میرے منہ سے اس کا نام نکل رہا تھا۔ آہ اس طرح تو میں بھی تمہارا ساتھی ہی بن گیا۔ مسعود بھیا میں بھی تمہارا ساتھی ہی بن گیا۔ کالے جادو کا گیان تو اب ٹوٹ ہی جائے میرا میں خود بھی اس پر لعنت بھیجتا ہوں۔ کیا پایا میں نے اس سے۔ ابھی تو مکمل بھی نہیں ہوا تھا جھوٹے موٹے کام کر لیتا تھا اور اس کے بعد جو ہڑ میں جا پڑا۔ نجانے کب تک پڑا رہتا اگر تمہارے ہاتھوں نہ نکلتا کیا ملا مجھے اس کالے جادو سے۔ آج بھگوان میرے من میں پھر سے زندہ ہوا ہے تو اب میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ میں بھی اپنے گناہوں سے توبہ کروں گا میں بھی اپنے پاپوں کا راسخست کروں گا۔ لو بھیا ایک ایس دو کھیل شروع ہو گئے۔ اور یہ کھیل خود بخود نہیں شروع ہوا۔ ماں بیچ میں آ گئی ہے، میری ماں نہیں ہے مگر میں تمہیں بھیا کہتا ہوں۔ ماں اپنے اس دوسرے بیٹے کو بھی اپنی دعاؤں میں شامل کرے، ماں صرف مسود تیرا بیٹا نہیں ہے ایک بیٹا راما ندی بھی ہے۔ اس کے لیے بھی ہاتھ اٹھالے ماں، اس کے لیے بھی ہاتھ اٹھالے۔ راما ندی ایسا بلک بلک کے ر دیا کہ میرا دل پانی پانی ہو گیا۔ میں خود بھی ماں کو یاد کر کے روئے۔ رگتا تھا لیکن راما ندی نے کچھ ایسی آہ و زاری کی کہ اپنا سدا کہ بھول گیا اور اسے دلا سے دیتا رہا۔ ہم دونوں بہت دیر تک روئے رہے تھے۔ راما ندی نے کلو گیر آواز میں کہا۔ ”میری ماں اس سنسار میں نہیں ہے میں نے تیری ماں کا ہمارا طلب کر لیا ہے مسعود بھیا۔ بھیا ہے تو میرا بیون دردان کروں گا تجھ پر، بس اور کیا ہوں میں ہوں ہی کس

قابل بہت دیر تک ہم جذبات میں ڈوب رہے رمانندی
 چلو چلیں آگے بڑھیں سوک لگ رہی ہوگی نہیں بھی
 میں بھی سوکا ہوں۔ بگوان کا دیا کھائیں گے۔ لعنت ہے
 اس کالی بستی پر جس کے ذریعے ہمیں سب کچھ مل سکتا ہے
 مگر ایسا نہیں کریں گے ہم۔ چلو چلتے رہو، چلتے رہو اور
 ہم وہاں سے چل پڑے۔ دن گزر گیا شام ہو گئی۔ کچھ فیصلے
 پر ایک بستی کے آثار نظر آئے تھے اور شام کے چھپنے
 کے بعد جب سورج ڈوبا تو بستی کے کسی گوشے سے آواز
 ابھری۔ اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ مغرب کا وقت ہو گیا
 تھا۔ اذان ہو رہی تھی۔ قدم رک گئے رمانندی بھی اس
 آواز کو سننے لگا، میرے دل میں بھی عجیب سی کیفیت
 پیدا ہو گئی۔ میں پھر آگے بڑھنے لگا، دور سے مسجد کے
 میاز نظر آ رہے تھے۔ اس پر لاڈ ڈال کر لگا ہوا تھا
 اور غالباً روشنی بھی کر دی گئی تھی۔ مگر حرف مینا پر باقی
 مسجد بھی قدرتی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ بے غشی ملاری
 ہو گئی تھی قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔ مسجد کے قریب پہنچا تو
 رمانندی نے شانے پر ہاتھ رکھ کر روک دیا۔

”اندر مت جا سورا۔ تو گندل ہے۔“

”ایں۔“ چونک پڑا۔ رمانندی کو دیکھا اور پھر ٹھنڈی
 سانس لے کر رک گیا۔ گردن ہلاتی اور کچھ فیصلے پر
 ایک درخت کے نیچے پہنچ گیا پھر حمد بھری نگاہوں
 سے نمازیوں کو دیکھنے لگا۔ چند ہی لوگ آئے تھے
 ممکن ہے اس بستی میں مسلمانوں کی آبادی کم ہو۔ اندر نماز
 شروع ہوئی تو بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ نیت بندھی تو میں
 نے بھی نیت باندھ لی ایک بار پھر ذہن پر زور ڈالا اندر
 قرائت ہو رہی تھی مگر میرا ذہن بند تھا۔ ذہن بند تھا پاک
 کلام گندے ذہن میں نہیں آ رہا تھا ہر کوشش ناکام ہو
 رہی تھی۔ سجدے میں پڑ گیا بس اسی میں سکون مل رہا تھا
 نماز ختم ہو گئی۔ نمازی شاید باہر نکل کر چلے گئے تھے
 کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ سجدے سے سر اٹھایا تو
 دو تین افراد کو قریب کھڑے دیکھا۔ ان میں سے ایک
 نے سلام کیا تو اسے جواب دیا۔

”مسجد میں تو بہت جگہ ہے آپ لوگ باہر نہ کریں
 پڑھ رہے تھے۔ اس شخص نے سوال کیا۔“

میں نے تھوک نکل کر ادھر ادھر دیکھا کیا جواب
 دیتا اس بات کا لیکن گردن گھمائی تو ایک انوکھا منظر
 دیکھا۔ رمانندی بھی سجدے میں پڑا ہوا تھا۔ میں ششدر
 رہ گیا۔ تب ایک لڑکی ہوتی ہوئی بوڑھی آواز ابھری۔
 ”آپ لوگ چلیں ہم پوچھ لیں گے۔“

”مسافر معلوم ہوتے ہیں امام صاحب ہو سکتا ہے
 لباس صاف۔ ہوں اس لیے اندر نہ آئے ہوں۔“

”اگر ایسا ہے تو اس کے گھر کے اس احترام کا جذبہ
 وہ قبول کرے۔ میاں انہیں اٹھاؤ، سجدے اتنے طویل
 مناسب نہیں ہوتے۔ میں نے حکم دینے والے کو
 دیکھا تقریباً اسی سال کی عمر کے سفید ریش انسان تھے
 بستوں کے بال بھی سفید تھے ڈھیلے سفید جھنڈے اور غلام
 میں بلوسے تھے۔ میں رمانندی کے قریب پہنچا اور اسے
 جھنجھوڑنے لگا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ حالانکہ اچھا خاصا
 اندھیرا پھیل گیا تھا مگر رمانندی کی سجدہ گاہ جیسگی ہوئی
 نظر آ رہی تھی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی
 تھیں۔“

میری عقل چکر لگی۔ رمانندی کو کیا ہو گیا۔ اسی وقت
 نمازیوں میں سے کسی کی آواز سنائی دی۔ مسافروں
 کے لیے کھانا لے آؤں امام صاحب۔“

”انہیں میاں خانہ خدا کے جہان ہیں۔ اس کے ہاں کیا
 کمی ہے آپ کبابے حد شکر۔! گھر میں جو کچھ ہے ان کے
 سامنے رکھ دوں گا۔“ لوگ معلوم کر کے پیسے گئے۔ امام
 صاحب ہمارے قریب ہی زمین پر بیٹھ گئے۔ وہ بغور
 ہمارا جائزہ لے رہے تھے انہوں نے کہا۔ جو کچھ پوچھوں
 گا تفسیر احوال کے لیے پوچھوں گا۔ جس بات کا جواب
 دینا نا پسند ہو نہ دینا۔ برا انہیں مانوں گا مگر جھوٹ
 نہ بولنا۔ خانہ خدا کے سامنے ہو۔“

”انہیں امام صاحب، آپ کچھ نہ پوچھیں جواب نہ
 دے سکیں گے۔“

”خدا کے قدموں کی قم بغض تبس نہیں انسان
 سے محبت مجبور کر رہی ہے کہ تم سے احوال دریافت
 کروں۔ عمر میں تم سے نہیں زیادہ ہوں۔ بزرگوں کا کہنا ہے
 کہ کسی مشکل میں مشورہ کر لینا ضروری ہے حل نکل آتا ہے

مجھے بتاؤ بچو..... جیسے سے مشکل کا شکار معلوم ہوتے ہو
کیا بات ہے؟

ہماری داستان طویل ہے۔
عشائیک فراغت ہے مجھے بتاؤ کیا پیشانی چاہیے
نام کیا ہیں۔

”میرا نام مسعود تھا۔ اور ان کا راما مندی ہے۔“
راما مندی۔ امام صاحب نے سرگوشی کے انداز میں
کہا اور پھر گہری نظروں سے راما مندی کو دیکھا پھر بولے۔
جیل سے فرار ہوئے ہو۔؟

”نہیں۔“ راما مندی نے جلدی سے کہا۔

”کسی قانونی مشکل میں ہو۔؟“

”نہیں۔“ راما مندی ہی بولا۔

”الحمد للہ پھر حوالہ ہو۔ تم بتاؤ میاں خاموش کیوں
ہو۔؟ پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ زبان کھل گئی۔ میں
نے اول سے آخر تک داستان امام صاحب کو سنا دی
اس میں راما مندی کا پورا ذکر بھی آگیا تھا۔ امام صاحب
خاموشی سے سنتے رہے تھے۔ میرے خاموش ہونے کے
بعد بھی وہ دیر تک خاموش رہے تھے پھر وہ راما مندی
سے مخاطب ہو کر بولے۔

”عزیزی تمہاری داستان تو معلوم ہو گئی۔ مگر تم مجھے
میں کیوں پڑے ہوئے تھے۔ تم کے سجدہ کر رہے تھے؟

”اے جس کی آواز مجھے ستائی دے رہی تھی۔ وہ

جس کا کہا آپ بول رہے تھے۔ میں اسے سجدہ کر رہا تھا

میرے گناہوں نے بھگوان سے تو میرا رشتہ توڑ دیا

امام جی..... مگر میں اس کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں جس

کی باتیں آپ لوگوں کو سنا رہے تھے۔ میں کالے دھرم

سے نکل کر اس کے سائے میں آنا چاہتا ہوں۔“ راما مندی

نے روتے ہوئے کہا اور امام صاحب اٹھ کھڑے ہوئے

”آؤ۔“ انہوں نے کہا۔ راما مندی سہا سہا کھڑا ہو

گیا تھا میں بھی اٹھ کھڑا ہوا تو امام صاحب نے مڑ کر کہا۔

”نہیں تم یہاں رہو۔ تمہیں یہیں رکنا ہو گا۔ مسعود میاں جانا

نہیں یہاں سے بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے تاکید

کرتا ہوں۔ یہ نا آشنا ہے۔ کہنا ہے بھگوان سے اس

کارشہ ٹوٹ گیا ہے اسے باؤ نے نام بدل لینے سے

کچھ نہیں ہوتا افکار نہیں بدلنے چاہیں وہیں سے کفر کی
سرحدیں شروع ہوتی ہیں۔ افکار بدل کر نام بدل کر تو بری
بات ہے پھر کچھ بھی کہہ لو پھر جتا ہے آؤ۔“ انہوں
نے راما مندی کا ہاتھ پکڑا اور اسے مسجد میں لے گئے۔
میں ڈیڑ بائی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھتا

رہا۔ اندازہ ہو رہا تھا اپنے بارے میں اندازہ ہو رہا تھا

کہ وہ راما مندی مجھ سے بہتر ہے وہ اندر جا سکتا ہے اور

میں وہیں سر جھکائے بیٹھا رہا۔ بہت دیر گزر گئی۔ رات

ہو گئی پھر وہ واپس آئے۔ میں نے مسجد سے آنے والی

مذہم روشنی میں دیکھا۔ راما مندی کا لباس بدل گیا تھا۔ اس

نے شاید امام صاحب کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس کے

ہاتھوں میں کھانے کے برتن تھے۔

”کھانا کھا لو مسعود میاں۔“ امام صاحب بولے اور

میں نے راما مندی کو بخور دیکھا۔ امام صاحب بولے۔

”ہم نے ان کا نام سرفراز رکھا ہے خدا کے فضل سے

یہ شرف بہ اسلام ہو گئے ہیں۔“

”اوہ اور میں۔“

”کھانا کھا لو۔“

”میرا کیا تعین ہے امام صاحب۔“

”کہاتے کے بعد پوچھ لینا۔“

”نہیں میں آپ کا یہ حکم نہیں مان سکوں گا۔“ میں نے

آخری لہجے میں کہا۔

”یہ تمہارے وجود میں کبھی قی غلاطت بول رہی

ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو تمہارے دل میں حسد نہ پیدا ہوتا

خیر میں تمہیں مجبور نہیں کر دوں گا۔ سنو نا آگئی کی معافی ہے اور

جو آشنا ہوتے ہیں ان پر امانتوں کا بوجھ ہوتا ہے

فرق صرف آشنا نا آشنا کا ہے۔ مساجد میں عالم دین

کتا بوں میں سے وہ جلتے ہیں جو نجات کی سمت نہیں

کرتا ہے اور جان کر بھگنا بدترین ہے تم نے ملے سے

منہ موڑا بار بار ایک بار نہیں۔ جب تم اس پر بھروسہ

کرتے تھے تو خود قدم کیوں بڑھائے نہیں تو نیت

دی گئی تھی اور وہی سمت نہیں آگے لے جا رہی تھی رخ

بدل لیا تمہنے کوئی کیا کرے۔ بار بار رخ بدلتے ہو۔

اب انتظار کرو اپنی طرف چلنے والی ہواؤں کا۔

ہو اسکے رخ کا اندازہ ہو جائے تو اس سمت چل پڑنا۔
 "گویا اب میں تنہا ہوں۔" میں نے پوچھا۔
 "نہیں۔ تمہارے ساتھ تو یہ ہے اساتھوں کی آخری
 حد تک۔ موت کے ہوش میں چھین پیتے سے پہلے تک۔
 اور میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔
 ہاں قبولیت تک انتظار کرنا ہوگا۔"
 میں سکوت کے عالم میں کھڑا رہا۔ میں نے آہستہ سے
 کہا: "شکریہ میں چلتا ہوں۔"

"کہاں؟" "123594-B"
 "پتہ نہیں۔"
 "کھانا نہیں کھاؤ گے؟"
 "نہیں۔"

"کیوں؟" "نہیں۔"
 "یہ برتن گندے ہو جائیں گے۔"

"میں یہ نقصان نہیں کرنا چاہتا۔" میں نے کہا اور امام
 صاحب خاموش ہو گئے میں پلٹا تو رامانندی بے قرار ہو
 کر بولا۔

"ایک منٹ مسعود، ایک منٹ میں امام صاحب سے
 اجازت لے لوں۔ امام صاحب میرے لیے کیا حکم ہے؟"
 "اللہ کے احکامات کی تعمیل کرنا بس اس کے سوا کچھ
 نہیں۔" امام صاحب نے کہا اور کھانے کے برتن واپس
 لے کر اندر چلے گئے۔ میں نے رامانندی سے کہا۔

"راما۔ وہ معاف کرنا فرما تمہارا میرے ساتھ چلنا
 اب مناسب نہیں ہوگا ہم اسے عطیہ الہی کہتے ہیں نہیں جو
 عطا ہوا وہ بہت قیمتی ہے۔ بہتر ہے کہ امام صاحب کے
 ساتھ کچھ عرصہ قیام کر کے دینی معلومات حاصل کرو وہ
 گریز نہیں کریں گے۔"

"آؤ۔" رامانندی نے کہا اور میرا بازو دیکھ کر وہاں
 سے اٹھ کر بڑھا۔ میں ہلکیا تو اس نے میرے بازو
 پر گرفت مضبوط کر لی اور سپر مجھے ساتھ لے کر چل پڑا۔

رخ بستی کی طرف تھا۔ کافی دور چلنے کے بعد اس نے
 کہا: "میں چھوڑ دوں گا میں۔ ابھی تو میرے اوتار ہائے
 درمیان نیا رشتہ قائم ہوئے دیر بھی نہیں ہوئی۔"
 "میں رامانندی بڑا دلچسپ واقعہ ہو گیا ہے۔"

میں نے بے اختیار مسکراتے ہوئے کہا۔
 "کیا۔؟"

"ایک مصرعہ ہے کہیں سنا تھا۔ اس وقت ہالکل
 فٹ بیٹھا ہے۔"

"میں ہوا کا فر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا۔"
 "خدا نہ کرے تم کافر کیسے ہو گئے۔"

"اب سبھی یہ سوال کر رہے ہو۔ امام صاحب نے مجھے
 مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ وہ برتن
 جن میں کھانا کھاؤں گا ناقابل استعمال ہو جائیں گے۔"
 "سب ٹھیک ہو جائے گا مسعود۔ سب ٹھیک ہو جائے
 گا۔"

"پتہ نہیں کیسے ٹھیک ہو جائے گا۔"
 "دین کی بات ہے میں کچھ نہیں بول سکتا مگر دماغ کچھ
 الجھتا ہے میں نے تو وہ سارے کرم کیسے تھے جن سے کالا جاؤ
 اٹل ہے گندے اور غلطی عمل۔" مسیح معنوں میں تو بلجھ میں ہوں
 جب کہ تم نے کالا جادو کیا اور اس کی خواہش کی۔ میں
 کیسے پاک ہو گیا۔؟"

"نہیں میں امام صاحب کی بات سے متفق ہوں۔ گناہ
 کبیرہ اور گناہ صغیرہ کا فرق ہے باریک نکتے میں کوئی عالم ہی
 سمجھا سکتا ہے مجھے جگہ جگہ اپنی غلطیوں کی گواہی ملتی ہے
 یا بفضل نے مجھے کچھ نصیحتیں کی تھیں انہوں نے کہا تھا
 عمل کا ایک راستہ ہوتا ہے۔ تمہارے نفس کی خواہش
 تحریک شیطانی ہوتی ہے اس سے بچنا۔ محبتوں کے جال
 میں پھنس کر فرض کو نہ بھولنا۔ مجھے ایک کراماتی کبیل ملا تھا
 جسے مجھے ہر وقت ساتھ رکھنا تھا مگر رشتوں کے جال میں
 پھنس کر ہی اسے چھوڑ کر چلا گیا اور کبیل گم ہو گیا۔ میں
 نے اپنی طاقت کے زعم میں کچھ ایسے عمل بھی کیے جن کے
 بارے میں یہ اندازہ نہیں کر سکا کہ وہ شیطان کے پھچائے
 ہوئے جال میں ہیں۔ مجھ سے ایسی غلطیاں بار بار ہوتی
 ہیں۔"

"امام صاحب نے تمہیں تو یہ کرنے کے لیے کہا ہے،"
 "ہاں کروں گا مگر قبولیت کا وقت نہ جانے کون سا
 ہوگا۔ تم جس رشتے کی بات کر رہے ہو انوس وہ قائم نہیں
 ہو سکتا۔"

کیوں؟ اس نے پوچھا۔

اب اور کیسے سمجھاؤں۔ بتا تو چکا۔ میں نے کہا۔
یعنی دین کا رشتہ۔؟

ہاں۔

میں اس رشتے کی بات کہیں کر رہا ہوں۔

تو پھر۔؟ میں نے اسے تعجب سے دیکھا۔

ادہ نہیں میرے بھیا۔ ماں کا رشتہ قائم ہوا ہے

میرے اور تیرے درمیان۔ میں نے ماں سے کہا تھا کہ

اپنے دوسرے بیٹے کے لیے بھی ہاتھ اٹھالے اس نے

قرور میرے لیے دعا کی ہوگی اور دیکھو مسعود مجھے ماں

کی دعا سے کیا مل گیا۔ کل ماں نے مجھے بھیا کے بارے

میں پوچھا تو کیا جواب دوں گا اسے۔

میں خاموش ہو گیا ہم بستی میں داخل ہو گئے بازار

کھلے ہوئے تھے ایک نانا ڈاکے کی دکان پر بیٹھ کر اس نے

کھانا طلب کیا اور سرگوشی میں مجھ سے بولا یہ نہیں میری

قسم مسعود خاموش رہنا۔

میں نے خاموشی سے کہا تاکہ ایا تھا اپنی کیفیت کا خود

افزادہ نہیں کر پا رہا تھا کیا ہو رہا ہے مجھے شکایت ہے

بنادت ہے، صدمہ ہے نہ جانے کیا ہے نہ جانے اس

وقت میری سوچ کیا ہے

اب بستی چھوڑ دیں کیا خیال ہے۔؟ راما ندی

بولا۔ رہ جانے کون سی بستی ہے۔

کوئی بھی ہو کیا فرق پڑتا ہے ریلوے اسٹیشن کا پتہ

پوچھ لیتے ہیں کہیں بھی شکل چلیں گے۔

ٹھکن ہو گئی ہے، رات گزار لیں کل چلیں گے۔

فرورڈ ٹھیک ہے وہ سامنے پمیل کا درخت ہے اس

کے نیچے جو ترہ بنا ہوا ہے رات گزارنے کے لیے بہترین

جگہ ہے۔ ہم دونوں جو ترے پر جا لیٹے پمیل کی بوڑھی

ایک بوسہ کھا ہوا تھا جس کے پاس مٹھائی کے دو دانے

پڑے ہوئے تھے راما ندی نے مجھے بتایا۔ یہ گوہر حسن

پوجا کا سامان ہے صبح جلدی اٹھ جائیں گے میں نے کوئی

جولہ نہیں دیا تھا۔ تم اب تک لیجے ہوئے ہو۔؟

ٹھیک ہو جاؤں گا۔

کو کوشش کر کے سو جاؤ نیند سکون دے گی۔

ہاں۔ میں نے کہا سر کے نیچے ایک اینٹ رکھی اور
کروٹ بدل لی۔ کافی دیر خاموش رہنے کے بعد میں
نے کہا۔ سو گئے راما ندی۔؟
یار مجھے سرفراز کہو۔؟
سو گئے سرفراز۔

نہیں۔

کیا بھور یا چرن کو ان حالات کے بارے میں معلوم
ہوگا۔

ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔

اس پر کیا اثر ہوگا۔

اللہ جانتا ہے مجھے اب بالکل پروا نہیں ہے

بڑا سکون ہے مجھے مسعود بیان نہیں کر سکتا بھویا چرن

کا پدم معلوم ہے تمہیں۔

یہ کیا ہوتا ہے۔

شناختی نشان۔

مکڑی۔

ہاں جہاں مکڑی دیکھ لو ہوشیار رہنا اس کے

بیرا سی شکل میں ہوتے ہیں۔

ہاں میرا واسطہ پڑ چکا ہے۔ میں ٹھنڈی سانس

لے کر کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔ آنکھوں میں غنودگی

تیرنے لگی تھی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے نیند بھگنے

لگا سو گیا تو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکوں گا

راما ندی کی گہری گہری سانس سنائی دے رہی تھیں



"I'll be with you in a minute, ya"

پچھ دیر کے بعد میں اٹھا رامانندی کو ایک نگاہ دیکھا
اور پھر بلی کی طرح دبے قدموں وہاں سے آگے بڑھا
بستی کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا۔ بس منہ اٹھا کر
چل پڑا تھا اور رفتاریہ زکھی تھی تاکہ رامانندی مجھے تلاش
نکرسے میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا۔

مڑکوں اور گلیوں میں کتے بھونکنے لگے تھے بستی کے آخری سرے پر پہنچا تھا کہ سیاہ رنگ کا ایک قد آور کتا مجھ پر جھپٹ پڑا۔ بہت خوفناک لگتا تھا اور بہت غصہ آور معلوم ہوتا تھا اچانک ہی نرا کمر حملہ آور ہوا تھا میں بوکھلا گیا۔ قریب تھا کہ کتا میری ٹانگ بکڑ لے لیکن اچانک ہی کسی نے اسے پیچھے سے بکڑ کر گھسیٹ لیا تھا۔ اور پھر اس کی بھانک چٹپٹیں ابھرنے لگیں میں نے اسے درمیان سے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دکھا اس کی دونوں ٹانگیں چیر دی گئی تھیں پھر اس کے جسم کی چند حیاں چند حیاں کر کے پھینک دی گئیں اور مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ میرے پر تھے میرے محافظ۔ بڑا شاک لگتا تھا یہ کالی قوت میں مسلسل میرا ساتھ ہے رہی تھی۔ اور دوسری طرف کچھ نہیں مٹا ادھر میں صرف طعون و مطعون تھا۔ اچانک سارے بی نظاہر ہو گئے۔ ”یورنا کی نے کوئی حکم! ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ میری رگتیں کھینچنے لگیں۔ دماغ میں خون کی گردش نیز ہو گئی اعصاب چٹختے لگے۔ بے شکل تمام میرے منہ سے نکلا۔“

”سواری کو رتھ لادیں۔“

”نہیں... تم جاؤ...“

”جے پورنا۔۔۔ وہ سب غائب ہو گئے میں کی

کھڑا حواس درست کہتا رہا پھر کیفیت یکتہ تیز ہوئی تو
برق رفتاری سے چلتا وہاں سے آگے بڑھتا رہتا رہتا
ہیجان کے عالم میں پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی تھی لہٰذا
سمجھے رہ گئی تھی آگے جنگل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا میں تاریکی
میں ٹھوکریں کھاتا آگے بڑھتا رہا۔ راستے کا کوئی علم
نہ تھا بس قدم اٹھ رہے تھے جنگل ختم ہو گیا میدان نظر
آنے لگے اکاد کا خود درخت آجاتے تھے چلتا رہا
پھر بہت دیر کے بعد بہت دور سے کہیں گڑ گڑاہٹ

سنائی دی اور پھر ایک تیر و شنی جس کے عقب میں
ننھی ننھی روشنیاں ٹٹھاتی گزر رہی تھیں ریل تھی جو کچھ در
کے بعد آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ چلتے چلتے تھک گیا تھا
رات ابھی خامی باقی تھی۔ جگو کیا ملاش کرتا تھا جہاں تھا وہیں
بیٹھ گیا تھکن کے مارے برا حال ہو رہا تھا نیند کے
جھونکے بھی آرہے تھے۔ چنانچہ لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں
اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ دماغ کو آزاد چھوڑ
دیا تھا اس لیے نیند آنے میں دقت نہ ہوئی اور سکون
کی لہریوں میں پہنچ گیا۔ صبح کو پردوں کی چھبھاہٹ
اور رنگیلی جانوروں کی بھاگ دوڑ سے آنکھ کھل گئی۔
جاگنے کے بعد آس پاس کے مناظر دیکھے بس وہی ویرانہ
جو میری تقدیر کی مانند تھا۔ تاحد نگاہ کچھ نظر نہیں آتا تھا
سوائے سیلی فون کے تاروں کے ان ٹمبول کے جو
فاصلے سے لگے ہوئے تھے اور ان کے بیچ تاروں کا
رابطہ تھا یہ نہیں آبادی کتنے فاصلے پر لگے ہوئے تھے
اور ان کے بیچ تاروں کا رابطہ تھا۔ یہ نہیں آبادی کتنے
فاصلے پر ہے لیکن یہ کھبے کسی آبادی کی جانب میری رہنمائی
کر سکتے ہیں اٹھا تو چکر اس گیا۔ احساس ہوا کہ جھوک اور
پاس نے نڈھال کر رکھا ہے خشک ہونٹوں پر زبان پھر
کر سرد آہ بھر کے رہ گیا۔ بھلا اس بے آب و گیاہ دیلے
میں کھانے کا کس تصور ہو سکتا ہے۔ قدرتی طور پر بھی
یہاں کچھ نہیں تھا۔ بس جگہ جگہ بدنا جھاڑیاں اگی نظر آ رہی
تھیں کہیں کہیں بڑے بڑے جھاڑے جو بعض جگہ خاصے
علاقے میں پھیلے ہوئے تھے یہی فیصلہ کیا میں نے کہ ان
تاروں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہوں۔ یقیناً کسی
آبادی تک ہی لے جائیں گے۔ راستہ طے کرنے لگا
پٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ حلق خشک ہونے لگا
لیکن بے کار تھا سب کچھ۔ تقریباً سو گز کے فاصلے پر
ایک جھاڑ اگا ہوا تھا اس کے نیچے سے گزر کر دوسری
سمت پہنچا تو آنکھیں شدت حیرت سے پٹی پٹی رہ گئیں
ایک درختی بھی ہوئی تھی جس پر سفید چارن بھی تھی چاند
کے کونے ورنی پتھروں سے دبے ہوئے تھے۔ درمیان
میں پھل خشک میوے اور گوشت کے بنے ہوئے ٹکڑے
رکے ہوئے تھے میں سبکت رہ گیا دو دو رنگ نظر

دور آئیں لیکن کیا ہمال کہ کسی انسانی وجود کا اسالیب ہی ہو جائے۔ ساری چیزیں تروتازہ تھیں اور اعضاء چنچ رہے تھے کہ ایک اور حکم سیر ہو جائیگا یہ سب آیا کہاں سے دوسرے لمحہ اندر سے مایوسی کی ایک گھٹی گھٹی سانس نکلی اور یاد کرنے پر یاد آیا کہ یہ سب کہاں سے آسکتا ہے جو کا پاس تھا میری خواہش کو میرے بیروں سے زیادہ اور کون جان سکتا تھا ذرا کی دیر کے لیے ذہن کی کیفیت ڈانڈاں ڈول ہوئی اور دل نے کہا کہ پیٹ جو طلب کر رہا ہے اسے نظر انداز مت کر ساری باتیں اس کے بعد شروع ہوتی ہیں چنانچہ پہلے اس مسئلے سے نمٹا جائے اور اس کے بعد سوچ جائے کہ آگے کیا کرنا ہے۔ دو قدم آگے بڑھا تو کانوں میں آواز ابھری کہ تو بریرے ساتھ ہے تو تنہا نہیں ہے۔ تو بکے رو دنا ہے اس لیے تک کھلے رہیں گے جس لیے تک یزی سانس تیرے بدن میں ہوگی۔ آگے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ میں نے آٹھویں بند کر لیں اور اس کے بعد رخ تبدیل کر لیا۔ تیز رفتاری سے وہاں سے دور نکل آیا۔ کافی دور جانے کے بعد جب ایک پتھر سے ٹھوکر لگی تو ایک دم سے آنکھیں کھول کر دیکھا وہ پتھر نہیں تھا بلکہ ایک بڑا سا برتن تھا جس میں کھلنے پینے کی اسٹار رکھی ہوئی تھیں میں نے پلٹ کر حیرانی سے اسی جھاڑ کو دیکھا اتنا فاصلہ طے کرنے کے بعد بھی میں وہاں سے دور نہیں نکلا لیکن یہاں تو جھاڑ کا نام و نشان نہیں تھا وہ جھاڑ تو بہت پیچھے نظر آ رہا تھا مگر پھر یہ برتن میں نے دانت پیسے اور ایک زوردار رات سلانے رکھے ہوئے برتن پر رہے دی اس میں رکھی ہوئی اشیا رزمین پر لڑھک گئیں اور میں وہاں سے آگے دوڑنے لگا۔

لیکن اس بار میں نے آنکھیں بند نہیں کی تھیں سینہ دھڑکنی بنا ہوا تھا سانس چڑھ رہی تھیں بہت دور نکلنے کے بعد خون میں کسی حد تک کی واقع ہوئی تو میں نے ایک اور جھاڑی کو دیکھا جو خامی سرسبز تھی اور اس میں میوں جیسے گول گول پھل لگے ہوئے تھے قدم خود بخود رک گئے ایک لمحے کے لیے ذہن نے کچھ سوچا

دوسرے لمحے میں اس جھاڑی کے پاس بیٹھ گیا انگلی اور انگلیوں کی مدد سے پھلوں کو زبردستی کھانے لگا تھے اندر سے کیسے میں اشد ہستہ جانتا ہے درجہ پھل توڑے یہ سوچے کچھ بغیر کہ ان کی ناصیت کیا ہے وہ کیسے پھل میں انسانی صحت کے لیے مضر تو نہیں ہیں یہ سب کچھ سوچے کچھ بغیر میں نے ایک پھل کو دانتوں سے کاٹا۔ زیادہ سخت نہیں تھا اندر کسی قدر کٹاس اور کڑواہٹ تھی لیکن میوں نہیں تھے تاہم ان میں بڑے ریشے موجود تھے میں نے پورا پھل چبا لیا پھر دوسرا اور اس کے بعد جھاڑی سے پھل توڑ توڑ کر کھانا ہا یہ بھی اپنے آپ کو سزا دینے کے مترادف تھا اگر کچھ ہو جاتا ہے ان پھلوں کے کھانے سے تو ہو جائے کیا فرق پڑتا ہے لیکن معدہ بوری کی طرح پر ہو گیا تھا۔ جھوک اور پیاس دونوں کی شدت مٹ گئی تھی بدن کو توانائی کا احساس بھی ہو رہا تھا آگے بڑھنے کی ہمت بھی پیدا ہو گئی تھی چنانچہ آگے بڑھنے لگا۔ دھڑکے سفر کے دوران دوبارہ ریل گزرتے دیکھی اس کا مطلب ہے کہ فاصلے پر ہی آگے آبادی ضرور مل جائے گی مناظر بدل رہے تھے زمینوں پر کچھ متعدد نشان نظر آئے جو چوڑے سے بنائے گئے تھے پھر ٹارڈوں کے نشان بھی نظر آئے اور اس کے بعد ایک باقاعدہ پگڈنڈی مزید کچھ دور چل کر اسس پگڈنڈی پر ایک جیب دیکھی۔ گزر گاہ وہی تھی چنانچہ اسی سے ہی گزرا۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جیب خالی تھی اس نے اس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ حیران کن بات تھی یہاں اس دور لانے میں۔ یہ جیب کون چھوڑ گیا پھر ایک دم نہیں آگئی یہ بھی شاید میرے بیروں کا ہی احسان تھا۔ ان کا رتہ جدید یہ ہو گیا تھا ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ قدموں کی چاپ سنائی دی اور میں نے پلٹ کر دیکھا مضبوط جسم کا مالک کوئی تینتیس چونتیس سالہ شخص تھا جو ہاتھ میں موہل آئیل کا ڈبہ منہالے آ رہا تھا اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اور رفتاریہ تیز کر دی تھی شاید سوچ رہا تھا کہ میں ہمیں جیب لے کر ہمارا جالوں قریب پہنچ کر اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔

”کیا بات ہے۔“ اس نے پوچھا۔

کچھ نہیں بھائی اور سرے گزر رہا تھا کہ یہ جیب کھڑی
ہوتی دیکھی۔ حیران ہو رہا تھا کہ اس کا مالک کہاں گیا۔
ریڈی ایٹر خشک ہو گیا تھا یا مصیبت بن گئی
دور دور تک پانی کا پتہ نہیں تھا بہت دور جا کر
ایک نالی سے پانی ملا۔ لغت ہے اس نے گردن خشکی
اور جیب کا بونٹ کھونے لگا۔ میں نے آگے بڑھ کر
اس کی مدد کی تھی وہ بولا۔ بعض اوقات ایک شخص
سی حماقت اتنی بڑی مصیبت بن جاتی ہے کہ بس مزا
آجاتا ہے۔ حالانکہ پانی کا گیلن ساتھ رہتا ہے۔ مگر
حماقت ہو گئی۔ جلتے ہو کیا۔ اس نے ریڈی ایٹر
فل کیا۔

”کیا ہوا میں نے پوچھا۔“

ساتھ سے چلتے ہوئے میں نے گیلن نکال کر سمو کو
دیا اور کہا کہ پانی بھر لے وہ گیلن لے کر ادھر گیا اور
میں جیب اشارت کر کے چل پڑا ادبی نہ رہا کہ سمو کو
پانی لانے کے لیے بھیجا ہے وہ تو فکرت ہے کہ مو بل آئل
کا ڈیگڑی میں پٹا مل گیا اور نہ گئے تھے۔ اس نے ریڈی
ایٹر فل کیا اور اس کا ڈیگڑی لگا کر بونٹ گرا دیا۔ پھر
چونک کر بولا۔ مگر تم کہاں گھوم رہے ہو کیا تھیری سے
آ رہے ہو۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ خود ہی
بولا ریل میں بیٹھ گئے ہوتے۔ سو اس پر لگتا ہے سانس
کا۔ سانس ہی جا رہے ہو کیا۔

”ہاں۔ میرے منے نکلا۔“

”چلو میں چوڑے رول کا آؤ بیت دیر ہو گئی میں اس
کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کہاں رہتے ہو سانس میں۔“

”اچھا تھیری میں رہتے ہو گے۔ سانس میں کہاں
جاتا تھا۔“

”بہلی بار بار ہا ہوں۔“

”سانس پہلے بار بار ہے ہو؟“

”ہاں۔“

”کیوں سانس ہے ہوا۔ اس کے انداز میں تمہارا
کسی نوکری کی تلاش میں نہیں ایک خیال کے تحت

جلدی ہے کہا۔“

”سانس اور نوکری کی تلاش میں کسی نے مشورہ دیا
تھا۔“

”کسی نے نہیں۔“

”اچھا خود ہی چار روٹیاں پکوا کر چل پڑے ہو گے
چاروں کھا گئے یا کوئی پیسے بٹلے آدی سانس میں نہیں
نوکری کہاں ملے گی۔ کسی سے بات ہوئی ہے۔“
”میں نکال کے آدی ہو کسی سے پوچھ تو لیا ہوتا
کیا نام ہے۔“

”مسعود احمد۔“

میرا نام شاد علی ہے۔ کنٹرکشن کا کام کرتا ہوں۔
ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں یا رہے تھے کھان آدی
تھا۔ میں نے اس سے اس کی مصیبت کے بارے میں
کچھ نہیں پوچھا تھا۔ اماں کچھ دھ سے تو بولو۔ یہی بات
سن کر پریشاں ہو گئے ہو گے۔ وہ خود ہی بولا۔
”ہاں ایسا ہی ہے۔“

”چلو ٹھیک سے دنیا کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں
کیا کام جانتے ہو۔“

”کچھ نہیں۔“

”بھان! بھان! بھان! کیا آدی ہو کوئی کل
سیدھی نہیں لگ رہی ہے کچھ پڑھے لکھے ہو۔“

”ہاں۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے کتنی خواہ میں کام چل جائے گا
کوئی آگے بچھے ہے یا نہیں۔“

”اکیلا ہوں۔“

”سارک ہو سارک ہو نہیں نہیں انہیں۔ جو
تمہارے کوئی بھی نہیں ہیں۔ وہ نہ بھوکے مرنے والے
یا رہا نہیں مانغا میری بات کا۔ مگر تم تو بہت ہی سیدھے
آدی ہو مجھے وہ شخص جلی پاؤ آ رہے ہیں جو چار روٹیاں
باندھ کر نوکری تلاش کرنے چل پڑے تھے ان کا کام
ہوا ہوا یاد ہوا ہو۔ تمہارا کام ہو گیا۔ بس یوں کچھ
نہیں نوکری مل گئی اب پیسوں و سیوں کی بات مت
کرنا۔ خدا اطمینان سے ٹھہریں گے تو یہ مت کہہ دو بھی مل
کر لیں گے۔“

ان دنوں تو میں ایک مصیبت میں گرفتار ہوں۔
 فی الحال تم یوں کر ذکر میری مصیبت میں شریک ہو جاؤ،
 دونوں مل کر مصیبتیں بھگتیں گے، ساتھ کھائیں گے ساتھ
 پیئیں گے، یار یقین کرو، میں ہنس بول رہا ہوں تمہارے
 ساتھ، مگر جو مجھ پر بیت رہی ہے میرا دل ہی جانتا ہے۔
 یہ آدمی واقعی اچھا معلوم ہوتا تھا، فوراً ہی میں نے
 اپنے خیالات میں ذرا سی تبدیلی پیدا کی تھی۔ نوکری کا تذکرہ
 یہی سوچ کر کیا تھا کہ جو کچھ گزر رہی ہے وہ تو گزر رہی
 رہی ہے۔ کم از کم کچھ حلال کی کھاؤں، بے چارے نیت
 جی کے ہاں گھر کے کام کاج کی نوکری کی تھی تو وہ گھرنی
 چھوڑ بھاگے گئے اب مجھے کیا معلوم تھا کہ ان پر اور مجھ پر
 کیا مصیبت پڑنے والی ہے لیکن یہ دوسری نوکری جو
 مجھے مل رہی تھی وہ پہلے سے کسی مصیبت زدہ کے ہاں
 کی نوکری تھی، دل تو چاہ رہا تھا کہ اس سے اس کی
 مصیبت کے بارے میں پوچھوں لیکن ہمت نہیں پڑ رہی
 تھی پھر اس نے خود ہی کہا.....
 "یار کچھ منزے تو بچو، سانس ہی یہاں سے کافی
 دور ہے اور میں بہت زیادہ تیز گاڑی نہیں چلا سکتا کچھ
 گڑ بڑ ہے اس کے انجن میں۔"
 "آپ نے اپنی کسی پریشانی کا تذکرہ کیا تھا۔ کیا
 بات ہے.....؟"

"ہاں ہاں اس وقت یہی مسئلہ میری زندگی کا سب سے
 اہم مسئلہ ہے۔ بس یار ایک انوکھی مشکل میں مبتلا ہو گیا
 ہوں، اللہ سے دعا کرو کہ مجھے اس مصیبت سے گزرانے
 ہوا یہ ہے کہ ہمیں بتا چکا ہوں کہ کنٹرکشن کا کام کرتا ہوں
 اور عمارتیں وغیرہ بنواتا ہوں، ہمارے ایک جاننے والے
 میں بڑی پرانی شناختی ہے بس یوں سمجھو کہ اللہ نے
 پیٹ بھی بھر دیا ہے اور تجوریاں بھی۔"

ایک باغ خریدنا تھا انھوں نے اسی علاقے میں جدھر
 سے ہم لوگ گزر رہے تھے اڑا پرانا باغ پڑا ہوا تھا
 موصوف کو وہاں فارم ہاؤس بنانے کی سوچی، ایک عمارت،
 یوب ویل اور ایک طویل رقبے میں احاطہ بنوانے کا
 ارادہ کیا اور اس کا ٹھیکہ مجھے دے دیا۔ پیسے بھی لے
 لیے میں نے ان سے اور اس کے بعد سارے کام ختم

کر کے اس طرف چل پڑا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ۔۔۔ باغ
 آسیب زدہ ہے۔۔۔۔۔۔
 شاید علی بوٹے ہوئے رک گیا۔ میں خاموشی سے
 اس کے آگے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر خاموش
 رہنے کے بعد اس نے کہا:

"باغ کا کٹوانا ضرور ٹی تھا اور ایسے ہی پڑانا باغ
 تھا سارے درخت سوکے پڑے ہوئے تھے۔ کوئی
 دیکھ بھال کرنے والا موجود نہیں تھا یہاں تک کہ ہالی بھی
 نہیں اور اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ باغ آسیب زدہ مشہور
 تھا۔ درختوں پر پھل نہیں آتے تھے اور اس کا مالک
 بھی اس سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ کسی غیر مسلم کا باغ تھا۔
 بہ طور میں نے کام شروع کر دیا۔ درخت
 کٹوانے میں بھی دوڑ جانی پیسے لگ گئے۔ اور پھر مصیبت
 آگئی، مصیبت ایسے آئی کہ بس کیا بتاؤں یار۔ پتا نہیں تم
 میری باتوں کو مذاق سمجھو یا سچ۔ ایک بہت پرانا درخت
 تھا وہاں، بستی کے آس پاس کے لوگوں کا کہنا تھا کہ اصل
 میں یہی درخت آسیب زدہ ہے۔ میں نے اس سے پہلے
 کبھی آسیب وغیرہ دیکھے نہیں تھے۔ مگر کچھ ایسے آثار
 نمودار ہوئے جس سے مجھے بھی شبہ ہونے لگا کہ لوگوں
 کا کہنا غلط نہیں ہے۔"

میں نے درخت کی کٹائی شروع کرادی اور اس
 دن دوپہر کا وقت تھا۔ مزدور جڑیں کھود رہے تھے کہ
 درخت کی جڑ میں انھیں ایک عجیب و غریب صندوق جیسا
 ملا، پتھر کا صندوق تھا مزدوروں نے اس پر کدالیں مارنا
 شروع کر دیں اور اس صندوق کا ڈھکن کھول دیا مجھے
 اطلاع ملی تو میں فوراً ہی متوجہ ہو گیا۔ بے شبہ ربار ایسی
 کھدائیاں کراتے ہوئے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ کہیں
 کوئی خزانہ و زائد مل جائے۔ اس وقت بھی جب مجھے
 پتہ چلا کہ درخت کی جڑ میں ایک صندوق برآمد ہوا ہے
 تو میں نے لگائی دوڑا اور پہنچ گیا وہاں۔۔۔۔۔ مزدوروں
 کو ہٹا کر میں نے اس کو کور کر ڈالے میں جھانکا۔ گڑھے
 میں کسی خاص درخت کے پتے بچھے ہوئے تھے جن میں
 خاص بات یہ تھی کہ وہ تروتازہ تھے حالانکہ درخت پرانا
 اور سوکھا ہوا تھا مگر وہ پتے بالکل ہرے تھے اور ان

استہاری حکیم طواکڑ۔ بھولے بھالے نوجوانوں کو
جنسی علاج کے نام پر گمراہ کر کے لوٹ پھار رہے ہیں۔
نوابی علاج، شہنشاہی علاج، کے نام پر بیوقوف
بنارہے ہیں۔

ہم ان نوجوانوں کو بتا دینا چاہتے ہیں جو کسی بھی وجہ
سے بے راہ روی کا شکار ہو چکے ہیں۔ آپ میں کسی قسم
کی کمی نہیں ہے اور اگر کمی محسوس کرتے ہوں تو ہمساری
شائع کردہ دو کتابیں ”جنسی صلاحیت بڑھائیے“ اور
”خفیہ جنسی راز“ منگا کر مطالعہ کریں، انشاء اللہ ہر
پریشانی سے نجات پائیں گے۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے۔

چھلانگ لگائی اور اس کے قریب پہنچ گیا۔۔۔۔۔
زیب النساء پسینے میں ڈوبی ہوئی تھی اس کی آنکھیں
دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں لیکن وہ ہوش میں تھی اور
بار بار انگلی سے کارنس کی طرف اشارہ کر رہی تھی میری ہجھ
میں کچھ نہیں آیا تھا بڑی شکل سے میں اسے اٹھا کر مہرے پر
لایا۔ پانی پلایا، دلا سے دیے تو اس کی کیفیت بحال
ہوئی۔ اس نے بتایا کہ وہ واش روم گئی تھی باہر نکلی تو دم
روشنی میں اس نے کارنس پر کوئی تحریک دیکھی۔ وہ بھی کوئی
چوہا کسی طرح اوپر چڑھ گیا مگر پھر اس نے غود سے دیکھا
تو وہ مورقی ہی رہی تھی جسے میں لایا تھا۔ اس کے دیکھتے
ہی دیکھتے مورقی اٹھ کر بیٹھ گئی پھر اس کے باریک پاؤں نیچے
لٹکے اور اتنے لمبے ہوئے کہ زمین تک پہنچ گئے۔ اس
کے بعد اس نے گھور کر زیب النساء کو دیکھا اور چپ رہا سہ
آہستہ آگے بڑھ کر دروازے کے پاس پہنچ گئی۔ پھر اس
نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی۔ زیب النساء دہشت
سے چیخ کر میری طرف بھاگی اور لباس میں الجھ کر گر پڑی۔
یار میں اسے اس کا وہم سمجھ سکتا تھا مگر دونوں باتیں اس
کے بیان کی تصدیق کرتی تھیں۔ مورقی کارنس سے غائب
تھی اور دروازہ کھلا ہوا تھا۔۔۔۔۔“

پتوں پر پتھر کی ایک مورقی لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے اس
مورقی کو غور سے دیکھا۔ دیوی دیوتاؤں کے
بہت سے بت دیکھے ہیں میں نے، مگر وہ مورقی ان میں
سے کسی کی نہیں تھی۔ ایک عجیب سی شکل کی تھی وہ میں نے
وہ مورقی نکال لی اور مزدوروں سے پورا کنواں کھدوا
دیا۔ اس لالچ میں کہ شاید یہ کوئی نشانی ہو خزانے کی۔ مگر
کچھ ملا نہیں وہاں بڑی مایوسی ہوئی۔ مزدوروں نے وہ
درخت بھی گرا دیا کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ کئی بار
لحدان گراتے ہوئے بہت سی چیزیں ملی تھیں مجھے کجنت
کام کی کوئی چیز آج تک نہیں ملی لیکن اس بار جو مصیبت گلے
پڑی ہے۔ اللہ ہی اس سے نکالے۔۔۔۔۔“

وہ جیسے خود ہی اپنی کافی میں کھو گیا۔ میں خاموشی سے
اس کے آگے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ سوچ میں
ڈوب کر خاموش ہو گیا تھا۔ پھر کچھ دیر کے بعد اس نے کہا:
”ہاں تو میں کہہ رہا تھا کیا کہہ رہا تھا۔۔۔۔۔؟“
”وہ درخت گرا دیا گیا۔۔۔۔۔“ میں نے بتایا۔
”کون سا درخت۔۔۔۔۔؟“

”جس کے نیچے سے مورقی نکالی گئی تھی۔۔۔۔۔“
”معاف کرنا۔۔۔۔۔ زیب النساء کا خیال آگیا تھا۔ ہاں تو
وہ مورقی جو اس پتھر کے صندوق سے نکل تھی میرے پاس
ہی تھی۔ میں نے اسے بس یونہی جیب میں رکھ لیا تھا۔
پھر میں دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ شام کو گھر چل
پڑا۔ درخت کا واقعہ دوسرے کاموں کی وجہ سے بھول
ہی گیا تھا۔ گاڑی سے اترتا تو مورقی نظر آگئی۔ اسے اٹھا لیا
اور اپنی خواب گاہ کے کارنس پر رکھ دیا۔ زیب النساء کے
ساتھ کھانا کھایا بچوں سے باتیں کیں۔ دوپٹے میں میرے
بیٹی بڑی ہے بیٹا چھوٹا، دونوں دوسرے کمرے میں
سوتے ہیں۔

رات کو ہم میاں بیوی اپنے کمرے میں معمول کے
مطابق سو گئے۔ کوئی پونے ایک بجے سوئے تھے اور اس
وقت ڈھائی بجے تھے جب ایک دھماکا سا ہوا اور اس
کے ساتھ ہی میری بیوی زیب النساء کی خوف ناک چیخ سنائی
دی۔ میں اچھل پڑا، کمرے میں مدھم مدھم روشنی جل رہی تھی اور
زیب النساء فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے مہرے سے

دہلی کا واقعہ محمد اعظم نے ۲۰۷ خریدا جس کی گارنٹی ایک سال کی تھی جب بھی ۳۰۷ بگڑا محمد اعظم نے
 مکنک کیپنی کو فون کیا، مکنک آیا اور درست کر گیا۔ ایک سال بعد خراب ہوا تو اپنے علاقے کے
 مکنک سے رجوع کرنا پڑا۔ مکنک نے تیس روپے فیس جمع کرائی، شام کو آیا ۳۰۷ دیکھا، اینٹینا نکھایا اور چلا گیا۔ ۲۰۷
 کام کرنے لگا۔ ہر مہینے میں ایک دو بار ایسا ہوتا۔ ایک روز محمد اعظم نے ایک دوکان پر ۳۰۷ گائیڈ نامی کتاب کچی دیکھی
 بارہ روپے میں خرید لی۔ پڑھی تو معلوم ہوا کہ ۳۰۷ کی خرابی صرف اینٹینا کی خرابی سے ہوتی ہے۔ آخر میں کتاب والا
 کا چھاپا ہوا کٹر ۳۰۷ گائیڈ کا بھی اشتہار دیکھا، محمد اعظم نے "کٹر ۳۰۷ گائیڈ بھی بیٹیس روپے میں خرید لی اور اسے
 پوری توجہ سے کئی کئی بار پڑھا۔ بہت سی باتیں معلوم ہوئیں تو محمد اعظم نے ہمت کر کے مرمت کا سامان بو ۳۰۷ کو چیک
 کرنے میں مدد دیتا ہے ستر روپے میں خرید لیا۔ اپنے ۳۰۷ پر ہی پہلا کام کیا اور کامیاب رہے۔ ہمت بڑھتی۔
 پڑوس کے لوگوں کے فی وی بھی درست کئے اور تین مہینے میں خود پر بھروسہ کرنے لگے۔ ایک دن دیکھا —
 محمد اعظم کے گھر پر بوڑھا لٹا تھا:

"کٹر اور بلیک اینڈ وائٹ ۳۰۷ ری سیر ہاؤس" ملنے کا وقت: صبح ۸ سے ۹ بجے تک، شام چھ بجے کے بعد
 اس طرح محمد اعظم نے اپنے لئے پارٹ ٹائم ورک حاصل کر کے اپنی آمدنی بھی بڑھائی اور اپنے ۳۰۷ کی مرمت
 فیس سے بھی بچ گیا۔ ہر وہ انسان جو اردو پڑھنا جانتا ہو اور ۳۰۷ سے دل چسپی رکھتا ہو ۳۰۷ گائیڈ اور کٹر ۳۰۷
 گائیڈ پڑھ کر اچھا مکنک بن سکتا ہے۔
 رام کرشن اگر وال

گی۔۔۔
 "کام ضروری میں در نہ میں نہ جاتا تم بہت رکھو وہ جو
 کچھ بھی تھا چلا گیا۔ اب خوف بے کار ہے۔"
 "بچے اسکول چلے جائیں گے۔ میں تنہا ہوں گی۔ بڑی
 مشکل سے میں نے اسے سمجھایا۔ بجایا اور پھر چپ لے کر
 چل پڑا۔ سائٹ پر پہنچا تو وہاں دوسری مصیبت انتظار کر
 رہی تھی۔ مزدوروں نے کام نہیں شروع کیا تھا بلکہ وہ
 باغ سے بہت فاصلے پر نیچے میرا انتظار کر رہے تھے۔
 حالانکہ عام حالات میں وہ کام شروع کر دیتے تھے۔
 سب میرے گرد جمع ہو گئے۔
 "کیا بات ہے؟"

میں یہ اعتراف کرنے میں شرم نہیں محسوس کرتا
 کہ خود میری بھی سٹی گم ہو گئی تھی۔ ایسے واقعات
 کے کسی واسطے تو نہیں پڑا تھا لیکن دوسرے سے قصے بہت
 سنے تھے۔ اتنی ہی ہمت نہیں ہو سکی کہ کھلے دروازے
 سے باہر جا کر دیکھتا۔ زیب النساء نے جو کچھ بتایا تھا وہ
 مجھ اپنی آنکھوں کے سامنے محسوس ہو رہا تھا۔ ثبوت کے
 طور پر کارنس سے موزق بھی غائب تھی۔ زیب النساء سے
 تسلی کے الفاظ بھی نہیں کہہ سکا۔ وہ بری طرح ڈری ہوئی
 تھی ساری رات نہ خود سوئی نہ مجھے سوئے دیا۔ صبح کو
 اس نے کہا۔

"تم چلے جاؤ گے شاید اور میں خوف سے مرنے رہوں

ہم بیان کام نہیں کریں گے ٹھیکیدار یا بھوت باغ
 ہے ہمارا ایک آدمی زخمی ہو گیا ہے۔
 کیسے؟ میں نے پوچھا اور مزدور مجھے تفصیل بتانے
 لگے۔ ہاں کام کرنے والے مزدوروں نے اپنے لیے ایک
 گونے میں آرام گاہ بنارکھی تھی پہلے کسی نے ایک مزدور
 کو اٹھا کر زمین پر تلخ دیا اور وہ ہسکا بکارہ گیا۔ اس کی
 بجھ میں نہیں آیا کہ ایسا کس نے کیا۔ ابھی دوسرے مزدور
 اس پر خیریت کر رہے تھے کہ ایک اور مزدور گمراہ ہو گیا
 اس نے اپنا لباس اتار پھینکا اور بھیا تک آواز میں
 چیخ چیخ کر گانا شروع کر دیا۔ وہ ناتج سہی رہا تھا۔
 صاحب میں کہنے بچوں کی قسم کھاتا ہوں کہ بھوت
 نہیں بول رہا منجھو کی زبان کوئی آٹھ انچ باہر نکل آتی تھی اور
 آنکھیں اتنی تر روشنی دے رہی تھیں کہ اس روشنی میں اس باس
 دیکھا جاسکتا تھا وہ ناچتا رہا اور پھر ہاری وہاں رکنے کی
 ہمت نہیں پڑی۔ بخود ہیں برکار ہا اور ہم سب وہاں سے
 بھاگ آئے۔ صبح کو وہ زخمی حالت میں واپس آگیا۔ اس
 نے کہا کہ ہاں کام بند کر دو اور نہ سب مارے جاؤ گے
 ہم کام نہیں کریں گے ٹھیکیدار۔ ہمارا حساب کر دو۔ میں نے
 مزدوروں کو سمجھایا ان سے کہا کہ وہ بے شک کچھ دن
 کے لیے کام بند کر دیں مگر وہ نہ کے اور کام بند کرنا
 پڑا۔ میرے ہزاروں روپے کا سامان وہاں پڑا تھا۔
 ہزاروں خرچ ہو چکے تھے بڑا پریشان ہو گیا میں۔ پھر
 یہ سوچا کہ شہرے مزدور کے کراؤں گا۔ کام تو شروع
 کھاتا ہی ہے۔ جو بن پڑا کیا اور پھر نہیب النساء کے خیال
 سے واپس چل پڑا۔ دم مرنے والے گھر میں داخل ہوا
 دل پر ہی طرح پریشان تھا مگر نہیب النساء کو پر سکون دیکھ
 کر اطمینان ہوا۔ بچوں کے بارے میں پوچھا تو نہیب النساء
 نے بتایا کہ اسکول سے آنے کے بعد کھانا کھا کر سو گئے ہیں۔
 تم ٹھیک ہو۔
 ہاں۔
 کھانا پکا لے۔
 ہاں۔ اس نے کہا۔ عجیب ٹھہرا ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ اپنے
 مزاج کے خلاف بول رہی تھی۔ ہمارے درمیان بہت

محبت ہے ایک دوسرے کے مزاج سے آشنا نہ رکھتے
 ہیں اس نے میری واپسی کے بارے میں بھی نہیں پوچھا تھا
 بہت عجیب سا لگا وہ کھانا لینے چلی گئی تھی پھر وہ بڑے
 لیے اندر داخل ہو گئی۔ بڑے سینٹر ٹیبل پر رکھی واپس مڑی
 اور دروازہ بند کر دیا۔ ابھی سمجھ میں نہ آنے والا اعلیٰ تھا
 میں نے گردن جھٹکی بھوک لگ رہی تھی۔ سالن کی قلاب
 سے ڈھکن اٹھایا تو حلق سے چیخ نکل گئی۔ بہت سی
 مردہ چھپکلیاں پیلے رنگ کے بدنما شوربے میں تیر رہی
 تھیں۔ میں نے بے اختیار جھپٹنے ہوئے قلاب۔ اٹھا
 کر پھینک دی۔ پھر وحشت زدہ نظروں سے زیرالفا
 کو دیکھا۔ اور میرا سانس بند ہونے لگا۔ وہ سیدھی
 کھڑی تھی۔ اس کے دانت ایک ایک انچ لمبے ہو گئے تھے
 آنکھوں کا رنگ سرخ تھا اور ان کی پتلیاں غائب ہو چکی
 تھیں۔ سر کے بال اس طرح بار بار سیدھے ہو رہے تھے جیسے
 سانپ کلبلا رہے ہیں۔ اس کی یہ بیت ناک صورت دیکھ کر
 میرا دل رواں کاٹا۔ اٹھا، اعصاب بے جان ہو گئے۔
 بولنے کی کوشش کی مگر آواز نہیں نکلی۔ دہشت سے اسے
 دیکھتا رہا۔ اس نے کچھ دیر بچے گھوما پھر زمین پر پڑی چھپکلیوں
 کو دیکھنے لگی۔ پھر آگے بڑھ کر ان کے قریب بیٹھ گئی۔ اور اپنی
 پوٹی قلاب سیدھی کے چھپکلیاں جن جن میں رکھنے
 لگی۔ میں سمجھنے کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے کام میں
 ہنکھ تھی اور میری بھج میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ پھر میں
 نے غمگین کیا ہے وہ اونگھ رہی ہے۔ بابا ماس کے سر
 کو جھٹکے لگ رہے تھے کچھ دیر بعد وہ وہیں فرش پر سیدھی
 سیدھی لیٹ گئی۔ مجھے غصے میں ہوا جیسے وہ بے ہوش ہو گئی ہو
 اس کے چہرے میں بھی تبدیلیاں نمایاں ہونے لگی تھیں اور
 وہ اپنی اصلی صورت میں واپس آگئی تھی میرے اعصاب بھی
 آہستہ آہستہ سنبھلنے لگے اور میں اپنی جگہ سے ہٹنے میں
 کامیاب ہو گیا۔ اسے چھوڑ کر سہاگ بھی نہیں سکتا تھا میری
 بیوی بھی میرے بچوں کی ماں تھی صرف اپنی ہی زندگی بچاتا تو
 مقصود نہیں تھا وہ جس عذاب میں گرفتار ہوئی تھی اسے
 بھی دیکھنا تھا۔ قریب ہی نہیب اس کی صورت بالکل ٹھیک
 ہو گئی تھی سانس چل رہی تھی اور اطراف میں بڑی ہوائی مردہ

چھپکلیاں بڑا گھناؤنا منظر پیش کر رہی تھیں لیکن میں نے اسے نظر انداز کر دیا اور زیب النساء کے گردن اور پاؤں میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن مجھے پسینہ آگیا حالانکہ وہ ایک نرم و نازک جسم کی مالک پھول جیسے وزن والی عورت تھی۔ لیکن اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا بدن ٹھوس پتھر سے تراسا گیا ہو۔ میں اسے جنبش بھی نہیں دے پایا۔ میری دہشت اور خوف انہما کو پہنچا ہوا تھا کہ رفعتہ ہی زیب النساء نے انہیں کھول دیں۔ میرا جسم اس کے جسم سے بالکل قریب تھا اور میرا چہرہ اس کے چہرے کے سامنے، جوہی اس کی آنکھیں کھلیں ہونٹ بھی اوپر اٹھیں اور لمبے لمبے دانت باہر بھاگنے لگے اس نے ایک سیانک تہہ لگایا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر مجھے دلوپھنے کی کوشش کی اور میں نے بندر کی سرت الٹ چھالنگ لگادی اس کے بعد میرا اس کمرے میں رکننا ممکن نہ رہا۔ ساری محبت سارے جذبات اپنی جگہ، لیکن جو منظر تقادہ ایسا ہولناک تھا کہ میں ہی کیا کوئی بھی ہوتا وہاں تک نہ سکتا تھا۔ ڈرتا ہوا بچوں کے کمرے میں آیا اور دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ اس کے بعد دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا تھا میرا دل سیٹے سے نکلا جا رہا تھا جو پتا مجھ پر پڑی تھی وہ ایسی تھی کہ حال خراب سے خراب تر ہو گیا تھا۔ بچوں کے پاس بیٹھ گیا ان کے جسموں پر ہاتھ رکھے اور یہ سوچنے لگا کہ یہ کیا مصیبت آگئی اور اب اس مصیبت سے چھٹکارہ کیسے ممکن ہے۔ یہ ساری باتیں یہ ساری کہانیاں جن، بھوت، کالے علم سفلی علوم ان کے بارے میں سن کر کھاتا تھا لیکن گزری پہلی بار تھی، حالانکہ اس آسیب زدہ بارغ کی کہانیاں مجھے سنائی گئی تھیں لیکن میں نے تو شاید بخیدگی سے کوئی بات ہی ہی نہیں سنی اور اب، اب یہ سب کچھ میری نگاہوں کے سامنے آگیا تھا۔ بہت خوفناک یہ سب، چلیں ٹھیکہ جہنم میں جائے، جو رقم پھنس گئی ہے وہ بھی غرق ہو جائے۔ مجھے اس کا انکس نہیں ہوتا۔ لیکن میرا گھر میری بیوی۔ میرے بچے اس مصیبت سے کیسے چھٹکارہ حاصل کیا جائے قریب دجوار میں لوگ رہتے تھے اگر کسی کو صورت حال بتاتا تو چنانہیں لوگوں پر کیا اثرات ہوتے۔ تاہم کچھ نہ کچھ کرنا

ڈاکٹروں کا کہنا ہے اگر انسان اپنی بیماری کو جان لے تو اس کا تدارک آسان ہو جاتا ہے اور بہت معمولی معمولی دواؤں سے وہ اپنا علاج خود کر سکتا ہے۔
عالی جناب ڈاکٹر پی۔ سی۔ گپتا نے معجزہ دکھانے والی دوسو ہومیو پیتھک دوائیں اور ان کے استعمال کے طریقے "ہومیو پیتھک ڈاکٹر بنو" نامی کتاب قیمت صرف ۲۰ روپے میں درج کر دیے ہیں۔ اس کتاب کی مدد سے غریب و نادار لوگ پیسے بچا کر بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں "کتاب والا" سے طلب کر س۔

ہی تھا، بڑی مشکل سے ہمت کی سوتے ہوئے بچوں کو جگایا ساتھ لیا اور کمرہ کے باہر نکل آیا لیکن سامنے ہی زیب النساء نظر آگئی عجیب اداس اداس سی کھڑی تھی بالکل مناسب حال میں مناسب کیفیت میں۔ میں نے خوف سہری لگا ہوں سے اسے دیکھا اس نے بوجھل ہجے میں بچوں کے نام لے کر انہیں پکارا اور دونوں بچے اس کے پاس پہنچ گئے پھر اس نے میری طرف دیکھا اور تعجب سے بولی۔ "آپ آپ کب آئے، آگئے آپ؟"

"میں..... ہاں....." میں نے کھوئے کھوئے ہجے میں کہا۔ اس کے پوچھنے کے انداز میں بالکل مصنوعی پن نہیں تھا۔ صورتحال پر غور کرنے لگا زیب النساء بچوں کے ساتھ میرے قریب آگئی اور بولی۔

"خیریت تو ہے رنگ پیلا پڑ رہا ہے آپ کا۔ کیا ہو گیا تھا آپ کو کیا بات ہے جلدی کیسے آگئے؟"

"تمہاری وجہ سے زیب النساء تمہاری وجہ سے تم کہاں تھیں اور کیا کر رہی تھیں؟"

"بس دوپہر کا کھانا کھا یا بچوں کو بسلا یا اور خود ہی ایٹھا

کہے میں آکر سوئی۔ گہری نیند آگئی تھی، کچھ آوازیں سنیں تو
 آنکھ کھل گئی باہر جا کر دیکھا تو آپ سوتے تھے۔
 ”ہوں..... ہاں..... میں جلدی آگیا میں نے نجانے
 کس طرح اپنے دل و دماغ پر قابو پا کر کہا۔ جو کچھ مجھ پر بیت
 چکی ہے وہ تو ایک الگ کہانی تھی لیکن اگر زیب النساء کو
 ساری کہانی سنا دیتا تو اس کا تو خوف کے مارے دم ہی نکل
 جاتا۔ اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ اس پر بتی ہے وہ اس کے
 ظلم میں بالکل نہیں ہے۔ خاموشی ہی مناسب سمجھی۔ بعد میں
 زیب النساء کی حالت خرابی بہتر رہی اور اس طعنہ رات ہو گئی
 بچوں کو آتے بچنے کے لیے اس نے سلا لیا تھا زیب النساء
 نے اس کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا۔
 ”میں یوں ہی پچھلی رات دسے واقعے میں بھی کافی
 متاثر ہو گیا ہوں۔ ویسے جو کام میں کر رہا ہوں وہ بھی کچھ دن کے
 لیے دیکھ گیا ہے میرا خیال ہے اب چند روز تک میرے
 جاؤں نہیں۔ زیب النساء میری رات سنا سکتی تھی۔ بیوی
 تھی۔ عموں سے کی رفاقت تھی مجھے دیکھتے ہوئے بول۔
 ”کون بات ہے جو آپ مجھ کے چہ چار ہے میں۔“
 ”نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے زیب النساء بس
 رات کے قریب کے بارے میں سوچتا رہا۔ آخر وہ سب کیا تھا
 اس کے بعد میں تو کوئی احساس نہیں ہوا۔“
 ”نہیں کوئی خاص بات نہیں لیکن بس دماغ گم گم سا رہا
 ایسا محسوس ہوتا رہا ہے دن بھر جیسے پورے وجود پر
 کوئی بوجھ طاری رہا ہے ایسا انوکھا بوجھ جسے میں کوئی
 معنی نہیں دے سکتی۔ میں اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا
 تھا لیکن دل میں ہزاروں دوسرے جنمے رہتے تھے۔ یہ
 اندازہ ہو گیا تھا کہ مصیبت باقاعدہ مجھ سے منسلک ہو گئی ہے
 اور چونکہ ان واقعات کا اس سے پہلے کوئی اندازہ نہیں تھا
 اس لیے یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سے چھٹکارہ کیسے
 حاصل ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود ہی ٹھیک
 ہو جائے لیکن ذہن پر جو بوجھ طاری تھا وہ سونے میں
 رکاوٹ بن رہا تھا جب کہ تھوڑی دیر کے بعد زیب النساء
 سو گئی تھی۔ بچے پیٹ رہی تھی نیند سو رہی تھی میں پریشانی
 کے عالم میں بہت ہی باتیں سوچتا رہا۔ ٹھیکے کا مسئلہ بھی درمیان

میں تھا جو وعدہ کیا تھا اس فارم ہاؤس کو مکمل کرنے کا اس
 میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ شہر سے مزدوروں کو تلاش کرنا
 اور وہاں تک لانا اور پھر اس کے بعد یہ بھی ہو سکتا تھا
 کہ یہ شہری مزدور بھی فرار ہو جائیں کیا کروں۔ کیا ٹھیکہ کینسل
 کر دوں لیکن ساٹھ ستر ہزار روپے نقصان اٹھانا پڑے
 گا۔ اور یہی بہت سے ایسے معاملات تھے جو اس ٹھیکے کو
 کینسل کرنے کی وجہ سے پیدا ہو سکتے تھے، انہی سوچوں
 میں گم غارت کے تقریباً سوا دو بجے تھے زیب النساء کو میں
 نے گہری نیند سوتے ہوئے دیکھا تھا لیکن اچانک ہی میں چونک
 پڑا وہ اس طرح اٹھ کر بیٹھ گئی جیسے کسی نسل کے نشینی انداز
 میں اٹھارہ ہو۔ منہ کھول کر اس سے کچھ پوچھنے ہی والا تھا
 کہ میں نے اسے دونوں ہاتھ سیدھے کچھ اپنی جگہ سے کھینچے
 ہوتے ہوئے دیکھا اور جب چیز نے میری زبان بند کر دی
 وہ اس کا پہرہ اتار کر اس کے کمرے کی طرف روشن ہو کر چلنے لگا
 تھا۔ نکمیں بند تھیں سر کے بال چھتری کی مانند کھڑے ہو گئے
 تھے وہی کلبداتے بال جیسے کچھ سانپ لہرا رہے ہوں
 وہ آہستہ آہستہ ہاتھ سیدھے کھینچے ہوئے دروازے کی
 جانب بڑھنے لگی اور پھر میرے خوف میں اس وقت مزید
 اضافہ ہو گیا۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ ہاتھ ہلائے بغیر دروازہ
 کھولنے میں کامیاب ہو گئی ہے یا پھر دروازہ جواترے
 بند تھا خود بخود کھل گیا۔

زیب النساء رات کی تاریکی میں کھلے ہوئے دروازے
 سے باہر نکل گئی میرا بدن کانپنے لگا۔ پورا جسم پسینے سے تر
 ہو گیا تھا۔ اعصاب کہہ رہے تھے کہ ہوش و حواس سے
 غاری ہو جاؤں گہری نیند سو جاؤں تاکہ اس سے نجات مل
 جائے۔ لیکن بیوی تھی آخر میرے پھول کی مال۔ پورا استقبال
 میرے سامنے تھا۔ نجانے کون سی قوت نے مجھے بھی اپنی
 جگہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ میں آہستہ آہستہ دبے
 پاؤں اٹھا اور دروازے کے قریب پہنچ گیا جہاں تک کہ
 باہر دیکھا زیب النساء آگے جا رہی تھی۔ میرے مکان کا
 احاطہ بہت وسیع ہے اور اس کا آخری گوشہ کافی فاصلے
 پر ہے۔ آخری گوشے پر بھی میں نے ایک سرہنار کھانا
 جس میں کھانے کا کھانا تھا۔ کھانے کا کھانا کھانا کھانا

میاں کے دوست

آئے میاں کے دوست تو آتے چلے گئے
چھوٹے سے ایک گھر میں سماتے چلے گئے
وہ قبیلے لگے کہ چھتیس گھر کی آڑ گئیں
بستیاں دسارے گھر کی جاتے چلے گئے
بکواس ان کی سن کر شہیا حین رو پر سے
رو دیا جو ایک سب کو رلاتے چلے گئے
کسانے کی چیزیں نادر دنیا بیاں ہو گئیں
دلی کا قتل عام مچاتے چلے گئے
انجن کی طرح منہ سے اگلتے رہے مٹواں
اور سگرٹوں کی راکھ گراتے چلے گئے
ہر سمت پھینک پھینک کے ماچس کی نیلیاں
کوزے کا فرش گھر میں بچھاتے چلے گئے
کوئی کتاب اپنے ٹھکانے نہ رہ سکی
بندی کو فارسی میں ملاتے چلے گئے

دیکھتا رہا۔ اور میری آنکھوں میں نمی پیدا ہو گئی۔ بڑا
پریشان کن حالات تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ تک زلیخہ
وہی عمل دہرائی رہی اور اس کے بعد آہستہ آہستہ اس
کی رفتار مناسب ہو گئی۔ میں نے اسے مورچی کو اٹھا کر
واپس اس کی جگہ رکھتے ہوئے دیکھا پھر وہ اس کام سے
فارغ ہو کر واپسی پٹی تو میں جلدی سے دوڑتا ہوا اپنے
گھر کے کی جانب چل پڑا۔ دل کی جو کیفیت ہو رہی تھی اس
کا اندازہ بس خدا ہی کو تھا۔ کسی سے کیا کہہ سکتا تھا۔ بستر پر
آ کے لیٹ گیا مگر جسم بیسے ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔ دماغ
قابو میں نہیں تھا۔ آہ کیا ہو گیا۔ یہ کیا ہو گیا۔ زیب النساء
کو کبھی بتانا بے کار ہی تھا۔ وہ جس کیفیت میں تھی اس سے
مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ ایسے عالم میں وہ اپنے ہوش و حواس
سے عاری ہوتی ہے لیکن دوسرے دن میں نے بنیدگی
سے غور کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح تو وہ ہلاک ہو
جائے گی اور میرے بچے ماں سے محروم ہو جائیں گے
کیا کروں کسی سے کوئی مشورہ کروں۔ واقعات چونکہ ایسے
انوکھے تھے کہ کسی کو بتاتے ہوئے بھی شرم آتی تھی، لوگ

کے سامان سے تعلق رکھتا تھا۔ زیب النساء کا رشاہی کرے
کی جانب محتاج اس کا سایہ پورے کمرے پر رہتا تھا۔ زیب النساء
بڑے کے اس درخت کے قریب پہنچ گئی اور پھر میں نے اسے
درخت کی جڑ میں کچھ ٹھونکتے ہوئے دیکھا۔ ہمت نہیں پڑ رہی
تھی کہ آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ جاؤں۔ چنانچہ احاطہ کی دیوار
کا سہارا لیتا ہوا بالکل بلی جیسے قدموں سے چل کر اتنی قریب
پہنچ گیا کہ وہاں سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے
سکوں۔ وہ اسی طرز پر میں کھود رہی تھی جیسے بلی اپنے پنجوں
سے کھودتی ہے۔ گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی اور کچھ دیر
کے بعد میں نے اس کے ہاتھ میں کوئی شے دیکھی۔ چاندنی
پھیلی ہوئی تھی ویسے بھی سامنے کے سینے میں ہوا ایک طاقتور
بلب روشن رہتا تھا۔ یہی میری ہمیشہ کی عادت تھی اس
دونوں روشنیوں میں میں نے جو منظر دیکھا، وہ دل کی حرکت
بند کر دینے کے لیے کافی تھا۔ سچا اس مورچی کو میں کیسے نہ
بچھا تھا جسے میں خود مصیبت بنا کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہی
وہ مورچی تھی جو کانس سے غائب ہوئی تھی۔ زیب النساء
نے اسے درخت کی جڑ میں ایک اونچی جگہ پر رکھا۔ پھر تقریباً
چار فٹ پیچھے ہٹی اور گھٹنوں کے بل ہاتھ اسی طرح سیدھے
کئے ہوئے بیٹھ گئی اس کے بعد اس نے ایک عجیب و
غریب عمل شروع کر دیا سامنے کے ہاتھ اس نے زمین پر
لگائے اور خود اس کے ساتھ جھکتی چلتی گئی پھر سیدھی
ہوئی اور پیچھے کی سمت جسم کو موڑنے لگی اس کے بعد
اسی انداز میں اس کی رفتار تیز ہونے لگی۔ وہ ہاتھ
سیدھے کر کے سر پہ بھکا کر زمین سے لگاتی اور پھر
اسی طرح پیچھے ہو کر اپنا سر عقب میں زمین پر لگاتی۔ میں
اسے اس عالم میں دیکھتا رہا۔ دل رو رہا تھا لیکن آگے
بڑھنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ زیب النساء کے اس
انداز میں جنبش کرنے کی رفتار تیز ہونے لگی اور پھر
اتنی تیز ہوئی کہ اس پر نگاہیں جمانا مشکل ہو گیا۔ میرا دل
گھر سے گھر سے ہو گیا۔ وہ میری بیوی تھی اس انداز
میں جنبش کرنے سے اس کی ہڈیوں کی جو کیفیت ہو سکتی
تھی مجھے اس کا احساس تھا۔ فطرتاً نازک طبع تھی لیکن
اس وقت میں دونوں ہاتھ دل پر رکھے اسے

طرح طرح کی باتیں کہتے بلکہ بعض اوقات تو الزام لگانے سے بھی نہیں چوکتے۔ کوئی یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ میری بیوی مجھے ناپسند کرتی ہے اور اس نے یہ کھیل مجھ سے چھینکارہ حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔ جتنے مزاحیہ باتیں بولا کہنے والی زبان کو کون روک سکتا ہے۔ ساسی کے بہت سے علاقوں میں میں نے ایسے بورڈ لگے ہوئے دیکھے تھے جن میں سنی علم کا توڑ اور چار و ٹونوں کے خلاف کام کرنے کے دعوے کیے جاتے تھے۔ ظاہر ہے میری معلومات اس سے زیادہ تو سچی نہیں چنانچہ میں نے ایسے لوگوں سے رجوع کر لیا۔ ایک صاحب نے۔ کوئی سنیا سی بابا تھے جن کا تجربہ ستر سال تھا اور عمر پالیس سال۔ پھر مجدد جو کچھ بھی تھا انہی سے رجوع کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے مجھ سے کچھ رقم طلب کی اور یہ دیکھا کہ میرا مسئلہ کیا اس کے لیے انہوں نے ایک تجربہ کیا اور اس تجربے نے مجھے کافی متاثر کیا۔ پھر میں نے ساری صورت حال سنیا سی بابا کو بتائی اور انہوں نے اپنا حساب کتاب بنا کر بل میرے ہاتھ میں تھا با۔ بل کی مجھے پروا نہیں تھی میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ میری بیوی کو بالکل ٹھیک کر دیں اور اسے مصیبت سے نکال دیں تو میں انہیں مزاحیہ رقم دوں گا۔ سنیا سی بابا میرے ساتھ میرے گھر آگئے میں نے انہیں وہ درخت دکھایا جس کی جڑ میں وہ خوفناک مورتی دفن تھی جو پہلے وہاں سے برآمد ہوئی اور اس کے بعد میرے گھر کے کارنس سے غائب ہو گئی۔ سنیا سی بابا نے عمل کے ذریعے اس مورتی کو باہر نکالنے کا فیصلہ کیا لکڑی کی ایک چھڑی سے انہوں نے درخت کی جڑ کے گرد ایک دائرہ قائم کر دیا۔ اور مجھ سے کچھ چیزیں طلب کرنے کے بعد مجھے واپس کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں یہ چیزیں دینے کے بعد اپنے گھر میں جا کر بند ہو جاؤں اور اپنی بیوی پر نظر رکھوں۔ بچوں کو اسکول بھیج دیا تھا۔ بیوی کو ان صاحب کے بارے میں کوئی خاص بات نہیں بتائی تھی۔ بس یہ کہہ دیا تھا کہ میرے ایک شناسا میں جو کچھ عمل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ سنیا سی بابا نے حکم دیا تھا کہ انہیں ان کے کام میں مداخلت نہ کر کے پریشان نہ کیا جائے۔ ایک گھنٹہ دو گھنٹے

پھر ڈھائی گھنٹے گزر گئے اور اس کے بعد میں برداشت نہ کر سکا اور باہر نکل آیا۔ لیکن جیسے ہی صحن میں قدم رکھا کہ درخت کی طرف دیکھا ہوشوش و حواس رخصت ہو گئے۔ سنیا سی بابا بے ہوش پڑے تھے ان کا پودا لباس دمبھی دمبھی ہاتھ تھا۔ سر کے بال جگہ جگہ سے نیچے ہوئے تھے۔ چہرے اور جسم کے مختلف حصوں میں خون کی لکیریں نظر آرہی تھیں کی جگہ بری طرح نیسل پڑے ہوئے تھے ایک آنکھ خسار تک بالکل کالی پڑ چکی تھی۔ میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا جلدی سے پانی لے کر آیا اور سنیا سی بابا پر انڈیلنے لگا میرے پیچھے ہی پیچھے زیب النسا بھی آگئی تھی اس نے میرا پیچھے آئیں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اسے یہ کیا ہو گیا، یہ تو، یہ تو یوں لگتا ہے جیسے کسی سے لڑائی ہوئی ہو، ان کی“
 ”ہاں ایسا ہی لگتا ہے“ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

”یہ آپ کے ہی دوست ہیں ناں جو آپ کے ساتھ آئے تھے؟“ زیب النسا رتے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔“
 ”مگر یہ یہاں کر کیا رہے تھے۔؟“
 ”خدا جانے۔۔۔“

”کیا کہہ رہے ہیں آپ، آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یہ یہاں درخت کے پاس بیٹھے ہوئے کیا کر رہے تھے؟“
 ”زیب النسا حیرت سے بولی، میں نے گہری نگاہوں سے زیب النسا کو دیکھا ایک کن اس کے چہرے پر بالکل سادگی اور مصحومیت تھی وہ کہنے لگی۔ آپ مجھے کیا دیکھ رہے ہیں۔؟“

”نہیں سوچ رہا ہوں کہ یہ واقعی ہوا کیا۔ ہوش ہی میں نہیں آ رہا یہ تو؟“ زیب النسا اور پانی لے آئی اور بمشکل تمام ہم نے سنیا سی بابا کو ہوش دلایا۔ وہ اسے ہوش نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے رہے مجھ پر نظر پڑی میری بیوی کو دیکھا اور اس کے بعد اس بری طرح بھاگے کہ اپنا ایک جوتا بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ دروازے سے ٹکرائے تھے مگر بچے تھے اور اٹھ کر پھر اس طرح بھاگے جیسے زیب النسا

۱۵٪	ہیناٹرم سے علاج
۲۵٪	ہیناٹرم کیا ہے ؟
۲۵٪	ہیناٹرم کے عملی طریقے
۲۵٪	ٹیسلی پیچی کا بیڈ
۱۵٪	آئینہ بنی و عمل حاضرات
۱۵٪	دنیا کے چھ پراسرار علوم
۱۰٪	ورج کرافٹ (کالا جادو)
۲۰٪	تعبیر نامہ و خواب نامہ (مکمل)
۱۵٪	نام اور اس کے اثرات
۲۵٪	عملیات تسخیر قلوب
۲۰٪	آئینہ عملیات (اندر جال)
۱۰٪	اسم اعظم
۱۰٪	نقش معظم
۱۵٪	عملیات محبت
۱۵٪	چلین و بنگال کا جادو
۱۵٪	فن جادو و سحر و سحر

دیکھا، دیکھتا رہا پھر ایک دم ہنس پڑا دیر تک ہنستا رہا
جیب آبادی میں داخل ہو گئی تھی، میں نے اس سے کہا۔
”آپ ہنس کیوں ہے؟ میں شاہد صاحب، مجھے بتائیے؟“
”بس ہنس رہا ہوں یا رکسی بات پر میرا خیال ہے تم نے
میری کہانی کو صرف کہانی سمجھا ہے اور مجھے ایک کہانی
گو، لیکن مجھے وہ سنیا سی یاد آ رہی ہے میں جن کا
تجربہ ستر سال تھا اور عمر چالیس سال لیکن اس ستر سال
تجربے نے انہیں بڑی مار کھلائی۔ اگر تم بھی اس کہانی کو
غلا سمجھ رہے ہو تو دیکھو سب کچھ تمہارے اپنے
حساب میں ہو گا مجھ پر دھوکہ دہی کا الزام مت رکھنا۔
”آپ مطمئن رہیں شاہد صاحب ایسا بالکل نہیں ہو گا
میں نے کہا اور اس نے عجیب سے انداز میں گردن
اور شانے ہلانے پھر بولا۔

”اگر یہ بات ہے تو میرے لیے اس سے زیادہ
خوشی کی اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی کہ ایک ایسا شخص
وہاں میرے ساتھ موجود ہو جو ان تمام حالات سے

کو ہنسی آگئی اس نے کہا۔

”یہ کوئی کاٹھ کرنے آئے تھے یہاں؟“

”پتہ نہیں۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا اب یہ
اندازہ ہو رہا تھا کہ سنیا سی باوا کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے
اس نے اس کے ہوش درست کر دیے ہیں۔ آئے تو
تھے رقم کمانے لیکن مار کھا کر گئے ہیں۔ بس میرے دوست
یہ بے میری کہانی۔۔۔ سانی آگیا ہے اور میں اپنے گھر پہنچنے
والا ہوں۔ اس تمام مصیبت کو مجھ پر نازل ہوئے قلمے من
گزر گئے ہیں۔ بہت سے لوگوں سے رجوع کر چکا ہوں
کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی کہ کیا کروں جس مصیبت میں
گرفتار ہوا ہوں میں جانتا ہوں اور میرا جی جانتا ہے
وہاں باغ پر چند لوگوں کو اس سامان کی نگرانی پر رکھا ہوا
ہے جو کافی قیمتی ہے اور وہاں موجود ہے مسویرا ملازم
ہے، ادھنی طور پر بالکل غیر حاضر رہتا ہوں کبھی کبھی وہاں
چلا جاتا ہوں۔ کٹے جادو کے ماہروں کے لیے نجات
کہاں کہاں چکر لگا چکا ہوں۔ کیفیت وہی ہے۔ وہ
راتوں کو اٹھتی ہے۔ درخت کی جڑ میں جا کر بیٹھ جاتی
ہے اور عمل کرتی ہے۔ اب تو بچے بھی اس سے خوفزدہ
رہنے لگے ہیں مجھے خطرہ ہے کہ اگر یہ کیفیت زیادہ عرصے
تک رہی تو کہیں بچوں کو کچھ نہ ہو جائے، جہاں تک
تمہاری ملازمت کا تعلق ہے یقین کرو میں غلوں میں دل سے
نہیں اپنے گھر رکھنے کے لیے تیار ہوں جو مانگو گے دے
دیا کروں گا بچوں کا خیال رکھنا ہو گا۔ گھر کی چھوٹی موٹی
ذر داریاں سنہانی ہوں گی لیکن اول تو راستہ بھی
کاٹنا تھا۔ پھر تم نے مجھ سے خود ملازمت کی فرمائش کی ہے
چنانچہ تمہیں حقیقت حال سے آگاہ کرنا ضروری تھا تا کہ یہ نہ
کہو کہ میں نے تمہیں دھوکے میں رکھا لیکن اس صورت حال
میں فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ تم اس گھر میں ملازمت کر
سکو گے یا نہیں“ میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور
کہا۔

”آپ واقعی مجھے ملازم رکھنا چاہتے ہیں تو میں غلوں
دل سے آپ کے گھر ہر طرح کی خدمت سرانجام دینے
کے لیے حاضر ہوں۔“ شاہد علی نے میراں لگا ہوں سے مجھے

اجبی طرح واقف ہو۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔
تھوڑی دیر بعد جیب ایک وسیع و عریض اماٹے
والے مکان کے سامنے کے حصے میں رک گئی دروازہ
عام مکانوں جیسا تھا لیکن اس کے پیچھے بڑا وسیع
اماٹہ تھا۔ جیب کو کھڑا کر دیا گیا اس کے بعد شاہد علی مجھے
اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے دروازے پر پہنچ گیا
دستک دینے پر دروازہ زیب النصار ہی نے کھولا
تھامیں نے ایک نگاہ اس کے چہرے کو دیکھا، نرم
اور دلکش خند و خال کی مالک خاتون تھیں۔ چہرہ بالکل
نرم و پڑا ہوا تھا، آنکھوں کے گرد حلقے چھائے ہوئے تھے
لباس بھی سلیقے سے پہنا ہوا تھا سر پر دوپٹہ بھی اوڑھے
ہوئے تھیں۔ مجھے دیکھ کر جھجکیں تو شاہد علی نے کہا۔

”نہیں زیب النصار ان سے پردہ کرنے کی ضرورت
نہیں ہے ان کا تہذیب اندر چل کر کراؤں گا۔ آؤ مسعود
اندر آ جاؤ۔“ میں خاموشی سے اندر داخل ہو گیا، زیب النصار
چند قدم آگے چل رہی تھی اماٹہ عبور کر کے ہم سامنے والے
چھوٹے سے برآمدے میں پہنچ گئے۔ یہاں چار پائیاں
اور موندھے نیچے ہوئے تھے۔ شاہد علی نے کہا۔
”آؤ ابی ہمیں بیٹھتے ہیں، ابھی زیب النصار آج تو تم ہلکے
مہمان کی خاطر کد پھر مارے۔ یہاں تمہاری خدمت
کریں گے۔ یہ بات پتہ نہیں زیب النصار کی سمجھ میں
آئی تھی یا نہیں لیکن وہ خاموشی سے اندر چلی گئی اور میں
نے شاہد علی کی طرف دیکھا۔

”اب سے چند روز پہلے اس کا رنگ سرخ و سفید
تھا چہرہ گلاب کی مانند کھلا ہوا رہتا تھا لیکن اب جو کچھ
ہو گیا کیا بتاؤں۔ دیکھو مسعود ایک بار پھر کھلے دل سے کہہ
رہا ہوں کہ تمہاری آمد میرے لیے بہت ہی خوشی کا باعث
ہے، لیکن ان حالات کی ذمہ داری تمہیں خود قبول کرنا
ہو گی وہ دیکھو، سامنے وہ کاسٹ کبارڈ والا کمرہ ہے
اس کے برابر جو درخت نظر آ رہا ہے اس کی چڑیاں
وہ مورق پورستید ہے۔“

میں نے گردن ہلائی، کوئی جواب نہیں دیا، کچھ دیر
کے بعد زیب النصار جیسے اور اس کے ساتھ کچھ لڑکیاں

وغیرہ لے کر آگئی تھیں اور میں شاہد علی سے ساتھ چلے
پہننے میں مصروف ہو گیا تھا شاہد علی باہر تانتا انساخ
تھا جن حالات سے گزرا تھا وہ سنتے۔ پریشان کن
تھے اس کے باوجود وہ نہیں بول رہا تھا اس نے بتایا کہ
اس دوران اسے کتنے دلچسپ تجربات ہوئے ہیں
جن سمجھوتہ اتارنے والے، غل مل کا توڑ کرنے والے
اور نہ جانے کون کون سے ایسے ایسے نہ جانے کیا کیا
کیا۔ اس نے مجھ سے کئی چند باتیں چھپیں اور میں نے مختصراً
جواب دے دیے۔ ان کے پے پیچے پھول جیسے تھے
مگر سب سے بہتر، رات ہوئی۔ اگر، نے بتایا کہ گھر کے عقبی
حصے میں ایک کمرہ ہے جس میں میرے لیے درست کر دیا جائے
گا۔ آج رات اندر کی بھی کمرے میں گزارہ کر لوں۔

”اگر میں یہیں اسی برآمدے میں سو جاؤں تو کوئی
خرج ہے۔ یہاں یہ چار پائی موجود ہے۔“
”یہاں برآمدے میں۔“

”ہاں۔“

”بالکل خرج نہیں ہے مگر تمہیں ابھی نہیں ہو گی۔ وہ
لفظ خوف استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

”تمہیں میں یہاں خوش رہوں گا۔“

”تمہاری مرضی ہے مجھے تو اور ڈھارس ہو جائے گی۔“

چار پائی پر درمی چادر بچھا دی گئی، تکیہ رکھ دیا گیا اس دوران
کئی بار زیب النصار سامنے آئی تھی، ایک پاکیزہ چہرہ تھا
اور آنکھوں میں شرافت اور حیا نظر آتی تھی کوئی جنبش
مذکور نہیں تھی۔

رات کے کھانے کے بعد کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔

پھر شاہد علی اندر چلا گیا اور میں چار پائی پر دروازہ ہو گیا۔

مکمل خاموشی چھا گئی۔ دوسرے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں

سنائی دے رہی تھیں۔ نہ جانے کیا کیا خیالات دل میں

آتے رہے کہ جانے کتنی رات ہو گئی۔ پھر جا بک میں چونک

پڑا۔ اندر کا بند دروازہ کھلا اور میں نے زیب النصار کو

باہر نکلتے ہوئے دیکھا شب خوابی کے لباس میں تھی، دونوں

ہاتھ سامنے کیے ہال بکھرائے وہ سامنے آئی تھی۔ چلنے

کا انداز بے حد بھیاں تھا میری طرف رخ کے بغیر

خود حفاظتی پرچار بہترین کتابیں

۳۰/-	فن جوڈو (باتصویر)	*
۲۰/-	آسان کراٹے (باتصویر)	*
۲۵/-	جو کاڈو	*
۲۵/-	ایکاڈو	*

مدارات

ایک آدم خور قبائلی نے دوسرے قبائلی سے کہا: "ہیت تو
کا گوشت ہے تمہاری بیوی کو بھی یہ ضرور پسند آئے گا۔" دوسرے
قبائلی نے جواب دیا: "بھوکہ ہیں کے یہ میری بیوی ہی کا
تو گوشت ہے۔"

موسلمہ کے لیے دوستی کا سچا

ٹھیک ہے رہے بات مکالمے کی رہے تو مکالمہ ہوئی
ہے پر تیری بڑی کار ہے ہم کا قبائلی دے۔
مجھے علم نہیں تھا کہ اس کا بازو کیسے کٹا لیکن اپنے
قرب و جوار میں سے شمار سر ہائیں میں بخوبی سن رہا
تھا اور ان کے بارے میں اندازہ ہی ہو چکا تھا کہ وہ
کون ہیں۔ میرے ایک بوا کہتے ہیں۔ البتہ شاہد وہ بدعت
ان کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔ اس نے اپنا دوسرا
ہاتھ کٹے ہوئے بازو پر رکھا اور خون کی سیاہ دھار
بند ہو گئی دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سے دوسرا بازو برآمد
ہو گیا اس نے دونوں بازوؤں کو جنبش دی اور انہیں
عجیب انداز میں اہلنے لگا۔ دفعۃً فضا میں پروں کی
پھر پھر اڑتے بلند ہوئی اور پھر لاتعداد پرندے غوط
لگا کر میرے سر پر پہنچ گئے۔ ان کی جو پٹھیں لمبی اور
آنکھیں سرخ تھیں۔ عین نکلن تھا کہ وہ مجھے نوح کر پھینک
دیتے۔ لیکن اچانک پٹ، پٹ کی آوازی سنائی
دیتے لگیں اور وہ فضا میں پھٹنے لگے۔ ان کے غول
کے چھینٹوں سے زمین کا یہ جہاز، مو، اور زیب الفضا

وہ آگے بڑھ گئی ابھی میں اسے دیکھ رہا تھا کہ دروازے
سے کوئی اور نکلا۔ شاہد اُن کے سوا کون ہو سکتا تھا
اسے دیکھ کر میں یاد پائی پر اُن کو رہیٹھ گیا۔ دوسرے لمحے
وہ میری طرف پھٹا اور میرے پاس آگیا۔ بری طرح کانپ
رہا تھا۔ کچھ بولنا چاہتا تھا لیکن آواز باجکیوں کی شکل
میں نکل رہی تھی۔

حوصلہ رکھو۔ حوصلہ رکھو۔ بیٹھ جاؤ۔ میں نے اس
کا بازو پکڑ کر اسے بٹھا دیا۔ وہ انگلی سے زیب الفضا
کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ مجھے اس کے بارے میں بتانا
چاہتا تھا۔ ہاں میں نے دیکھ لیا ہے۔ تم آرام سے بیٹھو
میں اسے قریب سے دیکھتا ہوں۔ میں وہاں سے آگے
بڑھا اس وقت دل میں کوئی احساس کوئی خیال نہیں تھا
بس ہمت بھری احاطہ کرنے کے زیب الفضا کے عقب میں
پہنچ گیا۔ وہ زمیں کھود رہی تھی۔ پھر اس نے مورق نکالی۔
اسے سامنے رکھا اور اس کے سامنے دو زنانوں ہو گئی۔ یہ
نے اس مورق کا جم بڑھتے ہوئے دیکھا۔ پھر وہ انسانی جسم
کے برابر ہو گئی مگر اس کی نگاہ مجھ پر تھی ایک نہایت مکروہ
شکل اور غیر آدمی تھا۔ اس نے بھاری سانس میں کہا۔
"یہ کسے ساتھ لے آئی ہے تو؟" زیب الفضا نے
گردن گھمائی میں کھڑا تھا۔ مکروہ حواس میں کہاں تھی۔ مکاہے
آیا ہے مور کہ۔ موت گیرن لاگے رہے گا۔
"کون ہے تو؟" میرے من سے نکلا۔

"اٹھ رہی ہمارے سامنے سے۔ ہم انی کا بتائیں کہ ہم کون
ہیں سرور الو نامائی کے کنبہ کونا جانے اٹھ جراتی کا بتائی
ہے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ زیب الفضا سامنے سے سرک
گئی تھی اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر سامنے کیا اور دفعۃً اس
کی انگلیاں لمبی ہونے لگیں لمبی اور پٹک دار۔ ان کے سر
سایوں کے من بن گئے جن کی زبان ہم اری تھی یہ لمبے سانپ
میری طرف بڑھ رہے تھے۔ مگر پھر اچانک اس کے
صلق سے پیچ کی سی آواز نکل۔ انگلیاں غائب ہو گئیں
اس کا بازو کندھے کے پاس سے کٹ گیا تھا اور اس کے
خون کا فوارہ بلند ہو گیا تھا۔ اس نے حیرت سے اپنے
بازو کو دیکھا۔ پھر قہقہہ لگا کر بولا: "تو ای بات رہے۔"

مرخ ہو گئے۔ پرندے گہرا کرادنیچے اٹھنے لگے اور مونا
مائی کے خادم نے غرائی ہوئی آواز میں پکارا۔
”بھیروں! اسی وقت میرے سامنے زمین پر سیاہ
رنگ کا ایک رتھ جیسا انسان برآمد ہو گیا۔ اس کا چہرہ
گول اور بہت خوفناک تھا۔ شکل کسی بن مانس سے ملتی
جتنی تھی۔ پہلے وہ چاروں ہاتھ پاؤں سے چلتا ہوا اس
شخص کے پاس پہنچا اور اس کے پیروں سے چہرہ ملنے
لگا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ارے دیکھو اس حرام کھور
کا۔ کون ہے اے۔“

”پورنا ہے دیر کٹ پورنا ہے۔ کاہے مرنے جاؤ ہو۔“
بھیانک رتھ کے خلق سے انسانی آواز ابھری۔

”میں۔ کا۔ ارے کا۔“ نصیحت روح کی آواز بلند
ہوئی۔ اس کے چہرے پر خوف نظر آنے لگا۔

”کوڑی بیروں کا مقابلہ کرو گے دیر کٹ؟“
”ناہے نا۔ بھول ہو گئی۔ جے پورن بھگت۔ ہیں کا

معلوم تھا کہ کراری اٹھ انجانی کھڑی ہو جا۔ اری اٹھ۔“
یہ الفاظ اس نے زیب النساء کے کہے تھے۔ زیب النساء

کھڑی ہو گئی۔ ”ہم جات ہیں پورنا۔ اب کجھوہ آئی ہے
رے۔ ہم کا پتہ نہ رہے جات ہے پورنا“ وہ جو کا

اور مجھ سے کی سی کیفیت میں آ گیا۔ پھر اس کا اور اس
کے طلب کیے ہوئے بھیروں کا بدن دہ میں تحلیل ہو گیا

میں نے کچھ نہیں کیا تھا۔ جو کچھ کیا تھا بھوریا چرن
کے بیروں نے کیا تھا۔ البتہ کام ہو گیا تھا۔ میں نے

زیب النساء سے کچھ نہ کہا اور خاموشی سے اپنی جگہ
واپس آ گیا۔ مگر یہاں ایک اور مشکل انتظار کر رہی تھی۔ شاہد

صاحب نے یقیناً یہ مناظر دیکھے ہوں گے چنانچہ اس کے نتیجے
میں وہاں دھمے ہو گئے تھے۔ اس کے پاؤں چار پائی

پر تھے اور خوردہ زمین پر لٹک رہے تھے۔ بڑی
مشکل سے انہیں سیدھا کیا نیچے نیچے زیب النساء

وہاں آ گئی۔
”ارے! انہیں کیا ہوا؟“ میں نے چونک کر اسے

دیکھا۔ پریشان نظر آ رہی تھی۔ میں نے شاہد علی کو سیدھا
لٹاتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ بس ایسے ہی ٹہلنے کے لیے باہر نکل
آئے تھے۔ سو گئے ہیں شاہد۔“

”اس طرح غافل ہو کر سوتے ہیں۔ جگاؤ انہیں اندر
پہنچاؤ۔“ وہ حضرت جانتے تو کیا بڑی مشکل سے انہیں

اندر پہنچایا گیا۔ میرے باہر نکلنے کے بعد زیب النساء نے
دروازہ بند کر لیا تھا۔ میں برآمدے میں چار پائی پر بیٹھ گیا

لنگا میں اس درخت کی طرف اٹھی ہوئی تھیں جہاں
تھوڑی دیر قبل ایک مکر ہو چکا تھا مگر میں نے کیا کیا

بلکہ جو کچھ ہوا میرے نام پر ہوا۔ اس میں بھی بھوریا چرن
کا ہاتھ ہے سامنے ہی کچھ نظر آیا اور میں سنبھل کر بیٹھ گیا

لیجے لیجے ہاتھ پاؤں والی بھیانک مکر کی ستمی جس کا رخ
میری طرف تھا چار پائی کے نزدیک اگر وہ رکی۔ لگے

ہاتھ اور پر اٹھائے پچھلے پیروں سے کھڑی ہو گئی پھر اس
کا قدر بڑھتا چلا گیا۔ آج میں نے ایک خاص بات پر غور

کیا بھوریا چرن انسان نما مکر اس تھا صرف اضافی پاؤں
اس میں اور مکر کی میں تفریق کرتے تھے درخت کی شکل و

صورت جسمانی بہت سب مکر کی جیسی تھی۔ وہ میرے
سامنے کھڑا مجھے گھورتا رہا پھر وہ زمین پر بیٹھ گیا۔

”نچوے دو بانیں ہو جائیں بول کرے گا۔“
”کیوں نہیں بھوریا چرن؟“ میں نے بے خوفی سے کہا۔

”تیرا ہمارا کیا رشتہ ہے؟“
”نفرت کا۔ نظریات کا۔ دین و دھرم سے اختلاف

کا۔۔۔۔۔“
”ہمارا کوئی دین و دھرم کہاں ہے رے۔ ماتا چاکا دھرم

ہو گا پیدا ہوئے تو نام بھوریا رکھ دیا۔ کسی مسئلے کے گھر پیدا
ہوئے تو تیرا جیسا کوئی نام ہوتا۔ اصل نام تو ہوش اٹنے

کے بعد ملتا ہے۔“
”وہ کیسے؟“

”کرموں سے، کرم ہی سارے راستے بتاتے ہیں ہم نے
گین پڑھی۔ رامائن پڑھی پھر ہمہ منوں کو دیکھا۔ خوب غور سے

دیکھا۔ پنڈت کتاؤں کا پاٹ کرتے ہیں۔ نہ کہ اور بزرگ
دکھاتے ہیں اپنے بزرگ انہوں نے اپنے گھروں میں بنا

رکھے ہیں۔ میں نے ان کے بزرگ دیکھے ان کے بیوتے

ایا جب کرم نر کر اور سورگ بناتے ہیں تو وہ ایسے کیوں نہ ہوں جن کا نتیجہ فوراً ملے۔ ہمارے لیے مرنے کی اور اپنے لیے سارا جیون سورگ ہی سورگ۔ سو ہم نے بھی اپنا سورگ تلاش کر لیا۔ کالا جادو دیکھا۔ جس طرح ایک پتی ہزار پتی بن کر لکھ پتی بننے کے خواب دیکھا ہے پھر کر ڈر پتی اور ارب پتی بن کر اس کا من چاہتا ہے کہ اب وہ سارے سنسار کا پتی ہو۔ اسی طرح طاقت کے ہر کھیل میں ہوتا ہے۔ میں نے بھی سارے کھیل کھیلے۔ شنگھما تک بنا اور پھر کھنڈ دلا بن کر جہاں شکتی حاصل کرنا چاہی مگر دھوکہ کھا گیا۔ مجھے پرکھ لینا چاہئے تھا مجھے۔ دیکھ لینا چاہئے تھا کہ تو اندر سے کیا ہے۔ نواد پر سے تو ٹھیک تھا۔ میرے کام کا تھا مگر اندر سے دوسرا نکلا۔ میں مارا گیا۔ مگر تو آج بھی اتنا ہی با دلا ہے اسے پانی اس سنسار میں صرف طاقت کھیل رہی ہے۔ آنکھ کھول کر دیکھ جو شکتی مان ہے اس نے اپنی سورگ دھرتی پر اتار لی ہے اس میں عیش کر رہا ہے اور تو اتنی بڑی شکتی ہے کہ نوکر یاں کرتا پھر رہا ہے تو نے دیکھا وہ لوں کا بھروں مجھے دیکھ کر دم دبا کر بھاگ گیا۔ پورنیوں کے بیروں نے اسے چک گئی بنا کر بھگا دیا۔ یہ تیری اپنی شکتی ہے ابھی تو تو نے اس کے پتہ تک نہ ہی نہیں دیکھے اسے استعمال کرے گا تو آنکھیں کھل جائیں گی۔ میں نے تیرے لیے بڑا کام کیا ہے کہ اگر تو خود کرتا تو تیرا ادا جیون لگ جاتا۔ بڑے پا پڑیلنے پڑتے مگر مجھے پکی پکائی مل گئی۔ اس لیے قدرہ میں کر رہا۔ میں مجھ سے ایک بار پھر بات کرنے آیا ہوں۔

* ڈاکٹر سونیک اور ڈاکٹر رورن کے تجربات کا پتھر
* اپنے خیالات کو دوسروں کے ذہنوں تک پہنچانے کا
سائنسی طریقہ۔

مل کر سنسار کو ٹیڑھا کر دیں گے۔ دیکھ بالکاب تو تیر ہے
نہ بیڑ۔ اپنے دھرم سے نکالا جا چکا ہے اور پورن
لاگ تیرے تیرے شریروں میں رینک رہا ہے۔ جب تک
یہ پورن لاگ تیرے شریروں میں ہے اپنے دھرم سے تو تیرے
سارے ناتے ٹوٹ گئے۔ مگر یہ سکتی ابھی تیری ہے۔ اندر
سبھا کی سات پورنیاں تیری داسیاں ہیں۔ باؤے وہ
سات کنواریاں ہیں خوتیرے ساتھ اپنی ہاگ پوجا کا انتظار
کر رہی ہیں۔ تیری اور تک رہی ہیں اور تو انہیں بھول
کر اس چار پائی پر پڑا ہوا ہے۔ مجھے ایک آسانی ہے۔
”وہ کیا؟“

”انسان؟“ میں نے کہا۔

70

میں غبارے کی طرح ہوا بھرنے لگی اس کی آنکھیں۔
غضبناک ہوتی جا رہی تھیں مگر اس وقت میرے زیرِ نظر
ہونے لگے۔ لٹا کر لوٹے لوٹے پھوٹے۔ وہ روتے
پہنچتے میرے گرد اکٹھے ہو گئے۔ ان کے بن کرنے کی
آوازیں ابھر رہی تھیں۔

شمار کر دے شکنا۔ صاف کر دے شکنا۔ اسے
نقصان نہ پہنچا۔ ہم سب خستہ ہو جائیں گے۔ ہم تیری چلواری
میں شکنا نہیں نہ اجاڑ۔ سب دہائی دے رہے
تھے روپیٹ رہے تھے اور کان پڑی آواز نہ سنائی
دے رہی تھی۔

عجیب منظر تھا۔ بھوریا چرن اپنے بدن میں مسلسل ہوا
بھردہا تھا اور پھولتا چلا رہا تھا اس کا قد بھی بلند ہو
گیا تھا اور بدن کا پھیلاؤ بے پناہ ہو گیا تھا۔ میری
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس طرح وہ کیا کرے گا مگر میرے
بیروں کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ بری طرح بے چین تھے۔
خلق پھاڑ پھاڑ کر رہے تھے۔ ادھر سے ادھر بھاگ
دوڑ کر رہے تھے۔ کبھی زمین پر گرتے بھوریا چرن کے
بیروں پر سر گرتے۔ پھر اٹھ کر ادھر ادھر بھاگنے لگتے۔

بھوریا چرن کا جسم اتنا بڑھ چکا تھا کہ اب وہ بہت
بڑا گولانظر آنے لگا تھا۔ کینٹ پھٹ ہی جلنے تو
اچھا ہے۔ دفعہ میرے سارے بیروں کاٹتے ہوئے مجھ پر
آگرے۔ زنی بڑی تعداد تھی کہ میں ان کے نیچے دب کر رہ
گیا۔ میرا دم گھٹنے لگا ان کے جموں سے سخت سزا دہ
اٹھ رہی تھی۔ میں انہیں پرے دھکیلنے کی کوشش کر رہا
تھا لیکن پوری فوج نے حملہ کیا تھا۔ انہیں ہٹانا ممکن نہیں
ہوا اور میرے حواس جواب دینے لگے خاص طور سے
ان کے جموں سے اٹھنے والی بد بو نے مجھ سے ہوش
بچھین لیے تھے۔ میں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو صبح ہو
چکی تھیں سنڈر کا دروازہ بند تھا۔ اسی جگہ زمین پر پڑا
ہوا تھا۔ پورا بدن دکھ رہا تھا۔ رات کے مہلے
فاتحات یاد آ گئے۔ پتہ نہیں کیا ہوا۔ مردود کہاں گیا۔
بڑا عجیب لالچ دیا تھا اس نے۔ بڑی مشکل سے چلتا
ہوا چار پائی تک آیا اور بیٹھ گیا۔ بھوریا چرن کی ساری
باتیں یاد آ رہی تھیں۔ کیا انوکھا تصور تھا۔ کنبوت

دائمی زندگی چاہتا تھا۔ ناممکن ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا
کم از کم میرا دل تو نہیں تسلیم کرتا تھا۔ موت اور زندگی
تو صرف ایک ہی طاقت کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے
انسان کو بہت کچھ دے دیا ہے۔

اور ای بہت کچھ نے انسان کو حقیقتوں
کے بہت دور کر دیا ہے۔ کالا جادو ہو، پیلا جادو
ہو یا سائنس کا جادو، ٹھیک ہے اس سے کچھ بھی کر لو مگر
نمود۔ اور موت۔ یہ اس نے اپنے پاس محفوظ رکھے ہیں
جسے بھیجا جائے وہی آتا ہے اور جسے بلا یا جائے اسے
بھانا پڑتا ہے۔ اگر دائمی زندگی ممکن ہوتی تو یہ افراسیاب
اور سامری بھی سوئٹزرلینڈ یا سنگاپور میں عیش کر رہے ہوتے
یا ان جیسے دوسرے غرور، سداد اور فرعون بھی۔ مگر سب
غائب ہو گئے۔ جدید سائنس ٹیسٹ ٹوب بے بی پیش
کرتی ہے۔ سائنس سے تو بہت کچھ ملتا ہے۔ مگر دینے
والے ہاتھ کوئی اور ہی ہیں۔ اس ضمن میں ایک دلچسپ
واقعیہ یاد آ گیا ہے۔ دربار خواجہ حضرت معین الدین چشتی
اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک سوالی بیٹھا تھے
لگا رہا تھا۔ خواجہ کس ہزار چاہیں۔ خواجہ دس ہزار ہی
لوں گا۔ ایک پیسہ کم نہیں لوں گا۔ دس ہزار دے دے
خواجہ۔ ایک دولت مند آدمی نے اس سوالی کو دیکھا
سنا اور مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ واپسی میں اس نے
پھر اسے وہی نعرہ لگاتے ہوئے سنا۔ ہنسا اور بولا۔ تو
کب سے ایک ہی رٹ لگائے ہوئے ہے۔ کیا تو واقف
نہیں ہے۔ یہ رقم جھے میں دے سکتا ہوں۔ لے اور
بھاگ جا بلا دو جہاں سر کھپا رہا ہے۔ اس نے جیب
سے دس ہزار نکال کر سوالی کو دے دیئے۔ اس نے
رقم گنی جیب میں رکھی زور سے قہقہہ لگایا اور بولا۔

واہ خواجہ۔ خوب دلائی، بڑے موذی سے دلائی۔
اور بھاگ گیا۔ تو حیات دائمی ایک تصور تو ہو سکتا ہے
چشمہ حیاں اور آب حیات دلکش افسانے تو ہو سکتے
مگر ان تک انسانی پہنچ ممکن نہیں اور پھر کائنات کی
خلق کا ایک ایک پہلو مقرر کرتا ہے۔ زندگی تو ایک
رفتن و آمد ہے۔ جدوجہد اور ضروری امور نمٹانے کے لیے
اور مدت دن بر کی ممکن کے بعد سکون بخش اور ممکن

دردِ دانے پر ہونے والی ہلکی سی آواز تے خیالات کا ظلم توڑ دیا دیکھا تو زیب النساء بیگم تھیں۔ جھانکا اور غراپ سے اندر ہو گئیں۔ کچھ دیکھ کے بعد دونوں میاں بیوٹی نمودار ہوئے۔ زیب النساء کے ہاتھوں میں ٹوٹے تھی جن سے تازہ کیاب پراٹھوں اور انڈے کی خوشبو اڑ رہی تھی۔ بڑے احترام سے ناشتہ میرے سامنے رکھا گیا۔ اور شاہد علی نے گڑ گڑاتے ہوئے کہا۔

” حضور، مرشد۔ ناشتہ تناول فرمائیجئے۔“
 ” اے بھائی، اے بھائی، ہوش میں آ میرے بھائی
 بے کار باتوں سے گریز کر، یہ کیا ہو گیا، میں نے شاہد علی
 کو دیکھتے ہوئے کہا، وہ نیچے جھکا اور اس نے میرے پاؤں
 پکڑ لیے۔“

”بہیمان نہیں سکا ستام شد میری آنکھوں میں بجلا آتی
 بیتانی کہاں، معاف کر دیجئے اگر کوئی گستاخی ہوئی ہے
 تو۔ آپ نے۔ آپ نے ہم پر احسان کر ڈالا۔“
 ”دھت تیری کی۔ اس کا مقصد ہے کہ یہاں سے
 بھی اب وداء اٹھ گیا۔“ میں نے افسوس بھرے لہجے
 کہا۔

حضرت مسعود شاہ صاحب ناشتہ کر لیجئے اس بار
زیب النساء نے کہا۔

” آیا تو تھا آپ کی خدمت کرنے، اگر ذرا عزت مل جاتی تو آپ کو محبت سے بھائی کہنا شروع کر دیتا، لیکن یہاں بھی رزقِ راس نہیں آیا۔ میاں شاہد علی کوئی تو کرسی دو گے ہمیں یا اینار اسبہ ناہیں۔“

حضور کے قدموں کی برکت کو تاحیات حاصل کرنے کے لیے تیار ہوں، میری مجال کہ ایسے مرشد کامل کو نوکری دوں۔ حضور کہیں نہیں جانے دوں گا اب آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا اور اگر آپ نے جانے کی بات کی تو سر پھوڑ لوں گا آپ کے سامنے، جان دے دوں گا۔ آپ نے جو احسان مجھ پر کر ڈالا۔ اہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس طرح سہراہ بھی کوئی مل جاتا ہے، حقیقت ہے کہ پہچانے

” تو تم نے مجھے پہچان لیا۔“

اب اسکی ذہنیاتیوں کا حصول

دیکھ چکا ہوں اس کے بعد کبھی

شان میں گستاخی کروں۔

۵۔ اچھا سبھا فی تہمارے مرضی،

ہمیں ۴؟

ۛ حضور کیا نوکری چاہتے ہیں

تو کرمی دیوں، وہ یوں اور میں

رہا ہے کہ میں کبھی میرا اک دو

محرم ۱۲۸۵

جسے امد جابیکے میں

۸. بوجہ اٹھارویں اہر سید ہاشم

یہ چاہا کہ وہی ہر سب سے

سکے کہہ سکتے۔

کے کسی کو عزت کے لئے

ہوں اپنے کرداروں کے لئے
میں اپنے لئے کیا کیا

پیشوں میں کروں۔ عین

ہوئی۔ فریب اور جمل ساری،

کران امام لوہوں فی طرح پریت

ہیں، ہمیں ایسا نہیں کروں گا۔

فخر ہی کیا ضروری ہے، یہ

بیماری ہونی میں اہمیں اشارہ

ہمیں بنادیں گی یہ ہمیں۔

ہو جائے ماحویر یا چرن لوے

مگر جو تے ہی کھائے میرے

تیری دہی ہوئی سی تے کو بھی

جو تے ہی مارتا رہوں گا۔“ کیا

تو بھوک چمک اٹھی۔ میں۔

اپنے سامنے سرکا لیا اور کہا۔

۴. دیکھو سبائی شاہد علی محمد

تھے اور مریم ایمان لے میں یہی

ہوں۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو

میں نے تمہارے اس دھوکے

سب سے ہونا میری بات میں۔

کامل ہوں، فقیر ہوں، بزرگ ہوں، پیر ہوں۔ اب بھی تم سے یہی الفاظ کہتا ہوں۔ ایک عام آدمی ہوں بھائی دور دیوں کا دھندلے دو مجھے، محنت کر کے کماؤں گا کھاؤں گا اور خوش رہو گا، یہ سب کچھ جو تم کو رہے ہو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ شاہ صاحب آپ ناشتہ تو کیجیے، ہماری خوشنہی ہو گی۔“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے اور یقیناً تم لوگ میرے ساتھ ناشتے میں شریک نہیں ہو گے۔“ ہم یہ جرأت نہیں کر سکتے۔ ”زیب النساء نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ اور میں ناشتے پر پل پڑا کیا عمدہ ناشتہ ملا تھا طویل عرصے کے بعد، گھر پر قلم کا، خوب کھایا۔ ڈٹ کر کھایا اور پھر ہنستا ہوا بولا۔

”آخر تم پر مصیبت کیا نازل ہوئی ہے؟“ شاہ صاحب کیا اب آپ یہ خوشخبری نہیں دیں گے کہ وہ مصیبت ہم سے مل چکی ہے؟“ شاہد علی نے کہا اور میں کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر میں نے آہستہ سے کہا۔ ”ہاں شاہد علی، میری چند باتیں گرہ سے باندھ لو۔ بالکل بے فکر ہو کر اب اپنے باغ میں کام شروع کر دو جو مصیبت ستمی وہ واقعی مل گئی ہے وہ ایک گندی اور خبیث روح تھی۔ جس نے تمہارے ہاتھوں نجات پائی اب یہ پست نہیں کر لے وہاں قید کس نے کیا تھا لیکن آزادی اسے تمہارے ہی ہاتھوں ملی۔ اور اس کے بعد وہ جو گندی پھیلاتی کر تھا۔ لیکن سب آگ گئی اور اب وہ تمہاری جانب رخ نہ کرے گی ہر دوروں کو نئے سرے سے اکٹھا کر دے میرے خیال میں اب وہاں کوئی ایسا واقعہ رونما نہیں ہو گا۔“

”اور زیب النساء۔“ وہ بھی اس کے زیر اثر تھی، ظاہر ہے وہ تمہارے گھر تک پہنچ چکا تھا اور اسے کچھ نہ کچھ کرنا تھا اب نہیں آئے گا، اطمینان رکھو۔“

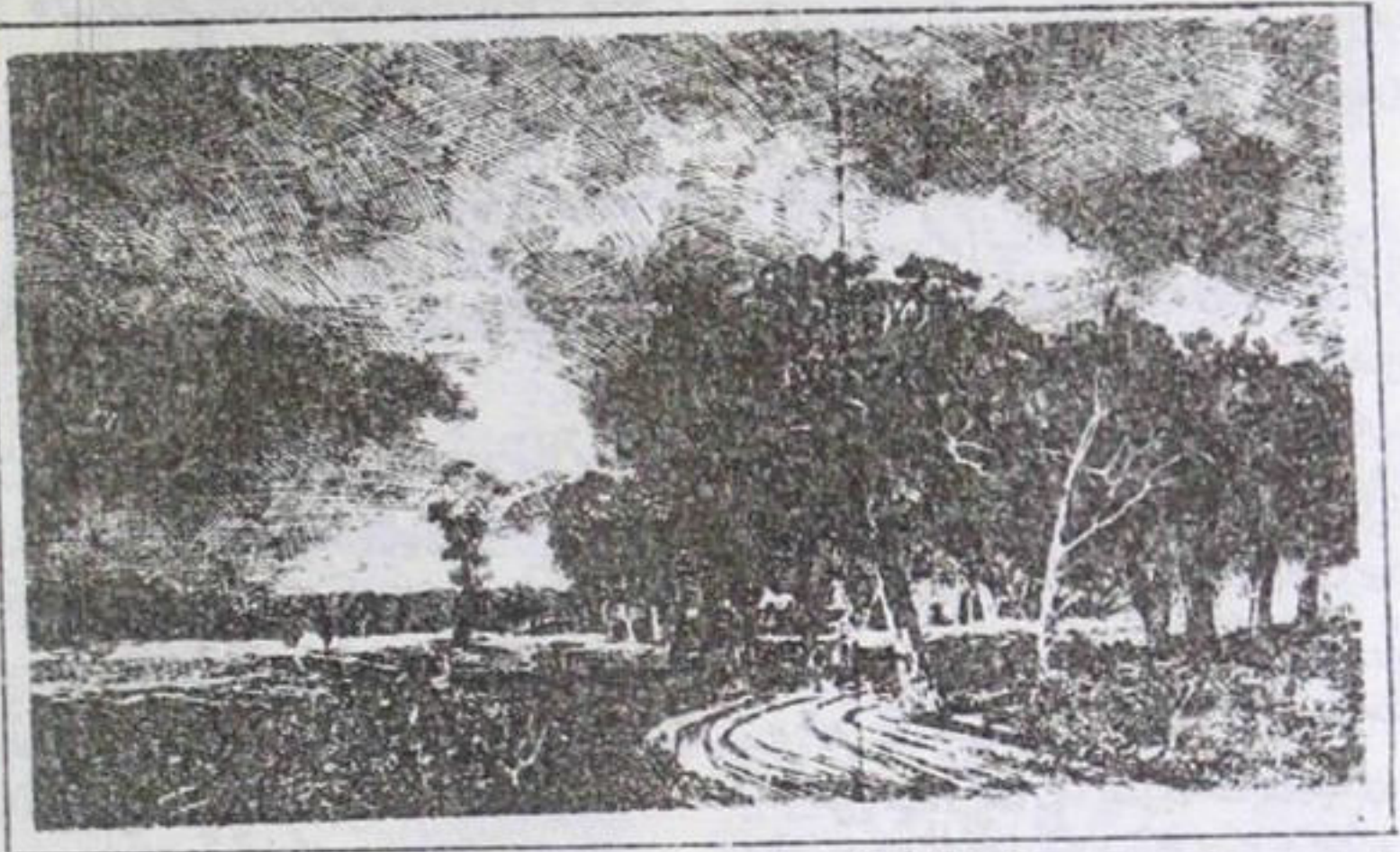
”اور اس کے باوجود آپ یہ کہہ رہے ہیں حضور شاہ کہ میں آپ کی خدمت نہ کروں آپ کے لیے۔ آپ کے لیے۔“

”بس بس اس سے آگے نہ باتیں رہنے دو تو تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔ ہم نے تو یہی سوچا تھا کہ یا ر علوی تمہارے بہت عرصے یہاں کی نوکری میں زندگی گزار لو، مگر ہماری تقدیر میں ہی نہیں ہے۔“

”یہ سب کچھ آپ کا ہے شاہ صاحب، آپ کی برکت رہے گی تو مجھے بھی دن دو فی رات چوگنی ترقی ملے گی۔ میں خاموش ہو گیا۔ اب بھلا اس سے زیادہ کیا کہتا اس سے لیکن یہ طے کر لیا تھا کہ فوری ہی یہاں سے نکل بھاگوں گا۔ میں ان ڈرامہ بازیوں میں نہیں پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ ہی ہوا۔ حالانکہ بعد میں بھی دونوں میاں بیوی نے مجھے آرام سے رہنے کی پیش کش کی اندر بڑے اہتمام۔ سے میرے لیے کمرہ سجایا، سب کچھ خاموش آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ اور اس کے بعد جیسے ہی شاہد علی اپنی گاڑی کے کربا ہر نکل میں بھی پیچھے پیچھے باہر نکل آیا اور اس کے بعد میرے لیے یہ ضروری تھا کہ یہ بستی چھوڑ دوں۔ سفر کے لیے ظاہر ہے اور کوئی ذریعہ نہیں تھا لیکن پیدل چلتا رہا اور تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ایک چھوٹی سی بگڈنڈی سے ایک بس اچلتی کودتی آگے بڑھتی نظر آئی۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے روک کر تو بس رک گئی اور میں اس سوار ہو گیا۔“

”کہاں جا رہی ہے یہ بس؟“ میں نے سوال کیا۔ ”تمہیں کہاں جانا ہے۔“ ”جہاں یہ بس جا رہی ہے۔“ میں نے بس کے کنڈکٹر کو جواب دیا۔

”تو پھر نکالو ڈھائی روپیہ۔“ اس نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔ پیسے نکھوڑے بہت میرے پاس موجود تھے، میں نے ڈھائی روپیہ نکال کر بس کنڈکٹر کو دے دیا اور جب اس نے ٹکٹ دیا تو مجھے پتہ چلا کہ بس کہاں جا رہی ہے۔ بس جلیسر جا رہی تھی۔ جلیسر کیا ہے، کون سی جگہ ہے وہاں کی آبادی کتنی ہے، کتنا بڑا شہر ہے مجھے کچھ معلوم نہیں تھا لیکن کوئی ہرج بھی نہیں تھا۔ اب تو ہماری دنیا ہی وسیع ہے، میرے سامنے جلیسر تک کا سفر طے ہوا، راستہ کچا ہی تھا اور مزہ آگیا تھا سفر کرتے ہوئے بدن کی چولیں مل گئی تھیں۔ شام کو تقریباً ساڑھے رات بجے بس نے



عیسائیوں پر اتار اچھی خامی آبادی تھی۔ ٹھیک ٹھاک ہی شہر
ستھ میں نیچے اتر کر احقول کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
کوئی پتہ نہ کوئی ٹوکا۔ لیکن خدا کی زمین وسیع ہے
بس جدھر منہ اٹھا چلتا گیا۔ اور پھر میں نے بہت سے
لوگوں کو دیکھا۔ کھیتوں کی بگڑندہ یوں سے گزر کر
ایک ہی سمت جا رہے تھے، کچھ ایسا انداز تھا ان کا
جیسے کسی خاص جگہ جا رہے ہوں۔ چنانچہ میں پیچھے پیچھے
چل پڑا اور تھوڑے ہی فاصلے کے بعد مجھے ایک جگہ کافی
جگہ نظر آئی۔ یہ کوئی بہت بڑی عمارت تھی جس میں خوبصورت
گنبد بنے ہوئے تھے، وسیع و عریض احاطے میں پھیلی
ہوئی تھی اور اس کے سامنے جو پتھر کی سل پر ایک کتبہ نظر
آ رہا تھا جس پر کچھ اشعار کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔

درگاہ سید ابراہیم شاہ صاحبؒ پر درگاہ میرے
ہوٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں ماندہ درگاہ تھا۔
پتہ نہیں اس درگاہ کے احاطے میں مجھے جگہ ملے گی، نہیں۔
لوگ جوق در جوق آگے بڑھ رہے تھے، ویسے کوئی
باقاعدہ میلہ وغیرہ نہیں تھا۔ بس درگاہ کے اندر روشنیاں
ہورہی تھیں۔ اور درگاہ شریف کے مجاور ادھر سے ادھر
آ جا رہے تھے۔ سیاہ رنگ کے لباس میں ملبوس لیے
لیے بالوں والے میں ذرا فاصلے پر ہی رک گیا۔ اطراف
میں مچی اونچی جھاڑیاں ابھری ہوئی تھیں اور ان جھاڑیوں

کے آس پاس لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اندر مکمل خاموشی
طاری تھی۔ بڑا دقار، بڑا جلال تھا درگاہ شریف کا۔
میرے دل سے دعا نکلی کہ کسی بھی بزرگ کے طفیل میری
مشکل حل ہو جائے۔ آہ میری مشکل حل ہو جائے۔
میں وہیں بیٹھا رہا، رات کے تقریباً گیارہ ساڑھے
گیارہ بجے تک لوگ درگاہ شریف میں آتے جاتے رہے
پھر درگاہ کے دروازے بند ہو گئے اور تمام لوگ اپنے
خانے گئے، بس احاطے کی دوسری جانب مجھ کو نظر آ رہے
تھے، جو اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے، میں جھاڑیوں
کے پاس خاموش بیٹھا پیاسی نگاہوں سے درگاہ شریف
کا کتبہ دیکھتا رہا۔ اور میرے ذہن میں نچلے کی کیا تصورات
ابھرتے رہے۔ درگاہ شریف کے بائیں حصے میں
ایک چھوٹا سا دروازہ کھلا ہوا تھا جس سے کبھی کبھی کوئی
باہر نکل آتا تھا اور کسی کام سے شہری آبادی کی جانب
چل پڑتا تھا۔ میرے ذہن میں نچانے کیا سمائی۔ آہستہ
آہستہ اٹھا اور چھوٹے دروازے کی جانب چل پڑا۔
ابھی میں چھوٹے دروازے سے کوئی دو گز فاصلے
پر تھا کہ دفعۃً مجھے سانپ کی پھنکار سنائی دی۔
میں چونک کر رہا۔

چھوٹے دروازے کے عین سامنے طباق جیسے
چوڑے پین کا مالک بھنورے کی سی رنگت لیے خوب



موتے چمک دار جیم کا سانپ پھن پھیلائے کٹھالی مائے
بیٹھا ہوا تھا اس کی منہی چمکدار آنکھوں میں نفرت کی
سرخ جھلک رہی تھی۔ میرے قدم رگ گئے۔

”راستہ بند ہے؟“ میں نے پوچھا اور پھر گردن
جھکائے وہاں سے پلٹ پڑا۔ یہ تو ہونا چاہئے تھا۔ اپنے
گندے راجد کو میں اس پاک درگاہ میں کیسے لے جا
سکتا تھا۔ میں تو غلاظت کی پوٹ تھا۔ بے ادبی سے پٹا
اور ایک گھنٹے درخت کے نیچے جا بیٹھا۔ درخت کے
موتے تنے سے میں نے پشت لگا لی تھی آنکھیں بند
کر کے بیٹھ گیا۔ دماغ میں سنناہٹ ہو رہی تھی اپنی حالت
پر رونا آ رہا تھا مگر اتنے آنسو بہ چکے تھے کہ اب ان کی
گنتی کش نہیں رہی تھی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک
پتھر کا ایک ٹکڑا سینے پر آگرا اور میں نے گہرا کر آنکھیں
کھول دیں۔ کالے بھونگ رنگ کا ایک لمبا ترنگ آدمی
میرے سامنے بے لباس کھڑا ہوا تھا۔ رات کی تاریکی کے
باوجود اس کی آنکھیں گہری سرخ چمک رہی ہیں۔

”تفت شاہی تیرے باپ کا ہے۔ ہماری سلطنت پر
قبضہ جمانے کی فکر میں ہے جو لوگوں کو نہیں کاہٹ جا دھسے
نہیں تو کھوپڑی رنگیں کر دوں گا۔ اس نے جھک کر دوسرا
پتھر اٹھالیا۔

”ہٹ جاتا ہوں۔ ہٹ جاتا ہوں۔ مگر کہاں جاؤں۔
بتا دو۔“

”ابے ہٹ وہاں سے غلطانا پاک، تمہے تو میں ایسی
جگہ پہنچاؤں گا جہاں تیری تک چٹی ہو جائے پٹ پی کا ترنگا۔
میں درخت کے نیچے سے ہٹ گیا۔ وہ شخص میری جگہ جا
بیٹھا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں کچھ فاصلے پر
کھلے آسمان تلے جا بیٹھا۔ چاروں طرف ہوکا عالم فاری
تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ بدن دکھ گیا بیٹھے بیٹھے تو
سیت گیا آنکھیں بند ہو گئیں مگر نیند نہیں آتی تھی۔ اچانک
قریب ہی سرسراہٹ سنائی دی اور میں نے جو تک کر
آنکھیں کھول دیں جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر دم ہی نکل
گیا۔ اس خوفناک شخص کا چہرہ دوفٹ کے فاصلے پر
تھا۔ آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں دفعۃً اس نے میرے منہ پر
ستھوک دیا اور پھر قہقہے لگاتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا

ایک بار پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ چہرے پر ستھوک کی مٹی تھی
مگر میں نے اسے صاف نہیں کیا۔ یہ چہرہ کسی قابل ہے
میں نے دل میں سوچا رات نہ جانے کیسے گزری، پھر صبح
ہو گئی۔ شاید سو گیا تھا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا چند لوگ میری
طرف آرہے تھے ایک کے ہاتھ میں کچھ تھا۔

”کھانا کھاؤ گے میاں صاحب۔“ انہوں نے پوچھا۔
”ہاں بھائی ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔

”لو ہاتھ دھو لو۔“ دوسرے نے پانی سے بھرا ٹوٹا
سامنے کر دیا۔ ہاتھ دھوئے۔ پوریاں حلوہ اور ترکاری
بھتی کھا کر خدا کا شکر ادا کیا۔ انہوں نے مجھے پانی پلایا
اور پھر برتن اٹھا کر چلے گئے۔ درگاہ کی طرف سنناٹا
تھا۔ کچھ اور قوت گزر گیا دھوپ چلپلانے لگی درخت میرے
سلمے تھا مگر دوبارہ اس کے نیچے جانے کی ہمت نہ کر سکا
پھر درگاہ کے عقبی حلقے سے شور اٹھا۔ بچوں کا شور تھا۔ میں
نے دن کی روشنی میں اسی بے لباس شخص کو دیکھا بے تحاشہ
دوڑتا ہوا آ رہا تھا اس بارہ نیچے اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے
اور پاگل ہے، پاگل ہے، کا شور مچا رہے تھے۔ دھولے
پتھر کی مار رہے تھے دفعۃً وہ میرے قریب آ کر رک
گیا اس نے غور سے مجھے دیکھا پھر منہ پڑا۔ نیچے کچھ فاصلے
پر آ کر کھڑے ہوئے تھے اور شرمیلہ نظروں سے ہمیں دیکھ
رہے تھے اس نے بچوں کی طرف دیکھا اور بولا۔

”اے بھائی مارو۔ یہ بھی اپنا بھائی ہے۔ مارو۔
ہی۔ ہی۔ ہی۔“ بچوں نے میری طرف بھی پتھر پھیلانے

خرد ع کر دیے۔ وہ ہستا ہوا درخت کے تنے کے
 پیچھے جا چھپا ہوا تھا۔ کئی پتھر میرے بدن کے مختلف حصوں
 پر لگے اور ایک سر پر آنکھ کے بالکل قریب اور پیشانی
 بھٹ گئی۔ خون بھل بھل کر کے بہنے لگا اور میں نے
 زخم پر ہاتھ رکھ لیا۔ بچے خون دیکھ کر ڈر گئے اور سب
 وہاں سے بھاگ گئے۔ میں پیشانی پر ہاتھ رکھے بیٹھا
 خون زمین پر گرتا رہا مگر دوسری آنکھ سے میں نے
 کچھ اور بھی دیکھا۔ میرے خون میں زندگی تھی، ہاں میں
 نے اچھی طرح دیکھا تھا۔ خوب اچھی طرح وہ ننھی ننھی
 مکڑیاں تھیں جو میرے خون میں کلبلا رہی تھیں اور خون
 سے نکل نکل کر ادھر ادھر رینگ رہی تھیں۔ مگر چند انج
 چلنے کے بعد وہ چرما کر رہ جاتی تھیں۔ جب تک خون
 ہوا سے خشک نہ ہو گیا یہ تماشا جاری رہا۔ بچے تو غائب
 ہو گئے تھے مگر وہ درخت کے پیچھے موجود تھا۔ کچھ دیر
 کے بعد وہ درخت کے پیچھے سے نکل کر میرے پاس آ بیٹھا
 اس نے دونوں ہاتھ پیچھے کئے ہوئے تھے۔ وہ سرگوشی
 کے عالم میں بولا۔

”ایک سو اتر کہاں گئے۔ ایں۔ ایک سو اتر کہاں
 گئے۔ کچھ پتے بے ان کا؟“ میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ آنکھ پر آنے
 والا خون صاف کیا اور اسے دیکھ کر مسکراتے لگا۔ ہاتھ
 دکھاؤں اپنے، دیکھ، اس نے دونوں ہاتھ سامنے کر دیے
 ان میں پتھر دبے ہوئے تھے اس نے دونوں پتھر میرے
 سر پر دے مارے اور میرے حلق سے دل خراش چنچیں
 نکل گئیں۔ دو گہرے زخم اور لگے تھے اور ان سے خون
 ابل رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بھاگ گیا۔ مجھے زور سے چکر آیا
 اور میں بے ہوش ہو گیا۔

اسپتال کے بستر پر ہوش آیا تھا۔ سر میں پٹیاں بندھی
 ہوئی تھیں۔ نرسیں آ جا رہی تھیں کچھ دیر کے بعد ہی اندازہ
 ہو گیا کہ وہ اسپتال ہے۔ پھر ایک نرس نے گزرتے ہوئے
 مجھے ہوش میں دیکھا اور زور سے چیخی۔

”سسر ملو ترہ۔ تیرا پسینٹ ہوش میں آ گیا۔“
 ”میں ڈاکٹر کو بتا دوں۔“ دوسری آواز آئی۔ کچھ دیر
 کے بعد ایک نرس ہی آئی۔ اس نے پورا بازو دھول
 کر ایک انجکشن لگایا اور بولی۔

”ایسی طبیعت ہے؟“
 ”ٹھیک ہوں۔“
 ”تمہارے سر میں زخم کیسے لگے۔ کنی نے مارا ہے؟“
 ”بچوں نے۔“
 ”کنی کی رپورٹ کراؤ گے۔“
 ”نہیں سسر۔ وہ بچے تھے۔“
 ”اوکے، میں ڈاکٹر کو بول دوں۔ تمہیں پولیس دلے
 لائے تھے۔ وہ تمہارا بیان لینا چاہتے ہیں۔ پولیس
 والوں کو میں نے کوئی خاص بیان نہیں دیا ابھی تک میں
 ان سے خوفزدہ رہتا تھا۔ کچھ دیر بعد مجھے اسپتال سے
 رخصت کر دیا گیا چھوٹی چھوٹی گلیاں، چھوٹے بازار
 چلتا رہا۔ درگاہ کے سامنے سے گزرا اور ایک آہ
 بھر کے آگے بڑھ گیا۔ یہاں میری جگہ نہیں تھی میں ناپاک
 تھا کسی کا کیا قصور۔ مجھے خود کا خیال رکھنا چاہیے۔ مارے
 مارے پھرنے کی عادت ہو گئی تھی۔ تانگے چل رہے تھے
 بسیں بھی نظر آ رہی تھیں مگر میں پیدل چل پڑا۔ کوئی کمزوری
 نہیں پیدا ہوئی تھی حالانکہ کافی خون بہا تھا۔ لباس پر بھی
 جمے ہوئے خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ اس راستے
 سے ہٹ گیا جس پر لوگ آتے جاتے نظر آ رہے تھے بہت
 دور نکل آیا ایک کھیت نظر آیا۔ جس میں کچریاں بکھرت
 پڑی ہوئی تھیں۔ کھیت میں گھس کر بہت سی کچریاں
 اٹھائیں اور کنارے بیٹھ کر کھانے لگا۔ پیٹ کا جہنم سرد
 کرنے کے بعد وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ جنگل بیابان
 درخت اڑتے ہوئے پرندے، دڑتے ہوئے
 ہرن۔ کہیں کہیں چھوٹے درندے بھی نظر آ جاتے تھے۔ وہ
 بھی کوئی درندہ ہی تھا زمین کی سوراخ سے نکلا تھا۔ مجھ
 سے دس گز کے فاصلے پر رک کر غرائے لگا اس کی
 آنکھوں میں بھوک تھی پھر اس نے وحشیانہ انداز میں مجھ پر
 چھلانگ لگائی لیکن دوبارہ زمین پر نہ آ سکا فضا میں
 ہی اس کی چند حیاں بکھر گئیں۔ خون اور ہڈیوں کا
 مٹخو بہ زمین پر آ رہا تھا۔ بھر دی خاموشی۔ یہ منظر دوسری
 بار نگاہوں میں آیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ درندے کو ہلاک
 کرنے والا کون ہے۔ مگر ایک تیز بے کے ساتھ ایک
 اور احساس ذہن میں جا کا تھا۔ یہاں درگاہ شریف کے

پاس یہ پلیدہ آسکے تھے۔ اس شخص کو پتہ مارنے سے نہ روک سکے تھے اور.... اور اس نے کہا تھا کہ ایک سو اکہتر کہاں گئے۔ کچھ پتہ ہے ان کا؟ ظاہر ہے یہ گندے اس جگہ نہ جھلکتے تھے۔ درہ جس طرح بھی ہوں تھے بھو ریا چرن تک سے مجھے بچا یا تھا اس خیال نے ذہن میں بچانے کیا کیا خیالات پیدا کر دیے تھے بعد کے سفر میں میں انہیں محسوس کر رہا تھا۔ پھر درہ اور دو راتوں کے بعد ایک بہت بڑا شہر نظر آیا۔ یہ چلا کر اس کا نام ہاتھ سس ہے۔ یہاں کچھ وقت گزارا اور پھر ریل میں بیٹھ گیا کچھ عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی۔ ہر عمل سے رغبت ختم ہو جاتی جا رہی تھی۔ خاموش رہنے کو جی چاہتا تھا۔ جس ڈبے میں بیٹھا ہوا تھا اس میں ایک غیر مسلم خاندان بھی سفر کر رہا تھا۔ ایک فربہ جسم کا مالک عمر شخص ایک عمر خاتون دو نوجوان لڑکیاں، ایک نوجوان لڑکا۔ رد ملازم قسم کے لوگ۔ عمر شخص نے کئی بار مجھے دیکھا تھا لیکن کچھ بولا نہیں تھا البتہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھے دیکھنے لگتا تھا۔ پھر ٹکٹ چیکر آگیا۔ میرے پاس ٹکٹ نہیں ہے بھائی میں نے اسے جواب دیا۔

کوئی بات نہیں اگلے اسٹیشن پر پولیس موجود ہے ٹکٹ چیکر نے بھی اطمینان سے کہا۔ اگلے اسٹیشن کیسی باتیں کرتے ہو بھائی آدمی آدمی کو دیکھنا چاہیے، تو کتنے پیسے بنتے ہیں تمہارے ٹکٹ مجھ سے لے لو۔ اسی عمر شخص نے کہا اور جیب سے نوٹ نکال کر ٹکٹ چیکر کو دے دیے، ٹکٹ چیکر نے مجھ سے پوچھا۔

کہاں جاؤ گے؟ میں نے گجرات کے عمر شخص کو دیکھا تو عمر شخص نے کہا۔

دلی۔ اور اس کے ٹکٹ چیکر میرا ٹکٹ بنا کر چلا گیا۔ میں مسکرتہ لگا ہوں سے عمر شخص کو دیکھنے لگا وہ اچھی جگہ سے اٹھا اور میرے قریب بیٹھا کہنے لگا۔

بہت دیر سے تمہیں دیکھ رہا تھا سو امی ہمارا آج ایسی جانی پہچانی صورت لگ رہی تھی کہ بتا نہیں سکتا۔ پیراڈ آکر میں نے نہیں کہاں دیکھا تھا میں سوالیہ لگا ہوں

اس شخص کو دیکھنے لگا۔ وہ بولا،
ڈاکٹر بھلا جی کو جانتے ہوتا؟ میں نے یاد کیا تو
ڈاکٹر بھلا مجھے یاد آ گیا۔ وہ شخص جس نے اس لڑکی کو مردہ قرار دے دیا تھا جو بعد میں ٹھیک ہو گئی تھی۔ میں نے گردن ہلائی تو عمر شخص مسکرا کر بولا۔

بھلا میرا جوانی ہے میری بیٹی بیاہی ہے اس سے ان دنوں میں بھی وہیں موجود تھا جب تم نے ایک لڑکی کو زندہ ہونے کی بات کی تھی اور وہ زندہ ہو گئی تھی بھلا نے مجھے پوری کہانی سنائی تو میں نے اس سے کہا کہ بھائی ذرا پیچھے بھی اس ہان پرش کی صورت دکھائے سو اس نے دودھ ہی سے مجھے نہیں دکھایا تھا کیا تم اس بات سے انکار کر دو گے کہ تم وہ نہیں ہو؟ میں آہستہ سے ہنس دیا پھر میں نے کہا آپ کا نام کیا ہے ہمارا آج؟

آدم پرکاش۔ اس شخص نے جواب دیا۔ آپ نے صرف اتنی سی بات پر میرا ٹکٹ بنوایا۔ اس کا ذکر مت کرو، بھلا مجھے یہ بات معلوم نہیں ہے۔ کیا کہ اتنا بڑا کام کرنے کے بعد بھی تم نے فیقروں کی طرح ان لوگوں کی دولت ٹھکرا دی، میری مراد فیقروں سے یہ ہے کہ وہ فیقر جو کسی کی دولت پر نگاہ نہیں کرتے، ہاتھ پھیلائے والے فیقروں کی بات نہیں کر رہا میں؟

دولت میں نے پھینکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ہاں ہمارا آج میں جانتا ہوں، بھلا آپ جیسوں کے لیے یہ کاغذ کے ٹکڑے کیا حیثیت رکھتے ہیں، جھگوان نے آپ کو دوسری ہی سکتی دی ہے، دیے میں نے آپ کا دلی کا ٹکٹ بنوایا ہے آپ کو کہیں اور تو نہیں جانا؟

نہیں! بس یہی کہہ سکتا ہوں پرکاش جی ہمارا آج کر دنیا پہنچ ہی گول ہے، دلی بھی آچکا ہوں اور اب پھر دلتی جا رہا ہوں۔ چلیں ٹھیک ہے، تقدیر جہاں لے جائے۔ دہی جگہ غنیمت ہے۔

گویا آپ دلی نہیں جا رہے تھے پھر کہاں جانے کا ارادہ تھا؟

آپ سے جھوٹ نہیں بول رہا۔ بس ریل میں بیٹھ گیا تھا سو جانتا تھا کہ جدھر ریل چلے گی، چلا جاؤں گا، آدم پرکاش

جی ہنس پڑے۔ پھر بولے: "تو پھر ایسا کرو کاشی جی چلو، بڑی بڑھیا جگہ ہے، میں اپنے اس چھوٹے سے خاندان کے ساتھ کاشی ہی رہا ہوں۔ وہاں تھوڑے دن رہوں گا اور اس کے بعد واپس چلا آؤں گا، میرا اصلی گھر اگر سے میں ہے۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ، میں آپ کے ساتھ جا کر کیا کروں گا۔"

"آپ کی مرضی ہے، دیکھ لیں کاشی جی بھی اگر کوئی خاص کام نہیں ہے تو سنسار کو دیکھنا چاہیے۔" ادم پر کاشی جی بولے۔

"ادم پر کاشی جی آپ کو پتہ ہے کہ میرے پاس ریل کا ٹکٹ لینے کے لیے پیسے نہیں تھے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ کے ساتھ گھومنے پھر۔ تے چلوں؟"

"دیکھو مہاراج، نام کیا ہے آپ کا، خیر نام کچھ بھی ہو بات یہ ہے کہ ہر چیز پیسے ہی سے تعلق نہیں رکھتی اس وقت مجھے آپ سے عقیدت ہو گئی تھی، مگر وقت ہی نہیں مل سکا۔ کہا تو تھا میں نے اپنے داماد سے کہ مجھے ملا بھی دو مگر اس نے بتایا کہ آپ کسی اور کام سے جا رہے ہیں میری خوشی ہوگی اگر آپ میرے ساتھ بننا چلیں۔" میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر ہستہ سے کہا۔ "جلا جی نے آپ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ میرا دھرم کیا ہے۔"

"بتایا تھا کہا تھا آپ مسلمان ہیں۔؟"

"اوہ اس کا مطلب ہے کہ آپ کو معلوم ہے مگر اس کے باوجود آپ مجھے اپنی مقدس یا ترا پر لے جا رہے ہیں۔" ادم پر کاشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی انہوں نے کہا۔

"میں نے آٹھ سال لندن میں پڑھ کر گزارے ہیں تین سال تک ذاتی طور پر ریسرچ کرتا رہا ہوں۔ دین دھرم کے بارے میں بس ایک ہی بات پتہ چلی۔"

"سارے دھرم انسان پر انسان کے حق کے بارے میں بتاتے ہیں وہ جو سب سے بڑا ہے کسی انسان کے کچھ نہیں مانگتا۔ نہ اسے ضرورت ہے۔ دھرم کے ساتھ اگر صورتیں الگ الگ ہو جاتی ہیں تو ہم مان لیتے کہ سارے دھرم الگ الگ

ہیں مگر صورتیں تو ایک جیسی ہیں پھر بات کیا ہے تم بھی اپنے پیدا کرنے والے کو پرکارتے ہو اسے پیار سے کہتے ہو، ہم اسے بھگوان کہہ کر بلا لیتے ہیں اسے برا تو نہ لگتا ہو گا۔"

"میرا نام مسعود احمد ہے ادم پر کاشی جی۔"

"تو پھر چل رہے ہو کاشی ہمارے ساتھ۔"

"آپ سے اتنا متاثر ہوا ہوں کہ ضرور چلوں گا۔"

"کوئی بھی سوگند سے بولا ہم نے ہی سوچا تھا کہ وہ جو سنسار کے لیے جیتے ہیں کسی جگہ کے نہیں ہوتے ان کے لیے تو سارا سنسار ایک جیسا ہے تمہارے ساتھ سے ہمیں خوشی ہوئی۔"

میں خاموش ہو گیا اور پر کاشی جی بڑے گیانی تھے۔ بہت اچھی باتیں کرتے تھے انہوں نے ہستہ سے کہا: ایک بات کہوں مسعود جی۔"

"جی۔"

"تمہارے بارے میں ان میں سے کسی کو نہیں بتاؤں گا ان سب کے بارے میں نہیں بتاؤں وہ میری دھرم پتی ہیں۔ اور ادم پر کاشی نے مجھے سب کے بارے میں بتایا پھر بولے: اگر میں انہیں بتا دوں کہ تم کون ہو تو جینا حرام کریں گی تمہارا کیونکہ انہیں میں نے اس بڑکی کی کہانی سنا دی تھی اور یہ بہت متاثر ہوئی تھیں۔ خاص طور سے ہماری دھرم پتی۔"

"جی۔ میں ہنس کر بولا۔"

دلی آگئی یہاں سے دوسری ٹرین پکڑنا تھی مگر ادم پر کاشی جی کے ایک دوست یہاں ان کے استقبال کے لیے موجود تھے وہ اس خاندان کو ساتھ لے گئے مجھے انہوں نے حیرت سے دیکھا تھا کیونکہ میرا حلیہ کسی معزز انسان کا سا نہیں تھا خود مجھے اس کا احساس تھا۔

"یہ سادھو سنت آدمی ہیں ان کے حلیے پر نہ جانا مادھو لال۔" ادم پر کاشی نے کہا۔

"اوہ۔ سادھو۔! مادھو لال نے کہا اور خاموش ہو گیا۔"

نئے قسم کا آدمی تھا شاطر اور چالاک۔ اس کے گرد و دوز کے یہاں سے آگے جانے کا بندوبست کرنا تھا۔ گھر جا کر جب احمیدیان سے بیٹھنے کا موقع ملا تو مادھو لال نے کہا۔

"سنت جی ہمارا ج۔ آپ اتنی چھوٹی سی عمر میں سنت کیسے بن گئے؟ ادم پر کاشی نے چونک کر اسے دیکھا

اور میرے بجائے خود بول پڑے۔

”عمر کا گیان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”سب سے“! مادھو لال پر زور لہجے میں بولے۔

”تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“؟

”صرف ایک بات ان دنوں کل کوچوں میں سادھو
ہی سادھو نظر آتے ہیں۔ گہرا کپڑے پہنے ہاتھ میں کندل
پکڑا اور خود کو سادھو کہلا کر شروع کر دیا۔ ایسے ناکارہ
نوجوانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ
دعویٰ کا مذاق اڑاتے والی بات ہے ایسا نہیں ہونا
چاہیے جس کے پاس گیان سکتی ہوتی ہے اسے ہی سنت
کہلانے کا ادھیکار ہوتا ہے۔“

مگر میں نے تو گہرا کپڑے نہیں پہنے مادھو لال جی۔

کندل بھی میرے پاس نہیں ہے۔

”آجائے گا کچھ عرصے بعد۔“

”آپ گیان سکتی کہتے ہیں؟“ میں نے مسکراتے ہوئے
کہا۔

”کوئی پتہ کار دکھائیں ہمارا ج۔ کچھ تو دیا ہو گا آپ
کو تیاگ نے“! مادھو لال نے مذاق اڑانے والے انداز
میں کہا۔

”اوم پرکاش جی نے بے چین ہو کر کہا: تم کچھ

غلط باتیں نہیں کر رہے مادھو لال؟“

”جی جی چھو کر معافی مانگ لوں گا سنت ہمارا ج سے
مگر جانتا چاہتا ہوں انہیں کتنا گیان ملا ہے کوئی پتہ کار
دکھائیے ہمارا ج۔“ رات کا وقت تھا اور ہم لوگ اس
وقت مادھو لال جی کی حویلی کی چھت پر بیٹھے ہوئے تھے
اور یہ چھت بہت بڑی تھی مجھے بھی نہ جانے کیا سوچھی
دراصل ان باتوں میں مزا آرہا تھا اور کچھ دیر کے لیے دل
بہل گیا تھا۔

”بے کار باتیں مت کرو مادھو لال تم میرے۔۔۔“

”آپ خود بتائیے مادھو لال جی۔ کیا پتہ کار دیکھنا چاہتے

ہیں آپ؟“ میں نے اوم پرکاش کی بات کاٹ کر کہا۔

”کوئی بھی۔ کچھ بھی۔“

”آپ کی مرضی میں نے کہا اور پھر پہلی بار میں نے اپنے

بیروں کو پکار کر کہا: سنو، سنو، سنو! اور نہ مادھو لال جی

مر جائیں گے۔ یہ میرے میزبان ہیں بہت بڑے سا ہو کار

نہیں یہ، اور پھر مجھے ان سے بڑی عقیدت ہے میں ان

پر عقیدت کے پھول نچا کر کرنا چاہتا ہوں۔ اتنے پھول

برساؤ ان پر کہ مادھو لال جی پھول جیسی چیز سے پریشان

ہو جائیں، اسیے اوم پرکاش جی ہم ذرا پیچھے ہٹ جاتے

میں۔ میں نے اوم پرکاش کا ہاتھ پکڑ کر انہیں پیچھے ہٹاتے

ہوئے کہا۔ میں جانتا تھا کہ وہ ہی ہو گا تو میں نے کہا ہے

اور میرے من سے ان الفاظ کو نکلے ہوئے لمحات گزرنے

لگے کہ دفعۃً فضا سے پھولوں کی بارش شروع ہو گئی۔ طرح طرح

کے پھول موتیا، گلاب، گیندا اور نجائے کیا کیا۔ یہ پھول

ہزاروں کی تعداد میں مادھو لال جی پر آ کر گر رہے تھے

اور مادھو لال جی پریشان ہو کر کہنے ہو گئے تھے حویلی

کی وسیع و عریض چھت کا گوشہ گوشہ پھولوں سے لدنا چلا

جار رہا تھا۔

مادھو لال جی کے من سے اسے اسے ارے کی

آوازیں نکل رہی تھیں اور وہ بے وقوفوں کی طرح ادھر

گم رہا تھا۔ پھول برستے رہتے، صرف وہ جسک

خالی رہ گئی تھی۔ جدھر میں اوم پرکاش جی کھڑے ہوئے

تھے۔ ورنہ حویلی کی ساری چھت پر منوں پھولوں کے انبار

لگے جا رہے تھے مادھو لال جی آدھے بدن سے پھولوں سے

ڈھک گئے۔ تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنا چاہا، لیکن

حلق سے آواز ہی نہیں نکل پا رہی تھی۔ وہ سچی پیمٹی لگا ہوں

سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے، خود اوم پرکاش جی

پر سکتے طاری تھا۔ دفعۃً مادھو لال نے گہرا کر کہا۔

”ارے بھائی ارے بھائی رکو تو سہی“ میں پھولوں میں

دب کر مہا ڈن کا ارے رکو، ارے رکو۔“ لیکن رکنے

والے جانتے تھے کہ کس کے حکم پر رکنے بھلا وہ کیوں رکتے

پھول مادھو لال جی کے شانوں تک پہنچ گئے تو میں نے ہی

دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا۔

”بس کرو۔ ورنہ مادھو لال جی کی سادھی انہی پھولوں

میں بن جائے گی۔ بہت بڑے سا ہو کار ہیں یہ، بہت بڑے

آدمی ہیں اب ایسا کرو ہماری طرف سے انہیں کچھ جھینٹ دے

دو۔ سو ناچاندی بس یہی چیزیں انسان کو زیادہ پسند ہوتی

ہیں، اور میرے بیروں کو پہلی بار مجھ سے کوئی حکم ملا تھا

سو ہتھال کے ہتھال پھولوں پر آکر سجنے لئے ادا دام پر کاش
نے آنکھیں بند کر لیں ان سے دیکھا نہیں جا رہا تھا مادھو
لال جی کے چاروں طرف ان تمام اشیاء کے انبار لگ
گئے۔ میں نے سوچا کہ کہیں ان چیزوں کو دیکھ کر ان کا دم
ہی نہ نکل جائے چنانچہ ہنس کر ہاتھ اٹھائے اور کہا میں
کو۔ بس کرو۔ اگر پھولوں کی طرح ان کی چھت سونے چاندی
سے بھی بھر گئی تو جو ملی ہی بیٹھ جائے گی بس جاؤ تمہاری
چٹنی، اور سونے چاندی کی آمد بند ہو گئی اوم پر کاش جی
نے دڑتے دڑتے آنکھیں کھولیں اور یہ سب کچھ دیکھا
مادھو لال پتھر لے ہوئے کھڑے تھے میں نے ہنستے
ہوئے کہا۔

”ہمارے دو دن کے قیام کا یہ معاوضہ آپ کے لیے
میرے خیال میں کافی ہو گا مادھو لال جی“ اب پھولوں سے
باہر نکل آئے۔ کیا فائدہ کہ آپ ہمیں کھڑے کھڑے مہ جائیں
مادھو لال جی نے کچھ کہنا چاہا لیکن آواز نہیں نکل سکی
اوم پر کاش جی اہستہ سے بولے۔

”میسور۔ مسوریہ سب کچھ“ میں نے ایک ٹھنڈی سانس
لی اور کہا جو آگیا ہے وہ واپس نہیں جاسکتا، باقی باتیں
آپ جانیں اور آپ کے دوست مجھے اب ان چیزوں سے
کوئی غرض نہیں ہے۔ میں نے کہا اور اس کے بعد ہم
بمشکل تمام مادھو لال جی کو نیچے لانے کے لیے سہارا دے
کر چل پڑے۔ پھولوں پر چلنا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا
میں نے مسکرا کر کہا۔ آپ کو بیٹھنے کے لیے کوئی دوسری
جگہ چاہیے ہو گی مادھو لال جی ہاراج۔

”نیچے نیچے چلو۔“ وہ گھٹے گھٹے لہجے میں بولے۔ ہم سب
نیچے آ گئے۔ ”مجھے کہیں بٹھا دو۔ دوسروں کو۔ بھگوان کے لیے
دوسروں کو کچھ نہ بتانا۔“

”نیچے بھی بہت بڑا صحن تھا۔ یہاں بھی پھولاری لگی ہوئی
تھی ایک جگہ بیٹھ کر مادھو لال جی نے کچھ دیر سانس درست
کی۔ پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے گر پڑے حشاکر دیں
جہاں آج تھا کر دیں، بڑی بھول ہو گئی مجھ سے، بڑی بھول
ہو گئی؟“

”کوئی بات نہیں مادھو لال جی۔ میں نے ہنس کر کہا۔
”ارے اب ان پھولوں کا کیا ہو گا۔ کیا بتاؤں گا میں

دوسروں کو؟“

”اب یہ آپ کا کام ہے ہاراج۔“

”اور وہ۔ وہ جو اوپر ہے۔ ارے باپ رے۔ وہ تو
کر وڑوں کا مال ہے۔ کر وڑوں کا۔“

”اب وہ آپ کا ہے، یاد کر لیا کریں گے اپنے دوست
اوم پر کاش جی کو۔ کہ انہوں نے آپ کو کر وڑوں کا مالک بنا
دیا۔“ میں نے کہا اور مادھو لال نے دونوں ہاتھ بیسنے پر رکھ
لیے۔ ”کوئی سونے کی جگہ مل جائے گی اوم پر کاش جی۔ مجھے
نیند آرہی ہے۔“

”میں بتاتا ہوں۔“ مادھو لال جی ایک دم کھڑے ہوئے
اور گرتے گرتے پیچے بڑی مشکل سے وہ ہمیں ساتھ لے کر آئے
اور ایک کمرے تک پہنچا دیا۔ یہ کمرہ آپ کے لیے ہے ہاراج
اوم پر کاش جی کے اہل خاندان کے لیے الگ انتظام کیا گیا تھا
”میں چلتا ہوں۔ مادھو لال بولے اور باہر نکل گئے۔ اوم
پر کاش جی البتہ میرے پاس بیٹھے رہے تھے گم غم اور خاموش
بہت دیر کے بعد انہوں نے زبان کھولی۔

”اور آپ کے پاس کت خریدنے کے پیسے بھی نہ تھے۔“
میں ہنسنے لگا۔ ”مگر اب کیا ہو گا۔“

”کیوں اوم پر کاش جی۔“

”ادھر جو کچھ ہے۔ اس کا کیا ہو گا۔“

”اب کیا ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا۔

”وہ واقعی کر وڑوں کی دولت ہے۔“

”جو کچھ بھی ہے اس کی واپسی ممکن نہیں ہے۔“

”اس کے تو دن بھر گئے۔“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“

”پتھر کار دیکھ لیا اس نے اب ان ساری چیزوں کو
واپس ہو جانا چاہئے۔ آپ ایسا فرور کریں مسعود جی ایہ تو بے
تو مناسب نہیں ہو گا میں محسوس کر رہا تھا کہ خود اوم پر کاش جی
کی حالت بہتر نہیں۔ یہاں دولت کے متوالوں کو ہی سب کچھ
دنیا کی سب سے بڑی چیز عسوس ہوتی تھی لیکن کوئی مجھ سے
پوچھتا کہ کائنات کی سب سے بڑی دولت کیا ہے، ال باپ
کی قربت، بہن بھائیوں کا ساتھ، ایک پرسکون جدوجہد کے
پر زندگی جس میں صبح کو تلاش رزق کے لیے گھر سے باہر نکلنا
اور اس کے بعد ضرورتیں پوری ہو جانے کی حسرتیں لے کر

واپس لوٹنا ہی اصل زندگی ہے، ساری خواہشیں پوری ہو جائیں تو پھر کس حساب میں جیا جائے جو چین گیا ہو اس کو پانے کی آرزو اور اس آرزو کی تکمیل ہی کائنات کا سب سے بڑا خزانہ ہے ادم پر کاش جی بھی چلے گئے اور میں نہانے کب سوچوں کے دھارے پر بہتا رہا۔ میں نے سوچا کہ جلد بازی میں یا ان واقعات سے متاثر ہو کر میں نے یہ دوسرا عمل غلط تو نہیں کر ڈالا۔ ایک عمل کیا تھا تو کمبل چین گیا۔ اور اب اس غسل سے نہانے کیا کیا چسپاں جائے گا۔ مگر کیا کروں کیسے بیوی یہ تنہا سوچیں، یہ بے یقینی، یہ نا طلب قوتیں۔ ان سب کا کیا کروں۔ کتنا رو سکتا ہوں، موت کے لیے تو تیار ہوں۔ اگر یہ سب کچھ ناقابل معافی گناہ ہے تو مجھے موت چاہیے نہیں جیسا کہ اس طرح ہر آنکھوں میں گناہ کار بن کر۔

”بیروں میں نے آواز دی: سامنے نہ آنا، مجھ سے بات کر دے اور بے شمار آوازیں میرے کانوں میں ابھرنے لگیں وہ نہانے کیا کیا کہہ رہے تھے۔“
”سنو، سنو، میری بات سنو جو کچھ تم نے میرے کہنے سے چھت پر لاپیچہ کیا ہے اسے واپس اٹھا لو۔ جہاں سے لائے ہو وہاں واپس پہنچا دو۔“
”انہیں پورنا، انہیں بھگت، وہ پورنا دان بے تیری پہلی مانگ ہے وہ واپس نہ کر۔ ہماری بھینٹ سو یکار کر۔ انہیں بھگت ایسا نہ کر، یہ ہماری موت ہوگی۔ آوازیں آئیں اور میں خاموش ہو گیا۔“

دوسری صبح بڑی انفرادی تفری مچی ہوئی تھی۔ موٹی کے رہنے والے بری طرح بھاگ دوڑ رہے تھے۔ میں باہر نکل آیا۔ بڑی مشکل سے ادم پر کاش جی ہاتھ لگے تھے۔
”کچھ ہو گیا کیا؟“

”وہی جو ہونا تھا، ادم پر کاش جی آہستہ سے بولے۔“
”کیا؟“

”پوری حویلی میں بھگدڑ مچی ہوئی ہے۔ چھت پر پھولوں کے انبار سب کو پاگل بنائے ہوئے ہیں سب ادھر جا رہے ہیں اور کیسے آ رہے ہیں۔“
”مادھو لال جی کیا کر رہے ہیں؟ ادم پر کاش نے فوراً حجاب نہیں دیا کچھ دیر سوچ کر لوٹے۔“

”تقریباً پاگل ہو چکا ہے۔ ساری رات چھت سے سونے چاندی کے تھال ڈالتا رہا ہے۔ حویلی کے نیچے قید خانے میں اس نے وہ سارے تھال چھپا دیے ہیں خود یہ سب کچھ کیا ہے اور تھک کر نہ تھکا ہوا گیا ہے۔ میرے کمرے میں بھی آگسٹا تھا۔ میرے پردوں سے پٹ کر بھول بھول روتا رہا ہے۔ کہتا ہے کہ آدمی دولت میں لے لوں بڑی مشکل سے میں نے اسے باہر نکالا۔ اب دوسرے کمرے میں درمی بچائے لیٹا ہے اور سر بہ برف کی تھیلیاں رکھوا رہا ہے۔“

”اوہ۔ یہ تو برا ہوا۔ میں نے کہا۔“

”مجھے تو لگتا ہے پاگل فرد ہو جائے گا ویسے یہ بہت بڑی سزا ہے اس کے لیے اور۔ اور مجھے اس سے بڑی عبرت حاصل ہوئی ہے۔ آپ سے سجا کیا چھپا سکوں گا مسعود صاحب۔ آپ جو کچھ میں میری توقع ہے کہیں بڑی بات ہے۔ میں تو حیران ہوں کہ ایسی نہان شخصیت مجھے کیسے مل گئی۔ آپ آکاش سماں ہیں مسعود صاحب دوسروں کو آپ یہ سب کچھ دے سکتے ہیں اور خود ریلوے کے بابو سے کہتے ہیں کہ میرے پاس ٹکٹ نہیں ہے۔ رات مجھ پر بھی کنٹین گزری ہے اس دولت کے بارے میں سوچتا رہا ہوں جو چھت پر پڑی ہوئی تھی۔ الٹ بچی آیا دل میں مگر اب تمہارے بارے میں سوچتا ہوں تم نے سب کچھ ٹھیکار کیا ہے تو اس کی بھی کوئی ذمہ ہوگی۔ ضرور کچھ دیر ہوگی۔ میں نے ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ادم پر کاش جی بولے: کاشی چلو گے میرے ساتھ۔“

”کیوں؟“ میں نے ہنس کر پوچھا۔

”بس یونہی پوچھ رہا ہوں۔“

”غور در چلوں گا۔“

”دراصل میں نے اپنے بیٹے کو ریلوے اسٹیشن بھیج دیا ہے ٹکٹ لینے کے لیے ہیں فوراً چلتا ہے۔ اس پاگل خانہ میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔ میں فوراً یہاں سے نکل چلتا چاہتا ہوں میں جانتا ہوں کہ اب ایک ایک کر کے یہ سب پاگل ہو جائیں گے۔ جینکار دیکھنا چاہتا تھا مادھو لال دیکھ بیٹا۔ اب خوب دیکھ جینکار، ادم پر کاش جی نے اس انداز میں کہا کہ مجھے ہنسی آگئی۔“

پنڈت اوم پرکاش جی۔ اپنا ایمان پاپا منگل ہوا جا رہا تھا۔ بال بچوں کے ساتھ مقدس باترا کو نکلے تھے اور یہاں پڑے جا رہے تھے دولت کے پورے میں۔ مادھو لال نے ادھی دولت کی پیش کش کر دی تھی۔ یہ ادھی دولت اتنی تھی کہ اوم پرکاش جی نے ساری عمر نہیں لٹائی تھی۔ انہیں پادس پتھر ملا تھا مگر یہ پتھر ان کے بجائے مادھو لال کو چھو گیا تھا۔ ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ تقدیر کو انہیں اس مصیبت سے نکالنا تھا کہ ان کے بیٹے کو بنارس کے ٹکٹ مل گئے بارہ بجے ریل روانہ ہونے والی تھی مادھو لال تو واقعی دیوانہ ہو گیا تھا کسی سے مل ہی نہیں رہا تھا۔ رخصت ہوتے ہوئے ہم مادھو لال کے پاس کمرے کے دروازے پر پہنچے جسے وہ بند کئے بیٹھا تھا۔

”پتا ہی۔ دروازہ کھولے۔“ مادھو لال کے بیٹے نے اواز لگائی۔

”ابے کیوں بار بار آجاتا ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ اوم پرکاش چاچا جا رہے ہیں۔

”کہاں جا رہے ہیں؟“

”بنارس۔“

”کہاں میں؟“

”یہ کھڑے ہیں دروازے پر۔“ مادھو لال کا بیٹا بولا۔

”تو بھاگ جا یہاں سے، بات کروں گا میں ان سے۔“

مادھو لال کا بیٹا تو نہ گیا مگر مادھو لال دروازے پر آگئے تھے ان کی آواز ابھری۔ اوم پرکاش ادھی لے لو کہیں بھگوان کا واسطہ ادھی لے لو۔

”میں جا رہا ہوں مادھو لال۔ جتنا رہا تو واپسی میں تم سے ملوں گا۔“

”میں الگ کر لوں گا۔ دھرم ایمان سے ادھی نہاری۔“

مادھو لال بولا اور اوم پرکاش جی وہاں سے پلٹ آئے کچھ دیر کے بعد ہم لوگ اسٹیشن پہنچ گئے اور پھر ریل، ہمیں لے کر جیل پڑی۔ اوم پرکاش میرا بڑا احترام کر رہے تھے ویسے حالت ان کی بھی زیادہ بہتر نہیں تھی۔

”مسعود جی۔ بھگوان نے یہ سونا چاندی بھی کیا چیز بنائی ہے اس کے سائے میں نیارے ہیں مگر ساتھ ہی اس نے منش کو صبر بھی دیا ہے۔ ایک وہ ہے جو ہنسی ہنسی میں دھن

دولت کے انبار لگا کر پینک دیتا ہے اور ایک وہ جوان پھینکی ہوئی چیزوں کو اٹھا کر باگل ہو جاتا ہے۔“

”ہاں اوم جی۔ ملتا کسی کو کچھ نہیں ہے۔“ وہ کون سی شکتی ہے مسعود جی جو انسان کو دھن دولت سے نفرت کرا دیتی ہے؟

”ایمان۔“ انڈیرا ایمان، جو کچھ اس کائنات میں ہے اس کا ہے اسے اپنا سمجھنا حماقت ہے جو سامنے آجائے اسے اس کا سمجھ کر دیکھو۔ اپنا سمجھ کر نہیں۔ تمہارا کچھ بھی نہیں ہے جب تمہاری سائیں تمہاری اپنی نہیں تو اور کیا چیز ہوگی۔ لالچ اور ہوس سے دوسروں سے جھین کر جو چاہو اکٹھا کر لو اسے کہیں لے جاؤ تو مانیں۔ سب کچھ رہ جائے گا اور تم ہاتھ پالے چلے جاؤ گے۔“

”ایمان۔“ اوم پرکاش سوچ میں ڈوب گئے پھر میرے ہاتھ پکڑ کر بولے۔ ”ایسے کچھ بول اور بول دو ہمارا آج۔“ میرا بھلا ہو جائے گا۔“

”کیوں اوم پرکاش جی۔ میں نے مسکرا کر پوچھا۔“

”نیک دلی سے تیرا تھرا تھرا کو لکھنا تھا کہ یہ کیل سامنے آگیا غلط میری بھی نہ تھی مجھے معلوم نہ تھا اور اب من اور ہر ہی ان کا ہوا ہے۔“ مادھو لال تو کروڑ پتی بن گیا۔ اور..... چھپے

میں جائے سب کچھ۔ اسے کیا کروں گا میں سونے چاندی کا سب دوسرے کے کام ہی آئے گا۔ اوم جی خود کو سمجھا رہے تھے۔ سفر جاری رہا ان پر کیا بیت رہی ہے میں نہیں جانتا تھا۔ میرے اپنے ہی تفکرات کیا کم تھے اب تو دردِ حد سے گزر چکا تھا۔

”تھاد داکا حاجت ہی ختم ہوتی جا رہی تھی دل چاہ رہا تھا کہ خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دوں۔ خود کچھ نہ کروں کوئی کچھ نہ کرتا ہے تو کرنے دوں۔“ انہیں بند کر کے سو جانے کو جی چاہا تھا۔

بنارس آگیا۔ مندروں کی دنیا۔ ہندو مسلمانوں کی ملی جلی آبادی۔ یا تریوں کے ہجوم۔ عقیدت مندوں کے ڈیروں کے درمیان اوم پرکاش جی نے کئی ڈیرہ جمالیا۔ دولت مند تھے جیسا چاہتے بندوبست کر سکتے تھے مگر بڑی عقیدت سے آئے تھے اس لیے سارے عمل وہی کرنا چاہتے تھے جو ان کے دھرم کے مطابق ہوں۔ مجھے ساتھ تو لے آئے تھے مگر اب شاید سوچ رہے تھے کہ میرا کیا کریں وہ خود اپنے غصوں

انداز میں پوچھا پاٹ کر ناچلتے تھے ایسے میں میرا ساتھ چھوڑنا
 ضروری تھا بولے۔
 ”مسود میاں۔ تمہارا جہاں جی چاہے سیر کریں ہم پوچھا
 کریں گے اور یہ تمہارا ہے جیسے من چاہے رہو۔ شام
 یہاں بتا لیا کرو۔“
 ”آپ بالکل بے محروم ہیں اوم پرکاش جی۔ میں اپنی جگہ
 تلاش کروں گا۔ میں نے انہیں اطمینان دلا دیا۔ پھر میں
 ڈیرے سے چل پڑا۔ کاخی واقعی ہندو دھرم کی بڑی
 مقدس جگہ ہے۔ ہندوستان کے ہر گوشے سے لوگ لائے
 ہوئے تھے بلکہ شاید دنیاں ساری لڑکا اور بھوٹان کے یاتری
 بھی تھے۔ طرح طرح کے پیرے طرح طرح کے نقش و نگار۔
 عورتیں مرد بچے پورٹھے، نوجوان لڑکیاں طرح طرح کے
 سوانگ اور روپ۔
 رات کے کوئی دس بجے تھے ایک پرانے مندر کے قریب
 بیٹھا میں اپنے جلنے والے یاتریوں کو دیکھ رہا تھا۔ چار آدمی ایک
 لمبے ترنگے شخص کے پیچھے بڑی عقیدت سے چلتے ہوئے میرے
 قریب سے گزرے۔ لمبے ترنگے شخص کے سر کے بال کترنگ لٹکے
 ہوئے تھے۔ اس نے سر سے پاؤں تک دھوئی جیسا لباس
 پہنا ہوا تھا، بازو کھلے ہوئے تھے سینے تک داڑھی تھی
 آنکھوں پر چشمہ لگا ہوا تھا۔ مجھے چند قدم آگے بڑھ
 کر وہ رک گیا۔ ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس کی نظریں مجھ پر
 جم گئیں۔ وہ چاروں آدمی بھی میری طرف متوجہ ہو گئے تھے
 وہ شخص پلٹ کر میرے قریب آگھڑا ہوا اور میں بھی کسی
 قدر گھبرائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا اس نے میرے
 سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔
 ”آپ یہاں ہمارا آج۔ آپ یہاں کب آئے؟“
 ”آج۔“ میں نے بدستور گھبرائے ہوئے انداز میں
 کہا۔ میں اسے بالکل نہیں پہچان سکا تھا۔ اس نے اپنے
 ساتھیوں کو دیکھ کر کہا۔
 ”مجھے میرے پرانے دوست ملے ہیں۔ کچھ دیر ان سے
 بات کروں گا۔ آپ لوگ اپنے استھان پر جائیں اور آرام
 کریں پھر ملیں گے۔“ وہ چاروں ہاتھ جوڑ کر جھکے اور واپس
 چلے گئے۔ جب وہ دور نکل گئے تو اس نے مجھے گھورتے
 ہوئے کہا۔ ”کالی شکتی والے یہ بھگوان دوا رہے یہاں

تیرا کیا کام؟“
 ”تم کون ہو۔ میں نے تمہیں نہیں پہچانا؟“
 ”ساگر سروپ ہے ہمارا نام۔ تو انہیں گھبراہٹ سے گاہم
 نے مجھے اوشیہ پہچان لیا ہے۔“
 ”کیا جانتے ہو میرے بارے میں۔“
 ”تیرے شریر کے کالی بساندہ اٹھ رہی ہے۔ تیسری
 پہچان کے لیے یہ کافی ہے۔“
 ”اوہ میں سمجھا کچھ اور تم جانتے ہو میرے بارے میں۔“
 میں نے گہری سانس لے کر طنزیہ لہجے میں کہا۔
 ”کیا کر رہا ہے یہاں؟“
 ”یاترا۔ میں نے کہا اور نہیں پڑا۔“
 ”بھسم ہو جائے گا۔“
 ”کیوں۔“
 ”کالی گندگی لے کر تو بھگوان کے چہرہ میں بجائے گا۔“
 ”تم بڑے گیانی معلوم ہوتے ہو۔ فوراً کالی شکتی کو پہچان
 لیا اس سے آگے بھی کچھ جانتے ہو یا اتنا ہی؟“ وہ مجھے غور
 سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔
 ”اپنے دونوں ہاتھ سامنے کرو۔“ اس نے کہا اور میرے
 پاس بیٹھ گیا، میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ تھوڑی
 بہت روشنی ہر جگہ سے چھن رہی تھی وہ میرے پھیلے ہوئے
 ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ دیر تک وہ میرے ہاتھوں پر نظریں
 جمائے رہا پھر اس کے من سے ایک چونکی ہوئی آواز
 سنائی دی۔ ”وارے اوہ۔۔۔۔۔ اوہ۔“ اس نے غور سے
 میرا چہرہ دیکھا اور پھر ہاتھ آگے بڑھا کر میرے دونوں
 ہاتھ پکڑ لیے۔ پھر آہستہ سے بولا۔
 ”جیوتش دیا پر دشا اس رکھتے ہو۔“
 ”خود بولتے رہو ساگر سروپ جی۔ ہم سے کچھ نہ پوچھو۔“
 ”ہم نے تھوڑا سا جیوتش کا علم سیکھا ہے تمہاری
 ریکھاؤں میں جو نظر آ رہا ہے وہ عجیب ہے کچھ کہہ سکو گے؟
 کچھ پوچھیں تاؤ گے؟“
 ”اگر بتانے کی بات ہوتی تو۔“
 ”ہندو دھرم سے نہیں ہوئے وہ میرے ہاتھ پر نظریں
 جما کر بولا۔
 ”آگے چلو۔“

بستر ہے بھائی۔

ارے ارے تمہاری کو پڑیاتے پکی مچی کھر یو جان گئی ہے۔ وہ مجددور لاکے ہے نہیں نکا، عورت نے مرد کو گویا تے ہوئے کہا۔

ایں؟ "مرد مجھے دیکھنے لگا مگر میرے ذہن میں چٹکا ہوا تھا مزدوری محنت کی کمائی۔ یہ محنت کی کمائی ہی ہوگی چنانچہ میں نے آگے بڑھ کے کہا۔

"کتنے پیسے دو گئے؟"

ارے چار روپے دیں گے پورے۔
"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی اور سچ دینی کہیں بستر اٹھا کر سر برد کو دیے۔ عورت نے دونوں تھیلے میرے بازوؤں میں لٹکا دیے تھے میں چل پڑا اور پھر انہیں تھیں نو اس مندر بنیادیا۔ بہت سے یاتری یہاں موجود تھے۔ مرد نے سلمان ایک جگہ رکھوا دیا اور پھر انٹی سے مڑے ٹڑے نوٹ نکالے اور گنگھیا کر بولا۔ ارے تین روپے لے لے بھائی تیرا بھلا ہوگلا۔

"بھگوان تمہیں سیدھا کرے۔ نکالو پانچ روپے اور لے دو۔ عورت جھلا کر بولی۔

اری اوسا ہو کارنی پانچ روپے کا ہے کے ری۔

"یہ تھیلے جو اٹھائے ہیں اس نے۔"

تے یہ سامان نہیں کیا۔ ارے لے بھائی ایک روپیہ اور لے تو جا اس سا ہو کارنی کو تو ہم دیکھ لیں گے، "مرد نے ایک روپیہ اور دے کر جان چڑائی۔ میں چار روپے لے کر پلٹا تو اپنے تین سامنے ادم پرکاش جی کو کھڑے پایا۔ وہ نذر نذر سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"مزدوری! میں نے ہنس کر کہا۔

"کیوں؟"

"میری بھی مزدوری میں ادم پرکاش جی! آئیے یہاں کہاں؟"

"مجھے دکھ ہوا ہے مسود میاں میرے دل میں تمہارا کیا مقام ہے بتا نہیں سکتا اور تم۔"

"دوسرے لوگ کہاں ہیں؟"

"وہ موجود ہیں۔ رات کو بھی ڈیرے پر واپس نہیں آئے۔"

"میں آپ کی کاشی دیکھ رہا ہوں۔"

"ایسے؟" وہ شکایتی انداز میں بولے۔

"ہاں اپنا اپنا انداز ہے" میں نے کہا۔ دوپہر ڈھلے تک ادم پرکاش کے ساتھ رہا پھر موقع پا کر دوبارہ نکل بھاگا وہ لوگ پوجا پاٹ میں مصروف تھے مجھے موقع مل گیا تلاش کر کے میں نے ایک دوکان سے لڈو خریدے دو روپے کے مل گئے تھے ایک فقیر نے ہاتھ پھیلا دیا تھا تو بچے ہوئے دو روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے پھر اس جگہ پہنچ گیا جہاں ساگر سر روپ ملا تھا۔ بے شمار لوگ ادھر سے ادھر گھوم رہے تھے ایک شخص ٹاٹ کی بوری سر برد رکھے گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا تجس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میں مجھے "ششی" کی آواز سنائی دی اور میں چونک کر پلٹا۔ ساگر سر روپ تے بوری اتار کر بنسل میں دبائی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہاں۔۔۔ یہ ہیں۔"

"ٹھیک ہے گرد بھگتی کر ایک لڈو ہمارے منہ میں رکھ" انہوں نے کہا اور میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا انہوں نے ایک لڈو اٹھا کر میرے منہ میں رکھا اور بولے شاب ہمارے چمن جھو کر مانتے سے لگا۔ ہاتھ جوڑ کر ہمارے سامنے دوڑا نو بیٹھ جا۔

"کیا؟" میں حیرت سے بولا۔

"ہاں یہ گرد کا احترام ہے۔"

"نہیں ساگر سر روپ جی۔ یہ میرے لیے ممکن نہ ہوگا۔ کچھ ہوا نہ ہو مگر یہ نہیں ہوگا، میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور ساگر سر روپ مجھے غور سے دیکھنے لگے پھر مٹکا کر بولے۔

"مسلمان ہے۔ مسلمان ہے۔ تجھ سے تیرا دھرم کون چھین سکتا ہے بھلا۔ سب سرے بے وقوف ہیں۔ پاگل ہیں۔ آ یہاں بیٹھ جائیے تاؤں سورج کا سفر کیا ہے۔ آ بیٹھ جا تو قولاد ہے تجھے کوئی آسانی سے نہیں توڑ سکتا۔ میں بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ چلنا ہوگا تجھے۔"

"کہاں؟"

"زیادہ دور نہیں۔ بس کسی بھی ایسی جگہ جہاں رکاوٹیں

نہ ہوں جو بتاؤں وہ کرنا ہوگا۔

”میرے حکم نہ ماننے سے آپ ناراض تو نہیں ہوئے ساگر جی۔“
 ”نہیں تیرا دھرم پتہ چل گیا۔ مسلمان کی کوہ نہ ظہر نہیں
 دیتے جو ان کے رب کے لیے مخصوص ہے۔ اس پر تو لاکھوں
 گز دین کٹی ہیں اتنا مجھے معلوم ہے۔ خیر ان ہاتھوں کو چھوڑ دو۔ کیا
 کہتا ہے چلیں۔“

”جیسا آپ پسند کریں۔“

”تو نے لڈو کھلایا ہے بھائی اتنا تو کرنا ہی پڑے گا۔
 ساگر مرد پھٹے ہوئے ٹھٹھکے اور پھر وہاں سے چل پڑے
 ساگر مرد پ نے کہا تھا کہ کچھ دور جانا ہو گا مگر ایسا نہیں ہوا تھا
 ہم آبادیوں کو پیچھے چھوڑ آئے جنگل شروع ہو گئے جھپٹا ہوا
 چڑیوں کا شور، بندروں کی خوں خوں ابھرتی رہی پھر رات
 ہو گئی نہ وہ رکے نہ میں نہ وہ تھکے نہ میں اور جب چاند نکلا تو
 ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ایک بد شکل ویرانہ پھیلا ہوا تھا
 چاروں طرف ابھری ہوئی ناہموار زمین سو کھے درخت مکمل
 خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔“

”یہ جگہ ہے؟“ ساگر مرد پ نے کہا اور رک گیا۔ چاروں طرف
 دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”سورج وہاں سے بلند ہو گا۔ اس نے انگلی
 سے ایک طرف اشارہ کیا۔“

”مجھے کیا کرنا ہو گا؟“

”راستہ چاہتا ہے؟“

”ہاں راستہ چاہتا ہوں۔“

”سورج مجھے راستہ بتائے گا۔ اجالا ہونے سے پہلے
 تیار ہو جانا اپنے بدن کو ہوا کا بدن بنالینا کسی سے مدد نہ مانگنا
 پھر جب سورج سڑاٹھا۔ گے گا تو اس کی کرنیں زمین کی طرف
 پکٹیں گی جو کرن پہلے زمین کو چھوتی ہے وہ سرتاج ہوتی ہے
 اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ اس میں ہزار رنگ ٹپ رہے ہوتے
 ہیں وہ زمین پر دوڑتی ہے دو رنگ سورج کا یہ پیغام ہے
 جلنے کے لیے اس دن کی بادشاہی اسے ملتی ہے۔ تجھے سرتاج
 کرن کے ساتھ ساتھ دوڑنا ہے۔ اس کی رفتار کے ساتھ
 کرن کو گئی تو تیرا مستقبل بھی کو جائے گا اور تو نے اس کا ساتھ
 دے لیا تو منزل پہنچ جائے گا وہاں تجھے تیرا مستقبل مل
 جائے گا بس یہی بتانا تھا مجھے۔“

”یہ سب کیا ہے؟“

”بھگوان ہی جانتے ہیں ساگر مرد پ نے ٹھنڈی سانس لے
 کر کہا۔“

”مجھے تو یہ کہانی لگتی ہے۔“

”یہ بھی کہانی ہے۔“

”پہلے میں نے یہ کہیں کہانی نہیں سنی۔“

”بہت سوں نے نہ سنی ہوگی تو ہی کیا۔ لیکن یہ کرن سب کے
 لیے ہوتی ہے۔ سورج کی اس کرن کو پکڑ لیا جائے تو سارے
 کام بن جاتے ہیں تو نہیں جانتا بہت سے نہیں جانتے مگر
 پکھ پکیر د جانتے ہیں۔ وہ پرواز کرتے ہیں اس کرن کے ساتھ
 وہ دوڑتے ہیں تو کیا سمجھتا ہے پکھ پکیر و بھگوان کے
 داس نہیں ہوتے سب اسے جانتے ہیں، سب اسے پہچانتے
 ہیں۔ اس کی پوجا کرتے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اسے
 ساجی مانتے ہیں۔ صبح کو سورج نکلنے سے پہلے اسے یاد کرتے
 ہیں جو رہ جاتے ہیں وہ دوسری صبح پھر جاگ جاتے ہیں اور
 کرن کے پیچھے دوڑتے ہیں۔“

”کرن کہیں جا کر رکے گی؟“

”ہاں، کرنوں کا طاپ ہو جائے گا۔ دھوپ پھیل جائیگی۔“

”وہاں میں کیا کروں گا؟“

”یہ میں نہیں جانتا۔ اب میں چلتا ہوں۔“ ساگر مرد پ نے
 کہا اور میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ ساگر مرد پ
 مجھ سے کچھ کہے بغیر واپسی کے بے مرگ گیا تھا۔ میں اب اس سے
 کیا کہتا۔ خاموشی سے اسے جلتے دیکھتا رہا اس وقت تک جب
 تک وہ چاندنی میں مدغم نہ ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے چاروں
 طرف نگاہ دوڑائی۔ یقیناً آبادی سے بہت دور نکل گئے
 تھے چاندنی کے سوا کہیں روشنی کی کوئی رقمق نہیں تھی۔ میں نے
 ایک جگہ منتخب کی اور بیٹھ گیا ایک بار پھر خود کو امتحان میں
 ڈالا تھا۔ مگر یہ انوکھا امتحان تھا۔ انوکھی کہانی تھی مجھ میں
 نہیں آتا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ ساگر مرد پ بھی سمجھ
 میں نہیں آتا تھا۔ ایک دوبارہ خیال بھی آیا تھا کہ کہیں یہ
 بھی بھوری چمن کی کوئی چال نہ ہو۔ کیا یہ ہو سکتا ہے۔ نہ جانے
 دل کیوں تھی میں جواب دے رہا تھا۔ جو کچھ بھی ہے یہ کھیل
 ضرور کھیلوں گا۔ ایک دن سب جگہ منتخب کر کے بیٹھ گیا۔ دل
 میں بہت سے دوسرے تھے۔ اگر سو گیا تو سوتا نہ رہ جاؤں۔
 جاگتا رہا تو صبح تک نیند سے نہ حال ہو جاؤں گا۔ پھر کیا

پچھن کی ایک بات یاد آگئی۔ ماں نے بتائی تھی۔ امتحان دے
ساتھ۔ رات کو دیر تک پڑھتا تھا۔ ماں نے کہا۔
”اتنی دیر پڑھنا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔“
”اور امتحان۔“

”سال بھر بڑھو تو آخری دنوں میں یہ مشکل نہ اٹھانی
پڑے۔“

”اب تو پڑھنا ہی ہوگا۔“

”صبح کا سہانا وقت اس کے لیے بہت بہتر ہوتا ہے۔“
”صبح آنکھ نہیں کھلتی۔“

”ایک کام کیا کرو۔ رات کو جب سویا کرو تو اپنے ہمزاد کو
ہدایت کر دیا کرو کہ وہ نہیں اس وقت جگا دے۔ دیکھ لینا
اس وقت جاگ جاؤ گے۔“

”ہمزاد کیا ہوتا ہے۔“

”بس ہوتا ہے۔“ ماں شاید خود بھی اس کی تشریح نہیں کر سکتی
تھی میں مسکاکر خاموش ہو گیا۔ مگر پھر تجربہ کر ہی ڈالا۔ میں نے
ہمزاد کو حکم دیا کہ مجھے صبح پانچ بجے جگا دے۔ اور پہلے ہی دن
اس وقت آنکھ کھل گئی جب گھنٹہ پانچ بجے کا اعلان کر رہا تھا
اس کے بعد بارہا یہ تجربہ کیا اور کامیاب رہا۔ بہت عرصے کے
بعد ہمزاد کا خیال آیا تھا۔ میں نے اسے ہدایت کی کہ مجھے سارے
چاند بچے جگا دے اور پھر کھدوری زمین پر لیٹ کر خینک کی خوشامی
کرنے لگا۔ خینک چپکے سے آنکھوں میں آبی تھی مگر اس خینک نے
تھکن اتار دی تھی۔ اٹھ گیا۔ آنکھیں مل کر صاف کیں چاروں
طرف ہو کا عالم تھا۔ دل میں آج کے آنے والے وقت کا
خیال آیا اور دل ہولنے لگا میں یہ عمل کر سکوں گا یا نہیں۔ خود
کو پر عزم کرنے لگا اچھا آہستہ آہستہ اترنے لگا۔ ماحول روشن
ہو گیا۔ اور میں اس کھلاڑی کی طرح تیار ہو گیا جو اشارہ رنگ
پوائنٹ پر جا کھڑا ہوتا ہے۔ ساگر سرورپ نے سورج کی
سمت بتادی تھی۔ میں نے اچھل اچھل کر پاؤں کھولے اور
ادھر نظریں جمادیں۔ سورج کا یہ کیل زندگی میں دیکھنا تو
کجا سوچا بھی نہیں تھا۔ مگر کیا اہمیت تھی اس کیل کی۔

سورج بلند ہوا۔ کرنوں کا سیلاب امنڈ آیا اور میری
نظریں زمین کا طواف کرنے لگیں۔ سرتاج کون زمین کو چھوٹی
ہوئی آگے بڑھی میں نے چھلانگ لگا دی۔ اس کے رخ کا
اندازہ ہو گیا تھا۔ دانستہ پہنچ گئے مدھتیاں بند ہو گئیں اور

میں دوڑنے لگا۔ تیز ہولنے کا ان بند کر دیے۔ بدن کا رونا
رواں دوڑ رہا تھا اس وقت اسے انسانی قوت نہیں کہا جا
سکتا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں کم ہو گئی تھیں میں بھاری
زندہ تھی اور میں کون پر جیسے سواری کے ہوئے تھا شاید
اس رفتار سے کسی انسان کو دوڑتے ہوئے کبھی نہ دیکھا
ہوگا کیونکہ دیکھنے والا اس جگہ کون ہے۔ کچھ لمحات کے بعد
ہی اپنی خام خیالی کا احساس ہوا۔ میں تنہا نہیں تھا۔ یقیناً میں
تنہا نہیں تھا۔ بہت سے پرندے میرے سر پر مگر کر رہے
تھے۔ یہ کائنات کی سب سے حیرت انگیز دوڑ تھی جو ہر صبح
ہوتی ہے مگر انسانی آنکھ نہ اسے دیکھتی ہے نہ سمجھتی ہے
پھیر پھیرے پیٹ گئے تھے۔ بدن بڑ گیا تھا مگر بہت ساتھ
دے رہی تھی اندازے خستہ ہو گئے تھے یہ تصور بھی نہیں
کر سکتا تھا کہ کتنا فاصلہ طے ہوا تھا۔ بس سرتاج کون تھی اور
میں۔ ساری کائنات دوڑ رہی تھی۔

پھر اچانک سرتاج کون کم ہو گئی دوسری کونوں نے اسے
ایا تھا اور اسے گود میں اٹھا کر کم ہو گئی تھیں۔ دھوپ
پھیل گئی۔ سامنے ہی ایک تیز رفتار ندی کا شور سنائی
دے رہا تھا اس کے قریب درخت اور گھاس نظر آرہی
تھی۔ سرتاج کون کے کم ہوتے ہی میرے پیروں کی رفتار
ست ہو گئی اعصاب نے بریکن لگائیں۔ بدن کو کئی
جھٹکے لگے اور میں چپکرا کر گر پڑا۔ نیچے گھاس تھی۔ بدن کی
بار تر پاؤں پھر ساکت ہو گیا۔ یوں لگا جیسے بدن سے
روح نکل گئی ہو اور میں بے جان ہو گیا۔ سکون، ایک لمبائی
سکون، خاموشی سناتا اور یہ سناتا بڑا فرحت بخش تھا۔
آہ۔ موت جیسی حسین فتنہ اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہوتی
مجھے جگا دیا گیا۔ بتایا گیا کہ میں زندہ ہوں۔ زیر امتحان ہوں
اور امتحان اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوتے۔ ایک ننھا سا
خوش رنگ پرندہ میرے سر پر بیٹھا آہستہ آہستہ میری
پیشانی پر چونچ مار رہا تھا۔ میرے بدن کو جنبش ہوئی تو وہ
پھر سے اڑ گیا۔ زندگی کے احساس نے پوری طرح بیدار
کر دیا۔ ایک کماہ کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گیا ندی کا شور مسلسل
اٹھ رہا تھا۔ سیوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ سخت بھوک لگ
رہی تھی درخت نظر آئے جن پر سبب جمول رہے تھے انسانی
سے اٹھ گیا۔ سبب تو وہ کہہ نہیں چلائے لگا۔ خوب پیٹ بھر

گیا۔ پھر ندی سے پانی پیا۔ شام جب تک رہی تھی کچھ دیر کے
بدلتار کی نیچے اتر آئی۔ دل میں کوئی خیال نہیں تھا لیکن کچھ دیر
کے بعد کھنکارنے کی آواز اُسہری اور میں سہم گیا۔
”آؤ۔ کسی نے کہا اور میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ رکتے
کیوں ہو آگے بڑھو۔ آواز نے کہا۔

”کون ہے۔ کہاں ہو؟“ میں ڈری ڈری آواز میں بولا۔
”جستجو، صرف جستجو۔ قدم آگے بڑھاؤ۔“ لہجہ کڑخت تھا۔
میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ہر قدم بڑھاؤں۔ بہر حال چند قدم
آگے بڑھا اور رک گیا۔ ”بڑھتے رہو رکتے کیوں ہو؟“ کہا
گیا۔ تب مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میرے آگے آگے چل رہا ہے
میں نے قدموں کی چاپ سے قدم ملا دیے اور مجھے ایک ایسے
خطے میں لایا گیا جہاں درخت ایک دائرے کی شکل میں
تھے یہاں انتہائی دلفریب خوشبو بکھری ہوئی تھی۔ کچھ نظر نہیں
آ رہا تھا لیکن احساس ہوتا تھا کہ بہت سے لوگ موجود ہیں۔
میں رک گیا۔

”یہ ہے؟“ کسی نے کہا۔

”کیا نام ہے؟“

”مسعود احمد۔“

”کیا جرم ہے؟“

”گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں

اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا۔“

ایک آواز ابھری۔

”اعتراض ہے۔“

”کیا۔“

”وہ ملعون جانتا تھا۔ سمجھتا تھا۔ تو بہ کے دردانے کبھی

بند نہیں ہوتے۔“

”یہ فیصلہ روزِ حشر کا ہے۔“

”اس فیصلے کا یہاں ذکر کہاں۔“

”تو یہ اجتماع یہاں کیوں ہے؟“

”ہمارا فرض ہے۔“

”کیسے۔“

”ایک مسلمان کو مدد درکار ہے اور اداخِ خبیثہ کے خلاف۔“

”مسلمان؟ رگوں میں دوڑتی غلاظت کے باوجود۔“

”یہ غلاظت اسے دھوکے میں ملی ہے۔“

”اس کا عمل کیا رہا ہے۔“

”چند غلطیاں۔“

”توازن کیا ہے۔“

”کفارے کا پلڑا زمین سے لگا ہوا ہے۔“

”میزان درست ہے۔“

”پلوہی جانچ پڑتال کے ساتھ۔“

”اس کے ساتھ تعاونِ مشیتِ ایزدی سے انحراف

کا گناہ تو نہ ہو گا۔“

”قلمی صاحب فیصلہ کریں گے۔“

”محترم تفصیل۔“ نئی آواز نے کہا۔

”ابتداء۔“ نو جوانی کی سرکش عمر رزقِ حرام کی طلب

اور اس کی جستجو میں ایک سفلی کے پاس پہنچا مگر پھر بے یقینی

اور ایک مزارِ پاک کی آلودہ نہ کرنے کا عزم جس کے نتیجے

میں مصیبتوں کے پہاڑ اٹھائے پھر اسے یہ۔“

”مگر اسے موقع ملا۔“

”وہاں اس سے غلطی ہوئی۔ یہ دوسرا گناہ تھا۔“

”اس کے بعد۔“

”خباتت سے مسلسل جنگ۔ اس کی قوتوں کے حصول کے

باوجود ان سے مسلسل انحراف، صغویوں کی مسلسل برداشت۔

غیر دینی امور کو قبول نہ کرنا۔ بھٹکنا مگر سنبھلنا۔ عی نہ ہونا

اپنے آپ کے لیے کچھ حاصل نہ کرنا۔ پلڑا بہت نیچے ہے۔“

”سزا مکمل ہے۔“

”اس کا فیصلہ کیسے ممکن ہے۔“ ہاں سفارش کی جاتی ہے۔

اس کی ایک اہم وجہ ہے۔“

”بتائی جائے۔“

”ہر خوف، ہر مصلحت سے بے نیاز ہو کر اس نے خود کو

مسلمان کہلوا یا ہے کبھی کسی مصلحت یا زندگی کے خوف سے

اسے نام بدلنے پر مجبور نہیں کیا۔ کوئی احساس اس سے اس کا

دین نہیں چھین سکا۔“

”آہ۔۔۔ یہ قابلِ غور ہے۔“

”فرض بھی ہے۔ باطل قوتیں اسے مسلسل زیر کر رہی

میں لیکن یہ ثابت قدم رہا اور اس کی مدد ہم میں سے ہر صاحب

دین پر فرض ہو گئی۔ ہمیں اس کے بے دعا کرنی ہوگی کہ باطل

قوتیں اس سے دور ہو جائیں اپنی بساط کے مطابق اس کی

رہنمائی ہم پر واجب ہے۔

دعا کرو! ہاتھ اٹھاؤ۔ اور پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔
میرا بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ دماغ ساکت تھا صرف
سن رہا تھا میں بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا۔ پھر
آمین کی گونج سنائی دی پھر ایک آواز نے کہا۔

”اے شخص، عمل افضل ہے اور سب کو ہدایت کی گئی
ہے عمل پتھر ہوتے ہیں کہ ہل نہیں سکتے اور ہوا اور پانی
کے محتاج ہوتے ہیں۔ ہر ذی روح کو غسل دیا گیا ہے۔
تو ہماری عدالت میں آیا اور فیصلہ حقائق کی بنیاد پر تیرے
حق میں ہوا لیکن عمل صرف مجھے کرنا ہوگا اس کے عوض
ولایت نہ مانگنا، درویش نہ سمجھ بیٹھنا خود کو کریم عمل صرف
تیری ذات کی فلاح کے لیے ہے اور اس کا نتیجہ تیرے لیے
بہتر ہوگا۔ سات جادوگر نیاں بجھ پر مسلط کر دی گئی ہیں اور
سترہ جادو تیرے وجود میں اتار دیے گئے ہیں۔ ان سے
چھٹکارا تیری ذمہ داری ہوگی مجھے ان سات جادوگریوں
کو ہلاک کرنا ہوگا اور صرف انسان رہ کر جب تک وہ عقل
کریں گی اور توان کا شکار ہوگا انسانوں کی مانند لیکن ہوش
کے لمحات نہ کھو نا وہیں خود کو سنبھالنا اور حالات سے فرار
حاصل نہ کرنا بلکہ ان میں شامل ہو جانا تجھے ان کی صورتیں
نہیں دکھائی جاسکتیں۔ لیکن اب رعایت ہوگی ان کے
ہاتھوں میں سات انگلیاں ہوں ہوں گی بس یہی ان کی پہچان
ہے اور اس عمل کے لیے جو مشکلات مجھے پیش آئیں گے ان
میں تجھے مدد ملے گی۔ اس کا وعدہ ہے اور اس پر غور نہ کرنا
نہی اس کا تعاقب جو تیرا مددگار ہو۔ نہ ہی انحراف کرنا ان
سے جو تیری قربت کے طالب ہوں اور یہ اس سفلے کا عمل
ہی ہوگا جو اب شروع ہوگا لیکن وہ تیرے ظلم سے واقف
نہ ہوگا کہ اس سے زیادہ تحفظ تیرے لیے ممکن نہیں۔ بس
اب جہادات گہری ہو گئی ہے۔“

مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ میں مسلسل لرز رہا تھا دماغ
سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اعصاب چیخ رہے تھے۔ خاموشی
سے وہاں سے پلٹا اور واپس چل پڑا۔ جس سمت سے
یہاں تک آیا تھا وہ یاد تھی۔ سب کچھ ذہن میں گونج رہا تھا
ذہن اسے جذب کر رہا تھا نہ ماننے کی بجائے چلتا رہا۔ بات
آدمی سے زیادہ ہو گئی تو خشک کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اور پھر

بیٹ گیا۔ پھر سو گیا۔ پھر کسی نے جھنجھوڑ کر
جگا دیا۔

”ہم سے ناراض ہو گئے ہو مسود میاں۔“ جھنجھوڑنے والے
نے کہا اور میں آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اسے دیکھنے لگا
اوم پر کاش ستھامیں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سر پر ایک درخت کی
جھاڑوں تھیں۔ دن بکھرا ہوا تھا۔ آوازیں ابھر رہی تھیں
یا تری آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ وہی جگہ تھی۔ کہاں
غائب ہو گئے تھے؟ اوم پر کاش نے پھر بول چھا۔

”بس یہیں تھا۔“
”ڈیرے کا رخ بھی نہ کیا۔“
”بھول گیا تھا۔“
”ڈیرہ ہی بھول گئے تھے۔“
”ہاں۔“

”اور یہیں۔“
”نہیں اوم پر کاش جی۔ آپ کو کیسے بھول سکتا ہوں۔“
”اؤ چلو سب یاد کر رہے ہیں۔ میں اوم پر کاش کے ساتھ
چل پڑا کچھ دیر کے بعد ڈیرے پر پہنچ گیا۔“

”ارے یہ کیا حالت بنالی ہے تم نے۔ کپڑے چیکٹ
ہو گئے ہیں بالوں میں دھول اٹکی ہوئی ہے۔ ست پر کاش
انہیں اشناں کر آؤ۔“ اوم پر کاش کی دھرم پتی نے کہا۔
”رہنے دیں چاچی ٹھیک ہوں۔“

”ارے واہ کیسے ٹھیک ہے۔ میں نے کپڑے منگوائے
میں تمہارے لیے جاؤ ست پر کاش کے ساتھ چلے جاؤ۔“
ست پر کاش نے میرے لیے لائے ہوئے کپڑے سنبھالے
پہلے ایک حجام کے پاس لے گیا۔ ڈاڑھی بنوائی بال بنوائے
یہاں سب کچھ تھا۔ ایک تالاب میں نہایا، پھر کپڑے
پہنے اور بال وغیرہ سنوار کر تیار ہو گیا۔ ست پر کاش مجھے
دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

”بڑے سندر لگ رہے ہو مہاراج مگر کیا کریں۔
عمر میں تو ہمارے جیسے ہو پر دوست پتا جی کے ہو اس
لیے بے تکلفی سے بات بھی نہیں کر سکتے۔“ میں صرف مسکرا دیا
ہم واپس آ گئے۔ اوم پر کاش جی نے بھی مجھے پسندیدگی
کی نظروں سے دیکھا تھا۔ باقی دن ان کے ساتھ گزرا شام
کو سب مندر چلے گئے اوم پر کاش نہیں گئے تھے۔ کہتے تھے۔

تمہاری دھڑے رک گیا ہوں مسعود جی۔ سوچا ہے کہ تم سے کچھ باتیں کروں۔
”کہئے اوم پرکاش جی۔“

”سوچتا ہوں تمہیں اپنے ساتھ آنے پر مجبور کر کے میں نے غلطی تو نہیں کی ہے۔ تم مسلمان ہو اور یہاں ہر جگہ مندر پھیلے ہوئے ہیں اور پھر تم مسلمان بھی عام نہیں ہو۔ گیان دھیان رح والے ہوا اپنے دھرم کے عالم ہو گئے مجھ سے زیادہ اور کون جانتا ہے اس بارے میں پرمن کی ہدایات بتاؤں۔ یہ سب کچھ میں نے جان کر نہیں کیا۔“

میں مسکراتی نظروں سے اوم پرکاش کو دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا: ”آگے کہیں اوم پرکاش جی۔“

”جیسا تم نے بتایا کہ وہاں میں نے تم سے ملنا چاہا تھا مگر تم کہیں اور چلے گئے تھے بعد میں نظر آئے تو بے اختیار میرا من چاہا کہ تمہیں ساتھ لے چلوں اور میں نے فوراً ہی بول دیا۔ میرا کوئی مطلب نہیں تھا۔“

”میں جانتا ہوں اوم پرکاش جی۔ آپ بھی یہ جان لیں کہ جو ہوتا ہے اس کی ڈور کہیں اور سے ہلتی ہے ہم سب تو کٹھ پتلیاں ہیں جو اس ڈور سے بندھے نہچتے ہیں۔ جہاں سے جو ملنا ہوتا ہے ملتا ہے ماحولال کو دولت کی ہوس کی سزا ملنا سکتی ملی۔ آپ کو یہاں یا تراک کے سکون ملا اور مجھے بھی کچھ ملا ہی ہو گا۔“

”تم تو ہمان ہو۔ سنسار بایسوں کو دھنواں بنا دینے والے خود بوجھ اٹھا کر چار روپے کمائے، یہ معمولی بات نہیں ہے۔“

”وہ چار روپے کتنے قیمتی ہیں۔ مجھ سے پوچھئے اوم پرکاش جی اور پھر کس شکل میں کیا ل جاتا ہے۔ ہم چھوٹے رماخ والے کیا باتیں۔“

”میں پوچھنا چاہتا تھا کہ ان مندروں سے ایچھے تو نہیں ہیں۔“

”نہیں اوم جی۔ یہ کمزور لوگ اپنے عقیدوں سے اپنی تسکین کرتے ہیں کسی کو بھلا کیا اعتراض۔ ویسے آپ کا خوب ساتھ رہا۔ بڑی محبت ملی آپ سے، بہت خیال رکھا آپ نے میرا کیا اب اجازت دیں گے؟“

”جانا چاہتے ہو۔“

”جانا تو ہو گا۔ آج نہیں کل نہیں پر سوں۔“
”تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے۔ دل کبھی تم سے ملنے کو چاہے تو کہیں تلاش کر سکتا ہوں۔“

”ہی سب سے مشکل جواب ہے۔“
”میں جانتا ہوں۔ اگلی پرکاش نے اداسی سے کہا۔ پھر بولے: ”کب جاؤ گے؟“

”کسی بھی دن کسی بھی وقت۔“

”جسک کہتا ہوں مسعود، مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ تم ہمان ہو مگر مجھے تمہاری ذات سے پیار ہے بھگوان نہیں خوش رکھے۔ اوم پرکاش خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ میں نے آرام کے لیے ایک جگہ تلاش کر لی۔ اور سونے لیٹ گیا مگر سونے کہاں سوچنے۔ بہت بڑا سہارا ملا تھا۔ بہت سے خیالات دل میں آ رہے تھے۔ خنت کی کمائی کے چار لاکھ دس ہزار کا یا پٹ کر کر دی تھی۔ راستہ ایک جوبگی نے دکھایا تھا کوئی بھی ہو جو نیکیوں کا سفر کرتا ہے اسے روشنی ضرور ملتی ہے، میرا علم تو صفر تھا۔ میں کیا جانوں کہاں کیا چھپا ہے۔ ہر حال اب جو ہدایات ملی ہیں انہیں بھننا ہے ان پر عمل کرنا ہے۔ اب چوک نہیں ہونی چاہیئے ورنہ کچھ باقی نہ رہے گا ان ہدایات کو دل سے لگنا لینا چاہئے۔ عمل افضل ہے۔“

اس پر غور نہ کرنا ہی اس کا تعاقب جو تیرا مددگار ہو جو تیری قربت کے طالب ہوں ان سے انحراف نہ کرنا۔ ایک ایک بات یاد آئے گی۔ سات جادوگریوں کو ہلاک کرنا ہے۔ یہ سات پورنیوں کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ آہ۔ کوئی تدبیر بنے کچھ ہو۔ کیا کرنا چاہیئے محنت کی کمائی چار لاکھ۔ اس سے گریز کرتا ہوں۔ کتنا عہد گزار گیا کسی نہ کسی پر انحصار کرتا رہا ہوں۔ پہلے رزق حلال کے تلاش، افضل ہے۔ خود کو ادھر سے ادھر کی پتنگ کی طرح دائرہ ڈالتے رہنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ یہ عمل بے شک طویل ہو گا لیکن کرنا ہے مجھے عمل کرنا ہے۔ آغاز کہیں سے ہو جائے ملازمت کسی مناسب جگہ، اس کا تذکرہ اوم پرکاش جی سے بھی ہو سکتا ہے مگر بات نہ بن سکے گی وہ مجھے دوسری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کہیں دور پر کوشش نہ کرنا ہو گی۔ ہمیں بنارس میں ہی رہی۔ کیا حرج ہے یہ تو

کشتنا کے چہرے پر تبدیلیاں نظر آئیں، وہ جھل سی محسوس ہوئی پھر اس نے شرمندہ سے لمبے میں کہا: ”میں ابھی آئی۔۔۔ چلے نہ جانا۔۔۔“
”نہیں کشتنا۔۔۔ میں تو رمارانی کے پاس بیٹھا ہوں۔۔۔“

”ماں میں ابھی آئی۔۔۔“ وہ مڑی اور اندر چلی گئی۔ رمارانی نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ایک وسیع کمرے میں داخل ہوئیں۔ یہاں بید کی کڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گئیں۔
”تمہارا ایک ایک کپڑا سنہال کر رکھا ہے اس نے، ہفتے پندرہ دن کے بعد اسے نکالتی ہے۔ ہا، دھوئی ہے، استری کر تی ہے اور اس کے بعد احتیاط سے صندوق میں رکھ دیتی ہے۔ کہتی ہے رتنا آئے گا تو کیا پہنے گا۔ ہم تو برباد ہو گئے رتنا سب کچھ ختم ہو گیا ہمارا سب کچھ۔“

میں نے اب اپنے آپ کو پوری طرح سنہال لیا تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ رمارانی جس طبقے سے بھی تعلق رکھتی ہوں، ان کا مذہب کچھ بھی ہو، لیکن انھوں نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ ان کے الفاظ میں آج تک نہیں بھول سکتا تھا۔ ساری صورت حال تو اس وقت ہی میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ جب میں نے دیوانگی سے فرزا لنگی میں قدم رکھا تھا۔

ریل کے حادثے نے دماغی توازن الٹ دیا تھا اور بھگتا ہوا رمارانی کو مل گیا تھا۔ نہ جانے کس جذبے کے تحت ہونٹوں سے ماں کا لفظ نکل گیا تھا اور رمارانی نے اپنا سینہ میرے لیے کھول دیا تھا، بہت اچھی خاتون تھیں وہ۔ مگر بد قسمتی سے طوائف تھیں سارے واقعات مجھے یاد آ گئے، اب کیا کروں، رمارانی میرے احساسات سے بے خبر اپنی کہانی سن رہی تھیں، کہنے لگیں:

”تمہارے آنے کے بعد تو یوں لگا، جیسے ہمارے گھر پر جھاڑو پھر گئی ہو۔ کشتنا تمہیں یاد کر کے کئی دن تک روتی رہی۔ کھانا پینا چھوڑ دیا اس نے، جس طبیعت کی مالک تھی اس کا تو تمہیں اندازہ ہو ہی چکا

ہو گا۔ کمرہ بند کر کے بیٹھ گئی اور جب کمرے سے باہر نکلی تو اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ کشتنا نے تمہیں کہیں گم کر دیا ہے۔ پھر ایک دن اس دیوانگی کے عالم میں کشتنا کے گھر پہنچ گئی۔ پیتل کا گلدان لے کر ان کا چہرہ ہولناں کر ڈالا، جسم پر بھی بہت وار کیے اور کشتنا ان زخموں کی تاب نہ لا کر مر گئی۔ اسے اسپتال میں داخل کیا گیا تھا مگر تین دن کے بعد اس کی موت واقع ہو گئی، ہم پر مقدمہ چلا۔ اسے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ دماغی مریض ہے، سارا دھن دولت ختم ہو گیا۔ برے حال ہو گئے ہمارے، اور دشمنی الگ پڑ گئی تھی، دماغی مریض کی حیثیت سے عدالت نے اسے بری تو کر دیا، لیکن ہمارے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ بہت بُرا تھا۔

کسی نے ہیں ہمارے گھر میں نہ رہنے دیا۔ ہم وہاں سے چل پڑے جو کچھ پیسے بچے تھے انھیں سنہال کر نبھانے کہاں کہاں پھرتے رہے۔ لیکن دشمنوں نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔۔۔۔۔

انھوں نے کہہ دیا تھا کہ ہمیں کسی کو شے پر آباد نہیں ہونے دیں گے، تب میں نے سوچا کہ جان ہے تو جان ہے، کہیں سر چھپا لوں، جو بھاگ میں لکھا ہے وہ تو ہو ہی جائے گا۔ بنا رس آ گئے اور یہاں یہ ٹوٹا پھوٹا گھر خرید لیا۔ لیکن وہ تمہیں تلاش کرتی رہی۔ مندروں میں دیرالنگی میں، اب یہی کیفیت ہے۔ کہیں کہیں سے پکڑ کر لاتے ہیں اسے، کہیں کہیں سے پکڑ کر لاتے ہیں۔ مگر اس کی لگن یہی تھی اس کے راستے پاک تھے، اس نے تمہیں پایا، جو سنے گا حیران رہ جائے گا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس طرح ہیں مل جاؤ گے۔۔۔۔۔“

رمارانی اپنی کہانی سن رہی تھیں اور میں دنگ بیٹھا ہوا تھا، یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا، میری وجہ سے، مگر میں انھیں کیا جواب دے سکتا۔ ان کی محبت کا۔ کشتنا کو کیا سنہال سکتا ہوں میں۔ میں تو خود ہی غموں کا مارا تھا۔۔۔۔۔

کشتنا تنہا ہی دیر کے بعد دونوں ہاتھوں پر میرے کپڑے اندر داخل ہوئی، بڑے پیار، بڑے اہتمام سے

اس نے ان کپڑوں کو استری کر کے اپنے بازوؤں پر رکھا ہوا تھا، کپڑے گرم گرم تھے، اس نے میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا :

”جاؤ رتن نہالو، کپڑے بدل لو، دیکھو تو ہسی، کیسے میلے بال ہو رہے ہیں، میں استری کر رہی تھی اس لیے دیر لگ گئی، تم نہالو، میں بھی ابھی نہا کر آتی ہوں۔“ وہ واپس چلی گئی۔ اس کے انداز میں وہی معصومیت تھی وہی شوخی، رمارانی کہنے لگیں :

”فیصلہ کچھ بھی کرو رتن ابھی اس کا دل رکھ لینا، کم سے کم اس وقت تک، جب تک اس کا دماغ ٹھیک نہ ہو جائے۔ اگر بُرا نہ تو یہ بات کہوں کہ خود غرضی اچھی چیز نہیں ہوتی، ہم سے محبت نہ کر سکو لیکن کم از کم ہمارا قرض ہی چکا دو۔“ میں نے رمارانی کو دیکھا، خاموشی کے کپڑے اٹھائے اور اس طرف بڑھ گیا جہاں مجھے نہانا تھا۔ راستے میں مالتی ملی، مسکرائی اور بولی :

”آگے رتن جی۔ چلو تمہیں نہانے کی جگہ بتا دوں۔“ سب ہی موجود تھے، غسل کیا، لباس پہنا اور اس دوران نہانے کیا کچھ سوچا رہا، وہ سب کچھ کرنا ہے مجھے جو دل میں ٹھان لی ہے، ٹھیک ہے رمارانی اب کوٹھے پر نہیں ہیں، اور یہ جگہ بہتر ہے، جیسے بھی گزار رہی ہوں، وہ جانیں اور ان کا کام، لیکن مجھے یہاں اب کوئی ایسا ٹھکانا تلاش کرنا چاہیے جس سے رزق حلال ملنے کی امید بندھ جائے۔ رہائش کے لیے اگر رمارانی کا گھر ہو تو بھی کوئی خرچ نہیں ہے۔ جہاں تک معاملہ کشنا کا ہے تو بے شک رمارانی کا قرض ہے مجھ پر، اتار دوں گا اسے، کشنا کو بہتر راستوں پر لاؤں گا اور کسی وقت بتا دوں گا کہ میں مسلمان ہوں، یہ سب کچھ ممکن نہیں ہو سکتا، کشنا کو میں احترام کا درجہ تو دے سکتا ہوں۔ لیکن اس سے آگے تو میری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اور نہ ہی میں ان راستوں پر چلنے کے قابل ہوں، یہ فیصلہ کر لیا تھا دل میں اور یہ سوچا تھا کہ اب ثابت قدمی سے یہاں وقت گزاروں گا اور اپنے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کروں گا۔

بس اب مانتی کی بہت سی باتیں دل میں رکھنے یا

دماغ میں سوچنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا مجھے عمل کی دنیا میں آنا تھا اور یہی میرے حق میں بہتر تھا۔ چنانچہ رمارانی، لکشمی، رادھا، مالتی سب ہی سے مل مل گیا، کشنا کے چہرے پر جیسے ایک دم سے نئی زندگی پھیل گئی تھی۔ لگتا ہی نہ تھا کہ کچھ وقت پہلے وہ بالکل بدلی ہوئی تھی۔ غسل خانے سے نکلی تھی تو جیسے بنا چہرہ چہرے پر سجا کر لے آئی تھی، رمارانی نے اسے دیکھا اور ماں کی آنکھوں میں آسودہ مسکراہٹیں کھینچنے لگیں، مجھے اشارہ کرتے ہوئے کہا :

”دیکھا تم نے۔۔۔ میں نے خاموشی سے آنکھیں بند کرتے ہوئے گردن ہلا دی تھی۔ میرے لیے درحقیقت بڑا مشکل مرحلہ تھا ایک طرف رمارانی کی محبت اور ان کے کیے ہوئے احسانات تھے اور دوسری طرف اپنی انوکھی زندگی، فیصلہ کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا تھا۔ رات کو رمارانی مجھ سے میرے بارے میں پوچھنے لگیں :

”کشنا میری یہاں موجودگی سے مطمئن ہو گئی تھی اور بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ رادھا اور لکشمی کی مسکراہٹیں بھی جوں کی توں تھیں۔ رمارانی نے کہا :

”تمہیں رتن۔۔۔ تمہیں یہ تو معلوم ہو گا کہ تم کون ہو، تمہارا گھر کہاں ہے، کیا واقعہ ہوا تھا تمہارے ساتھ جس کی بنا پر تمہارا ذہنی توازن الٹ گیا تھا۔“

”رینل کا حادثہ ہوا تھا رما جی اور اس حادثے نے مجھے نہانے کس کس سے دور کر دیا۔۔۔“

”اکیلے سفر کر رہے تھے۔۔۔؟“

”نہیں کچھ عزیز بھی ساتھ تھے۔۔۔“

”تو ان کا کیا ہوا۔۔۔؟“

”مر گئے۔۔۔ میں نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

”تو کیا اب تم بالکل اکیلے رہ گئے ہو۔۔۔؟“

”ایک طرح سے یہی سمجھ لیں رما جی۔۔۔ میں

نے کہا۔۔۔

”تو رتن ہمارے ساتھ ہو، کیا خرچ ہے،

دیکھو بیٹا انسان، انسان ہی ہوتا ہے، سنسار میں اس

کی حیثیت کچھ بھی ہو، روتا ہوا ہی آتا ہے اور ہاتھ

پاؤں پھارے پھلا جاتا ہے، کچھ بھی نام دے دے لو اے لیکن
ہوتا وہ انسان ہی ہے۔“
”ہاں راجی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے، مگر میرے
میں مسلمان ہوں۔“

”میں۔“ راجی نے مجھے حیران نگاہوں سے
دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں میں مسلمان ہوں۔“
راجی عجیب انداز سے مجھے دیکھتی رہی، پھر بولیں:
”ٹھیک ہے، میں یہ نہیں کہتی کہ اپنا دھرم بدل لو مگر
مگر انسانیت کا دھرم تو ایک ہی ہوتا ہے، تھوڑا سا سے
گزار لو ہمارے ساتھ، کشتنا کو جیسے چاہو بھلا لینا اور پھر
اور پھر۔“ راجی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، میں نے
بے قرار ہو کر کہا۔

”نہیں راجی، آپ فکر نہ کریں، کشتنا سب تک بالکل
ٹھیک نہیں ہو جائے گی میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔“
”تو نہیں یہاں سے جانے کی ضرورت بھی کیا ہے،
ہم سے جو پرہیز کرنا چاہو کر لینا۔ بھاجی ترکاری تیار ہوتی
ہے وہ کھاپی لینا۔ دھرتی پر جو کچھ ہوتا ہے وہ تو سب ہی
کے لیے ہوتا ہے۔“

”کھا چکا ہوں راجی جی، اب کیا پرہیز کروں گا۔
لیکن آپ کے حالات تو ویسے ہی بگڑے ہوئے ہیں،
سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے آئی ہیں، اب مجھے ایک اجازت ضرور
دے دیجئے گا۔“

”میں کہیں نوکری کروں گا، اپنے لیے رزق کماؤں گا،
آپ کی بھی جو سیوا ہو سکتی ہے وہ کروں گا، مجھے اس
سے آپ نہیں روکیں گی راجی۔“
راجی نے گردن جھکالی۔ کہنے لگیں: ”ٹھیک
ہے۔ مگر کشتنا کو سمجھالینا۔“

”ہاں کیوں نہیں۔“ ایک حد تک اطمینان ہوا تھا،
یہ بھی بڑی بات ہے کہ سر چھپانے کا ٹھکانا بھی مل گیا تھا،
ام پر کاوش جی سے یہ سب کچھ کہنے کے بارے میں سوچ
رہا تھا۔ رزق طلال کا جو مزہ چکھا تھا اسے کبھی نہیں بھول
سکتا تھا۔ لیکن اب راستے اور بڑبڑاتے ہوئے تھے،
احتیاط اور شدید ہو گئی تھی۔ کشتنا کی نصیحتیں مرد و ج پر

تھیں اب وہ مجھ سے باقاعدہ سمجھ داری کی باتیں کرنے
لگی تھی، اس نے ایک دفعہ پوچھا:
”کیوں چلے گئے تھے رشتہ؟“
”بس کشتنا، جی چاہا تھا۔“
”کی شکستہ لے کہا تھا کہ یہ مگر جھوڑا دو۔؟“
”نہیں کشتنا۔ شکستہ سے مجھے کوئی دل چسپی نہیں
تھی۔“

”سچ۔“ وہ خوش ہو کر بولی۔
”ہاں۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔
”اور مجھ سے۔؟“

”تم سے تو بڑا لگاؤ ہے مجھے کشتنا، لیکن تم نے
اپنا جو حالت بنالی ہے مجھے اچھی نہیں لگتی۔“
”تمہاری جو وجہ سے تو ایسا ہوا، تم چلے گئے تو مجھے
ایسا لگا جیسے سنسار میں سورج چسپ گیا ہو، ہمیشہ ہمیشہ
کے لیے، کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا چاروں طرف گھور اندھیرا
پھیلا ہوا تھا۔“

”اب خود کو نبھالو، یہ ساری باتیں بڑی ہوتی ہیں۔“
”تم اگر میرے ساتھ رہو تو پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“
”میں تمہارے ساتھ بہت زیادہ وقت گزار تو نہیں
سکتا کشتنا، دیکھو نا میں مرد ہوں۔ اور مرد گھروں میں
چوڑیاں پہن کر تو نہیں بیٹھتے۔“

”پھر کیا کرتے ہیں۔؟“ وہ ہنس کر بولی۔
”وہ باہر نکلتے ہیں، عورتوں کے لیے روزی کاتے
میں اور ہر شام کو گھر واپس آتے ہیں۔ اور اگر کوئی مرد
ایسا نہیں کرتا تو پھر وہ مرد، مرد نہیں کہلاتا، تم نے کوٹھا
چھوڑ دیا ہے، وہ جگہ ٹیسی تھی کشتنا، وہاں مرد مرد
نہیں ہوتے تھے بلکہ عورتوں کے غلام ہوتے تھے، وہ
مرد جو کوٹھوں پر رہتے ہیں، یہ اچھی بات ہے کہ اب ہم
یہاں بنارس میں ہیں اگر تم اجازت دو تو میں نوکری
کروں اور تم سب کے لیے روزی کماؤں۔“

کشتنا کچھ سوچنے لگی، پھر بولی: ”نوکری کرنے
کے لیے تو تمہیں شہر جانا پڑے گا۔“
”اور اگر تم واپس نہ آئے تو۔۔۔“
”نہیں۔۔۔ میں ہر شام اپنا کام کر کے اس طرح گھر

والبس آؤں گا جس طرح پرندے اپنے کھوسلوں میں بسیرا کرنے کے لیے واپس پلٹتے ہیں۔“
وہ متاثر لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔
”اگر تم وعدہ کرتے ہو تو ٹھیک ہے۔“

یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تھا۔ میں کسی کے لیے بھی اپنے مقصد کو قربان نہیں کر سکتا تھا، جو ہدایات دی گئی تھیں ان میں پہلا مرحلہ ہی تھا کہ کم از کم میں کسی کے شانوں پر نہ پڑا رہوں اب تک تو ایسا ہی ہوتا آیا تھا۔ کبھی رمضان کے ہوٹل پر تو کبھی کسی کے گھر، یہاں سے نکلا تو وہاں جا بیٹھا، وہاں سے نکلا تو دوسری جگہ جا بیٹھا، کئی بار ہا تو پاؤں چلانے کی کوشش کی تھی، لیکن رستے بند ہو گئے تھے۔ ایک دل چسپ بات جو اب تک میں نے محسوس کی تھی وہ یہ تھی کہ اس وقت کے بعد جب مجھے سورج کے ساتھ سفر کر کے ایک منزل پر پہنچنا پڑا تھا اور وہاں میرے لیے عدالت لگی تھی، میرے بیروں کا کہیں پتا نہیں تھا۔ میں کہیں بھی ہوتا ان کی چاپ ستار ہوتا، ان کی حرکتیں میرے ذہن تک پہنچتی رہتیں۔ لیکن اس عدالت سے واپسی کے بعد یہ میرے میرے گرد نہیں پھراتے تھے۔ دل میں خیال تو آیا تھا کئی بار، لیکن انہیں آواز دینے کی جرأت نہیں ہوئی تھی جو غلطیاں کر چکا تھا، انہی سے بمشکل تمام جان بچی تھی اب کوئی اور طاقت کر کے اپنے لیے مزید مشکلات نہیں خریدنا چاہتا تھا۔ صبر کرنا تھا انتظار کرنا تھا۔ صبر اور انتظار یہی دو چیزیں مجھے میری منزل تک پہنچا سکتی تھیں اور میں اپنی زندگی کے اس سفر میں لاتعداد مصیبتیں اٹھانے کے باوجود منزل کی طلب سے اپنے آپ کو دور نہیں کر پایا تھا۔ بہر حال کسی بھی شخصیت کو کسی بھی واقعے کو اپنے آپ پر مسلط کرنے سے راستے رک جاتے ہیں، بے شک رمارانی مجھے یہاں تک لے آئی تھیں لیکن اگر وہ میرے راستے کی رکاوٹ بنتیں اور مجھے یہاں سے باہر نکلنے کا موقع نہ ملتا تو بحالت مجبوری ایک بار پھر دھوکا دے کر یہاں سے نکلنا پڑتا، لیکن اب کتنا بھی تیار تھی اور رمارانی نے بھی مجھے نوکری تلاش کرنے کی اجازت دے دی تھی، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے حالات بھی بہتر نہیں تھے۔ چنانچہ میدان عبور کر کے اس آبادی میں

اور اس آبادی سے بنارس کی سڑکوں پر پہنچ گیا۔ بنارس معمولی جگہ نہیں تھی۔ ہندوستان میں بہت بڑی حیثیت کا حامل ہے یہ شہر اور شاید تفتدیر میری رہنمائی بھی کر رہی تھی۔

شام کے تقریباً چار بجے تھے، میں نے ایک شخص کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے اور ادھر ادھر ہاتھ مار کر سہارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس پاس کوئی اور موجود نہیں تھا۔ مسلمان سی جگہ تھی، جگہ جگہ درخت کھڑے ہوئے تھے، ایک لمحے میں، میں نے محسوس کیا کہ اگر یہ شخص کوئی سہارا پانے میں ناکام رہا تو یقینی طور پر زمین پر گر پڑے گا۔

لوگ اس کی جانب متوجہ نہیں تھے۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور میں نے اس شخص کو سنبھال لیا۔ پورا کچم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ مسلمان لگتا تھا، لباس سے، چہرے ہرے سے، ہاتھوں میں بید کی چھڑی تھی اور اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی، اس نے مجھے ڈوبتی نگاہوں سے دیکھا اور بولا :

”محم میں۔ میں دل کا مریض ہوں، میری شہزادی کی جیب میں میرے گھر کا پتار کھا ہوا ہے اس وقت میری حالت بہت خراب ہے خدا کے لیے میری مدد کرو۔“

میں نے ادھر ادھر دیکھا، کچھ فاصلے پر تانگے آتے جاتے نظر آ رہے تھے، لیکن وہاں تک پہنچنا ناممکن تھا، بڑی پریشانی کے عالم میں میں اسے سہارا دیتے ہوئے ایک درخت کے نیچے لے آیا، اس کے سینے پر ہلکی ہلکی مائش کی اور پانی کی تلاش میں ادھر ادھر لگا رہیں دوڑانے لگا۔ اتفاق کی بات یہ کہ تھوڑے فاصلے پر ناریل کا ایک درخت نظر آیا، پانی اور تو کہیں موجود نہیں تھا، ناریل کے درخت کے قریب پہنچا، درخت کو زور زور سے بلایا، پتھر اکھاڑ کر اوپر اڑے، تب دو ناریل ٹوٹ کر نیچے گر پڑے، اور اس کے بعد انہیں توڑ کر اس شخص کے منہ میں پانی ڈالنا میرے لیے مشکل نہ ثابت ہوا۔ ناریل کا پانی ان کی شربت ہوا تھا اس کے لیے ایک دم اس کی کیفیت بحال ہو گئی۔ اس نے درخت

کے تنے سے گردن ٹکا دی اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ میرے دل میں انسانیت اور ہمدردی کا سمندر موجزن تھا۔ یہ شخص صدمت ہی سے کوئی نیک انسان معلوم ہوتا تھا، جب اس کی کیفیت کافی بہتر ہو گئی تو میں نے اس سے کہا۔۔۔

”اب براہ کرم مجھے اپنا پتہ دے دیجئے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو آپ کے گھر پہنچا دوں۔“ اس شخص نے لمبے لمبے ہاتھ سے شیر وانی کی جیب میں رکھا ہوا ایک کاغذ نکالا اور بولا:

”زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہتا، اس کاغذ پر میرا پتہ دیکھ لو۔“ میں نے پتہ دیکھا اور اس کے بعد اس سے کہا۔۔۔

”اگر آپ اجازت دیں تو میں تھوڑے فاصلے پر جا کر تاہم لے آؤں۔ اس شخص نے ممنونیت کے انداز میں گردن ہلا دی۔ میں نے کہا: ”ایک بار پھر اس کا نام اور پتہ دیکھا۔ نام تھا مہتاب علی اور محلہ ”شیرخان“ کے مکان نمبر ایک سو ستائیس“ میں رہتا تھا۔ کچھ فاصلے سے گزرتے ہوئے تانگے والے کو اشارہ کیا اور اس کے بعد تانگے لے کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ مہتاب علی کو میں نے تانگے کی پچھل نشست پر سوار کرایا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ مہتاب علی نے اہستہ سے کہا:

”بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ ہمیں لیکن انکار نہیں کروں گا، کیونکہ انسان ہی انسان کی مدد کا طالب ہوتا ہے۔“

گھر پہنچا دو، انہیں اس کا اجر دے گا۔“

”آب بالکل اطمینان سے بیٹھے ہیں، مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی۔“ تھوڑی دیر کے بعد تانگہ مطلوبہ جگہ پہنچ گیا۔ میں نے ہمارا دے کر مہتاب علی کو نیچے اتارا۔ تانگے والے کو اپنی جیب سے پیسے ادا کیے اور۔۔۔

اس شخص کو ہمارا دیتے ہوئے گھر کے دروازے تک پہنچ گیا اس نے دروازے کی کنڈی بجانے کا اشارہ کیا اور چند لمحات کے بعد ایک نوجوان لڑکی نے دروازہ کھولا۔۔۔ مجھے دیکھ کر عجیب سے انداز میں پیچھے ہٹ گئی اور میں اسے ہمارا دے کر اندر لے گیا۔ فوراً ہی

ایک معر خاتون اور ایک آٹھ نو سالہ بچی میرے پاس پہنچ گئے۔۔۔

”کیا ہوا، کیا ہو گیا، خدا خیر کرے، ارے کب طبیعت خراب ہو گئی آپ کی۔۔۔؟“

”اندھ چلو اندھ چلو۔“ مہتاب علی نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے ایک بستر پر لٹا دیا گیا۔۔۔

”میری حالت اب بہتر ہے، کمزوری بے پناہ ہو گئی ہے، تم بیٹھو میاں، بیٹھ جاؤ، یوں سمجھو کہ آپ تم میسا بن کر میرے پاس بیٹھو، ورنہ اس کم بخت منحوس ملائے میں نہ تو کوئی تانگہ لٹاتا اور نہ کوئی سہارا۔۔۔؟“

”مگر۔۔۔ مگر۔۔۔“

”بس بی بی مگر مگر سے کیا فائدہ، دورے پڑ گئے تھام مجھے ایک بار پھر۔۔۔ سن، لیکن میسا کچھ فاصلے پر ہی موجود تھا۔۔۔“

”معر عورت نے میرا شکریہ ادا کیا۔ نوجوان لڑکی بھی لگا ہوں کے سامنے کئی اور چھوٹی بچی بھی۔ سب کے سب بھی ہوئی لگا ہوں سے اس شخص کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے اجازت مانگی تو اس نے کہا:

”میاں اگر کوئی بہت زیادہ مصروفیت نہ ہو تو تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ، یوں بھی ریاض کی تیار۔ دیر ہی انسانی فریضہ ہے اور پھر۔۔۔ اور پھر تم تو اس وقت۔۔۔“

”آپ بار بار مجھے یہ الفاظ کہہ کر شرمندہ کر رہے ہیں۔۔۔“

”تو کچھ دیر رُک جاؤ، میں۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، دل چاہ رہا ہے۔۔۔“

”کوئی حرج نہیں ہے۔۔۔“ میں نے جواب دیا۔ معر شخص نے عورت سے کہا۔۔۔ ”جاؤ بھی اب میں بالکل ٹھیک ہوں، میری دوا لے آؤ اور مجھے دوا پلا دو۔ اور ذرا مہمان کے لیے چائے وغیرہ کا بندوبست کرو۔ میاں نام کیا ہے آپ کا۔۔۔؟“

”مسعود احمد ہے میرا نام۔۔۔“

”اللہ تعالیٰ زندگی عطا فرمائے، صحت دے، ترقی دے، بلندی دے، بڑی مدد کی ہے تم نے ہماری مسعود بیٹی، کہاں رہتے ہو۔۔۔؟“

”بس یہیں ایک جگہ۔ نام وغیرہ بت نہیں اس کا
چونکہ بنارس آئے ہوئے بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا اور
اس سے واقفیت حاصل نہیں ہے۔“
”اوہو اچھا اچھا کہیں اور سے آئے ہو۔“
”جی۔۔۔۔۔“

”اللہ تعالیٰ۔۔۔۔۔“
”تو ہو گا بیٹے۔“

”جی ہاں بس۔ بس تلاش رزق میں نکلا ہوا ہوں۔“
”کوئی نوکری ملی۔؟“ ”مہتاب علی نے پوچھا۔
”نہیں۔۔۔۔۔ لیکن مل جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ،
”گوشش کر رہا ہوں۔۔۔۔۔“ ”مہتاب علی خاموش ہو گئے، کچھ
دیر آنکھیں بند کیے سوچتے رہے پھر بولے :
”کس کے ساتھ رہتے ہو یہاں۔؟“

”ایسے ہی کچھ شستا میں۔۔۔۔۔“
”میاں دیکھو! یہ نہ سمجھا کہ ہم تمہارے قرض چکا رہے
ہیں بعض قرض ایسے ہوتے ہیں کہ زندگی بھر چکائے
جائیں تو ادا نہیں ہوتے لیکن وہی مسئلہ ہے کہ انسان
ہی انسان کے کام آتا ہے، اگر کچھ اور وقت دے سکو
ہمیں تو ہم تم سے کچھ اور باتیں کریں۔ لو چائے آگئی،
درا چائے پیو۔۔۔۔۔“

چائے کا سامان ہمارے سامنے رکھ دیا گیا، بیگم صاحبہ
جو مہتاب علی کی بیوی تھیں، محبت بھرے انداز میں چائے
بنائے لگیں اور پھر انہوں نے ایک پیالی بڑے اتمام
سے مجھے پیش کی اور میں نے شکریہ ادا کر کے قبول کر لی۔
نوجوان لڑکی چلی گئی تھی لیکن چوٹی عمر کی لڑکی وہیں بیٹھی
ہوئی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

”اس کا نام رخصانہ ہے۔۔۔۔۔“ ”مہتاب علی نے اپنی بیٹی
کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھے ہوئے کہا۔
”اور ان کا نام ابو۔۔۔۔۔“

”سننا نہیں تم نے سعود احمد ہے۔“
”ہم انہیں کیا کہیں۔۔۔۔۔“ ”لڑکی نے پوچھا۔
”تمہارا کچھ کہنا ضروری ہے کیا۔۔۔۔۔؟“
”تو نہ کہیں کیا۔۔۔۔۔؟“ ”لڑکی بولی۔
”نہیں نہیں بھئی، ہم بھلا تمہیں کیا روکیں گے۔۔۔۔۔“

”مسعود میاں بس اللہ نے مجھے دو بیٹیاں عطا کی ہیں۔
بیٹے سے محروم ہوں اور یہی وجہ ہے کہ سرکوں۔
میدانوں اور دیرانوں میں تنہا پرتا رہتا ہوں، بس
ایسے ہی اجنبی سہارے مجھے منجھالے ہوئے ہیں یا پھر
اللہ کا سہارا ہے۔ خیر کوئی غم ناک گفتگو نہیں ہے۔
تعارف کر رہا تھا اپنا، دل کی تکلیف ہوئی ہے، کافی عرصے
سے کبھی کبھی ایسی حالت ہو جاتی ہے، دو تین بار ہو چکی
ہے۔۔۔۔۔“

ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ یہ عجیب و غریب کیفیت ہے،
اسے باقاعدہ دل کا درد بھی نہیں کہا جاسکتا، چونکہ میں
دوروں یا دو دوروں میں تو انسان کبھی کا آسمان پر
ہم پہنچ چکا ہوتا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے میری یہ کیفیت
کئی بار ہو چکی ہے۔ علاج کر رہا ہوں کبھی کبھی تو بالکل
ٹھیک ہو جاتا ہوں اور کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے مرض
پھر سے واپس آگیا۔۔۔۔۔“

میں خاموشی سے مہتاب علی کی صورت دیکھتا رہا
اور چائے پیتا رہا۔ انہوں نے خود چائے نہیں پی تھی
بیگم صاحبہ نے میری پیالی خالی ہونے کے بعد اسے
دوبارہ بھرنے کے لیے کہا لیکن میں نے معذرت
کر لی۔۔۔۔۔

”ہاں تو بیٹے کیا تم ہماری سٹوری سی خدمت قبول
کر دو گے۔۔۔۔۔؟“

”جی میں سمجھا نہیں۔۔۔۔۔“
”کل دن میں آسکتے ہو کسی وقت۔۔۔۔۔؟“

”جی ہاں، کیوں نہیں۔۔۔۔۔“
”یہ پتہ یاد رہے گا۔۔۔۔۔؟“

”اگر یاد نہ رہا تو اسے لکھ کر اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔
تلاش کرتا ہوا آجاؤں گا کوئی حکم ہے میرے لیے۔؟“
”حکم نہیں بیٹے، التجا ہی سمجھو۔ میں۔۔۔۔۔ میں یہ کہنا
چاہتا ہوں کہ اگر میں تمہاری ملازمت کے لیے کوشش
کروں تو۔۔۔۔۔؟“ میں مسکراتے لگا۔ ”مہتاب علی فوراً
بولے :
”دیکھنا وہی ہوا جس کا خدشہ تھا، تم سوچ رہے
ہو کہ ایک اتنے بڑے احسان کا صلہ چکانا چاہتا ہوں میں،

ایسا بات نہیں ہے۔

”بھلا میں بھی یہ نہیں سوچ رہا۔“

”تو پھر کیا حرج ہے میاں۔ تم انسانی محبت سے مجبور ہو کر مجھے اپنا وقت برباد کر کے یہاں تک لائے کیا تمہارے خیال میں میرے دل میں انسانی محبت نہیں جاگ سکتی، جو کچھ کر سکتا ہوں اگر تم اسے قبول کر لو، تو مجھے بھی خوشی ہوگی۔“

”یہ میری ضرورت ہے متاب علی صاحب، آپ حکم دیتے ہیں تو حاضر ہوجاؤں گا۔ ویسے بھی آپ کی دوبارہ نمبر گیری کو نہ چاہتا تھا، آپ فرمائیے کس وقت حاضر ہوجاؤں؟“

”میاں کل گیارہ بجے۔ ہم اس کیفیت میں اپنی ملازمت پر تو نہیں جاسکیں گے لیکن کچھ حالت بہتر ہوگی تو تمہارے ساتھ ضرور چلیں گے۔ باقی تفصیلات ہمیں کل دن ہی میں بتائی جائیں گی۔“ متاب علی بولے۔

اس کے بعد ان سے میں نے امانت طلب کر لی۔ راستے ذہن میں رکھے تھے۔ کشنا کے گھر کے سامنے چوپال لگی ہوئی تھی۔ مالتی، رمارانی، رادھا لکشمی سب ہی باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان کشنا بھی تھی مجھے دیکھ کر سب خوشی سے کھل اٹھے۔

”رتن آگیا، رتنا آگیا۔“ آوازیں ابھریں۔

”گھر میں سانپ نکل آئے ہیں کیا۔ سب لوگ باہر کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔“ میں نے پوچھا۔

”اس باولی نے ناک میں دم کر رکھا تھا اسے ابھی تک تم پر بھروسہ نہیں ہے کہستی تھی کہ تم نہ آؤ گے۔“

”اسے میں بھالوں گا۔“ میں نے کہا اور سب کے ساتھ اندر گیا۔ نئے حالات کے تحت ان لوگوں میں خم ہونے میں کوئی حرج نہیں تھا کشنا کو سمجھایا، رمارانی کو بتایا کہ نوکری کی کوشش کر رہا ہوں مل جائے گی امید پیدا ہوگئی ہے اس سے حالات بہتر ہو جائیں گے۔

رمارانی غم زدہ ہوئیں۔ ”کیا کچھ نہیں تھا۔ ہمیں بھلا روپے پیسے کی کمی تھی مگر۔۔۔ اور پھر ایک طرح سے اچھا ہوا۔ صدیوں کی ریت تو ٹوٹی۔ ایک بیوا ابھی شریف زادی بنی وہ بھی پورے پر پیار کے ساتھ۔ عبادی ہو جائیں گے کسے لگا بیت ہی جائے گا روکی سوکی

کھا کر اور اگر ایسا ہو گیا تو سب ہی کا جیون منور جائے گا۔ یہاں ہمیں کون جانتا ہے اسی لیے الگ تھلک پڑے ہیں، پیٹ بھرنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔“

رمارانی کے خیالات بہت بدل گئے تھے، میں پھر جذباتی ہو گیا تھا لیکن دل ہی دل میں تو بے استغفار کر لی تھی اسی جذباتیت نے تو اس سرنیل پر لاڈالا تھا۔

دوسرے دن ٹھیک گیارہ بجے متاب علی صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ یہاں ایک محترمہ دروازے پر موجود تھیں اور جیسے ہی میں اس دروازے کے سامنے رکا انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ رخسانہ تھی، مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور معصوم ہنس میں بولی :

”ایک ایک منٹ گن رہی تھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ کہیں ہمارے بھیا جی وعدہ خلافی نہ کر ڈالیں، ہم ذرا وعدے کے پابند آدمی ہیں۔ اباجی نے ہمیشہ یہی سکھایا ہے کہ بیٹا جب کسی سے وعدہ کرے تو اسے اپنا ایمان بنا لو۔ ہم تو وعدے کو ایمان بنا لیتے ہیں بھیا جی، آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں۔“ رخسانہ کی معصوم باتوں نے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی میں نے پیار سے کہا :

”بھئی بہت اچھی خاتون ہیں بلکہ یوں سمجھ لیں کہ آپ تو بیٹے بٹھائے ہماری استاد بن گئیں، ایسا سبق سکھایا ہے ہمیں کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔“

”اور کبھی وعدہ خلافی نہیں کریں گے۔“ رخسانہ نے کہا۔

”جی بالکل آپ سے وعدہ کیا جاتا ہے۔“

”تو پھر پہلا وعدہ یہ کیجئے کہ اندر جا کر کسی کو نہیں بتائیں گے کہ ہم نے آپ سے اس طرح گفتگو کی ہے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ سب سے ادب و احترام سے پیش آیا جائے، کسی بڑے سے ضرورت سے زیادہ باتیں نہ کی جائیں مگر ہم کیا کریں۔ یہاں تو بس تین بڑے ہی بڑے ہیں نہ کوئی ہمارے برابر کتا ہے اور نہ کوئی ہم سے چھوٹا۔ بڑوں سے ہنس کر بات کی جائے تو گستاخی ہو جاتی ہے احد چوٹوں کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اب بتائیے رخسانہ کرے تو کیا کرے۔ آئیے بھیا جی اندر آئیے۔“ کلن دروازے پر گئے ہوں گے۔ گیارہ بج رہے ہیں اور آبا

میاں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ دروازے پر روکیں۔“

”کیسی طبیعت ہے متاب علی صاحب کی۔“
 ”اللہ کے فضل سے ٹھیک میں اب آجائے گا، کہہ دیا جائے گا کہ ہم نے آپ کو باتوں میں لگا رکھا تھا۔ رخصانہ کی شوخ و چٹیل باتوں نے جی خوش کر دیا تھا۔ متاب علی صاحب کی حالت کافی بہتر ہو رہی تھی، چہرے پر رونق آگئی تھی۔ بیگم صاحبہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، تیار تھے، چھری کمری کے ساتھ لگی رکھی تھی، جوتے پہنے ہوئے تھے سلام دعا کے بعد کہنے لگے :

”بس میاں ویسے تو تمہاری خاطر داری ہم پر فرض ہے۔ لیکن چلنا ضروری ہے، ہو سکتا ہے حاجی صاحب ہمیں نکل جائیں ان کے جانے سے پہلے ان تک پہنچنا ضروری ہے۔ ویسے ان کا ملازم آیا تھا ہم نے اپنی بیماری کی اطلاع دے دی ہے، بہت ہی اچھے انسان ہیں، چلو راستے میں باتیں ہوں گی۔ اچھا بھئی ہم چلتے ہیں اور واپس یہیں آئیں گے، اور دوپہر کے کمانے میں آپ کو کیا انتظام کرنا ہے اس کی ہدایت تو آپ کے پاس موجود ہی ہے، آج کی بات تو نہیں ہے۔“ متاب علی نے اپنی بیگم سے کہا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو وہ جلدی سے بولے :

”نہیں میاں ظاہر ہے مہمان میزبانوں سے تکلف کی باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے، لیکن میزبان سمجھتے ہیں کہ کسی چیز کی کیا ضرورت ہے اب آؤ، دیر ہو جائے گی تا نگہ بھی تلاش کرنا ہو گا۔“
 میں متاب علی صاحب کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ایسے بہت سے کرم فرما، محبت کرنے والے مجھے زندگی میں مل چکے تھے اور ایسے لوگوں سے محروم نہیں رہا تھا۔ ہر حال یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس دنیا میں صرف نفرتیں ہی میری ہم رکاب نہیں رہی تھیں بلکہ محبتوں کا توازن بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حینا کس قدر مشکل ہوتا، اس کا مجھے بخوبی اندازہ تھا۔ تا نگہ تھوڑی دیر کے بعد ہی مل گیا اور متاب علی صاحب نے اسے پتہ بتا دیا تا نگہ آگے بڑھا تو متاب علی صاحب نے کہا :

”ہم نوکری کرتے ہیں حاجی فیاض احمد صاحب کے

ہاں۔ اور یہ حاجی فیاض احمد صاحب بنارس میں تھے اور زری کے کام کے سب سے بڑے تاجر ہیں یوں کچھ لو سولہ کارخانے میں ان کے، جن میں بناری کپڑا اور بناری ساڑیاں وغیرہ تیار ہوتی ہیں اور ہندوستان بھر میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ اللہ نے خوب نوازا ہے زرد جو اہر سے اور جو اہر پاسے بکھر دیے ہیں انھوں نے پورے ہندوستان میں ٹیکن طبیعت کے ایسے نیک اور نفیس کر آج بھی اپنے ملازمین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور کوئی تکلف نہیں ہوتا لیکن جو کچھ خود اپنے بازوؤں سے کمایا ہے اور خاندانی ورثہ منتقل نہیں ہوا۔ اس لیے خود تو نیک نفس اور ملن سار آدمی ہیں لیکن اہل خانہ کا ان کی کمائی سے خانہ خراب ہو گیا ہے، خصوصاً صاحبزادی در شہوار، موجودہ دور کی عکاسی کرتی ہیں اور جو کچھ حاجی صاحب کی بیگم نے ان کے نزول کے بعد حاجی صاحب سے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ اول سے آخر تک ہیں اور اس سے آگے اولاد کا تصور نہ کیا جائے چنانچہ حاجی صاحب نے بھی قناعت کر لی اور در شہوار بڑی طرح جگمگائیں۔

میں اپنے مالک کی بیٹی کی برائی نہیں کر رہا۔ بچی بہت اچھی ہے، نیک طبیعت اور اچھے عادات و خصائل کی مالک، لیکن بس طبیعت میں غرور ہے۔ ملنا جلتا۔ اپنے ہم پلہ لوگوں سے ہے اس لیے عام لوگوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔ ساری باتیں اس لیے کہہ دی ہیں مسعود میاں کہ ہو سکتا ہے تقدیر یاوری کرے اور تمہارا واسطہ انھیں لوگوں سے بڑے۔ جہاں تک رہا بیگم فیاض کا معاملہ تو یوں سمجھ لو کہ وہ نہ قیتر میں اور نہ بیتر، جب کبھی خاندانی کیفیت ابھرتی ہے تو وہ انسان ہوتی ہیں اور جب زمانے کے رنگوں میں رنگی ہوتی ہوں۔ تب ان کی رنگینیاں کچھ اور بڑھ جاتی ہیں۔ تمہیں یہ سب کچھ بتانا اس لیے ضروری ہے کہ ہم کریں گے آج تمہاری نوکری کے لیے بات چیت اور اللہ کی ذات سے امید تو یہی ہے کہ نوکری ملے۔

جائے گی، دیکھو میاں ابھی اسی وقت اس تا نگہ میں اپنی پسند بادو۔ ہم تو حاجی صاحب سے یہ کہیں گے کہ ہمارا اپنا کچھ ہے، کوئی بھی جگہ دے دی جائے۔ لیکن اگر تمہاری

کوئی پسند ہو تو.....“

میں نے حیرانی سے مہتاب علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔
”نہیں مہتاب علی صاحب مجھے صرف ملازمت چاہیے اس
میں کوئی تخصیص نہیں، کوئی پسند نہیں۔“

”خدا خوش رکھے، ویسے بھی مذہب نے رزقِ حلال
کے لیے محنت کو افضل قرار دیا ہے، لوگ تو تن آسانی
تلاش کرتے ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر حصولِ رزق
میں پسینہ نکل آئے تو یوں سمجھ لو موتیوں سے زیادہ قیمتی
ہوتا ہے بہر حال مسرت ہوئی.....“

جس حویلی کے ساتھ تانگو رکھا تھا، وہ اس بات کا
انہار کرتی تھی کہ بنارس کے کسی رئیس کی حویلی ہے لیکن
بنارس کے یہ رئیس جو سادہ سے کڑتے پا جائے اور دوپٹی
ٹوپی میں ملبوس تھے کسی بھی طرح اس حویلی کے مالک نظر
نہیں آتے تھے۔ دوری سے لپکے لپکے آئے تھے اور
مہتاب علی کے قریب پہنچ گئے تھے.....

”اماں مہتاب کیوں پریشان کرتے رہتے ہو تم مجھے
بار بار بیمار پڑ جاتے ہو اور میں کہتا ہوں کہ تم آئے کیوں
ایں..... میں تو خود آنیوالا تھا تمہارے پاس، نبجانے کس
سے دل لگا بیٹھے ہو، میں کہتا ہوں اس عمر میں دل کا
روگ پانا ضروری تھا کیا؟“ مہتاب علی صاحب نیاز
مندی سے مسکرائے اور بولے:

”اس بچے کو لے کر حاضر ہونا ضروری تھا حاجی صاحب،
ورنہ نہ آتا.....“

”اماں تو بچے کو بھیج دیا ہوتا، کون ہے یہ.....؟“
انہوں نے میری طرف دیکھا تو میں نے انہیں سلام کیا۔
حاجی صاحب مجھے دیکھتے رہے پھر بولے:

”کون ہیں یہ مہتاب میاں.....؟“
”بس یوں سمجھ لیجئے عزیز ہے میرا..... نوکری کا
خواہش مند ہے.....“

”اچھا اچھا..... کہاں کس کارخانے میں لگنا ہے،
کوئی کام جانتے ہیں یہ یا کوئی اور نوکری دینا چاہتے
ہیں آپ۔ ارے ہاں میاں ذرا ایک بات تو بتاؤ گاڑی
چلانا آتی ہے.....؟“

”جی۔۔۔ میں نے جواب دیا.....“

”بس ٹھیک ہے اور کوئی حکم جناب مہتاب علی صاحب.....؟“
”نہیں حضور..... بس آپ کی نوازشوں کے سایے
میں پروان چڑھ رہا ہوں.....“

”مصرع ثانی بھی عرض کر ڈالیے.....“ حاجی صاحب
نے طرافت سے کہا اور مہتاب علی مسکرائے لگی۔ تب
حاجی صاحب نے مڑ کر کسی کو آواز دی اور ایک ڈبلا پیلا
سا آدمی قریب آگیا.....

”گاڑی کی چابی کہاں ہیں.....؟“ حاجی صاحب نے
پوچھا.....

”یہ ہے سرکار.....“ اس شخص نے چابی نکال کر حاجی
صاحب کے حوالے کر دی.....

”پٹرول بے گاڑی میں.....؟“
”سنسکی بھری ہوئی ہے.....“ وہ بولا.....

”ٹھیک ہے جاف.....“ حاجی صاحب بولے اور پھر
چابی مجھے دیتے ہوئے کہا.....

”تو میاں آپ اپنی ملازمت کا آغاز یوں کریں کہ
سب سے پہلے ان مہتاب علی کو ان کے گھر پہنچا دیں.....“
”ایک اور عرض ہے.....“ مہتاب علی بولے:

”ارشاد.....“
”یہ بنارس کے گلی کوچوں سے واقفیت نہیں رکھتے،
اس میں قباحت ہوگی.....“

”میاں جسے جہاں جانا ہو گا راستہ خود بتائے گا۔
آپ جائیے.....“

راستے میں مہتاب علی، حاجی صاحب کے بارے
میں بہت کچھ بتاتے رہے تھے، مگر جا کر وہ لہجے بھی کنسل
کرنا پڑا تھا جس کی ہدایت مہتاب علی کر آئے تھے۔

پھر میں واپس حاجی صاحب کی کوٹھی پہنچ گیا۔ حاجی صاحب
نے ایک معقول تنخواہ کی پیش کش کی تھی۔ بہت سی مراعات
سے نوازا تھا، صبح آٹھ بجے یہاں پہنچنے کی ہدایت کی

تھی واپسی کا کوئی تعین نہیں تھا لیکن یہ سب کچھ بوریس
تھا۔ دل خوشی سے منور ہو گیا تھا۔ دو تین جگہ کے کام سوچے
گئے تھے اور میں نے خوش اسلوبی سے سرانجام دیے تھے

سورج چھپ چھی دی گئی اور واپسی میں حاجی صاحب نے
کچھ رقم جیب میں ٹھونس دی.....

پھولوں کے جھکتے ہوئے بار، ہونٹوں پر نشہ آلود۔
 مسکراہٹ، آنکھوں میں آنکھانوار، بوجھل بوجھل ارباب
 بھرے احساسات سے لڑکھڑاتی ہوئی۔
 "رتنا۔۔۔ اس کی غمبار آواز ابھری۔
 "تمہیں کیا ہو گیا کشنا۔۔۔؟"

"دلہن بنی ہوں تمہارے لیے۔ ماں نے اجازت
 دے دی ہے مجھے، اپنے چرنوں میں سوئیکار کر لو۔ ہمارا
 پریم امر ہو جائے گا۔ آج پورن ہاشی ہے رتنا۔ بڑی رات
 ہے۔ آج کی رات اور بڑی ہو جائے گی۔ مجھے سوئیکار
 کر لو رتنا۔۔۔ اس نے میرے پاؤں پکڑ لیے۔
 "ارے، ارے کشنا تمہیں کیا ہو گیا۔" میں نے
 جلدی سے پاؤں سکڑ کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ مگر
 اچانک میری ٹھٹھکی بندھ گئی۔ میری نظریں اس کے ہنسی
 رچے ہاتھوں پر جم گئیں۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں
 سات سات انگلیاں تھیں۔۔۔



سات انگلیاں جو میری آنکھوں کا دھوکا نہیں تھیں میری
 لگا ہوں کے سامنے تھیں اور مجھے ان سات انگلیوں سے ہوشیار
 کر دیا گیا تھا، دماغ پر تھوڑے برسے لگے، کشنا اور سات
 انگلیوں والی، کیا یہ پورنی ہے۔؟ بھویریا چرن کی پورنیا، مگر

"نزیہ قرض ہے، نہ بخشش، نہ انعام۔ یہ قرض ہے
 جو آج میں پورا کر رہا ہوں۔ تم کل پورا کرنا اور بے
 کچھ دو، اسے ہدایت کرنا کہ جب وہ صاحب استطاعت
 ہو تو اسے کسی اور کو واپس کر دے۔ ہندیا رو دھرج
 کر کے میرے اصولوں کو مجروح نہ کرنا جو مجھے کسی اور نے
 دیا تھا وہ میں تمہیں دے رہا ہوں۔۔۔" میں نے خاموشی
 سے گردن ہلا دی تھی۔۔۔

رمارانی کے سامنے وہ پیسے رکھ دیے۔ "ارے
 یہ کیا ہے۔۔۔"

"میری کمائی۔۔۔" میں نے کہا۔ رمارانی کے چہرے
 پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ کچھ دیر خاموش رہیں
 پھر انھوں نے مجھے عجیب سے انداز میں دیکھا اور خاموشی
 سے وہاں سے چلی گئیں۔ میں ان کی کیفیات سمجھ نہیں پایا
 تھا۔ کھانے کے بعد البتہ انھوں نے کہا:

"تمہاری حیثیت اتنی معمولی ہے رتنا۔۔۔؟"

"بہنہ نہیں رمارانی۔۔۔"

"مجھے تو تمہاری پیشانی جگمگاتی نظر آتی ہے۔ لگت
 ہے دھرتی پر پاؤں مارو گے تو دولت ابل پڑے گی۔
 میں مسکرایا۔ میں نے آہستہ سے کہا:

"میں دھرتی پر پاؤں مارنا نہیں چاہتا رمارانی۔
 "سادھوؤں، رتھیوں، نیوں اور دیوتاؤں جیسی
 باتیں کرتے ہو۔ سنار طاقت کی زبان سمجھتا اور سنار میں
 سب سے زیادہ طاقت ور دولت ہوتی ہے۔ ایک بار
 دولت کے ڈھیر گالو، جیون بھر کے لیے دیوتا اوتار بن
 جاؤ۔ سوچا میری بات پر۔ وہ باؤلی تمہارے لیے سوار لگھا
 کر رہی ہے۔۔۔"

میں ان کے جانے کے بعد ان کی باتوں کے بارے
 میں سوچتا رہا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ دولت کے
 انبار میرے پیروں تلے تھے مگر حلال کی کمائی کے چار
 لٹو میں کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ سوچا پھر کبھی ان سے
 بات کروں گا مطلب پوچھوں گا ان باتوں کا، البتہ جس
 باؤلی کے سوار لگھا کے بارے میں انھوں نے مجھ
 سے کہا تھا۔ وہ رات گئے میرے کمرے میں گھس آئی کشنا
 تھی اور شعلہ جواں بنی ہوئی تھی۔ سرخ رنگ کا لباس پہنے،

میں کیا کروں، مجھے کیا کرنا چاہیے، کشنا کی نگاہ میں مجھ پر نہیں تھیں، وہ جیسے نشتے میں ڈوبی ہوئی تھی، اس کی آنکھیں جھکی جا رہی تھیں اور انداز میں بے پناہ خودی تھی، فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ کیا کروں۔ بہر طور میں نے اسے سنبھالا بستر پر بٹھایا اور خود اس سے کئی فٹ دور ہو کر کھڑا ہو گیا یہ بات اب اہستہ اہستہ میری سمجھ میں آرہی تھی کہ کشنا کا یہ عمل کس مقصد کے تحت ہے، مجھے آگاہ کر دیا گیا تھا اور اگر سب کچھ جاننے کے بعد کسی اور لغزش کا شکار ہو جاؤں تو پھر کچھ نہیں ہو سکے گا جو فیصلہ مجھے دیا گیا تھا اس پر عمل کر کے ہی میرے جرم کا خاتمہ ہو سکتا تھا لیکن اس سے متعلق وہ سب رمارانی، رادھا، لکشمی، ماتی، اگر میں..... اگر میں اس ہدایت پر عمل کر ڈالوں تو ان سب کے سامنے کیا کہوں گا۔ اندر سے دل نے چیخ کر کہا۔ مجھے سب کی پڑی ہے اپنی سوچ، جو غلاظت تیرے وجود میں اتار دی گئی ہے اسے کم کرنے کا موقع مل رہا ہے اس سے گریز کیوں کر رہے جلدی کر، اس سے پہلے شیطان سے نجات حاصل کر، جلدی کر جلدی، آواز تیز ہوتی گئی اور میرے حواس پر چھالکی میں نے خوفی لگا ہوں۔ کشنا کو دیکھا اس کے ہونٹوں پر شیلی مسکراہٹ پھیل ہوئی تھی۔

• دای ہوں تہ ساری۔ جیون دار دونوں کی تم پر، سنسار میں اتنا اونچا کروں گی کہ کوئی تمہارے چرنوں کی دھول بھی نہ پا سکے، مہمان ہو جاؤ گے۔ مہمان ہو جاؤ گے۔ مہمان ہو جاؤ گے..... مجھے سوئیکار کر دیتا جا ہی، مجھے سوئیکار کر لو، اس نے دونوں بازو میری جانب پھیلا دیے۔ حسن و جمال کی ایک ایسی تصویر جسے دیکھ کر آنکھیں بھجوانے کو ہی چاہیے، خوبصورت کا ایسا بے مثال مرقع کہ مصور اس کی صحیح تصویر نہ بنا سکے میری نگاہوں کے سامنے تھا لیکن اب میری کیفیات میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں، بدن میں چنگاریاں دوڑنے لگی تھیں، پورے وجود میں سنسار ہٹ پھیل گئی تھی اور اس کیفیت نے مجھے ہمارا دیا آنکھوں میں خون اترنا محسوس ہو رہا تھا برقی مرقع، مرقع نظر آ رہی تھیں اور ذہنی کیفیت بہت عجیب ہو رہی تھی میں ایک قدم آگے بڑھا اور اس کے ہونٹوں پر استقبال مسکراہٹ پھیل گئی اس نے اپنے جسم کو تھوڑا سا پیچھے سرکا لیا جیسے مجھے اپنے قریب جگہ دینا چاہتی ہو۔ میں اس کے قریب بیٹھ گیا اس کے ساتھ ساتھ لیے لیے مال کھڑے ہوئے سب سے مراد زیورات

بچے ہوئے تھے، میری انگلیاں اہستہ اہستہ آگے بڑھیں میں نے اس کے بالوں کو اپنی انگلیوں کی گرفت میں لیا اور اس کے چہرے سے پیچھے ہٹا دیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ میرے شانوں پر رکھ دیے تھے اور میرے ہاتھ اس کے بالوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے اس کی گردن کے عقب میں پہنچ گئے تھے تب اس کی آنکھیں بند ہو گئیں، رادھ میں نے اہستہ سے اہستہ آگے بڑھا کر اس کی گردن پر رکھ دیے اور پھر میرے ہونٹ دھواں پر نارنجی سی چھانے لگی میں نے درحقیقت کوئی خون نہیں کیا تھا کبھی نہیں کیا تھا جتنے الزامات مجھ پر عائد کئے گئے تھے ان میں میرا کوئی قصور نہیں تھا بلکہ وہ مرت بھوریا چرن کا عمل تھا لیکن اس وقت، اس وقت میں پہلا خون کرنے جا رہا تھا اگر اس وقت کوئی کمزوری دکھائی تو کبھی کبھی نہیں کر سکوں گا جو کرنا ہے کر ڈالنا چاہیے۔ سیر کرنا کسی طور مناسب نہ ہو گا وہ ای طرح نڈھال ہو گئی تھی جیسے اسے یقین ہو گیا ہے کہ اب..... اب، اب۔ میں پوری طرح اس سے متاثر ہو گیا ہوں لیکن جیسے ہی میری انگلیوں کی گرفت اس کی گردن پر سخت ہوئی اس نے جھٹک کر آنکھیں پھاڑ دیں اور درحقیقت دیکھنے کے اس انداز میں ایک دوسری ہی کیفیت تھی جیسے اسے میری نیت کا احساس ہو گیا ہو اب ان آنکھوں میں شمار نہیں تھا بلکہ خوف تھا، تیزی تھی، تندی تھی اس کے ہاتھ اوپر اٹھے لیکن میں نے دانت کچکپا کر اس کے زخموں کو دوبارہ لیا اور بدن میں جتنی قوت تھی ایک لمبے میں ہاتھوں میں منتقل کر دی میری انگلیاں جیسے موم سے گزر رہی تھیں میں نے اتنی قوت سے اس کا گلادبا یا کہ اس کی زبان باہر نکل آئی، آنکھیں ابل پڑیں۔ اس کا بدن صرف ایک لمحے کے لیے پھٹ پھٹا اور اس کے بدن میں نے اس کی آنکھوں میں بعد دہائی دیکھی، زبان ہونٹوں سے کئی انچ باہر نکل آئی تھی نہ کھلا ہوا تھا چہرے پر دہشت منجمد ہو گئی تھی لیکن میری انگلیاں اس طرح اس کی گردن میں پیوست تھیں جیسے کوئی سنجو پوری قوت سے کس جاتا ہے۔

مجھے ایک دم یہ احساس ہوا کہ اگر میں ان انگلیوں کو اس کی گردن سے ہٹاتا بھی چاہوں تو یہ میری قوت سے باہر ہے میں اسے دیکھتا رہا اب اس کے وجود میں زندگی کی کوئی رقیق باقی نہیں تھی چہرہ اہستہ اہستہ سہیا تک ہوتا جا رہا تھا البدن جسمانی کیفیت پر کوئی اثر نہیں پڑا سجادہ رفتہ میری کیفیت

بھی اعتدال پر آنے لگی، اس یقین کے بعد کشنا مری جلی ہے میں نے اپنے ہاتھوں پر توجہ دی انگلیوں کو مشکل کام اس کی گردن سے جدا کیا اور چند قدم پیچھے ہٹ گیا میرے گردن چھوڑنے سے وہ بستر پر گر پڑی تھی ایک بے جان وجود میرے سامنے تھا اور میں بھی بھی لگا ہوں سے اسے دیکھ رہا تھا اور حقیقت یہ پہلا خون تھا اول میں ایک لمحے کے لیے بہت سے دوسرے بہت سے احساسات جاگ اٹھے کہیں وہ حقیقت میں کشنا نہ ہو۔ رمارانی نے اس کی جو کیفیت بتائی تھی اس میں دلچسپی کا خصوصی طور پر تذکرہ تھا اور پھر اتنے دن سے میں خود بھی اسے دیکھ رہا تھا کشنا محبت میں پاگل ہو گئی تھی اور اس کے اندر کوئی بھی کیفیت کسی بھی وقت پیدا ہو سکتی تھی یہ جانتا ہوں جہاں خون میں پوری طرح ہوش و حواس کے عالم میں کیا تھا یعنی یہ کہ مجھے ملانہ تھا کہ میں ایک انسانی خون کر رہا ہوں لیکن اندوہی طور پر احساسات میرے ذہن میں موجود تھے ان کا تعلق صرف میری ذات سے تھا کیا یہ واقعی پوری ہے اور اگر نہیں ہے تو کیا صرف اس بنیاد پر میں نے اس کا خون کر ڈالا ہے کہ اس کے ہاتھ میں سات انگلیاں تھیں اس سے پہلے کبھی کشنا پر اتنا غور کرنے کا موقع ہی نہ ملا تھا اول تو میں نے اسے اتنی گہری نگاہوں سے کبھی نہیں دیکھا تھا اس وقت بھی جب میں رمارانی کے ہاں رہتا تھا کی حیثیت سے مقیم تھا اور اب بھی اتنے دنوں میں ایک بار بھی میرے ذہن میں یہ تصور نہیں جاگا تھا کہ اسے بھرپور نگاہ سے دیکھوں۔ ہو سکتا ہے یہ انگلیاں..... ہو سکتا ہے یہ انگلیاں..... دفعہ میرے دل کو دہشت کا ایک اور جھٹکا لگا۔ نگاہیں چوں کہ کشنا پر ہی جمی ہوئی تھیں اور اس کے بارے میں سوچ رہا تھا اس لیے اس کے ہونٹوں کی وہ جنبش میری نگاہوں سے بچ سکی اچانک ہی اس نے پٹلیں کھول دی تھیں۔

ایک لمحے کے لیے میرے بدن میں جھرجھری سی دوڑ گئی میرا دل دہشت سے لرزنے لگا تھا کیا میں اسے ہلاک کرنے میں ناکام رہا ہوں کیا میرے ہاتھوں کی قوت نے بھرپور طریقے سے میرا ساتھ نہیں دیا، میں اسے دیکھتا رہا اس کی کھلی آنکھیں بڑی عجیب لگ رہی تھیں پھر اس نے زبان بھی منہ کے اندر کر لی اور ہونٹ بند کر لیے لیکن اس کے بعد اس کے اٹھنے کا جواز نہ تھا اس نے مجھے کسی حد تک مطمئن کر دیا اور یہ سب، یہ سب کالا جادو ہے، یہ سب کالا جادو ہے، گندے اور غلیظ اجسام،

کشنا نے مہری پر ہاتھ نہیں جمائے تھے مگر اس کا آدھا حشر مٹنی انداز میں اٹھ کر بیٹھ گیا تھا پھر مہری سے بھی کھڑی ہو گئی تھی وہ اس کے دونوں ہاتھ سیدھے تھے گردن بالکل تنی ہوئی تھی آنکھیں سامنے ہی ہوئی تھیں اور میں اس کی آنکھوں کی زبردستی سے الگ تھا پھر وہ اسی انداز میں دروازے کی جانب مڑی اور میں نے ایک درم نظر دیکھا وہ قدم نہیں اٹھا رہی تھی بلکہ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی چیز اسے دھکیلتی ہوئی لے جا رہی ہو اس کا رخ دروازے کی جانب تھا، دروازہ بند تھا لیکن جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچی دروازہ کھل گیا میں نے پھر قے سے اگے قدم بڑھا دیے اب کم از کم دل کو یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ غلط نہیں ہے باہر مکمل طور پر سننا اور خاموشی طاری تھی۔ رمارانی لکھتی اور تمام افراد اپنی اپنی جگہ آرام کی نیند سو رہے تھے اس ڈرامے سے بے خبر جو میرے کمرے میں ہو رہا تھا میں کشنا کا پیچھا کرتا ہوا صحن میں گیا تب میں نے وہاں بہت سے سوگواروں کو دیکھا، ٹوٹے پھوٹے سوگوار گردنیں جھکائے ٹھٹھوں میں سر دیے بیٹھے ہوئے تھے امدان کے درمیان ایک عجیب سی شے لکڑی کے ٹخوں پر رکھی ہوئی تھی میں نے اس شے کو دور ہی سے پہچان لیا یا رتھی تھی ویسی ہی جیسے غیر مسلم اپنے مردوں کو لے جانے کے لیے تیار کرتے ہیں بانس لگے ہوئے تھے درمیان میں چار پانی جیسی جگہ تھی کشنا اس طرح آگے بڑھی ہوئی اس شے تک پہنچ گئی اور سوگواروں نے سرائی دے دیے ان کے حلق سے مدھم مدھم آوازیں نکل رہی تھیں۔ کسی نے بھی گردن موڑ کر میری جانب نہیں دیکھا تھا کشنا رتھی پر بیٹھی اور پھر پاؤں سیدھے کر کے لیٹ گئی تب سارے سوگوار کھڑے ہو گئے ان سب نے رتھی اپنے کاغذوں پر اٹھائی اور مخصوص انداز میں لڑھکتے چلتے آہستہ آہستہ کچھ کہتے دروازے کی جانب بڑھ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ رتھی دروازے سے باہر نکل کر غائب ہو گئی، غائب ہونے کی بات میں نے اس لیے کی کہ جب وہ دروازے سے باہر نکل گئے تب میں نے بہت کر کے قدم آگے بڑھائے میں اب ان واقعات کا اس قدر عادی ہو چکا تھا کہ کسی بھی مسئلے میں بہت زیادہ خوف و دہشت پیدا نہیں ہونے پاتی تھی، دروازے سے باہر جھانکا تو دور دور تک کسی کبھی نشان نظر نہیں آ رہا تھا پوری جگہ سنسان پڑی ہوئی تھی اور

کہیں بھی کسی کا پتہ نہیں تھا، دل کو بڑا سکون محسوس ہوا
 بڑا اطمینان ہوا کہ جو کچھ ہوا ہے وہ غلط نہیں ہے، رات
 پور نیوں میں سے ایک پورنی خستہ کردی سٹی میں نے لیکن
 لیکن یہ تجربہ بھی ایک انوکھا تجربہ تھا اس کا مطلب ہے کہ
 پورنیاں ایسی شکلوں میں بھی میرے سامنے آسکتی ہیں جو میرے
 لیے باعث احترام ہوں قابل قدر ہوں۔

میں ان سے متاثر ہوں کہ ان کے بارے میں سوتج بھی
 نہیں سکتا ہوں، ہاں ہی تو کہا گیا تھا مجھ سے کہ غرضش کی
 گنجائش نہیں ہے، غرضش ہوئی تو ہیرا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غرق
 ہو جائے گا یہ تو ایک بہت دی گئی تھی مجھے میرا حساب کتاب کہ
 اور میں..... میں اپنے پہلے قدم میں کامیاب رہا تھا تب
 دل میں خوشی کی ایک لہر چلی۔ آہ کاش..... آہ کاش میرا یہ
 قدم درست ہوا اور میرے مستقبل کے راستوں کو استوار کر سکے۔
 اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا، پہلے کا ماحول بڑا بے تک
 ہوا تھا ابھی وقت ہی کتنا گزر رہا تھا ایک ایک لمحہ خوف و
 دہشت کا حامل تھا لیکن اپنے آپ کو اس خوف سے آزاد
 کیا اور بستر کی چادر جھاڑ کر دوبارہ بچھائی اس پر لیٹ گیا اور وہ
 پہلے ہی سے بند کر لیا تھا لیکن کے بعد ہی خیالات کے بحوم
 سے چھٹکارہ ملتا اب صبح کو رماراتی کا سامنا ہو گا کشنا کی
 تلاش کی جائے گی لیکن میں اس میں بہت زیادہ سرگرمی
 کا مظاہرہ نہیں کروں گا یہ تو میری خوش بختی تھی کہ وہ لوگ
 اسے اٹھا کر لے گئے تھے پھر دفعہ ایک اور خیال میرے
 ذہن میں آیا اور اس خیال نے مجھے چوٹ کا دیا۔ کیا وہ واقعی
 کشنا تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اصل کشنا اپنی جگہ موجود ہو
 اور پورنی یہ روپ دھار کر میرے پاس پہنچی ہو مجھے درغلانے
 کے لیے مجھے مزید گندہ کرنے کے لیے تاکہ میں ہمیشہ ہمیشہ
 کے لیے بھوریا چرن کی غلامت میں گرفتار ہو جاؤں، اگر
 ایسا بھی ہے تو میرے خیال میں یہ اچھی بات تھی اس
 طرح کم از کم غمیر کو سکون ملے گا۔ کاش وہ کشنا نہ ہو کاش
 وہ کشنا نہ ہو۔ میں نے سوچا اور اس کے بعد آنکھیں
 بند کر لیں نیند نہیں آئی تھی انتہائی کوشش کے باوجود نیند
 نہیں آئی تھی لیکن خودی نے طبیعت کسی قدر بحال کر دی تھی
 صبح کو میں نے ہی فیصلہ کیا تھا کہ معمول کے مطابق اپنی ملازمت
 پر چلا جاؤں گا ہو سکتا ہے صبح ہی صبح اس بات کا اکتشاف

نہ ہو کہ کشنا گھر میں موجود ہے یا نہیں بے شک میرے
 دل میں یہ تجسس باقی رہے گا لیکن اچھا ہے سوچنے کے لیے
 پورا دن مل جائے گا۔ چنانچہ معمول کے مطابق تیاریاں کیں
 اور اس کے بعد باہر نکلا میں جانتا تھا کہ میرے لیے ناشتہ
 تیار ہو گا مالتی فوراً ہی مجھے ناشتے کی خبر دے گی دل میں
 فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی سے کسی حیرت کا اظہار نہیں کروں گا اور
 اپنی ڈیوٹی پر پہنچ جاؤں گا۔

کمرے سے باہر نکلا لیکن سامنے کوئی موجود نہیں تھا
 میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں ایک عجیب سی خاموشی
 ایک عجیب سا سنا محسوس ہوا جیسے سب اپنے اپنے کمرے میں
 ہوں ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ اس وقت تو زندگی کے معمولات
 ہنگاموں سے پڑھ کر تے تھے سب ہی اپنے اپنے کاموں میں
 مصروف۔ کیا ہوا ان لوگوں کو کیا ہوا کہیں رات کے واقعات کا
 پتہ تو نہیں چل گیا مارتی اس بات سے ناواقف نہیں تھی کہ کشنا
 سولہ گھنٹہ کر رہی ہے، انہیں یقینی طور پر علم ہو گا کہ یہ سولہ
 گھنٹہ کس کے لیے کیے جا رہے ہیں۔ رماراتی کے کمرے ہی
 کی جانب بڑھ گیا دروازے پر آہستہ سے دستک دی مگر
 دستک ہی سے دروازہ تھوڑا سا اندر دب گیا میں نے
 دروازہ کھول کر اندر نظر ڈالی اور آنکھوں پر یقین نہ آیا۔
 وہاں تو جھاڑ دھیری ہوئی تھی جو کچھ نظر آیا اسے دیکھ کر تو
 دماغ پھٹنے کے قریب ہو گیا۔ کمرہ بالکل سناں اور دیوان
 پڑا ہوا تھا دیواروں پر مکر دیوں کے چائے لگے ہوئے
 تھے اندر سے سیلن کی بو آ رہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے
 یہ کمرہ طویل عرصے سے نہ کھولا گیا ہو سامان نام کی کسی چیز کا کوئی
 نشان نہیں تھا حالانکہ چند گھنٹے پہلے میں نے اس کمرے
 کو جگمگاتا ہوا دیکھا تھا۔

باقی باتیں تو ابھی جگہ لیکن دیواروں پر لگے ہوئے
 چائے ادھر ادھر ہوا پلاسٹر اور پھیلی ہوئی دیوانی ناقابل یقین
 تھی ایک دہشت بھری حیرت کے ساتھ دروازہ دھڑکے بند
 کیا اور پیچھے ہٹ کر دوسرے کمرے پر پہنچ گیا۔ دل میں اب
 یہ احساس جاگ رہا تھا کہ وہاں بھی لچہ نہیں ہو گا اور وہی
 ہوا پورنی عمارت آسیب زدہ محسوس ہو رہی تھی، کسی بھی
 کمرے میں زندگی کے آثار موجود نہیں تھے، کوئی بھی وہاں
 نہیں تھا، اپنے کمرے کی جانب آگے بڑھنے کی ہمت نہیں

ہو اور درخو فزودہ انداز میں وہاں سے پلٹا اور بھاگتا ہوا
 عمارت سے باہر نکل آیا۔ نہ جانے کیوں اس وقت مجھ پر
 خوف و درہشت کا اس قدر غلبہ ہو گیا تھا کہ عمارت سے
 نکلنے کے بعد بھی دیر تک دوڑتا رہا اور پھر اس میدان کے
 دوسرے سرے پر آکر دم لیا جس کے دوسری جانب بیٹات
 تھی۔ سرچکرا رہا تھا، ذہن میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ یہ
 سب یہ سب کھیل تھا، یہ سب کالا جادو تھا۔ یہ سب سفلی علم
 تھا جس کی بنیاد پر وہ میری نگاہوں کے سامنے آئے تھے
 اس کا مقصد ہے کہ رہا رانی، مادھا، لکشمی جتنے بھی کردار سامنے
 آئے تھے وہ اصل نہ تھے، وہ حقیقت نہ تھے بلکہ وہ سب جلدوی
 حیثیتوں کے حامل تھے۔ اف میرے خدا۔ میرے خدا بدل
 چاہا کہ کسی جگہ بیٹھ کر اپنے آپ کو معتدل کر دوں۔ لیکن کوئی
 ایسی جگہ نظر نہیں آئی۔ تب خود کو سنبھال کر آہستہ آہستہ
 آگے بڑھنے لگا۔ اس کیفیت میں حاجی صاحب کی حویلی پہنچوں
 گا تو کیا میری اس کیفیت کو شناخت نہ کر لیا جائے گا۔
 پھر حال ایک تانگے میں بیٹھلا اور اسے حاجی صاحب کی حویلی
 کا پتہ بتا دیا۔ سارے راستے اپنے آپ کو معتدل کرنے
 کی کوششوں میں مصروف رہا تھا اور کچھ دیر کے بعد
 اس میں کامیابی بھی نصیب ہو گئی تھی۔ حاجی صاحب کے
 ہاں کوئی قابل ذکرات نہیں ہوئی خود حاجی صاحب
 میرے ساتھ دو تین جگہ گئے حویلی واپس آئے۔ ان کے
 کارخانے میں نے دیکھے بہت بڑا کام تھا شام کو ایک اور
 شخصیت سے ملاقات ہوئی دیونا انسان یا انسان نما
 دیوتا تھا انداز لباس میں ملبوس رنگ چمک دار سفید
 حاجی صاحب نے جیسی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”سعود میاں ابھی کچھ وقت باقی ہے عظیم میاں کو
 مبارک پورہ پہنچا دو۔ گاڑی واپسی میں ساتھ لے جانا
 صبح کو آ جانا۔ دوسری گاڑی موجود ہے۔“ میں نے گردن
 خم کر دیے۔ عظیم میاں صاحب تھے میں نے ادب سے
 پھلادینا وارہ کھول دیا اور عظیم میاں اندر بیٹھ گئے حاجی
 صاحب نے خود ہی کہا۔

”عظیم میاں راستہ بتاتے جانا۔ میں نے گاڑی
 اشارت کر کے آگے بڑھا دی۔ حویلی سے نکل کر کچھ دور
 ہی پہنچا تھا کہ عقب سے عظیم میاں کی گھبراہٹی ہوئی آواز

سنائی دی۔

”روکو... روکو...“ اور میں نے بریک لگا دیے
 دیکھے عظیم میاں کی آواز بڑی عجیب تھی۔ ایسی خوفناک
 جسامت پر یہ آواز ناقابل یقین تھی۔

”جناب عالی۔ میں نے کہا۔“

”تمہیں نظر تو آتا ہے۔ عظیم میاں بولے۔“

”جی میں نے حیرانی سے کہا۔“

”میرا مطلب ہے دیکھ تو سکتے ہو نا عظیم میاں بڑبڑور
 گھبراہٹی ہوئی آواز میں بولے۔“

”میں سمجھ نہیں پایا جناب۔“

”ماموں میاں نے یہ کیوں کہا تھا کہ راستہ بتاتے جانا

یعنی وہ جیسے اندھے کو سڑک پار کرائی جاتی ہے۔“

”اوہ۔ میں نے عجیب کی نظروں سے عظیم میاں کو

دیکھا اب کچھ کچھ سمجھ میں آرہے تھے آواز کے ساتھ عقل

بھی چربی کی تہوں میں چھپی معلوم ہوتی تھی پھر حال

حاجی صاحب کے شناسات تھے بلکہ حاجی صاحب کو ماموں

میاں کہہ رہے تھے اس لیے احترام کرتا تھا میں نے کہا

وہ دراصل بنارس کے راستے نہیں معلوم آپ جہاں

تشریف لے جا رہے ہیں وہاں کے راستے بتا دیجئے۔“

”اچھا... اوہ۔ میں تو ڈر گیا کہ نہ جانے ماموں میاں

نے۔ بعض اوقات بے وقوفی کی باتیں کرنا لگتا ہوں

میرے گھر کا راستہ تو بہت آسان ہے یہاں سے۔“

چھپن ٹولہ چلو اس کے بعد گوہی بازار سے نکلتے ہوئے

بائیں منڈی پھر مبارک پورہ۔ سیدھا سا پتہ ہے۔“

”خوب۔ آگے بڑھوں! میں نے مسکرایا۔“

”ایں... نہیں گاڑی ہی میں چلو۔“ وہ جلدی سے

اور میں نے ٹھنڈی سانس لے کر گاڑی آگے بڑھا دی

عظیم میاں دلچسپ شخص تھے سیدھی سڑک پر گاڑی کی

رفتار میں نے سست ہی رکھی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ

کہنے لگے۔

”مبارک میاں نام ہے۔“

”سعود کہہ سکتے ہیں آپ...“

”گاڑی بڑی ابھی چلائے ہو، دراصل مجھے تیر گاڑیاں

چلنے دیکھ کر بڑا ڈر لگتا ہے کوئی بات ہوئی خواہ مخواہ

سڑکوں پر مایے دوڑے جا رہے ہیں جیسے مجھے
آفت آرہی ہو، دل اچھل اچھل پڑتا ہے کیا نام بتایا
ہے تم نے اپنا۔ کیا کہہ سکتا ہوں میں تمہیں۔
”سمیرا میں نے دوبارہ بتلایا۔

”بڑے اچھے آدمی لگتے ہو۔ ماموں میاں بھی...
بہت اچھے ہیں تم ان کے پاس نوکری کرتے رہنا خواہیں
بڑے عوادوں گا۔“

”بہت بہت شکریہ عظیم میاں حاجی صاحب آپ کے
ماموں میں۔“

”ہاں ہاں کیوں کیا ہوا، وہ میرا بیٹے میں بولے۔
”نہیں کچھ نہیں ہوا۔“

”اماں سیدھے ہاتھ پر کیوں نہیں مڑے سیدھے
کہیں اور جا رہے ہو کیا۔“

”جی میں نے گاڑی سائیڈ میں کر کے اسے بریک
لگاتے ہوئے کہا۔“

”چھین لو نہیں چلو گے کیا، وہیں سے تو ہمارے گھر کا
راستہ آتا ہے۔“

”وہ سیدھی سڑک جو مڑ رہی تھی اس پر جانا ہے۔
”جی بہتر وہ میں نے گاڑی کو تھوڑا سا آگے بڑھایا سڑک

سنان دیکھ کر موڑا اور واپسی کا رخ اختیار کر لیا اس
سیدھی سڑک پر مڑتے ہوئے میں نے کہا: اب جدھر بھی لوٹنا

ہو آپ خدا تجھے پہلے بتا دیجیے۔ کہیں نہیں مڑنا پس۔
سیدھے گویا بانار سے ہانس منڈی کی طرف مڑیں گے۔

”جو بھی بازار اس سڑک پر آتا ہے۔
”ہمیشہ سے یہیں ہے کوئی تبدیلی تھوڑی ہوئی ہے عظیم

میاں نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی عظیم میاں تھوڑی دیر
خاصوش رہے پھر بولے۔ در شہوار نے تمہیں تو نہیں ڈانٹا

کسی بات پر۔“
”جی میں نے سامنے لگا ہیں جہاں سے ہوئے پوچھا۔

”بہت ڈانٹتی ہیں۔ میری جگہ اگر وہ ہوتی تو غلط سمجھت
گاڑی لے جانے پر تمہاری جان کو آجاتی ویسے تو اس میں

ساری باتیں بہت اچھی ہیں۔ بس یہی ایک خرابی ہے بس
ذرا سی بات پر ڈانٹ دیتی ہے اماں دیکھو اب اس وقت

بھی کوئی بات تھی آخر گزرتی کی مگر... خیر سب کچھ ٹھیک

ہو جائے گا۔ اللہ مالک ہے۔“

عظیم میاں کی کوئی بات ابھی تک تو میری سمجھ میں نہیں آئی
تھی سوائے اس کے کہ وہ کچھ سیدل معلوم ہوتے تھے۔ اور

انتقام گھنٹو کرتے تھے ہر طور دلچسپ آدمی تھے مگر مرد شہوار کا
تذکرہ میں نے دوسری بار سنا تھا ابھی تک حقیقی معنوں میں

میری اس سے مدد نہیں ہوئی تھی مہتاب علی نے بھی خصوصی
طور پر ابھی کی طرف سے ہوشیار کیا تھا لیکن ان میں سے

کوئی نہیں جاننا تھا کہ میری شخصیت کیا ہے میں تو اپنی ذات
میں خوشی محسوس کرتا ہوں دل میں جو احساس بننے لگا

تھا وہ بھی تھا کہ میری جس قدر ذلت ہوگی اسی قدر میرے
گناہوں میں کی واقع ہوگی اور بخشش کے راستے آسان

ہو جائیں گے۔
بہر حال گو بھی پورہ اور اس کے بعد عظیم میاں کے بتائے

ہوئے راستوں پر چلتا ہوا ان کے گھر تک پہنچ گیا انہیں
وہاں اتارا اور واپس پلٹ پڑا۔ اب صبح معنوں میں

شکل و منت آگیا تھا سوچ تو دن بھر ہی ذہن پر طاری رہی تھی
اور یہ فیصلہ کرنے سے قاصر رہا تھا کہ اب میں کیا کروں

جہاں تک رزق حلال کا تعلق ہے تو میرے خیال میں یہ
نوکری میرے لیے انتہائی مناسب تھی اس سے پہلے جو کچھ

بھی کرنے کی کوشش کی تھی اس میں واقعات بدل گئے تھے
مگر حاجی صاحب کا گھرانہ کافی بہتر نظر آ رہا تھا۔ پھر ایک پورنی

کی ہلاکت کے بعد میرے اندر کچھ اعتماد بھی بیدار ہو گیا تھا
ان کا نظر آ جانا خطر ہے۔ میں اپنی انتہائی کوششیں صرف

کر کے گلو خلاصی حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر
ذہن میں مہتاب علی آئے وہی ایک گوفہ عافیت تھا بہت

اچھے لوگ تھے اگر مجھے وہاں پناہ مل جائے تو بڑا ہی
اچھا ہو۔“

بہت کر کے مہتاب علی کے گھر کی جانب چل پڑا گاڑی
ان کے دروازے کے سامنے روک دی اور اسے مقفل کر کے

مہتاب علی کے گھر کے دروازے پر دھک دی۔ دروازہ مہتاب
علی صاحب نے ہی کھولا تھا مجھے دیکھ کر بے حد خوش ہو گئے۔

آجاؤ۔ آجاؤ۔... اور ہو گاڑی میں آئے جو خوب خوب آؤ
اندھے آؤ میاں نکلتی کیسا، وہ مجھے اندھے لے گئے رخسار

صاحبہ دوڑتی ہوئی آئیں اور بڑی محبت کا اظہار کرتے ہوئے

میرا استقبال کیا۔ مہتاب علی صاحب نے میٹھے کی چٹکس کی اور بولے: کل سے میں بھی اپنے کام پر آرہا ہوں بہت سے معاملے گزرتے ہوئے ہیں نہ اسباب کتاب رکھنا پڑتا ہے جاتی صاحب کے اخراجات کا انہوں نے مجھے پرایوٹ طور پر اپنا خرچائی مقرر کیا ہے وہیں اس حویلی میں میرا ایک چوڑا سا دفتر بنا ہوا ہے باہر کے کام باہر جوتے ہیں لیکن سارے حسابات کی آخری جانچ پڑتال میرے سپرد ہے ویسے یہاں مسعود ذرا بے تکلفی سے بتا مارہ جگہ کچھ مشکل تو محسوس نہیں ہو رہی ہے ویسے تو سب ہی لوگ بہت اچھے ہیں بس ذرا درشہوار اور جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا اگر کبھی بیگم صاحبہ بھی اوقات سے باہر ہو جاتی ہیں بس انہی دلوں کی طرف سے تو مٹا سا تردد ہے ورنہ باقی تو سب ٹھیک ہے۔ میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا: آپ اس بارے میں بالکل مطمئن رہیں مہتاب علی صاحب میں ایسی باتوں پر غور نہیں کرتا ویسے ہی ابھی تک میری بیگم صاحبہ اور شہوار سے ملے بغیر نہیں ہوتی ہے لیکن اگر کوئی ایسی ویسی بات بھی ہوتی تو ملازمت بہر حال ملازمت ہوتی ہے۔

مہتاب علی صاحب پر خیال لگا ہوں سب مجھے دیکھنے لگے۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر رخسار کی طرف رخ کر کے بولے۔ ”رخسار بیٹی جاؤ بھائی آئے ہیں کچھ خاطر مدارات کا بندوبست کرو۔“ نہیں مہتاب علی صاحب براہ کرم پہلے میری ایک شکل سن لیجئے گا اس کے بعد خاطر مدارات کی بات کریں۔

”ارے تو پہلے کیوں نہیں بنایا۔“ بہت کر رہا تھا۔ میں نے کہا اور مہتاب علی صاحب غیب سی لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگے پھر خاموشی سے میرے بولنے کے منتظر رہے تب میں نے کہا: میں کوئی پناہ گاہ چاہتا ہوں مہتاب علی صاحب اور بے تکلفی سے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس کے لیے مجھے آپ ہی کا سہارا درکار ہو گا کوئی ایسی جگہ جہاں میں رات کو سو سکوں مگر نہ ہو تو مجھے عنایت کر دیں کوئی صلہ دینے کی بات نہیں کروں گا کیا دے سکتا ہوں میں آپ کو لیکن اگر کوئی خدمت سونپی گئی تو اسے پورا کرنا میں اپنی خوشی سمجھوں گا۔ دراصل اب میرے پاس رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

مہتاب علی صاحب نے شاید اس لفظ اب پر چونک کر مجھے دیکھا تھا صاحب ظرف انسان تھے ایک نئے خاموش رہے۔ پھر بولے۔

”مسعود یہاں بات دراصل یہ ہے کہ بہت سی باتیں دل میں ہوتی ہیں لیکن انہیں زبان پر لانا مشکل ہو جاتا ہے ہم صرف چار افراد ہیں اس گھر میں اور ویسے ہی بد قسمتی ہے دوسرے عزیز واقارب سے غموم ہیں تفصیل میں جانا بے کار ہے۔ یوں سمجھو کہ پھر کسی نئی آواز کو تو رسا ہوا ہے اگر ہیں یہ سعادت حاصل ہو جائے تو یہ تو ہماری خوش بختی ہے تم سونے کے لیے ایک چار پائی کی جگہ کی بات کرتے ہو۔ میں کہتا ہوں میرے گھر کے کسی بھی فرد سے پوچھ لو وہ تمہیں دل میں بٹھانے کے لیے تیار ہو جائے گا یہاں اس سے اچھی کوئی اور بات کیا ہو سکتی ہے جو تمہیں اس وقت کہی میں تم سے یہ سوال بالکل نہیں کر رہا کہ اچانک ہی تمہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آئی کیونکہ یہ استفسار نقشیش حال تصور کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ اس کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔“

”دراصل میں: میں نے کہنا چاہا مگر مہتاب علی نے مجھے روک دیا اور بولے: نہیں تمہارا ذاتی معاملہ ہے مجھے بس وہ ضرورت بتا دینا جو تمہاری شکل ہو اور اب ذرا اجازت دو یہ خوشخبری دوسروں کو بھی سنا دوں: مگر محترمہ رخسار ان سے پہلے اندر دوڑ گئی تھیں۔

میں گہری سانس لے کر سوچوں میں گم ہو گیا اس بات پر کہ کئی بار غور کر چکا تھا کہ یہ دنیا میں بہت تلخ نہیں ہوتی تھی مصائب کے پہاڑ ٹوٹے تھے تو سہارا دینے والے بھی ملتے رہتے تھے اس طرح صورتحال متوازن رہی تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو دور ہی صور میں ہوتیں یا تو زندگی ختم کر لیتا یا جھٹک جاتا ایمان بھی کھو بیٹھتا لیکن بھوریا چمن کی وجہ سے جتنی صعوبتیں اٹھانی پڑی تھیں ایسے ہی بے لوث محبت کرنے والے تھے مہتاب علی کی بیگم کے ساتھ ان کی دوسری بیٹی بھی آگئی تھی۔

”جی خوش کر دیا تم نے مسعود یہاں۔ خدا تمہیں خوش رکھے بیٹھے ہم بے لوث بے غرض لوگ ہیں محبتوں کو ترسے ہوئے۔ ہیں بس اپنا پتہ دے دینا اس سے زیادہ

ہماری طلب کبھی کچھ اور نہ ہوگی تم سے وعدہ میری گھٹوں پر رہو مگر انہوں کی طرح کوئی تکلف نہ کرنا اس گھر کا ہر گوشہ دیکھ لو جو پسند آئے تمہارا۔

”جی جان... کوئی رسمی جملہ عرض نہ کر پاؤں گا بس اعتماد کا طلبگار ہوں جو جگہ آپ میرے لیے مخصوص کریں گی وہ مجھے پسند ہوگی۔“

”بھئی یہ قابل بحث مسئلہ نہیں ہے۔ بغلی کمرہ سودیاں کے لیے مناسب ہے اس کا راستہ اندر بھی باہر باہر بھی۔ بس اسے ٹھیک کرادیں۔“

”فرحانہ ہاؤس خزانہ کے ساتھ وہ کمرہ درست کر دو۔“ اس کے بعد باقیں ہوتی رہی تھیں ضرورتوں کی تکمیل ہوئی تھی اور اس کے بعد مجھے تنہائی مل گئی تھی۔ بہت بڑے واقعے کے گزرا تھا مگر سکون تھا بلکہ خوشی تھی البتہ یہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ رسائی اور دوسرے لوگ کیا تھے

کشا تو پورنی تھی اس کی تصدیق اس وقت ہو گئی تھی جب اس کے پیراس کی ارنی اٹھا کر لے گئے تھے مگر وہ... کیا سب کچھ جال تھا قریب تھا آہ۔! اگر ایسا تھا تو کتنا انوکھا قریب تھا کس طرح میرے جذبات سے کیسلا گیا تھا کیسا انوکھا انتخاب کیا گیا تھا۔ پتہ تو ہے بھو یارن تو میرے ہر پہلو سے واقف ہے میری اس زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کی نگاہ میں ہے وہ آئندہ بھی ایسے کردار منتخب کر سکتا ہے جن کا مجھ سے گہرا تعلق ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک ایک قدم بھونک بھونک کر رکھنا ہوگا ہینڈ

ممتا طرہ بنا ہوگا۔ دوسری صبح مہتاب علی نے دروازہ بجا کر جگایا اور جاؤ مسعود میاں ساڑھے سات بج گئے ہیں میں ہنرناک اٹھ گیا ناشتہ تیار تھا خود مہتاب علی بھی تیار تھے بولے تمہارے ساتھ ہی چلوں گا۔

”جی چلیں۔“ ”تمہیں کوئی نا پسند تو نہیں ہے۔“ ”بالکل نہیں مہتاب علی صاحب۔“ ”میاں جی جان کہہ لیا کہ وہ ہم بھی کیا یاد کریں گے۔“ ”مہتاب علی خوش قسمت دلی سے بولے۔“ ”بہتر ہے شاید نے عجب دیا۔“

”جی چلیں۔“ ”تمہیں کوئی نا پسند تو نہیں ہے۔“ ”بالکل نہیں مہتاب علی صاحب۔“ ”میاں جی جان کہہ لیا کہ وہ ہم بھی کیا یاد کریں گے۔“ ”مہتاب علی خوش قسمت دلی سے بولے۔“ ”بہتر ہے شاید نے عجب دیا۔“

”جی چلیں۔“

”تمہیں کوئی نا پسند تو نہیں ہے۔“

”بالکل نہیں مہتاب علی صاحب۔“

”میاں جی جان کہہ لیا کہ وہ ہم بھی کیا یاد کریں گے۔“

”مہتاب علی خوش قسمت دلی سے بولے۔“

”بہتر ہے شاید نے عجب دیا۔“

”وہ نہ مختصر مقرر کریں گی ہم پر... بہت خوش تھیں اس بات پر کہ تم نے انہیں جی جان کہہ کر مخاطب کیا ہمارا خطاب بھی ضروری ہے۔“

”یقیناً میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہم حویلی پہنچ گئے یہاں کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ حاجی صاحب سامنے ہی نظر آئے ہم گاڑی سے اترے تو پہلے پاس پہنچ گئے۔ سلام کا جواب دے کر مہتاب علی نے مخاطب ہوئے۔ جی فرمائیے۔ کوئی کام ہے۔“

”دفتر جانا چاہتا ہوں چابیاں مرحمت ہو جائیں۔“

”کیا جلدی ہے۔“ چہرہ دیکھ رہے ہو آئینے میں نقاب سے بھر پور ہے۔“

”محبت کی نگاہ ہے وہ ذاب بالکل ٹھیک ہوں تھوڑی دیر تک رو و قدح ہوتی رہی اس کے بعد مہتاب علی کو دفتر کی چابیاں مل گئیں۔ میں گاڑی صاف کر کے اس کا تیل پانی چنگ کرنے لگا تھا۔“

پورے ایک ہفتے کے بعد مس در خواہ کی زیارت ہوئی تھی۔ ساتھ میں بیگم صاحبہ بھی تھیں۔ کار کے قریب آئیں اور مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا گیا: ”ڈا بھو کہہ رہے۔“

”جی میں حاضر ہوں۔“

”نور کہاں ہے۔“

”حاجی صاحب کے ساتھ گیا ہے۔“

”تم نے ڈرا یوور ہو۔“ یہ سوال بیگم صاحبہ نے کیا۔

”جی ہاں۔“

”ہوں چلو۔“ دونوں خواتین میں در خواہ بلاشبہ خوبصورت تھی۔ حسن کے مدیاں پر مکمل مگر چہرے ہی سے مغرور اور ثنوت سے بھری معلوم ہوتی تھی بونٹ حسین تراش کے مگر مسکراہٹ سے مادی۔

”کہاں جانا ہے بیگم صاحبہ۔ میں نے پوچھا اور ایک جگہ کام لے دیا گیا کچھ خاموشی رہی پھر وہ شہولک آواز ابھری۔“

”اس سے پہلے تاں کہہ سکتے رہے ہو۔“

”جی۔“

”یہ گاڑی چلا رہے ہو یا تاں کہہ۔“ کار اس رفتار سے چلائی جاتی ہے۔“

”جی۔“

”یہ گاڑی چلا رہے ہو یا تاں کہہ۔“

”جی۔“

”یہ گاڑی چلا رہے ہو یا تاں کہہ۔“

”جی۔“

”یہ گاڑی چلا رہے ہو یا تاں کہہ۔“

”جی۔“

”یہ گاڑی چلا رہے ہو یا تاں کہہ۔“

”جی۔“

”یہ گاڑی چلا رہے ہو یا تاں کہہ۔“

”جی۔“

”ٹھیک چلا رہا ہے شہوار۔۔۔ تیز رفتاری اچھی نہیں ہوتی۔“

”میں نے آپ کو ساتھ چلنے کی دعوت کب دی تھی؟“
”اب تو میں چل رہی ہوں۔“

”تو پھر کار میں چلے۔۔۔۔۔ تاکھے میں نہیں۔ تیز چلاؤ گاڑی۔ کڑک کر کہا گیا۔ میں نے رفتار تیز کر دی اور تیز۔۔۔۔۔ اور تیز۔۔۔۔۔“

”ارے بھیا۔ ارے ہرا۔۔۔۔۔ ارے۔۔۔۔۔ ارے خدا تمہیں نیکی دے۔۔۔۔۔ ارے مار دو گے کیا۔۔۔۔۔ ارے آہ۔۔۔۔۔ کرو۔۔۔۔۔ بگم صاحبہ کادم نکلنے لگا اور میں نے رفتار سست کر دی۔ مگر فکر ہے کوئی اور فرائض نہیں ہوئی اور منزل آگئی نیچے اترتے ہوئے شہوار صاحبہ نے کہا۔

”باس رونا تبدیل نہیں کرتے۔“
”جی نہیں۔“

”یہ تمہارا کار سیاہ ہو رہا ہے بالکل۔ جب بھی میرے ساتھ چلو تو اتنے صاف رہو کہ اعراض کی گنجائش نہ رہے۔“

”دونوں ماں بیسیاں اندر چلی گئیں۔۔۔۔۔ اور میں مسکرانے لگا۔ تو یہ میں مس در شہوار۔۔۔۔۔“

ماجی صاحب کی حویلی، کتاب علی کا گھر، رخسان خاموش طبع اور شرمیلی فرماں۔۔۔۔۔ تمام لوگ۔۔۔۔۔ زندگی ایک ٹھنڈا اختیار کرنے لگی تھی۔ کوئی مشکل نہیں پیش آ رہی تھی۔ کتاب علی صحت مند ہو گئے تھے۔ ان کا کنا تھا کہ ہر انسان کو زندگی میں ایک ایسا ستارہ اور کار ہونا ہے جو اس کے لیے غیر متوقع ہو اور اگر اسے کوئی سہارا مل جائے تو اس کے وجود میں بہت سی تبدیلیاں آ جاتی ہیں۔ میں ان کے لیے ایسا ہی سہارا ثابت ہوا ہوں ایک اور دل چرب شخصیت عظیم میاں کی تھی، ماجی صاحب کی مرحوم بہن کے بیٹے تھے، ماجی صاحب کی آنکھوں کا تارا۔۔۔۔۔ ماجیانی بھی انہیں بہت چاہتی تھیں اور وہ در شہوار کو چاہتے تھے۔ کسی راز دار کے لیے بے چین تھے۔ ایک دن مجھ سے بولے :
”تم نے محبت کی ہے۔“

”کس سے عظیم صاحب۔۔۔۔۔؟“
”کسی لڑکی سے۔۔۔۔۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔۔؟“

”یار۔۔۔۔۔ کسی ایسے تجربے کا رآدی سے ملاؤ جو بہت سی محبتیں کر چکا ہو۔۔۔۔۔؟“
”کیا کریں گے۔۔۔۔۔؟“

”بس اس سے محبت کرنے کے طریقے سیکھوں گا۔“
”آپ کو نہیں آتے۔۔۔۔۔؟“

”بالکل نہیں آتے۔۔۔۔۔ پریشان رہتا ہوں، کبھی شہوار سے کچھ کہتا ہوں تو وہ ناراض ہو جاتی ہے کوئی استدلال جائے تو کچھ مشورہ کروں اس سے۔“
”آپ مس در شہوار سے محبت کرتے ہیں۔؟ میں نے کہا اور عظیم میاں کا مزحیرت سے کھل گیا۔ انہوں نے خوفزدہ لہجے میں کہا :
”تو تمہیں کیسے معلوم۔۔۔۔۔؟“

”جی۔۔۔۔۔ میں حیرانی سے بولا۔ ابھی انہوں نے میرے سامنے در شہوار کا نام لیا تھا۔ بہر حال مجھے ان کے بارے میں اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی لطف لینے کی غرض سے کہا :

”آپ کی آنکھوں سے پتہ چلتا ہے۔۔۔۔۔“
”ایں کیا۔ آنکھوں سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ کون کس سے محبت کرتا ہے۔۔۔۔۔؟“
”کیوں نہیں۔۔۔۔۔؟“

”ابے تو تم خود ہی اچھے خاصے تجربہ کار ہو پیارے بھائی مجھے بتاؤ میں کیا کروں، اتھوڑی بہت معلومات تو تمہیں ضرور ہوگی اس بارے میں کہ محبت کیسے کی جاتی ہے، حالانکہ ماموں ایمانی مجھ سے محبت کرتے ہیں وہ یہی چاہتے ہیں کہ در شہوار سے میری شادی ہو جائے مگر ماموں میاں نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ ٹیٹی کی خواہش کے بغیر وہ اس کی شادی کہیں نہیں کریں گے۔ ہاں اگر میں در شہوار کو اس شادی پر رضامند کرنے میں کامیاب ہو جاؤں تو پھر کوئی مشکل نہیں ہوگی اور ماموں میاں میری شادی کر دیں گے۔“

”افسوس میں اس سلسلے میں بالکل واقفیت

ہیں رہتا، اور نہ آپ کی مدد ضرور کرتا۔۔۔۔۔“
 ”تو پھر کسی ایسے آدمی کو تلاش کرو جو اس
 سلسلے میں کارآمد ہو ویسے وہ نوشاد آدمی تو اچھا ہے
 مگر مجھے پسند نہیں، ہمیشہ میرا مذاق اڑاتا ہے۔“
 ”نوشاد کون ہے۔۔۔۔۔؟“

”رشتہ دار ہی ہے ہمارا۔ بڑا یار باش آدمی
 ہے مگر ہے چار سو بیس، میں اس کی کسی بات پر مجبور
 نہیں کر سکتا، ہمیشہ اسے سیدھے مشورے دیتا ہے
 مجھے، آدمی ویسے بہت اچھا ہے تو تم میرے لیے کوشش
 کرو اگر کوئی تجربہ کار آدمی مجھے دے سکو تو میں
 تمہیں انعام بھی دوں گا۔۔۔۔۔“

”جی بہتر ہے میں کوشش کروں گا۔۔۔۔۔“ میں نے
 جواب دیا مگر ہنسی آئی تھی مجھے، کچھ دل بھی لگ گیا تھا
 یہاں اور وقت اچھا خاصا گزر رہا تھا پھر ایک دن
 در شہوار صاحبہ اپنی چند دوستوں کے ساتھ کچنک منانے
 کے لیے تیار ہوئیں۔ ہم دونوں ڈرائیوروں کو ہدایت
 کر دی گئی تھی کہ گاڑیاں تیار رکھیں اور بچوں کو کچنک پر
 لے جائیں ایک اور گاڑی بھی تھی جس میں کچھ نوجوان تھے
 بزرگوں میں کوئی نہیں تھا۔ بہر طور تیاریاں ہوئیں اور
 ایک بڑے فضا مقام کچنک کے لیے منتخب کر لیا گیا، بلاشبہ
 عمدہ جگہ تھی، لیکن میں اس سے پوری طرح لطف اندوز
 نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ میری حیثیت ایک ڈرائیور کی تھی
 در شہوار کی وہی کیفیت تھی، ناک چڑھی ہوئی، پیشانی پر
 بل۔۔۔۔۔ کچنک کے مقام پر بھی اس کے مزاج میں کوئی
 تبدیلی نہیں آئی تھی۔

بہر حال ہم لوگ یہ وسیاحت کرنے لگے کچھ فاصلے
 پر ایک بہت گہرا گڑھا تھا جو نیچے سے گھاس سے اٹا ہوا
 تھا، کچھ سوکھے ہوئے درخت اس گڑھے میں اگے
 ہوئے تھے اور کافی گہرائی تھی اس میں اتفاق سے میں
 وہیں موجود تھا جب در شہوار اپنی تین دوستوں کے
 ساتھ پہنچ گئی۔ بھلا کچنک پر عظیم میاں کیوں نہ ہوتے ہیں
 نے انہیں عجیب و غریب انداز میں در شہوار کے پیچھے
 لگے ہوئے دیکھا تھا۔ در شہوار کو شاید کوئی شرارت
 سوچیں عظیم میاں زیادہ فاصلے پر نہیں تھے میں بھی دور

نہیں تھا اس نے اچانک ہی عظیم میاں کی طرف دیکھی
 اپنی ساتھی لڑکیوں سے کچھ کھسر پھر کی اور ان کی جانب
 متوجہ ہو کر شاید انہیں آواز دی۔ عظیم میاں سر کے بل
 تو نہیں پہنچے تھے البتہ فوراً ہی اس کے قریب آ گئے
 تھے۔ میں اتنے فاصلے پر تھا کہ ان کے درمیان
 ہونے والی گفتگو سن سکتا تھا۔ در شہوار عظیم میاں
 سے کہنے لگیں:

”عظیم صاحب۔ عشق و محبت کے بارے میں آپ
 کیا جانتے ہیں۔۔۔۔۔؟“ اس براہ راست سوال پر
 عظیم میاں کا منہ حیرت سے کھل گیا، وہ بھی بھٹی بھٹی نگاہوں
 سے در شہوار کو دیکھنے لگا، پھر حقو کھٹکتے ہوئے
 آہستہ سے بولے:

”کچھ نہیں۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کچھ نہیں۔۔۔۔۔“
 ”اوہ تو پھر آپ سے پوچھنے سے کیا فائدہ۔؟“
 ”نہیں نہیں آپ ضرور پوچھئے میں جواب دوں گا۔“
 ”یہ میری دوست ہمارے۔ آپ اسے جانتے ہیں۔“
 ”کیوں نہیں۔۔۔۔۔“

”اس کا کہنا ہے کہ محبت کرنے والے جان پر
 کھیل جاتے ہیں کیا یہ درست ہے۔۔۔۔۔“

”بالکل۔۔۔۔۔ بالکل۔۔۔۔۔“ عظیم میاں نے زور زور سے
 گردن ہلاتی۔۔۔۔۔

”میں نہیں مانتی یہ کہتی ہے کہ اگر کوئی محبوبہ کسی محبت
 کرنے والے کو کوئی حکم دے تو وہ فوراً اس کی تعمیل
 کرتا ہے۔۔۔۔۔“

”بالکل بالکل۔۔۔۔۔“ عظیم میاں اسی انداز میں گردن
 ہلاتے ہوئے بولے:

”میں نہیں مانتی اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ اس
 گڑھے میں کود جائیں تو کیا آپ کو دجائیں گے۔۔۔۔۔؟“

در شہوار بولی اور عظیم میاں گڑھے میں جھانکنے لگے پھر
 بوکھلائی ہوئی نظروں سے در شہوار کو دیکھا پھر ادم ادم

۔۔۔۔۔ پھر بولے۔۔۔۔۔ ”کیوں نہیں۔۔۔۔۔“
 ”تو کوہ جائیے۔۔۔۔۔“

”اچھا کوشش کرتا ہوں۔۔۔۔۔“ وہ بولے آنکھیں
 بند کیں اور گڑھے میں کود گئے۔ میں اچھل کر کھڑا ہو گیا

میں نے گڑھے میں جھانکا۔ عظیم میاں گھاس کے ڈھیر پر
پڑے ہوئے تھے سر پھٹ گیا تھا اور خون بہہ رہا تھا۔
میں نے ملامت آمیز نظروں سے در شہوار کو دیکھا اس
کی ساتھی لڑکیاں جینے لگیں تمام لوگ جمع ہو گئے اور
شعور و فہم ہونے لگا۔ عظیم میاں جیسے گوشت کے
تودے کو اتنے گمراہ گڑھے سے نکالنا بھی آسان
کام نہیں تھا نچانے کیا کیا جن کے گئے تھے تب کہیں
عظیم میاں باہر کھسکے گئے بے ہوش تھے خوب چومیں
لگیں اساری کچنک ایسی تیس بیس مل گئی۔ فوراً ہی واپسی
کی تیاریاں کی گئیں اصل بات صرف وہ لڑکیاں جانتی
تھیں یا میں اور در شہوار کو شاید اس کا احساس تھا
حوالی آئے عظیم میاں اسپتال لے جانے گئے ہوش میں
آگئے پھر پٹیاں بند حوا کر واپس حوالی لے آئے گئے عجیب
سی فضا ہو گئی سب پریشان تھے۔ در شہوار نے ایک لمحے
کے لیے عظیم میاں کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا اس وقت بھی
وہ کمرے میں ان کے پاس تھی جب کوئی اور نہیں تھا مجھے
ایک دوا دے کر اندر بھیجا گیا اور جب میں اندر داخل ہوا
تو در شہوار کی آواز سنائی دئی وہ کہہ رہی تھیں۔

ہاں۔۔۔۔۔

آپ کیا کہیں گے۔۔۔۔۔

یہی کہ پاؤں پھسل گیا تھا۔ میں اس وقت
در شہوار نے مجھے دیکھا اور چونک پڑی پھر اس کی آنکھیں
سرخ ہو گئیں۔۔۔۔۔

تم مافور ہو بالکل۔۔۔۔۔ وہ گرجی۔۔۔۔۔

یہ دوا ابھی ہے حاجی صاحب نے یہ تینوں گولیاں
انہیں کھلا دیں۔۔۔۔۔

گدھوں کی طرح مزاحمت اٹھائے گھس آئے تم نے اندر
آنے کی جرأت کیسے کی۔۔۔۔۔؟" مجھ نے کیوں مجھے ترس
گیا، میں نے اسے گھورا اور آہستہ سے بولا:

گولیاں لے لیجئے۔۔۔۔۔

میری بات کا جواب دو۔۔۔۔۔

آپ بہری ہیں کیا۔ یہ گولیاں بھیجی گئی ہیں میرے
ہاتھ۔ آپ یہ انہیں کھلا دیں یا آپ باہر نکل آئیں، میں کھلا
دوں گا۔ در شہوار کا مزہ میرے کھل گیا وہ ایک دم

خاموش ہو گئی مجھے گھورتی رہی پھر مڑی اور اس
کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں نے عظیم میاں کو گولیاں
کھلائیں اور پھر بہر نکل آیا۔ عجیب سا ماحول ہو گیا تھا۔ حاجی صاحب
نے مجھے حکم دیا کہ آج واپس نہ جاؤں نہ جانے کس وقت
عظیم میاں کی وجہ سے میری ضرورت پیش آجائے۔ میں
نے گردن جھکا دی، کچنک سے تو تھوڑی دیر کے بعد ہی
واپس ہو گئی تھی۔ سارا مزا کر رہا ہو گیا تھا کچنک پر جانے
والوں کا۔۔۔۔۔

وقت گزرتا رہا، رات ہو گئی۔ عظیم میاں کو تیز بخار
ہو گیا تھا اور اہل خانہ شدید تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے۔
سب ان کے کمرے میں جمع تھے میں باہر موجود تھا اور آج
کے واقعہ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک ملازم نے
میرے قریب آکر کہا:

”اندراؤ۔۔۔۔۔ تمہیں بلایا گیا ہے۔۔۔۔۔“

میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا، ملازم میری
رہنمائی کر رہی تھی۔ ایک دروازے کے سامنے رک کر
اس نے کہا:

”اندراؤ۔۔۔۔۔“ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا،

اندرا تیز روشنی تھی۔ اور اس روشنی میں مجھے ایک
عجیب الحقت شے نظر آئی۔۔۔۔۔ پہرہ در شہوار کا تھا مگر
اس کے پورے بدن پر بال آگئے تھے، بہت سی ناکیں
نظر آ رہی تھیں بدن کا انداز بدلا ہوا تھا بس یوں لگتا تھا
جیسے ایک بہت بڑی مکڑی کھڑی ہو گئی ہو۔ وہ اپنی
منہوس پتلی آنکھوں سے مجھے گھور رہی تھی۔

بھوپا چمن میرا پرانا دوست، یہ بھوپا چمن ہی کا
روپ تھا۔ مگر یہ در شہوار کی حیثیت سے ایک لمحہ صرف
ایک لمحہ اس کے بعد وہ صرف در شہوار رہ گئی اپنی اصلی
شکل میں آگئی، شعلہ جوالا بنی ہوئی آنکھوں میں سخت
طیش کے آثار۔ پھر اس نے خرائی ہوئی آواز میں کہا:

”دراپور تمہاری موت تمہیں اس جگہ لائی ہے

سچے تمہارے لیے میں نے صرف۔۔۔۔۔ یہی فیصلہ کیا ہے کہ
تمہیں سرجانا چاہیے، میں نے زندگی میں کسی کو زخمی بھی
نہیں کیا لیکن تم نے مجھے قتل جیسے بھیاں اقدام پر
مجبور کر دیا ہے اور اب تم خاموشی سے مر جاؤ بالکل

خاموشی سے۔۔۔
 اچانک در شہوار نے پستول مجھ پر تان لیا۔ پستول
 پہلے سے اس کے ہاتھ میں چھپا ہوا تھا۔ میں ساکت
 کھڑا اسے گھورتا رہا ابھی تو میرے ذہن سے یہ تاثر ہی
 ختم نہیں ہوا تھا کہ میں اسے بھوریا چرن کے روپ میں
 دیکھ چکا ہوں۔ وہ کچھ اور ہے کچھ اور۔۔۔

در شہوار کا کچھ اور خیال تھا۔ شاید وہ سوچ رہی تھی
 پستول دیکھ کر میں تھر تھر کانپنے لگوں گا۔ دہشت سے
 میرا رنگ بدل جائے گا اور میں نہانے کی اول فول بکنے
 لگوں گا لیکن میں اسے ہلک جھپکائے بغیر دیکھ رہا تھا۔
 ”تم سمجھ رہے ہو میں کوئی نہیں چلا سکتی۔۔۔ اس
 نے کہا۔ میں پھر بھی چپ رہا تو وہ پھر بولی۔۔۔ تمہیں
 موت کا خوف نہیں ہے، اپنی دلیری کا سکھانا چاہتے
 ہو مجھ پر۔۔۔ اب وہ سو فیصدی در شہوار تھی اگر وہ
 بھوریا چرن کا روپ ہے اگر وہ پورنی ہے تو دیکھ
 لوں گا اسے اس وقت سمجھنا ضروری ہے۔

”آپ نے مجھے بلایا ہے۔۔۔ میں پھر یلے پلے
 میں کہا۔۔۔

”اں۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔
 ”کوئی کام ہے مجھ سے۔۔۔؟“
 ”جو کچھ میں نے کہا ہے وہ تم نے نہیں سنا۔؟“
 ”سن لیا ہے۔۔۔“
 ”تم نے مجھے بہری کہا تھا۔۔۔؟“
 ”اُس وقت کہا تھا۔۔۔“
 ”میرے بارے میں تمہیں علم ہے کہ میں کون ہوں؟“
 ”اب ہو گیا ہے۔۔۔ میں نے معنی خیز لہجے میں

کہا۔۔۔
 ”کیا مطلب۔۔۔؟“ اس نے سخت لہجے میں سوال
 کیا۔۔۔
 ”کچھ نہیں۔۔۔“

”مجھے تو۔۔۔ مجھے تو تم پاگل لگتے ہو۔۔۔؟“
 ”میں والہیں جا سکتا ہوں۔۔۔“
 ”زندہ نہیں جا سکتے سمجھے! تم نے اپنی حیثیت
 سے تجاؤز کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں لوگ

میری صورت دیکھ کر سکھلانے لگتے ہیں اور۔۔۔ اور
 تمہاری یہ جرأت۔۔۔! تمہیں معافی مانگنا ہوگی۔۔۔“
 ”مجھے حاجی صاحب نے یہاں بھیجا تھا ان کے
 حکم کی تعمیل مجھ پر فرض تھی۔۔۔“

”میرا حکم ان کے افضل ہے۔۔۔“
 ”شاید۔۔۔ مجھے بتایا نہیں گیا۔۔۔“
 ”آج سن لیا ہے۔۔۔“

”سن تو لیا ہے لیکن اس پر عمل کرنے کا حکم
 حاجی صاحب ہی دے سکتے ہیں۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ تم۔۔۔ اوہ تم۔۔۔ شاید تم مرنا ہی چاہتے ہو۔
 میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی بالکل نہیں چھوڑوں گی۔ مجھے
 معلوم ہے تم۔۔۔ اس کے بعد تم۔۔۔ بالکل نہیں چھوڑوں گی
 تمہیں وہاں تم۔۔۔ پکنک پر ہمارا بیچا کیوں کر رہے تھے؟“
 ”بیچپا۔۔۔؟“

”بالکل بیچا کر رہے تھے۔ تم اس وقت وہاں
 کیوں موجود تھے جب عظیم صاحب گڑھے میں گئے
 تھے۔۔۔؟“

”مجھے علم نہیں تھا کہ وہ اتنا بڑا کارنامہ سرانجام
 دینے والے ہیں۔۔۔“

”تم نے ہماری باتیں چھپ کر سنی تھیں۔۔۔“
 ”جی سنی تھیں۔۔۔“

”اور اب تم وہ تمام باتیں حاجی صاحب کو بتانے
 کے لیے بے چین ہو گئے یہی بات ہے نا۔۔۔“

میں نے چونک کر اسے دیکھا یہ باتیں تو عجیب
 تھیں ان میں معصومیت تھی اس گفتگو سے اس کی فطرت
 کا اندازہ ہو رہا تھا۔ بس ایک خود سر مغرور لڑکی ذہنی طور
 پر اس قدر برتر نہیں تھی جتنا ظاہر کرنا چاہتی تھی پھر مجھے
 جو کچھ نظر آیا وہ صرف میرا دواہم تھا کوئی غلط فہمی ہوئی
 تھی مجھے۔۔۔ مگر سوچنے کا وقت نہ ملا اس نے پھر اپنا
 سوال دہرایا تھا۔۔۔

”جی نہیں۔۔۔ میں کسی کو کچھ بتانے کا ارادہ نہیں
 رکھتا۔۔۔“

”سچ بول رہے ہو۔۔۔؟“ اس نے مٹھوک
 انداز میں کہا۔۔۔

”جی ہاں۔۔۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”اگر نہ بھی بول رہے ہو تو تم میرا کچھ بگڑا نہیں
 سکتے۔ اول تو ویسے بھی تمہاری بات پر کوئی تفتیش نہیں
 کرے گا پھر خود عظیم بھائی گواہی دیں گے کہ وہ خود
 گڑھے میں گرے تھے۔ تمہارے لیے میں اس سے
 بھی زیادہ بگڑا گڑھا کھود دوں گی۔ میں کہہ دوں گی کہ یہ
 شخص مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔“

”جی بہتر۔۔۔“
 ”تو اب یہاں کیوں مر رہے ہو۔۔۔؟“
 ”آپ مجھے قتل کرنا بھول گئیں شاید۔“ میں
 نے کہا۔۔۔

”دفعان ہو جاؤ“ میں دو کوٹری کے نوکروں کو
 منہ نہیں لگاتی۔۔۔“ اس نے جھلا کر کہا اور میں اس کے
 کمرے سے نکل آیا۔

اس کی گفتگو کا ایک لفظ بھی ذہن پر چسپاں نہیں
 ہوا تھا مگر اس کے کمرے میں داخل ہو کر مجھے جو اس کی
 شکل نظر آئی تھی اس نے مجھے بے چین کر دیا تھا اس
 وقت تو میرے ذہن میں دو دور تک بھوریا چرن کا
 تصور نہیں تھا پھر در شہوار مجھے ایسی کیور نظر آئی؟

یہ رات یہی گزری۔ عظیم میاں کی دہرے سب
 پریشان تھے لیکن صبح کو وہ بہتر ہو گئے اور پھر بدتر ہو چکے
 ہونے لگے، شام تک وہ اٹھ کھڑے ہو گئے تھے۔ شہاب علی
 کو بھی ساری صورت حال معلوم تھی دن میں بھی جان اور
 فرما نہ بھی حاجی صاحب کی کوٹھی میں آئے تھے اور دیر تک
 رہے تھے بہر حال یہ ڈرامہ ختم ہو گیا۔ آج دن میں دوبارہ
 در شہوار نظر آئی تھی وہی انداز تھا، وہی پُر غور گردن
 تھی مجھے اس وقت کے واقعہ کی حقیقت پر خود شک
 ہو گیا مگر نہ ماننے ایسا کیوں ہوا تھا۔ رات کو معمول کے
 مطابق واپس آ گیا، کھانا وغیرہ کھایا اور آرام سے سو گیا،
 پچھلی رات بے چین رہا تھا اس لیے عین آگئی۔ رات کے
 دو بجے تھے جب آنکھ کھل گئی پُر سکون عینڈ ٹوٹ گئی نہ
 جانے کیوں۔۔۔ ذہن پوری طرح جاگ گیا تھا چھت کو
 تصور تار با پھر بظنی کھر کی کی طرف نگاہ اٹھ گئی اور بری طرح
 اچھل پڑا۔ کھر کی میں ایک چہرہ نظر آیا تھا خد و خال واضح

مہیں تھے مگر آنکھیں روشن نہیں یہ آنکھیں کینہ تو زری
 سے مجھے گھور ہی تھیں ان میں نفرت تھی۔ اور یہ آنکھیں
 یہ در شہوار کی آنکھیں تھیں اچھل کر بیٹھ گیا، کون ہے۔۔۔
 میرے حلق سے آواز نکلی اور آنکھیں فوراً غائب ہو گئیں۔
 جھپٹ کر کھر کی پر پہنچ گیا۔ یہ کھر کی مکان کے عقب میں
 گلی میں کھلتی تھی۔ پرانے طرز کی موٹی سلاخیں لگی ہوئی
 تھیں ان سے گزر کر کسی کا اندھا آنا ناممکن تھا مگر وہ چہرہ
 وہ آنکھیں۔۔۔ گلی کے انتہائی سرے پر ایک سایہ نظر آیا جو
 فوراً غائب ہو گیا تھا یقیناً کوئی بھاگتا ہوا وہاں تک
 پہنچا تھا۔ مگر کون۔۔۔ کیا در شہوار۔۔۔؟ ان آنکھوں کو میں
 بھول نہیں سکتا تھا مگر در شہوار۔۔۔

واقعات مسلسل پُر اسرار تھے۔ میرا احاطہ کیے ہوئے
 تھے ہمدت نہیں مل رہی تھی۔ سات پورنیوں میں سے
 ایک ہلاک ہو چکی تھی اور وہ سب کچھ رمارانی، رادھا
 اور کشنا۔۔۔ ابھی تک میری عقل کوئی فیصلہ نہیں کر پائی
 تھی۔ صبح کو سب کچھ معمول کے مطابق ہوا۔ ذہن میں کرید
 تھی زیادہ تر در شہوار کا جائزہ لیتا رہا، اس کی آنکھیں
 غور سے دیکھیں اور شبہ نہ رہا یہی آنکھیں میری گڑاں
 تھیں مگر کیوں۔۔۔

در شہوار کیا واقعی مجھ سے خوف زدہ ہو گئی تھی اور
 مجھے ہلاک کرنا چاہتی تھی۔ ممکن ہے اس نے سمجھ داری
 سے کام لیا ہو اگر وہ اپنے کمرے میں واقعی مجھے گولی
 مار دیتی تو میرے قتل کا الزام اس پر آتا اور اب وہ
 میری تاک میں ہو۔ اس خیال پر مجھے ہنسی آگئی اگر وہ
 ایسا کرنا چاہتی ہے تو ضرور کر دے، یہ ناپاک زندگی
 ختم ہو جائے، میں تو دل سے چاہتا تھا۔ یہ بے مقصد
 زندگی مجھے بوجھ لگتی تھی۔ خود اپنا خاتمہ کر کے اپنی مابقت
 خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔

شام کو کسی کام سے در شہوار کے کمرے کے سامنے
 سے گزرا، کھلے دروازے سے اندر نگاہ گئی تو اچھل
 پڑا۔ وہ ناز پر حور ہی تھی جائے ناز پر بیٹھی وہ مقدس
 اور پاکیزہ لگ رہی تھی آگے بڑھ گیا اب اس کے علاوہ
 اور کچھ نہیں سوچ سکتا تھا وہ میرا دم تھا صرف وہ۔۔۔
 لیکن اس رات پھر الجھ گیا۔ کھر کی بسند کھر کے سویا تھا



ٹھیک دو بجے تھے۔ آنکھ کھلی، کھڑکی سے وہی آتش
آنکھیں جھانک رہی تھیں پورے ہوش و حواس کے
عالم میں، میں نے وہ آنکھیں دیکھی تھیں۔ برق کی سی
تیزی سے میں نے پلنگ سے کھڑکی کی طرف چھلانگ لگائی
اور اسی تیزی سے وہ چہرہ وہاں سے غائب ہوا لیکن
آج میں نے دیر نہیں کی۔ کھلی ٹوئیل نہیں تھی بھر بھی وہ
آدھی گلی عبور کر چکی تھی اور اس کے جسم کو دیکھ کر مجھے
شہر نہ رہا۔ وہ در شہوار ہی تھی، سو فی صدی وہی تھی،
دماغ گھوم کر رہ گیا یہ کیا اسرار ہے حاجی صاحب کے گھر
سے یہاں تک ٹوئیل فاصلہ سا دہ اتنی رات کو یہ فاصلہ
عبور کر کے آتی ہے اور کھڑکی سے مجھے گھورتی ہے۔
کیوں۔ آخر کیوں۔ کیا جانتی ہے وہ۔ اسے ناز پڑتے
دیکھ کر بھرم قائم ہوا تھا مگر اس وقت سب کچھ تہہ وبالا
ہو گیا تھا۔

شہاب علی صاحب سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔
”ارواحِ جبّیہ سے متعلق کچھ معلومات ہیں آپ کو چچا جان؟“
”نہ ہونے کے برابر کیوں۔۔۔؟“

”ویسے ہی مجھے کچھ دل چسپی ہے۔۔۔“
”اے۔۔۔ اس دل چسپی کی کوئی وجہ۔۔۔؟“
”کوئی خاص نہیں، بس کچھ مشاہدات۔۔۔“
”مثلاً۔۔۔؟“

”صرف ایک سوال۔۔۔ کوئی مسلمان لڑکی خواہ وہ
کسی بھی حیثیت کی مالک ہو ایک جبّیہ روح کی شکل
میں نظر آئے اس کی حرکات و سکنات پر اسرار ہوں مگر
بعد میں وہ ناز پڑھتی نظر آئے تو کیا کوئی گندی روح اس
میں حلول کر سکتی ہے۔۔۔؟“
”مسلمان لڑکی۔۔۔ شہاب علی کچھ سوچنے لگے پھر
بولے:

”اس سلسلے میں میرا ایک سوال ہے۔۔۔“
”جی۔۔۔؟“

”تم نے جبّیہ روح کا تعین کیسے کیا۔۔۔؟“
”ایک ایسی شکل جس کے بارے میں علم ہو کہ وہ
کالے جادو سے تعلق رکھتی ہے۔۔۔؟“
”کسی مسلمان لڑکی پر جن کا سایہ ہو سکتا ہے اس پر

سفلی عمل کر کے اسے معطل کیا جاسکتا ہے اگر اس پر
کسی جن کا سایہ ہو تو مختلف اشکال بن سکتی ہیں۔
بھیانک، خوف ناک، دوسروں کو ڈرانے کے لیے
لیکن وہ کوئی ایسی شکل نہیں اختیار کر سکتی جس کے
بارے میں علم یقینی ہو کہ اس کا تعلق کالے جادو سے
ہے۔ اگر کسی بد بخت مسلمان نے ایمان کھو کر کالا جادو
سیکھ لیا تو وہ دائرہ اسلام سے تو اسی وقت خارج
ہو گیا۔ ناز جیسی پاکیزہ شے کا تو تصور ہی اسے ہلاک
کر دے گا یہ تو اللہ سے رابطہ ہے اور مجال ہے کہ
کوئی باطل قوت اللہ سے رابطہ کر سکے اسی لمحے فنا
ہو جائے گی۔ ہاں کوئی غلیظ قوت اس پر فاعلی طور
پر اثر انداز ہو سکتی ہے جیسا کہ میں نے کہا کہ ہر حال سفلی
علوم کے ذریعے کسی کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔۔۔“

میں حیرانی سے شہاب علی کی صورت دیکھنے لگا
وہ ایک ناواقف انسان تھے اس بارے میں کچھ نہیں
جانتے تھے لیکن اس وقت مجھے ایسا لگا تھا جیسے
میرے تمام سوالات ان کے سینے میں اتر گئے ہوں اور
جواب کسی اور کی زبان سے ان کے ہونٹوں سے
پھوٹا ہو اس جواب سے نہ صرف میری تشفی ہوئی تھی
بلکہ اس نے مجھے فکر دی تھی، ہوشیار کیا تھا اور اب
مجھے جو کچھ کرنا تھا وہ سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔۔۔

عظیم میاں ٹھیک سو گئے کوئی کہانی نہیں بنی در شہوار
سے کئی بار واسطہ پڑا کچھ کھسکی ہوئی لگتی تھی مجھ سے تو کبھی
سید سے مدد بات ہی نہیں کرتی تھی بلکہ اگر اسے کبھی ڈرا تو

کی ضرورت پیش آتی تو وہ دوسرے کو ایسے کو تو جمع دیتی
تھی بھات مجھ پر داند کہ لیتی تھی وہ بھی۔ اگر
دوسرے ساتھ ہوں تو اکیلے وہ کبھی برے ساتھ نہیں لگتی
تھی لیکن میں اب بھی پریشان سا وہ مسلسل مجھے محرومی
تھی کئی بار راتوں کو وہ مجھے تپڑ آئی اس وقت جب اس
کے آنے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا تھا کوئی تدبیر ایسی
نہیں ہو سکی جس سے میں اسے پکڑ سکوں حالانکہ کئی بار
میں نے شہاب علی کے گھر کے بھواڑے گلی میں گزار دیں
ان راتوں میں وہ نہیں آئی مجھے تبس تھا کئی بار میں
نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا بہر حال وقت بہتر گزر
رہا تھا کم از کم یہاں عزت سے گزار رہا تھا۔ اور
بہت حلال مل رہا تھا۔

شہاب علی کے رشتے داروں کے ہاں ایک شادی کا اہتمام ہوا بہت قریبی رشتہ تھا ہم سب گھر والوں کے ساتھ وہاں مصروف ہو گئے دن رات کا آنا جانا تھا حاجی صاحب نے مجھ ان دنوں حویلی ہی میں رہنے کی ہدایت کی تھی اور میرے لیے انتظام بھی کر دیا تھا۔ اس وقت اتفاق سے درخشاوار کو میرے ساتھ حویلی آنا پڑا تقریباً ساڑھے گیارہ بجے وہ کار میں آئی تھی۔ مگر چلو اس نے کہا: اور سنو راتے سے یہ دوا لینی ہے بازار سے گھر لانا اس نے ایک پرچہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا میں نے پرچہ لے کر رکھ لیا اور کار آگے بڑھا دی پھر بازار پہنچ کر میں نے کار ایک ڈرگ اسٹور کے سامنے روکی اور دوا لینے اتر گیا دوڑا لے کر واپس آیا تو وہ آگ بجوہ ہو رہی تھی دم۔ اس نے جھگمگاتے ہوئے کہا۔

”جی“ میں حیرانی سے بولا۔

”دوسرا ذرا بخور کہاں مر گیا۔“

”کسی اور کام سے گیا تھا: میں نے جواب دیا۔

ہم نے بتایا کیوں نہیں کہ یہ تم ہو۔

پس طرح بتاتا ہے

۴۰ کیا مطلب ہے۔

میڈم مجھے حکم ملاتا تھا آپ کو گھر لے جاؤں۔ آپ
کھڑی میں آجئیں میں نے کئی آگے بڑھا دی آپ

میں آپ سے یہ کہتا کہ یہ میں ہوں آپ میرے ساتھ رہیں گے۔

”بھوسا میت کرو... گاڑی آگے بڑھاؤ۔“

”جی میں نے کہا اور گھاٹی آگے بڑھا دی مجھے

اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ غصے سے کھول رہی ہے کچھ دیر

”مگر آخر خود کو سمجھ نہ سکا۔“

”میں صرف ڈرائیور!“

۱۰ اس دن تم نے مجھے پہری کہا تھا۔

”میں اس کے لیے آپ سے معافی مانگ چکا ہوں۔“

مگر یہ بات کبھی نہیں بھول سکتی میں : جانے کیوں میں

نے تمہیں معاف کر دیا اور نہ اور نہ میں نے خاموشی

کون ہے؟

”جمیلہاں بہیاں“

”کیا بات ہے جمیلہ؟ میں نے دروازے پر اُگڑا دیا۔

بیلہ گھر کی ملازمہ تھی۔

”جھوٹی بنیائے کچھ درائیں سنگواری تھیں تم سے۔ وہ

کہاں ہیں۔؟

”اے وہ لوگ! ڈی میں ہی رہ گئیں ہیں۔“

”مسلواری میں کاٹھی سے نکال لیا نہیں پہنچا دو۔“



وہ گاڑی میں ڈریو جگ سیٹ پر برابر والی سیٹ پر رکھی رہ گئی تھی۔ گاڑی سے دوایک نکال کر میں اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا اندازہ تھا کہ وہ کیا کہے گی دروازہ آہستہ سے بجا یا اور اندر سے آواز سنائی دی۔

آجاکر میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا کمرے میں نیز روشتی تھی وہ رات کے لباس میں بیوس نہری پر نیم دراز تھی اور سکراری تھی ایک لگاؤٹ جسری سکراہٹ۔

”آگے آؤ۔“ اس نے کہا اور میں آگے بڑھ گیا میری طرف دیکھو اس کی نشاؤد آواز ادا بھری میں نے نظریں اٹھائیں اور جھکالیں وہ کچھ عجیب نظر آرہی تھی۔ ”جی میں گھبراے ہوئے ہوں میں بولا۔“

”یہ بات میں کیا ہے؟“

”یہاں رکھ دو آؤ میٹھو۔“ میں نے اس کے اشارے پر دوایں رکھ دیں اور پھر واپسی کے لیے مڑا کر دھانے تک اور کیسے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے سامنے آگئی مجھے احساس تک نہ تھا۔ کہ کہاں جا رہے ہو۔“

”مجھے کہاں جانا چاہیے؟“

”جئے جانا گھر میں کوئی نہیں ہے مجھے اکیلے ڈر لگے گا آؤ کچھ دیر میٹھو آؤ نا۔“ اس نے کہا اور میرے سامنے میں قہقہے کا طوفان اٹھایا میں نے اسے زور سے جھٹکا دیا مگر اس نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا تھا اور گردن کی سنسار میں تمہارے جیسا کوئی نہ ہو گا سب تمہارے پیروں تلے پچھ جائیں گے مجھے سوچا کہ کر لو۔“ اس نے کہا اور میرا دل دہشت سے دھڑک اٹھا پورنی دوسری پورنی ایک مسلمان لڑکی کے روپ میں میری نگاہیں بے اختیار اس کے ہاتھوں پر پڑیں مگر اس کے ہاتھوں میں صرف پانچ پانچ انگلیاں تھیں۔ صرف پانچ انگلیاں میں ایک دم سنبھل گیا بڑی دھارس ہوئی تھی اس نے پھر کہا اور مجھے گھسیٹنا چاہا مگر میرا زانہ ڈانٹا پھر اس کے گال پر پڑا اور وہ چیخ کر نیچے گر پڑی۔

مجھے اب یقین ہو گیا تھا کہ وہ پورنی نہیں ہے اس

یہ بہت بڑھ گئی میں نے نفرت سے بے ہوشی میں کہا ”میں نہیں جانتا یہ سب کیا ہے لیکن... لیکن مجھ میں بہت ہے ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کی تم مجھے زیر نہیں کر سکتیں میں مالک کا وفادار

کتا ہوں بھی میں رزق حلال کھاؤں گا بھی۔“

مجھے سوچا کہ کر لو... مجھے وہ پیرا لگتی مگر اس بار میں نے اس کی گردن پونج لی تھی مگر ایسے نہیں جیسے میں کے کشا کی گردن دو جی تھی میں نے گردن پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر بے ہوش کر دیا تھا اسے۔ جب اس کا بدن بے سدھ ہو گیا تو میں نے اسے اٹھا کر بلیک پر ڈال دیا سانس پھول گیا تھا برا حال ہو رہا تھا ایک آہٹ سی ہوتی اور میرا دھال دھال کانٹ گیا کوئی آگیا اور اب... اب ایک دم گھوم کر دیکھنے لگی سمت نہ ہوتی بڑی مشکل سے گردن گھمائی اور آنے والے کو دیکھا۔

بھوریاجرن تھا جس رہا تھا اپنی تمام شیطانی صفات کے ساتھ میرے سامنے تھا وہ۔

پورنی ماری ہے رے بہادر سو ماواہ رے مالک کے وفادار کتے ارے تے مالک کی بیامار ڈالی اور خود کو کہے ہے مالک کا وفادار کتا ارے وہ پورنی نا ہے ہوشیار۔ تو رے مالک کی لونڈی ہے۔

”بھوریاجرن میں نے سیر دلچسپی میں کہا۔“

چوڑیں گے نا تجھے... جیون کھراپ کر دیا ہے۔

تے ہمارا۔ تیرے جیون کو شانتی نالینے دیں گے ہم دین دیا ہے ہم نے بھی اپنے آپ کو۔

”یہاں یوں آیا ہے۔“

تیرا رزق حلال بھنڈ کر نے ہم تو رہیں ہی تیری مالک
میں..... سات پورنیوں میں سے ایک مار دی تے نے
ارے بد نصیب کسی سے پوچھ تو لیتا پورنیا کے ہوئے ہے
سارا جیون تیاگ دیں ہیں رشی منی ایک پورنی پانے کے
لیے ہم نے تو کاسات دیدیں اور تے ان کا مارت ہے۔
ان کا دیا دکھائے ہے نہ پیئے ہے کبھی مانگ تو سنار میں
ان سے مہاراجہ بنا دیں گی تجھے پرتیرا نصیب ہی بھنڈ ہے
کتے جیسی درد ہوگی تیری پر اب بھی دھرم کی لالچی اٹھائے
ہوئے ہے ایک پورنی مار دی تے نے ہم نے کچھ کئی کئی
نے تو کا بھٹکانی دیا تب ہم نے یہ سوچا کہ اب تو کا سبق دئی
ہیں ہم نے تیرے مالک کی لونڈیا کو لگاڑا اور تے
سمجھا اور پورنی ہے اب بیٹا دیکھ تو کا ملے کارزق طلال
وہ مڑا اور باہر نکل گیا۔

میرادل دہاڑ دہاڑ کر رہا تھا تیزی سے دروازے سے
نکل کر دیکھا وہ غائب ہو چکا تھا واپس درشہوار کے پاس
آیا میرا اندازہ درست نکلا تھا آہ بھوریا چرن کو یہ معلوم نہیں
تھا کہ میں پورنیوں کی پہچان جانتا ہوں وہ یہ بات نہیں
جانتا تھا درشہوار گہری گہری سانپیں لے رہی تھی اسے
سنبھال کر لٹایا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا خدا یا تیرا
شکر ہے التیرا احسان ہے میں نے دل میں کہا اس
وقت باہر شور سنائی دیا اور پھر دروازے سے بہت
سی آوازیں ابھریں حویلی کے ملازم تھے۔

”کیا بات ہے کیا شور تھا ڈرائیور صاحب؟ ایک
ملازم نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”شور کہاں۔؟ میں نے حیرت سے کہا۔

”چھوٹی بٹیا کیوں چیخ رہی تھیں؟“
”وہ تو ایک بار بھی نہیں جنہیں تمہیں دعو کا ہوا ہے
لیکن وہ شاید بے ہوش ہو گئی ہیں۔“

”بے ہوش بہت سی آوازیں ابھریں۔“
”ہاں۔“

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ ایک عمر ملازم نے پوچھا۔
”یہ دوائیں لے کر آیا تھا۔“

”اس وقت۔“

”ہاں میں تو اپنے کمرے تھا۔ جیلڈ نے کہا تھا کہ حویلی بی بی
دوائیں منگوا رہی ہیں میں گاڑی سے دوائیں لے کر یہاں
آیا تو انہیں بے ہوش دیکھا۔“

”مگر ہم ان کے شور کی آوازیں سن کر آئے ہیں۔“
ملازم عورتیں درشہوار کے پاس آکر اسے مٹھوئے لگیں۔
ملازموں کو مجھ پر شک ہو گیا تھا عمر ملازم حیات خاں نے
دو ملازموں سے کہا کہ وہ شادی والے گھر جا کر درشہوار
بی بی کے بے ہوش ہونے کی اطلاع دیدیں۔ اور
حاجی صاحب کو بلا لائیں وہ دونوں چلے گئے تو انہوں
نے ملازم عورتوں کو درشہوار کی خبر گیری کرنے کے لیے کہا
اور مجھ سے بولا۔

”آؤ باہر آ جاؤ۔ میں باہر نکل آیا تب وہ مجھ سے بولا
ڈرائیور صاحب براست ماننا میں بیس سال سے اس گھر
کا ملک کھا رہا ہوں۔ بڑا فرض ہے مجھ پر۔ اس حویلی کے
حفاظت کا کام مجھے ہی دیا گیا تھا۔ ڈرائیور صاحب ہمیں
چھوٹی بٹیا کی چنیں سنائی دیں ہم یہاں سینے تو وہ ہیں
بے ہوش ملیں اور تم ان کے کمرے میں نہیں تم پر شک
ہو گیا ہے اس لیے جب تک مالک نہ آجائیں تم نہاے
ساتھ رہو گے کہیں جاؤ گے نہیں۔“

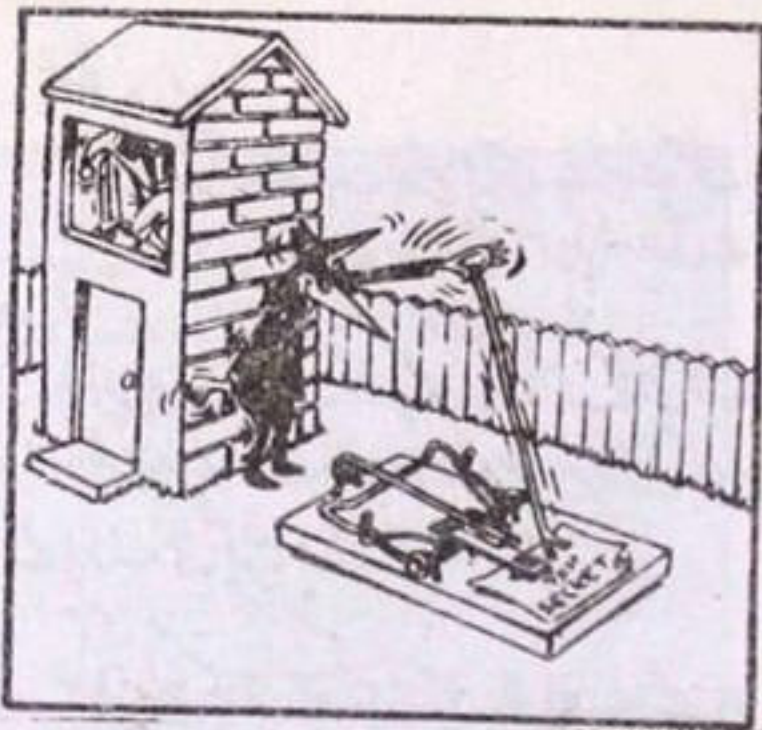
”میں کہیں نہیں جا رہا حیات بابا۔“

”اپنے کمرے میں چلو۔ حیات خاں لے کہا اور میں
خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گیا۔ حیات خاں نے دوسرے
ملازموں کی ڈیوٹی لگائی۔ کچھ کو میرے کمرے کے سامنے
میری نگرانی کے لیے چھوڑا کچھ کو باہر ڈیوٹی پر لگا دیا اور پھر
خود کمرے میں آ گئے۔“

”جی حیات بابا۔ میں نے انہیں بیٹھے دیکھ کر کہا۔
”کچھ نہیں ڈرائیور صاحب آپ یہاں کیسے بیٹھے ہیں
”وہ بس ذرا بڑے مالک آجائیں۔“

آپ فوراً باہر چلے جائیے۔ اس کمرے کے دروازے
کے باہر بیٹھ کر آپ اپنا حق ملک ضرور ادا کریں مجھے اعتراض
نہیں۔“

”تم برا مان گئے ڈرائیور صاحب۔ دراصل.....
”حیات خاں فوراً باہر نکل جاؤ۔ میں نے کرخت
لیجے میں کہا اور حیات خاں اٹھ گئے مجھے ان کا یہاں پر



رکنا بہت برا لگا تھا ان کے باہر نکلنے کے بعد میں نے
دروازہ بند کر لیا تھا اور پھر میں اس بارے میں سوچنے
لگا۔ بڑی خطرناک چال چلی تھی بھوریا چرن نے خدا نخواستہ
اگر میں اسے پورنی کچھ کر ہلاک کر دیتا۔ بڑا رحم ہوا تھا مجھ
پر اول تو مجھے پورنیوں کی اہم شناخت بنا دی گئی تھی۔
دوم شہاب علی سے ہونے والی گفتگو نے مجھے سوچنے کا
موقع دیا تھا۔

بستر پر لیٹ گیا سوچتا رہا پھر منہ اٹھی صبح ہی آنکھ کھلی
تھی رات کے واقعات یاد آ گئے اور دل دھک دھک
کرنے لگا اندازہ لگانے کے لیے دروازے پر پہنچا
دروازہ کھول کر باہر بھاٹکا، کوئی نہیں تھا مگر بہت
دور کچھ فاصلے پر جمیل کی جھلک نظر آئی تھی منہ ہاتھ وغیرہ
دھو کر فارغ ہوا تھا کہ جمیل تیزی سے آتی نظر آئی میرا
قریب پہنچ کر بولی۔

”بڑے مالک بلا رہے ہیں ڈرائیور صاحب
حاجی فیاض صاحب اپنے کمرے میں تھے ایک سست
حیات خاں کھڑاں کھڑا ہوا تھا۔ میرے سلام کا جواب
دے کر حاجی صاحب بولے۔

”مسود دیاں وہ رات کو کچھ غلط نہیں ہو گئی تھی۔
حیات خاں کو۔ تم سے کچھ بدتمیزی کر بیٹھے۔
در شہوار بی بی کی طبیعت اب کیسی ہے۔ میں نے
بے اختیار پوچھا۔

”ٹھیک ہے کوئی بات بھی نہیں تھی دراصل وہ
زیادہ رش سے گھبرا جاتی ہے۔ اعصابی دباؤ کا شکار
ہو گئی تھی سب بالکل ٹھیک ہے۔“
”جی۔“

”حیات خاں رات کے واقعے پر شرمندہ ہیں تم
سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں ہے۔ ان کا شک دور ہو گیا۔“
”جی ڈرائیور صاحب ہم شرمندہ ہیں۔“

”میں نے آپ کی وفاداری کا برا نہیں مانا۔“
بات ختم ہو گئی شادی کے ہنگام ابھی باقی تھے۔

وہ دن گزر گیا دوسرے دن دوپہر کو در شہوار نے مجھے
بلایا۔ اس وقت بھی تمام لوگ وہیں گئے ہوئے تھے۔

معمول

امریکہ کے ایک گاؤں میں بیگ انکسٹر اچانک پہنچا
تو بیگ کا دفتر خالی تھا اور عقیبی کمرے میں عملہ تاشس
کھیل رہا تھا۔ انکسٹر نے ان غیر ذمہ دار لوگوں کو سبق دینے
کے لیے ڈکیتی کا الارم بجا دیا لیکن اسے دیکھ کر حیرت
ہوئی کہ کھیل جاری رہا اور الارم کے جواب میں قریبی پول
سے ایک روکا کافی کے کپ ٹرے میں رکھ کر لے آیا۔

میں نے دو چکر لگا سے تھے اور آخر میں مجھے شام کو
در شہوار کو لے کر جانا تھا جس کے لیے ہدایت کر دی
گئی تھی میں اس کے کمرے میں پہنچ گیا۔
”جی چھوٹی بیبا۔“

یہ پتہ رکھ لو مسعود۔ تھوڑی دیر کے بعد یہاں چلے
جانا میری دوست صنفیہ تمہارے ساتھ یہاں آجائیں گی
شام کو اسے ہمارے ساتھ جانا ہے۔

میں نے کاغذ لے لیا۔ پڑھ سکتے ہو۔
”جی ہاں۔“

”کوئی پونے گھنٹے کے بعد چلے جانا۔“
”جی بہتر۔ میں بیٹھا تو اس نے مجھے پھر رکارا۔“

”سنو۔ اور میں رک گیا۔“ جلدی ہے جانے کی۔
”جی نہیں مجھ سے بات کرنے کی تمنا کرو گے۔ اس
نے عجیب سے لہجے میں پوچھا اور میں چونک کر اسے دیکھنے

لگا۔ در شہوار کا بوجھ بدلا ہوا تھا۔

”علم دیجیے :-
 میں نے تم سے بہت بد تمیزی کی ہے بہت سختی
 سے پیش آئی ہوں تمہارے ساتھ مجھے اس پر شرمندگی ہے
 میں تم سے معافی مانگنا چاہتی ہوں معود :-
 نہیں جھوٹی بی بی — آپ میرے مالک کی بی بی ہیں۔
 مگر تم فرشتہ صفت انسان ہو۔ معود میری کیفیت
 کے بارے میں کچھ بتا دیجئے :-

”بی بی :-
 ”پلیز مجھے بتا دیجئے مجھے ایک ایک لمحہ یاد ہے مجھے یاد
 ہے میں تم سے کیا کر رہی تھی میں بہت بے بساک ہوئی تھی
 کیا تم میری باتوں پر یقین نہیں رکھتے خدا کی قسم میں حواس
 میں نہیں تھی۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے کوئی انجانی قوت
 میرے وجود میں داخل ہو گئی ہو وہی مجھ سے یہ سب کھواہی
 ہو۔ میں اس کے ہاتھوں بے بس ہو گئی تھی کیا تم میری
 باتوں پر یقین کر سکو گے۔

”کیوں نہیں۔ آپ کچھ کر رہی ہوں گی۔“
 ”اس نے مجھے بے بس کر دیا تھا مگر تم نے مجھے بچا دیا۔
 خدا تمہیں اس کا اجر دے۔“

”اب آپ ٹھیک ہیں :-
 ”ہاں! وہ شرمندہ لہجہ میں بولی۔ پھر اس نے کہا تم نے
 کسی سے اس کا تذکرہ تو نہیں کیا۔“
 ”نہیں۔“

”آئندہ بھی مت کرنا۔ تمہارا احسان ہو گا مجھ پر۔“
 ”آپ مکمل اطمینان رکھیں :-
 ”تم بہت شریف انسان ہو۔ تم نے میرا ہر راز
 راز رکھا ہے بس میری طبیعت بہت چڑچڑی ہے نہ جانے
 کیوں ہر بات پر غصہ بہت جلد آ جاتا ہے لوگ بھی تو مجھے
 جڑاتے ہیں۔ تم عظیم کے بارے میں جانتے ہو :-“
 ”کیا؟“

”مجھے اس سے منسوب کیا جاتا ہے حاجی صاحب کی
 عقل ضبط ہو گئی ہے وہ گوشت اور ہڈیوں کا پہاڑ عقل
 سے عاری انسان میری تقدیر کا مالک بنایا بارہا ہے
 مجھے ساری زندگی کے غذاب میں گرفتار کیا جا رہا ہے
 کیسے دماغ پر قابو رکھوں یہ تصور ذہن میں آتا ہے تو

خون خراب کر کے کو بی چاہتا ہے دیکھو نا کیسی ذہن پرستی
 ہے۔ میرے سانس بھی مجھ سے چھینے جا رہے ہیں۔ دل
 چاہتا ہے کہ کسی طرح وہ اس دنیا سے چلا جائے یا میں :-
 ”میرا خیال ہے حاجی صاحب آپ پر اپنا فیصلہ
 مسلط نہیں کریں گے :-

”ارے تم انہیں نہیں جانتے، ہڈے عجیب و غریب
 انسان ہیں وہ :-
 ”خدا کرے ایسا نہ ہو :-

”میرا دل بکنا ہو گیا ہے تم سے معافی مانگ کر مجھے
 تمہارے بارے میں پوچھا گیا تھا :-
 ”کیا :-

”اس بے وقوف حیات خاں نے تم پر فحک کیا تھا
 میں نے خود بھی اسے خوب ڈانسا ہے کچھ ضرورت سے
 زیادہ ہوشیار بنتا ہے وہ :-
 ”وقادار ہے :-

”جانوروں سے زیادہ ارے ہاں معود تم کتنے لکھے
 پڑھے ہو :-

”ضرورت کے مطابق :-
 ”لکھنے پڑھنے کا کام نہیں کر سکتے :-
 ”کر سکتا ہوں :-

”پھر ڈرایو رکھو کیوں ہو :-
 ”یہ بھی کام تو ہے :-

”تم نے اپنی خوشی سے اپنا پا ہے :-
 ”حاجی صاحب نے حکم دیا تھا :-

”میں ان سے بات کر دوں گی، اب تم جاؤ ایک بار پھر تمہارا
 شکریہ میں باہر گیا، مجھے خوشی تھی۔“

شادی کے ہنگامے ختم ہو گئے زندگی منہل ہو گئی مجھے
 در شہوار سے ہونے والی گفتگو یاد بھی نہ رہ گئی لیکن حاجی
 صاحب نے مجھے بلایا۔

”معود تم کھاتے وغیرہ دیکھ سکتے ہو کاروباری پارٹیوں
 سے مل سکتے ہو :-“ انہوں نے پوچھا۔

”آپ جو حکم دیں گے کر دوں گا :-
 ”نہیں میرا مطلب ہے تم پڑھے ہوئے ہوتا۔
 ”بی ہاں :-“

کمال ہے اس بات پر غور نہیں کیا تھا میں نے ہمتا بلی
 بھی خوب میں کل میں نہیں دفترے جاؤں گا۔ دوسرے دن مجھے
 اپنے ساتھ دفترے گئے اپنے فیکر نوٹشاد مجھ کو بلا یا اور مجھے اس
 سے ملاتے ہوئے کہا: نوٹشاد میں انہیں تمہارا اسسٹنٹ
 بنا رہا ہوں، انہیں پورا کام سکھاؤ تم بہت دنوں سے ایک
 اسسٹنٹ کی فرمائش کر رہے تھے، نوٹشاد کوئی ۲۵ سال
 کی عمر کا خوش شکل آدمی تھا بعد میں وہ خوش مزاج بھی ثابت
 ہوا اب میں اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا دفتر کے بہت سے کام
 میں نے سنبھال لیے تھے میری تنخواہ میں اضافہ کر دیا گیا تھا
 اور سب سے زیادہ ہمتا بلی اس بات سے خوش ہوئے تھے
 کوئی سے اب کوئی رابطہ نہیں رہا تھا اس لیے ادھر بالکل جانا
 نہیں ہوتا تھا البتہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ سب کچھ درہنوار کی
 مہربانی سے ہوا ہے اس دن حاجی صاحب خاص طور سے
 دفتر آئے انہوں نے نوٹشاد سے کہا۔

نوٹشاد۔ وہ رانی مہارانی کی ساڑھیاں بالکل تیار ہو گئی
 ہیں۔

حاجی صاحب۔ رگبیر نے مجھے آن ہی خبر دی
 ہے۔

تم نے دیکھ لیں۔؟

ایک نہیں۔

کل صبح کارخانے چلے جاؤ، آخری نگاہ ڈال کر انہیں پیک
 کرادو، اور پھر بھٹنڈہ چلے جاؤ۔ رانی صاحبہ کا آدمی دوبار
 آچکے اب دیر نہیں ہونی چاہئے۔

حاجی صاحب۔

بلکہ مسودہ کو بھی ساتھ لے جاؤ، ایسے کاموں سے انہ
 کی واقفیت ختم ہے۔

بہت بہتر۔ حاجی صاحب کے جانے کے بعد نوٹشاد نے
 کہا: چلو اچھا ہے میرا دفتر بھی ہو جائے گی، بہت دن سے
 بتا رہا تھا کہ باہر جانا نہیں ہوا۔

حاجی نوٹشاد صاحب۔

یار ایک تو ہماری یہ سادہ مندی سے مجھے چڑ ہے۔
 میں تمہیں دوست بنانا چاہتا ہوں مگر تم صرف ماتحت بننے پر
 تے ہوئے ہو۔

ماتحت تو میں ہوں نوٹشاد صاحب۔

فرق

ایک راجا کو فنی افسر نے سیاست کے میدان
 میں قدم رکھا تو کسی اخبار نویس نے ان سے پوچھا۔
 ”جنگ اور سیاست کے پہلے میں کیا فرق ہے؟“
 ”زمین آسمان کا“ افسر نے لٹری سائنس بھر کر
 جواب دیا ”مجھے سیاست بھی وہی پتہ ہے جتنے
 لیکن مجھے یہ میدان جنگ کے میدان سے بھی
 خطرناک نظر آ رہا ہے۔ وہاں صرف دشمن سے لڑنا
 پڑتا تھا یہاں اپنے جیسے بھی لڑنا پڑتا ہے۔“

گویا دوست نہیں بن سکتے۔؟

یہ آپ کی مہربانی ہے۔

تو ہمارا دم یہ مہربانی قبول کر لو ویسے دورے بڑے

دلچسپ ہوتے ہیں ہمارا مال تو پورے ہندوستان میں پھلائی
 ہوتا ہے مگر ایسی رانیوں اور راجکارہوں کے آرڈر بھی آتے
 رہتے تھے جو حاجی میں کہ ان کے لباس پورے ہندوستان
 میں منفرد ہوں اور یہ ڈیزائن صرف ان کے لیے بنائے جائیں
 آج بھی بند کر کے قیمت دیتی ہیں ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے
 اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے جو پیش ہوتے ہیں وہ منافع
 دیتے۔

مگر نوٹشاد صاحب رانیاں اور راجکاریاں اب اس

دور میں۔

کیوں۔ وہ کہاں گئیں۔

ریاستیں تو ختم ہو گئی ہیں۔

ریاستیں ختم ہو گئی ہیں مگر رانیاں تو نہیں ختم ہوئے
 دلچسپی ملنے میں اور اتنے ملنے ہیں کہ وہ اب بھی راجہ رانیاں
 ہیں۔

اوہ۔ یہ معاملہ ہے۔

اور بھی بہت کچھ ہے جان من، تم چلو تو۔ نوٹشاد
 نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دوسرے دن میں نے بھی نوٹشاد کے ساتھ معروف رہا
 تھا ہمتا بلی کو اپنے جانے کے بارے میں بتا دیا تھا ساڑھیاں
 بلاشبہ خوبصورت تھیں۔ تمام تیاریاں ہو گئیں اور میں سے اور

نوشاد چل پڑے۔ ریل کے سفر کے دوران نوشاد نے کہا۔

”ہم شکستی پورا کریں گے۔“

”کہاں؟“ میں چونک پڑا۔

”شکستی پور، وہاں سے گاڑی لے کر بھٹنڈہ جائیں گے۔“

”ریل بھٹنڈہ نہیں جاتی۔“

”جاتی ہے لیکن شکستی پور میں ہمارا اسپڈ ب्रेک ہو جاتی ہے۔“
 رہتا ہے یہ آرڈر اسی کے توسط سے ملا ہے اسے بھی ساتھ لے جانا ہو گا۔“

”اچھا۔“ میں نے گردن ہلا دی۔

”اور پھر یار۔“ وہاں اپنے کچھ اور رشتے دار بھی بہتے ہیں تمہیں سب ان سے ملاؤں گے۔“ نوشاد نے ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا۔ میں اس کی بات کو سمجھ نہیں سکا تھا۔ شکستی پور پہنچ گیا۔ بڑی یادیں وابستہ تھیں یہاں سے، حاجی فیاض کے لیجنٹ بھگوتی پرشاد نے بڑا اچھا خیر مقدم کیا۔ سارے انتظامات کئے اور کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ شام کو نوشاد نے مجھ سے تیار ہونے کے لیے کہا اور بولا۔ ”بہت عرصہ سے کپڑے پہن لو۔ بڑی مہمان نوازی ہوگی۔“ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا پھر ہم چل پڑے مگر جب تاگر اس بازار میں داخل ہوا جہاں میں رتن کی حیثیت سے کافی وقت گزار چکا تھا تو میرا دل دھڑکنے لگا۔ مجھے یہاں آنے کی امید نہیں تھی رمارانی کشتنا سب یاد آگئے۔

”یہاں کہاں؟“ میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”یہیں تو اپنے رشتے دار رہتے ہیں۔ یار سارے رشتے دار کے ہوتے ہیں اور میاں اپنی ایک دلدادہ ہے لکشمی۔“

”ل... لکشمی؟“ میرے منہ سے نکلا۔

”ہاں! ہمیں تو وہ تین ہیں مگر لکشمی سے اپنی چھٹی ہے۔“

”وہ اب یہاں کہاں؟“ میں نے آہستہ سے کہا۔

”ایں۔ کیا؟“

”نہیں کچھ نہیں۔“

”گھبرا رہے ہو کچھ۔“

”ہاں۔“

”اماں زندگی کے مزے لوٹو، جو نہیں دیکھا وہ دیکھو، اسی کا نام زندگی ہے۔“ ہم تانگے سے اتر گئے۔ میرے قدم بوجھل ہو رہے تھے لکشمی اس بار میں ایک ہی تھی کشتنا کی بہن اور

بنارس میں جو کچھ ہو چکا تھا اس کے بعد یہاں کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن کوٹھا آباد تھا جانے کس کیفیت میں، میں اوپر پہنچا اور سب سے پہلے مالتی نے مجھے دیکھا۔

”ارے رتنا تو آگیا۔ رما جی۔ اپنا رتنا آگیا۔ رتنا آگیا۔“

”رما جی۔“ مالتی چنجی اندر دوڑ گئی۔ نوشاد بول کھلا کر مجھے دیکھنے لگا میرا حلق بند ہوا جا رہا تھا رمارانی آئیں، رادھا اور لکشمی بھی آئیں رمارانی۔ نے میرا سر سینے سے لگا لیا تھا۔

”میرا دل کہتا تھا رتنا تو ایک بار ضرور آئے گا۔ آسانی سے نہیں بھولے گا ہمیں۔“ ان کی آواز گلو گری ہو گئی۔ مجھے فوراً ہی کوئی قدم اٹھانا تھا اور ایک بار پھر مشکلات کا شکار ہو جاتا۔ نوشاد الگ سر کھجا رہا تھا۔ میں نے رمارانی سے خود کو چھڑاتے ہوئے کہا۔ ”نوشاد صاحب یہ سب کچھ... یہ سب کچھ کیا ہے؟“

”ایں۔ اماں تم بتاؤ، میں کیا بتاؤں تم تو ہم سے بھی پرانے کھلاڑی نکلے۔“ نوشاد نے کہا۔

”یہ مجھے رتنا کہہ رہی ہیں۔“

”ہیں۔“ نوشاد کے بجائے رمارانی بولیں۔ پھر ان کے چہرے پر بڑا کرب ابھر آیا۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا اور کہا۔ ”تم... آپ... رتنا... رتنا۔“

”پر۔ ان کا نام رتنا کسی طرح نہیں ہو سکتا یہ مسعود احمد میں۔ ویسے رما جی آپ کو دھوکا بھی ہو سکتا ہے، نوشاد نے کہا۔

”ہاں! ایسا ہی ہوا ہے، معافی چاہتی ہوں۔“ رمانے

”سکتی ہوئی آواز میں کہا۔ آئیے آپ لوگ اندر آئیے۔“

”لکشمی تم کیسی ہو۔ ذرا تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“ رما جی

”آپ کی محفل سچ گئی۔ نوشاد نے پوچھا۔“

”ابھی کچھ دیر ہے مگر آئیے۔“ رمارانی نے کہا۔ نوشاد

”لکشمی کے ساتھ اندر چلا گیا مجھے بڑے کمرے میں لے جایا گیا

”بریں طرح گھبراہٹ سوار تھی مجھ پر تو دہری بیت رہی تھی اسے

”لوگوں سے رابطے تھے اور پھر بنارس میں جو کچھ ہوا ہے

”مالتی البتہ بگڑ گئی۔“

”ارے بہت بن رہے ہو رتنا جی۔ ہم ناپہنچاؤں گے

”تمہیں، ہم۔“ بھاگ گئے ٹھیک ہوتے ہی کشتنا کا حال

”بھی پوچھا تم نے؟“

” کیوں بک بک کر رہی ہو مالتی۔ اگر یہ وہ بھی میں تو رتنا تو نہیں تھے۔ ہم نے نام رکھ دیا تھا ان کا رتنا اس وقت وہ بیمار تھے اب ٹھیک ہو گئے ہیں، اجا تو اپنا کام کر رہا رانی نے اسے ڈانٹا۔

” آئے اچھے ٹھیک ہو گئے۔ واقعات ہی بھول گئے۔ چل تو باہر چل، بچے جا رہی ہے۔ رمارانی مالتی کو باہر لے گئیں۔ رادھا رہ گئی تھی اس نے دکھ بھرے لیے میں کہا۔ ” کشتنا۔ جب سے تم گئے ہو بیمار ہے چپ رہتی ہے اندر راند رکھتی ہے۔ سو کہہ کر کشتنا ہو گئی ہے، علاج ہو رہا ہے مگر اس کا علاج تمہارے پاس ہے، ملو گے اس سے؟ ” ہو سکتا ہے میری موت کسی رتنا سے ملتی ہو! مگر میرے سلسلے میں آپ لوگوں سے بھول ہو رہی ہے میں یہاں پہلی بار آیا ہوں! ہاں مجھے احساس ضرور ہو رہا ہے کہ میں نے۔ میں نے بنارس میں آپ لوگوں کو ضرور دیکھا ہے۔ ” کاشی جی میں۔۔۔“

” ہاں۔۔۔“ ” وہاں تو ہم کبھی نہیں گئے۔ رادھا اس لیے میں بولی۔ جب تک یہاں رہا شدید کھن کا شکار رہا کم از کم یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ فریب تھا سبورو یا چرن کا جال تھا وہ سب ارواح خبیثہ تھیں مگر کتنی خوفناک کوشش تھی اس کبخت کی۔ واپسی میں نوشا نے بھی بڑی حیرت کا اظہار کیا۔ لکشمی یہ ماننے کو تیار نہیں تھی کہ میں رتنا نہیں ہوں۔ بھگوتی پر شاد نے دوسرے دن انتظامات کئے ہم شام کی گاڑی میں بیٹھ کر جھنڈہ چل پڑے رات کو وہاں پہنچے یہاں بھی ٹھہرنے کا انتظام ایک گھر میں کیا گیا تھا۔ صبح کو رانی صاحبہ سے اجازت لے کر ان کی خدمت میں حاضری دینا تھی جس گھر میں قیام کیا گیا تھا وہ پرانے طرز کا اور بہت وسیع تھا، حق احاطہ جس کی دیواریں جگہ جگہ سے ٹوٹی چھوٹی تھیں قطار میں بنے ہوئے کمرے۔ احاطے میں اٹل کے بے شمار درخت، جس کمرے میں، میں اور نوشا دھڑھڑے تھے وہ بھی بہت بڑا تھا۔ عقب میں ایک بہت بڑی کھڑی تھی جس میں سلاخیں تھیں بس پٹ لگے ہوئے تھے کھاتے پینے کا انتظام ایک مسلمان ہوٹل سے کیا گیا تھا ہم دونوں باتیں کر رہے تھے موضوع وہی رمارانی تھیں۔

” ضرور کوئی ایسی شخصیت تھی جو بالکل تمہاری ہم شکل ہو۔“ نوشا نے کہا۔

” ایسا ہی لگتا ہے۔“

” لکشمی کہہ رہی تھی کہ اس کی بہن کشتنا رتنا کی جدائی سے پاگل ہو گئی ہے وہ اسے چاہتی تھی۔ ویسے یا تمام بہنوں میں سب سے زیادہ حسین تھی وہ۔۔۔۔۔ یہ واقعی عجیب ہے۔“ ” ہاں۔ بعض اوقات بڑے عجیب واقعات ہوتے ہیں بہت دیر تک ہم باتیں کرتے رہے پھر نوشا سو گیا۔ میں کھلی کھڑکی سے باہر تاریک رات میں جھانک رہا تھا میرا بستر کھڑکی کے عین سامنے تھا۔ اٹلی کا ایک گمنام درخت تھوڑے ہی فاصلے پر نظر آ رہا تھا جس کا پھیلاؤ بے حد وسیع تھا۔ اس کی مناسبت سے اس کا تنا چوڑا تھا۔ کشتنا بار بار دماغ میں ابھر رہی تھی۔ وہ سب تو جعلی تھے جو بنارس میں مجھے ملے تھے لیکن کبختوں نے کسی بات میں بھی تو شک نہ ہونے دیا۔ سب کچھ بالکل وہی تھا سوائے اس آخری رات کے۔ مگر میں کشتنا کے لیے کیا کرتا۔ اگر اس سے مل بھی لیتا تو کیا ہوتا سوائے دل پر بوجھ لینے کے۔

پھر میرے خیالات کا ظلم ٹوٹ گیا جو کچھ دیکھا تھا کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا کوئی وہم نہیں تھا بالکل وہم نہیں تھا۔ اٹلی کی بلندی سے ایک سفید سایہ آہستہ آہستہ بڑی احتیاط کے ساتھ مجھے اتر رہا تھا۔ میں اچھل کر بیٹھ گیا۔ کوئی انسان ہی تھا مگر کون۔۔۔۔۔ اس نے زمین پر قدم جمائے اور پھر اس کا رخ کھلی کھڑکی کی طرف ہو گیا وہ ادھر ہی آ رہا تھا میرے بدن میں سنسنی دوڑنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد پراسرار سفید سایہ کھڑکی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اس پر چڑھ رہا تھا۔

★ ڈاکٹر سونیک اور ڈاکٹر رورن کے تجربات، کا پتھر
★ اپنے خیالات کو دوسروں کے ذہنوں تک پہنچانے کا
سائنسی طریقہ۔

” ٹیلی پتھی گائیڈ — بیس روپے
رنگا تہ وقت حلیہ لکھے :

” — میں ٹیلی پتھی سیکھ کر اس کا غلط
استعمال نہیں کروں گا کروں گی۔“

دہلی کا واقعہ محمد اعظم نے ۲۰۷ خریدا جس کی گارنٹی ایک سال کی تھی جب بھی ۲۰۷ بجو محمد اعظم نے کمپنی کو فون کیا، میکینک آیا اور درست کر گیا۔ ایک سال بعد خراب ہوا تو اپنے علاقے کے میکینک سے رجوع کرنا پڑا۔ میکینک نے تیس روپے فیس جمع کرائی، شام کو آیا ۲۰۷ دیکھا، اینٹینا اٹھایا اور چلا گیا۔ ۲۰۷ کام کرنے لگا۔ ہر مہینے میں ایک دو بار ایسا ہوتا۔ ایک روز محمد اعظم نے ایک دوکان پر ۲۰۷ گائیڈ نامی کتاب لکھی دیکھی بارہ روپے میں خرید لی۔ پڑھی تو معلوم ہوا کہ ۲۰۷ کی خرابی صرف اینٹینا کی خرابی سے ہوتی ہے۔ آخر میں کتاب والا کا چھاپا ہوا کٹر ۲۰۷ گائیڈ کا بھی اسٹہار دیکھا، محمد اعظم نے کٹر ۲۰۷ گائیڈ بھی منتیں روپے میں خرید لی اور اسے پوری توجہ سے کئی کئی بار پڑھا۔ بہت سی باتیں معلوم ہوئیں تو محمد اعظم نے ہمت کر کے مرمت کا سامان ۲۰۷ کو چیک کرنے میں مدد دیتا ہے ستر روپے میں خرید لیا۔ اپنے ۲۰۷ پر ہی پہلا کام کیا اور کامیاب رہے۔ ہمت بڑھی۔ پڑوس کے لوگوں کے فی وی بھی درست کئے اور تین مہینے میں خود پر بھروسہ کرنے لگے۔ ایک دن دیکھا — محمد اعظم کے گھر پر بورڈ لگا تھا:

”کٹر اور بلیک اینڈ وائٹ ۲۰۷ ری سپر باؤس“ ملنے کا وقت: صبح ۸ سے ۹ بجے تک، شام چھ بجے کے بعد اس طرح محمد اعظم نے اپنے لئے پارٹ ٹائم ورک حاصل کر کے اپنی آمدنی بھی بڑھائی اور اپنے ۲۰۷ کی مرمت فیس سے بھی بچ گیا۔ ہر وہ انسان جو اردو پڑھنا جانتا ہو اور ۲۰۷ سے دل چسپی رکھتا ہو ۲۰۷ گائیڈ اور کٹر ۲۰۷ گائیڈ پڑھ کر اچھا میکینک بن سکتا ہے۔
راہم کرشن اگروال

پلنگ پر پاؤں لٹکائے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا کہ میں اندھا میرا تاجب کہ باہر دم روشنی پھیل ہوئی تھی۔ باہر سے آنے والے کو یقیناً اس تاریک کمرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا ہو گا۔ لیکن وہ کون ہے کوئی چور یا پھر کچھ اور۔ کچھ اور کا خیال مجھے اس لیے آیا تھا کہ وہ میرے سنے اہل کے درخت کے نیچے اتر آتا تھا۔ دل چاہا کہ نوشاد کو جگا دوں مگر ایسا نہ کر سکا، نوشاد کمرے گا بھی کیا سوائے شور مچانے کے سایہ کھڑکی کے راستے اندر آ گیا۔ میں سانس روک کے اسے دیکھ رہا تھا کچھ لمحوں کے بعد مجھے احساس ہوا کہ وہ کوئی عورت ہے اور درحقیقت اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلا آگے بڑھ رہی تھی اور اس سے پہلے کہ میں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتا وہ نوشاد کے پلنگ سے کرائی اور اس پر ڈھیر ہو گئی۔

ٹٹ۔ ٹٹ گیا۔ ٹٹ گیا۔ بچاؤ بچاؤ۔ نوشاد چیخا اور اس کے ساتھ ہی سایہ بھی جیسے پڑا۔ نوائی چیخ کے ساتھ آواز بھی ابھری۔

”نہیں۔ بھگوان کے لیے نہیں۔ نہیں۔“
”ایں۔“ اس بار نوشاد کی آواز سنبھل ہوئی تھی۔
”چھوڑ، مجھے چھوڑ دو۔ نہیں بھگوان کا واسطہ۔“
”لگ کون ہو تم؟“ نوشاد گھٹکیا کر بولا اسی وقت میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر روشنی جلادی۔ غالباً پچیس واٹ کا ہنٹا دھندلا اور پرانا نابلس یہاں لگا ہوا تھا جس کی مدد روشنی بھی نہایت بد نما تھی۔ نوشاد نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور لڑکی اندھوں کی طرح دوڑی اس بار وہ مجھ سے ٹکراتے ٹکراتے یہی تھی اس نے مجھے بھی دیکھ لیا اور اس کا چہرہ مزید دہشت زدہ ہو گیا اس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور زندگی ہوئی آواز میں بولی۔
”بھگوان کے لیے مجھے چھوڑ دو، بھگوان کے لیے ایسا نہ کرو۔ تمہیں دعائیں دوں گی۔“

میں نے لڑکی کو بغور دیکھا جیتھرے جھول رہے تھے اس کے بدن پر سفید لباس مٹیالا ہو رہا تھا اور جگہ جگہ پٹا ہوا تھا۔ نقوش بے حد جاذب نظر آئیں بڑی بڑی مگو خوف میں ڈوبی ہوئی بال گئے اور سیاہ مگو بری طرح اٹھی

ہوئے۔ عزمیں بائیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ نوشاد بھی اپنے
پلنگ سے نیچے اترا! ساتھ وہ لڑکی کو سر سے پاؤں تک دیکھ
رہا تھا۔

”ہم نے نہیں پڑا کہاں ہے اور مگر نوشاد نے چیت کی
طرف دیکھا پھر میری طرف۔ یہ لڑکی کہاں سے ہے؟ نوشاد
کے لہجہ میں تسخر تھا۔ مجھے یہ بے رحمی محسوس ہوئی۔ میں نرم لہجے
میں کہا۔

”تم اگر جاننا چاہو تو جاسکتی ہو جس کمر کی سے تم آئی ہو دل
جانب سے تو اس سے دور نہ یہ دروازہ سامنے ہے۔“

”تم۔ یہاں رہتے ہو۔؟“

”ہاں۔!“

”مجھے کچھ کھانے کو دو گے۔ کوئی بھی چیز۔ میں دو دن سے بھوک
ہوں پیاسی ہوں۔ کوئی بھی چیز دے دو چاہے وہ اتنی سی ہو۔
سو کی روٹی کا ٹکڑا بھی ہو تو کھا لوں گی بس اتنا سا ہو۔ اس نے عاجزی
سے کہا۔

”کچھ انتظام کرو نوشاد۔“

”اے اے ابھی نوٹ نوشاد نے کہا اور تیزی سے دروازے
کی طرف بڑھ گیا۔ لڑکی نے خوف بھری نظروں سے دروازے کو دیکھا
چرخشک ہونٹوں پر زبان پھر کر بولی۔ وہ دو کی کو بتا تو نہ دے گا
وہ نہیں خبر تو نہ کر دے گا۔؟“

”کے۔؟“

”انہیں انہیں۔ وہ سب لوٹا کے اس میں۔ لونا مجھے بھی۔
مجھے بھی۔ وہ میرے خون سے نہاے گی۔ پہلے میری گردن کاٹے
گی پھر اسے اوپر لٹکا دے گی۔ اس طرح میرے شہرہ کو بھی میرا خون
اس پر گرے گا۔ اور وہ منتر پڑھتی جائے گی۔ ہاے نام ہائے نام
وہ رونے لگی اس کا بدن تر تر کانپنے لگا۔

”سنو۔ سنو وہ کی کو کچھ نہیں بتائے گا۔ وہ میرا دوست ہے
بس تمہارے لیے کھانے کو اسے گا کسی کو کچھ نہیں بتائے گا وہ۔
”دو دن ہو گئے۔ پورے دو دن پہلے میں ایک سوکھے نامے
میں چپی رہی وہاں کچھ لوگ نظر آئے تو ہانگ کر یہاں آگئی۔ اہلی
کے بیڑ پر چڑھ گئی۔ مگر میں نے نہیں دیکھا ہے۔ وہ مجھے دھونڈتے
پھر رہے ہیں بڑی بھوک ہوں میں میں نے سوچا اس گھر میں سوئی
ہوگی کچھ کھانے کو مل جائے تو اس نے بھی ہوئی نظروں سے

دروازے کی طرف دیکھا۔“

”لونا کون ہے۔؟ میں نے پوچھا۔

”مجھے کیا معلوم، پوچھے جا رہے ہو، مجھ سے بولا نہیں جاتا۔“

اس نے جھلا کر کہا بڑی پیاری لگی وہ اس انداز میں میں خاموش
ہو گیا بڑا ترس اُڑا رہا تھا اس پر مگر اس کی کہانی بڑی عجیب تھی لونا نے
پڑا ہٹ ہوئی تو وہ چونک چڑی۔ اس نے کھلی کمر کی کی طرف
دیکھا پھر دروازے کی طرف پھر دہشت زدہ لگا ہوں سے بکی
مگر کھنے والا نوٹ ادھی تھا۔ اس کے ہاتھوں میں پتوں سے بنے
دونے تھے۔ جن میں سے ایک میں پوریاں اور کچھ لڈو رکھے
ہوئے تھے دوسرے میں ترکاری تھی۔

”پوریاں بس تین میں۔ تھوڑے سے لڈو کھا لینا کام چل جائے
گا۔“ نوشاد نے یہ چیزیں آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور اس نے
بتی کی طرح انہیں جھپٹ لیا پھر وہ وہیں زمین پر بیٹھ گئی
”پانی۔ پانی نہیں ملا۔؟“ اس نے پوچھا۔

”وہ بھی آجائے گا تم کھاؤ۔“

”بھگوان تمہیں کس رکھے۔ بھگوان کے کبھی بھوکے نہ رہے۔“

وہ پوریاں ٹوٹنے لگی بہت خوبصورت لڑکی تھی مگر بڑی ناقدری
کی شکار جو کچھ اس نے مجھ سے بتایا تھا وہ نوشاد کو معلوم نہیں
تھا مگر میں اس کی کہانی میں الجھا ہوا تھا اور نوشاد سے مسلسل کھد
رہا تھا اس نے ایک سالم پوری منہ میں ٹھونس لی تھی اور دوسری
ہاتھ میں ربار بھی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ ہولتی بھی جا رہی تھی۔ بس ان
کا خطرہ ہے کہ وہ جگہ جگہ کھو جتے پھر رہے ہیں وہ تو میں بہت تیز
دوڑتی ہوں وہ ان کے ہاتھ آجاتی۔ بھگوان کرے۔“ اچانک
دروازے کا پٹ زور سے کھلا اور وہ دہشت سے سوچ بڑی
اس کے ساتھ ہی بجلی سی کوند گئی ایسی نیلی تلی چھلانگ لگائی اس نے
کر سیدی کمر کی سے باہر جا کر گری۔ اس طرح دروازہ کھلنے سے
ہم دونوں بھی اچھل پڑے۔ ہماری گردنیں دروازے کی طرف
گھوم گئیں۔ بھگوانی پرشاد تھا۔ پانی کا برتن منہ سے اندر گھس
آیا۔ اور احمقوں کی طرح منہ کھول کر انہیں دیکھنے لگا۔ پھر میں نے
اور نوشاد نے بیک وقت کمر کی کی طرف دوڑ لگائی اور باہر
جھاکنے لگے لیکن باہر بیکراں سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اس کا نام و
نشان بھی نہ تھا۔ میرے ساتھ نوشاد بھی کمر کی سے باہر آگیا
اور ہم اسے تلاشت کرنے لگے میں نے چیخ کر کہا۔ ”ہیں کوئی

خطرہ نہیں ہے۔ وہ ہمارے ساتھ تھا جو تمہارے لیے پانی لایا تھا۔ اگر تم درخت پر چڑھ گئی ہو تو نیچے آ جاؤ۔ تم تمہاری حفاظت کریں گے۔ اُدھے گھنٹے تک جب تک مارتے رہے اور بجگوتی پر شاد ہمیں کمر کی میں کھڑا جھانکنا رہا۔ اس کا کوئی نشان ہمیں ملا تھا میرے ذہن میں شدید جھلاہٹ پیدا ہو گئی غصے کے عالم میں میں اس کمر کی کے اندر داخل ہو گیا۔
 "تم انسان ہو یا گدھے؟" میں نے بجگوتی پر شاد سے کہا۔
 "پپ، پپ نہیں! وہ بول کھلا کر بولا۔
 "یوں بیل کی طرح کمر مار کر اندر آتے ہیں۔
 "نہیں جی۔ وہ۔
 "پاگل۔ احمق۔ گدھا۔ نوشاد بھی غرایا۔
 "اب میں کیا کروں؟" بجگوتی پر شاد بولا۔
 "دفع ہو جاؤ۔"

"پپ۔ پانی چھوڑ جاؤں؟" اس نے پوچھا۔
 "دفع ہو جاؤ یہاں سے" نوشاد پاؤں پیچ کر بولا اور بجگوتی پر شاد پھرتی سے باہر نکل گیا۔ بہت برا ہوا یہ وہ سب کچھ ایسے ہی چھوڑ گئی۔ کیا حسین لڑکی تھی۔ جانے کس سے خوفزدہ تھی۔ میں گہری سانس لے کر پلنگ پر آ بیٹھا سمست ذہنی اذیت کا شکار ہو گیا تھا۔ کچھ بتایا تھا اس نے۔ نوشاد نے پوچھا۔
 "کوئی خاص بات نہیں بس وہ خوفزدہ تھی کسی سے کہہ رہی تھی کچھ لوگ اس کی تلاش میں ہیں انہیں وہ کچھ کہا بھی ہو گی۔
 "غلطی مجھ سے ہوئی تھی کہانے کے لیے بجگوتی کو جگانا پڑا تھا یہ کہانا اس کے پاس بچا ہوا رکھا تھا۔ میں نے اس سے پانی لانے کے لیے کہا۔ اور کھانا لے کر آ گیا میرے دونوں ہاتھ بھرے ہوئے تھے اس لیے اس سے کہہ دیا تھا مگر وہ کوئی نہ ہے۔ کچھ نہیں معلوم مجھے۔ میں نے کہا۔

"اس وقت میں ایک عجیب خواب دیکھ رہا تھا میں دیکھ رہا تھا کہ میں ایک اونچے سے درخت کی شاخ پر بیٹھا ہوا ہوں شاخ کی موٹی لکڑی میرے وزن سے چرچر رہی ہے پھر وہ ٹوٹ گئی اور میں نیچے گرنے لگا اور میں اسی وہ میرے اوپر آ گری۔ میں نے سوچا تھا کہ درخت میرے اوپر آگرا اگر بڑی یاد آرہی ہے وہ بہت خوبصورت تھی نوشاد خود ہی مجھ سے بے تکلف ہوا تھا۔ میں نے کبھی اس سے بہت زیادہ بے

شامل

بچانوں میں قاتر

"میں کیا ہوں... مرزا غالب نے میسرے لیے ایک شعر کہا تھا...
 سہ حیران ہوں دل کو روڈوں کے بیٹوں جگر کو میں
 مقدر ہو تو سب تھوڑے کھوں فوج گر کو نہیں
 میں حقیقتاً کرائے کا ایک فوج گر ہوں صاحب
 مقدرت لوگ دل یا جگر کو پٹوانے کے لیے مجھے کرائے پر حاصل کرتے ہیں۔
 "آپ دوسروں کو اتو کیوں سمجھتے ہیں۔" صوفی بھٹا کر بولی۔

"مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی کسی اتو کو اتو

ضرورت ہے

ایک ملازم کی ضرورت ہے جو گھر کی صفائی سترالی، سودا سلف کی خرید وری، باغبانی، ڈرائیونگ اور کھانا پکانا جانتا ہو۔ بچوں کی دیکھ بھال لسانی قابلیت سمجھی جانے لگی۔ تنخواہ حسب لیاقت ہوگی۔ معیار پر پورا اترنے کی شکل میں گھر دلو بھی بتایا جاسکتا ہے۔
 محمد مراد۔ خواب شاہ

تکلفی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا یہاں تک کہ جب وہ رمارانی کے کونے پر گیا تھا تب ہی میں اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتا تھا بہر طور میں نے رڑکی کے سلسلے میں اس سے بہت زیادہ گفتگو نہیں کی۔ وہ اپنے پلنگ پر لیٹتا ہوا بولا۔ یہ کمر کی بھی بند نہیں کی جاسکتی، کیا تمہیں نیند آجائے گی مسودے؟

"سونا تو ہے نا۔ در ز صبح کو طبیعت خراب ہو جائے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"ہی میں کہنا چاہتا تھا حالانکہ کیا ہی اچھا ہو سکا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ہوتی، خیر، خیر جو چیز تقدیر میں نہیں ہوتی انسان کتنی ہی کوشش کرے۔ نوشاد جلد ادھوا چھوڑ کر کرڈٹ ہل کر بیٹ گیا مجھے اس ذہنیت سے نفرت تھی کچھ لوگ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں حالانکہ میں اس لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا میری تو خبر سوچیں ہی مختلف ہوتی تھیں اور حیران کن بات یہ تھی کہ عام زندگی میں بھی مجھے ایسے ہی واقعات کھانا

کرنا پڑتا تھا جو عام واقعات نہیں ہوتے تھے۔ یہ الفاظ میرے
 ذہن میں گونجتے گئے: "نونا، خون کا غسل۔ یہ ساری باتیں
 بے مقصد نہیں تھیں" اے قید رکھا گیا تھا، یقینی طور پر اس نے کوئی
 ایسا منظر دیکھا ہوگا جس کی بنا پر اس کے ذہن میں یہ تاثر پیدا
 ہوا، نجلے نے کس کی اولاد تھی، بنانے کوئی تھی سب سے پہلی سے کروٹیں
 بدلتا رہا۔ اور بالآخر غنڈا لگی۔ دوسری صبح خوب دیر تک سویا
 تھا جاگا تو نوشتہ نظر نہیں آیا۔ کھر کی پر نگاہ پڑی۔ اٹلی کے
 درختوں کو دیکھا رات کا سا سا منظر لگا ہوں میں اب اگر ہو گیا۔
 جڑ بڑا کر اٹھا اور کھر کی کے قریب پہنچ گیا زمین کھر کی سے زیادہ
 نیچے تھیں تھی۔ روکی کا خیال مسلسل دل میں آ رہا تھا کہ میں خوفزدہ
 ہو کر وہ دوبارہ کسی اٹلی کے درخت پر تو نہیں جا بیٹھی بھانڑہ لینے
 میں کوئی برج نہیں تھا۔ میں نیچے اتر کر اٹلی کے اس درخت کے
 پاس پہنچ گیا۔ جس سے میں نے اسے اترتے ہوئے دیکھا تھا۔
 پہلی زمین پر قدموں نے نشانات بنے ہوئے تھے۔ وہ ننگے پاؤں
 ہی تھی۔ اور اس کے پیروں کے نشانات صاف نظر آ رہے تھے
 اگر وہ کوئی دھوکا ہوتی، کوئی بری روح ہوتی تو قدموں کے
 یہ نشانات اور خست سے کھر کی تک آئے تھے اور اس کے بعد
 جب وہ واپس کھر کی سے کودی تھی تو وہ زیادہ گہرے تھے
 میں ان کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا، لیکن پھر ٹھوڑے ہی
 قلمبے پر جا کر وہ نشانات گم ہو گئے تھے، کیونکہ زمین سخت تھی
 اور اگر ٹھوڑے بہت نشانات اس پر بنے بھی ہو گئے تو ہوا
 نے انہیں مٹا دیا تھا۔ اٹلی کے بہت سے درخت یہاں موجود
 تھے۔ جن کی شاخیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں۔
 میں بھر پور نگاہوں سے ان شاخوں کے درمیان جھانکنے لگا
 ایک ایک درخت کے نیچے پہنچتا آوازیں بھی دیتا رہا۔ پھر
 ایک سہا جکر کاٹ کر واپس آیا۔ مجھے اس سلسلے میں مکمل طور
 پر مایوسی ہی تھی۔ ابھی واپس کھر کی کے نزدیک نہیں پہنچا تھا کہ
 نوشتہ کی آواز سنائی دی۔
 "تو تم بھی وہی کر رہے ہو جو میں دو گھنٹے تک کر چکا ہوں
 نہیں بھائی اب وہ اٹلی کے کسی درخت پر نہیں ہے اس عمارت
 سے بھاگ چکی ہے
 میں نے کسی قدر شرمندہ سے انداز میں نوشتہ کی صورت
 دیکھی اور گردن جھٹک کر بولا۔ ہر طور میں اس کے لیے غمزدہ ہوا

"غمزدہ تو ہم بھی میں پیارے بھائی۔ مگر اب کیا کیا جائے آؤ
 اندر آؤ، ناشتہ ٹھنڈا ہو چکا ہے بالکل میں نے بھی اخلاقاً
 تمہاری وجہ سے ناشتہ نہیں کیا، بہت دیر سے ناشتہ رکھا ہوا ہے
 کھر کی ہی کے راستے ہم دونوں اندر آئے تھا اور پھر نوشتہ
 نے ناشتہ کی ٹرے اٹھا کر آگے رکھ لی تھی چلے ذرا بھی موجود
 تھی۔ جواب آئی گرم نہیں تھی لیکن ہم نے وہ ٹھنڈی ہی چائے پی
 لی۔ میں نے چونک کر بجگوٹی پر شاد کے بارے میں پوچھا تو
 نوشتہ نے بتایا کہ وہ محل جا چکا ہے اور ساری باتیں کر کے ہی
 واپس آئے گا۔

"بھٹنڈا کیسی جگہ ہے؟ میں نے سوال کیا۔

"بس بہت بڑا شہر نہیں ہے پھر بھی اچھی خاصی آبادی ہے زمان
 معاملات سے نمٹ لیں، ایک دو دن گھومیں گے۔ رانی ہماوٹی
 سے ملاقات کے بعد ہی فرصت ہو سکے گی۔
 "جادو ٹونوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے نوشتہ
 صاحب ہے؟

"بھیا کبھی واسطہ نہیں پڑا، حالانکہ لوگ طرح طرح کی کہانیاں
 سناتے ہیں، کوئی ان حسین چڑیلوں کی داستانیں سناتا ہے۔
 جو راہ گروں پر عاشق ہو جاتی ہیں اور راہ گروں کے عیش ہو جاتے
 ہیں۔ کچھ بات یہ ہے کہ بارہا دیوانوں میں ان چڑیلوں کی تلاش
 میں نکلتے لیکن اتنے بد قسمت ہیں کہ وہ بھی دیکھ کر بھاگ جاتی
 ہیں۔ کیوں تم نے یہ سوال کیوں کیا، کیا راست کی روکی پر کوئی شک
 کر رہے ہو؟

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں دیے وہ اٹلی کے درخت سے
 اتری تھی۔

"کیا۔؟ نوشتہ نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں۔ رات کو پوری کہانی میں تمہیں سننا سکا۔ آنکھ کھل
 گئی تھی میری، پلنگ پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا کہ میں نے اسے
 اٹلی کے درخت سے اترتے ہوئے دیکھا اور اس کے بعد وہ
 کھر کی سے اندر آ گئی۔

"دُرا رہے ہو؟ نوشتہ نے خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ کہا
 اور مجھے بھی ہنسی آ گئی۔ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اماں قسم کھاؤ کیا وہ چڑیل تھی۔ نوشتہ نے پر خوف لہجے
 میں پوچھا۔



جسے تاریخی ناولوں کے شہنشاہ اسلم راہی نے لکھا

۹ حصے قیمت فی حصہ -/35
قیمت رف ایڈیشن : ۲۵ روپے

ہاں دیوان کمال داس ہی سے ملاقات ہو گئی ساڑھے چار بجے ہمیں محل پہنچ جانا ہے مسلمان پھر دیوان کمال داس کے منگوانی میں یہ ساڑھیاں سجانی ہوں گی پھر رانی ہادی ساڑھے چوبیس بجے ان کا جائزہ لیں گی اور رانی پسنے کا اظہار کریں گی۔ چلو ٹھیک ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کام آج ہی ہو جائے گا۔ میں نے کہا۔

بھئی بھگوتی پرشاد اس گھر کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہے ہمارے شہر نے کئی بے اگر بعد میں بھی اس گھر میں شہر بنانا تو کم از کم میں تو نہیں رکھنے کا واپس چلا جاؤں گا۔ کیوں اس گھر میں کیا ہو گیا: بھگوتی پرشاد نے نیشاد کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

بشادات کو ہمارے کمرے میں سوتا تو نہ چلتا کہ اس گھر میں کیا ہو گیا چوبیس گھنٹے آتی ہیں۔ اٹلی کے درختوں سے نیچے اتر کر نوٹ دے گا۔

نا۔ نوٹ دے گا ہمارا جی ایسی کوئی بات نہیں ہے ہم بہت سی باتیں کیا اکیلے سوچے ہیں تم تو دروہ۔ تو خود بھی کسی بھوت سے کم نہیں ہے فیروہ کیا جائے گا۔

• نہیں نوٹ دے گا صاحب پڑیل تو بالکل نہیں تھی وہ۔
• ہاں ہو تو نہیں سکتی، تم مگر ہیں پڑیلوں کا تجربہ تو نہیں ہے
اے نکلویا یہاں سے تم نے تو واقعی دہشت زدہ کر دیا، ویسے
بھی یہ گھر بھوت گھر معلوم ہوتا ہے، تو پھر اس کے علاوہ دلا قوت،
کس خوف کا شکار کر دیا؟ او باہر بیٹھیں۔

مجھے نہیں آگئی میں نے کہا: اور اگر بھوت یہ سارے سامان
اٹھائے گئے تو مصیبت نہیں ہو جائے گی؟

• بھئی میں سچ بتا رہا ہوں اب مجھے اس دیران جگہ سے ڈر لگنے
لگا ہے اور مجھے مزید خوفزدہ نہ کرو تم۔

• اور اگر وہ بات کو ہمارے کمرے میں رہ جاتی تو۔؟
• تو مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ بھوتی ہے کم بخت سنا ہے بھوتیاں

اور چوبیس ایسے ہی درختوں پر سیر کرتی ہیں۔ سارے باپ رے،
میں تو تم سے پہلے اسے اٹلی کے درختوں پر تلاش کرتا پھل ہوں یہ پتہ
کر کر کہیں وہ کسی شے پر سونہ رہی ہو۔ بت نہیں کس سے خوفزدہ
تھی، کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔

• کوئی خاص بات نہیں، بھوک کی کمی ہے چاری، میں نے باتیں
کرنے کی کوشش کی تو جھلا گئی کہنے لگی میں بھوک ہوں اور مجھ
سے بولا نہیں جا رہا اور تم حال ہی سوال کئے جا رہے ہو۔

• تو پھر چڑیل نہیں ہوگی اسناد وہ، بھلا ان بھوتہ رتوں
تو کھانے پینے سے کیا دہی اور اگر ہو بھی تو ان کے لیے کیا فصل
جہاں سے دل چاہے حاصل کریں سارے باپ رے، پتہ
نہیں کم بخت بھگوتی پرشاد کو داپس آئے گا، کم از کم مدد مانے
پر تو ملتے ہیں۔ نوٹ دے گا واقعی خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ میں صرف
اس کی وجہ سے باہر نکل آیا اور نہ میلا بھلا اس قسم کی باتوں میں
خوف سے کیا قفل۔ بھگوتی پرشاد بھی ساڑھے بارہ بجے کے قریب
آیا تھا اور کھانے پینے کا انتظام کر کے لایا تھا۔

• جیتے رہو میرے لال جیتے رہو، کم از کم کام کی باتیں کر کے کاتے
ہو، چلو یہ کھانے کا بندل مجھے دے دو ہمارے لیے لائے ہو؟
• ہاں میں تو محل میں کھا کر آیا ہوں۔

• اچھا اچھا ابھی سے کھا ہی لیا؟ نوٹ دے گا۔
• دیوان کمال داس نے مجھ کو روک دیا تھا اور کہا تھا کہ کھانا
کھا کر جاؤ۔

• اچھا ملاقات ہو گئی ان لوگوں سے؟

ہم تو ویسے بھی چڑیلوں سے خاصی افسیت رکھتے ہیں۔ نوشاد نے مجھے دیکھ کر آنکھ ماری لیکن میں نے اس کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ اس لڑکی کی بے بسی کا احساس اس وقت بھی میرے دل میں موجود تھا بے چاری کھانا بھی نہیں کھا سکی تھی اور اسے خوفزدہ ہو کر بھاگنا پڑا تھا جانے کیا قصہ تھا اس کا۔ ساڑھے چار بجے سب لوگ تیار ہو گئے سلمان برجی خوبصورتی سے پیک کیا گیا اور ہم اسے لیے ہوئے محل چل پڑے۔

زمانہ قدیم میں محلوں کا کیا تصور ہو؟ ابوگادہ ایک انگ بات تھی مگر میں نے محل وغیرہ کم ہی دیکھے تھے یہ محل بھی بس محل کیا تھا البتہ اسے ایک عویلی کہا جاسکتا ہے وہی پرانے طرز کی تعمیر کی ہوئی بہت خوبصورت اور صاف ستھری دراصل ملازمین وغیرہ بھی زیادہ تھے ویسے یہ ع تھا کہ ریاستیں بے شک ختم ہو گئی تھیں لیکن ان کی باقیات آثار اب ای شان و شوکت کی حامل تھی عویلی میں ملازموں کی جیسے پوری فوج موجود تھی چاروں طرف سے نکل رہے تھے نہیں فوراً ہی خوش آمدید کہا گیا ملازمین نے ہمارا سامان اٹھایا اور اس کے بعد ایک بہت ہی خوب صورت ہال میں پہنچا دیا گیا گہرے سرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر بہت ہی خوبصورت تصاویر آویزاں تھیں۔ شگلی جیسے سجے ہوئے تھے قد آدم تصویریں یعنی طور پر اس خاندان کے بزرگوں کی تھیں میں نے گہری نگاہوں سے اس پہلے محل کا جائزہ لیا جو میں نے دیکھا تھا۔ لیکن نوشاد کے اشارے پر ہم لوگ جلدی جلدی اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے دیوان کالی داس جی ابھی ہمارے پاس نہیں آئے تھے لیکن اس وقت جب ہم ساڑھے چھوٹی کو بڑے خوبصورت انداز میں بجا رہے تھے دروازہ کھلا اور دیوان جی اندر آ گئے نوشاد نے انہیں گردن خم کر کے تعظیم دی تھی میں انے کام میں مصروف رہا جگوتی پر شاد میرا ساتھ دے رہا تھا نوشاد کہنے لگا۔ حضور ہم آپ کے حکم کے مطابق وقت بوجہ پہنچ گئے ہیں۔ میں نے رانی صاحبہ سے بات کر لی ہے وہ بس شام کو ساڑھے سات بجے یہاں پہنچ جائیں گی

میں نے اس آواز کو سن کر گردن گھمائی اور اتفاق سے اس وقت کالی داس نے بھی میری طرف دیکھا کالی داس ہی تھا بالکل کالی..... رنگت انکا کالا کر اندھیرے میں نظر بھی نہ آئے۔ بڑی بڑی مونچھیں جو اس کے رخساروں سے بھی نکلی ہوئی تھیں بہت خاص قسم کا لباس پہنے ہوئے آنکھیں گہرے سیاہ چہرے پر بالکل سفید سفید نظر آرہی تھیں۔ لیکن چہرہ پر رعب اس نے مجھے دیکھا اور دفعہ ثانی میں نے اس کے چہرے پر ایک تیسرے محسوس کیا۔ اس کی تیز آنکھیں میرا جائزہ لیتے لگیں بس ایک نگاہ دیکھنے کے بعد میں پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ لیکن دماغ میں ایک غلطی سی پیدا ہو گئی۔ اس کے چہرے پر جو کچھ کا سا انداز تھا جانے کیوں..... جانے کیوں لیکن اس نے کچھ کہا نہیں بلکہ خاموشی سے یہیں کام کرتے دیکھتا رہا۔ نوشاد سے اس کی مسلسل باتیں ہو رہی تھیں۔

مہاراج آپ بھی ایک تندرست ہیں اور ذرا ہیں جانیں کہ ہم نے جو منت کی ہے وہ رانی صاحبہ کو پسند آئے گی یا نہیں۔

”میرا کام نہیں ہے تم اپنا کام کر دنا موٹی سے۔“ دیوان کالی داس کی آواز بھی بڑی بھور تھی میں نے اپنے کام سے فرائض حاصل کر کے ایک بار پھر دیوان کالی داس کو دیکھا اور مجھے پھر اسی کیفیت کا احساس ہوا اس کی آنکھوں میں شک کے سے تاثرات تھے ویسے کالا رنگ ہونے کے باوجود اسے سیاہی کا شکل کا مالک نہیں کہا جاسکتا تھا۔ لیکن نبلے دھبے کچھ عجیب سا لگا تھا جب ہم نے اپنا کام کر لیا تو کالی داس کہنے لگا۔ اب تم باہر جا کر آرام سے بیٹھو یا ابھی کچھ کام باقی ہے۔ آپ کا جو حکم مہاراج۔ جیسا آپ کہیں ویسا کریں گے نوشاد نے کہا۔

”تو پھر آؤ باہر آ جاؤ میں یہاں تالا لگوائے دیتا ہوں تم بیٹھو۔ کھاؤ پیو اور اس کے بعد ٹھیک ساڑھے چھ بجے رانی مہاراجی جی یہاں پہنچ جائیں گی۔“ ہمارا کام ختم ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہم مینوں باہر نکل آئے

دیوان کالی داس نے ملازمین کو حکم دیا کہ ہیں آرام سے بٹھایا جائے اور ہماری خاطر ملازمت کی جائے جس کمرے میں یہ سامان بٹھایا گیا تو وہاں سے ٹھوکرے ہی قاصدے پر ایک جگہ ہم بیٹھ گئے اور زمین نے ہمارے سامنے پل وغیرہ لا کر رکھ دیئے نوشاد نے کہا: ”کوئی لطف آ رہا تھا۔“ یا نہیں۔ میں نے چونک کر نوشاد کو دیکھا اور پھر آہستہ سے کہا: ”یہ دیوان کالی داس تھا۔“

”مورت سے نہیں لگتا تھا۔“ نوشاد نے کہا اور ہنس پڑا۔ بھگوتی پرشاد بولا: ”نہیں مہاراج ایسی باتیں نہ کہیں اگر کسی کے کانوں تک پہنچ گئیں تو شامت آجائے گی ہماری۔ بے شک اب ریاضیں نہیں رہیں لیکن ان لوگوں کی شان و شوکت وہی ہے ذرا سی دیر میں گرنے لگی اتر دیا کرتے ہیں۔“

تو میں نے کیا کہہ دیا بھگوتی پرشاد مہاراج ایک بات ہی تو کہی ہے ویسے یہ مجھ کو مسعود کہ کالی داس نبی کا نام ان کی پیدائش کے بعد ہی کالی داس رکھا گیا ہو گا ظاہر ہے نام تو پیدائش کے بعد ہی رکھے جاتے ہیں لیکن سوچنے والوں کو ذرا بھی دقت پیش نہیں آتی ہوگی ان کی شکل دیکھی اور فوراً ہی کالی دیوی کا تصور ذہن میں آگیا سو کالی داس مہاراج، کالی داس بن گئے۔

”تم ہماری مرضی ہے جو دل چاہے کہے جاؤ اپنی بات کے ذمہ دار خود ہو گے۔ بھگوتی پرشاد پھر بولا: ”ابے تو یہاں کون سن رہا ہے تیری تو جان ہی نکلی جا رہی ہے۔“ نوشاد نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر ایک بڑا سا خوبصورت سیب اٹھا کر اسے دانتوں سے کترنے لگا۔

میں کچھ بے چین سا تھا کیا بات ہے اثر کیا بات ہو سکتی ہے کالی داس کا انداز چونکا ہوا تھا۔ وہ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے میری ذات پر کوئی شک ہو مگر نوشاد سے اس بارے میں کیا کہنا دینے بھی وہ غیر بخندہ اور لاابالی سا آدمی تھا۔ رانی مہاوتی کو ساتھ چھپکے ہی آنا تھا مگر وہ پونے چھ بجے آئیں اور ملازم ہمارے پاس دوڑتے ہوئے آئے تھے اور انہوں نے کہا: ”ہوشیار ہو جاؤ رانی جی آ رہی ہیں۔“

”آخر بات کیا ہے مجھ؟“ شوہر نے حیرت سے پوچھا ”آج تم نے ٹھون پر صرف بیس منٹ بات کی؟“

”نیم گھنٹہ منباتے ہوئے جواب دیا۔“ رانجک غرہ تھا۔

جی ایم نوشادی کا کہنا ہے کہ دنیا کا کوئی شخص بھی تمہیں اس وقت تک احساس کمتری میں مبتلا نہیں کر سکتا جب تک اس میں تمہاری اپنی مرضی بھی شامل نہ ہو۔

دو باتوں میں سے اگر کوئی شخص ایک بات بھی کہے تو سمجھ لو وہ اول درجے کا جھوٹا ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ شراب کا کچھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ میں ریاضیوں کو سمجھتا ہوں۔

مخالف جنسوں کے درمیان ہونے والی جنگ عظیم میں کسی بھی جنس کو کبھی مکمل فتح حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ ان میں منافقت بھی پائی جاتی ہے۔

کئی افراد تھے ان کے بیچ رانی مہاوتی آ رہی تھی میں بھی نوشاد اور بھگوتی پرشاد کے ساتھ کھڑا ہو کر اس شان و شوکت کو دیکھنے لگا۔ کچھ عمارتیں کچھ عمارتیں ساتھ میں کالی داس بھی تھا۔ جوائنگ ہی نظر آ رہا تھا۔ مہاوتی دروازہ قیامت اور نہایت خوبصورت عورت تھی سخی سرخ و سفید سیب جیسی رنگت بال گھٹاؤں جیسے اتنے کہ یقین نہ آئے چہرے پر ایک اٹھ کھابا کمپن اور آنکھوں میں بھلیاں تھی کوندتی ہوئی بڑے وقار سے ایک ایک قدم رکھتی ہوئی وہ آگے آئی اور میں نے محسوس کیا کہ کالی داس آہستہ سے کچھ بدبندار ہوا تھا جس کے جواب میں رانی مہاوتی نے خصوصاً مجھے دیکھا اور اس کی نظریں میرے ہی چہرے پر گڑی رہیں۔ اور مجھے یوں لگا تھا جیسے کچھ انگلیاں میرے چہرے کو ٹھونک رہی ہوں۔ بے اختیار ہی چاہا کہ چہرہ ٹھونک کر دیکھوں لیکن پھر خود کو سنبھال لیا وہ بالکل قریب آگئی اور میں نے اس سے نظریں ملائیں اس نے بے اختیار دونوں

باتھ جوڑ کر ماتھے سے لگا دیئے۔ اس کی پرشوق نظریں مسلسل میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں کالی داس نے کہا: دروازہ کھولو جگوتی۔

جی مبارک جگوتی پرشار نے نوشاد کو دیکھا اور نوشاد نے دروازہ کھول دیا رانی بھی جیسے سنسنیل گئی پھر پہلے وہ اور اس کے بعد ہم سب اندر داخل ہو گئے رانی ہماری لائی ہوئی ساڑیاں دیکھنے لگی مگر اس کے انداز میں لا پرواہی تھی وہ بار بار میری طرف متوجہ ہو جاتی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

”تمام ساڑھیاں بہت اچھی ہیں بڑی خوبصورت ہیں پسند آئیں کالی داس۔“

”جی رانی جی: کالی داس دو قدم آگے بڑھ آ۔“ ہمیں تمام ساڑھیاں پسند آئی ہیں ان سب کو سنبھال کر کھواہد تاحمیل کو ان کی منہ مانی قیمت ادا کر دو۔ تمہارا نظام جگوتی پرشار ہے نا۔ رانی ہمدانی نے جگوتی پرشار کی جانب انگلی اٹھائی۔ اور جگوتی پرشار دونوں ہاتھ جوڑ کر جھک گیا۔ جی مبارک رانی جی۔

”جگوتی پرشار یہ لوگ بہت اچھی ساڑھیاں بناتے ہیں۔ میں ان سے کچھ اور کام کرانا چاہتی ہوں اور اس کام کے ڈیزائن میں بنوا کر ان کے حوالے کرنے کی خواہش مند ہوں تم لوگ ساڑھیوں کی قیمت اندازینا انعام وصول کرو۔ ان میں سے ایک آدمی کو میرے پاس چھوڑ دو۔ وہ یہاں ہمارا مہمان رہے گا اور بعد میں ہمارا نیا حکم لے کر واپس پہنچے گا۔ اس آدمی کو یہاں چھوڑ دو اس کے لیے ہمیں قیام کا بندوبست کر دیا جائے گا رانی ہمدانی نے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا جگوتی پرشار ایک بار پھر ہاتھ جوڑ کر جھک گیا۔ جو حکم مبارک رانی جی: مہادتی فوراً ہی ٹھوکی اور ہیٹ کر دروازہ سے باہر نکل گئی اس کا حکم آخری حکم تھا اور اس میں کسی رد و قدح کی گنجائش نہیں تھی لیکن میں ساکت رہ گیا تھا کالی داس نے ہم تینوں سے کہا۔

”تم لوگ احتیاط کے ساتھ یہ ساڑھیاں پیک کر دو اور اور تم میں سے ایک جگوتی پرشار تم میرے ساتھ چلے آؤ۔“

اصدا ان کی قیمتوں کی بات کر کے مجھ سے قلم وصول ہوئے۔ آخر تم دونوں براہ کرم یہ کلمہ کہ ڈالو: دیوان کالی داس جی بھی جگوتی پرشار کو لے کر باہر نکل گئے اور نوشاد نے آگے بڑھ کر مجھے گلے سے لگا لیا۔

یار یوں کچھ نو تقدیر جھک گئی، مہادتی صاحبہ تواتنے خوش ہوں گے کہ تم اندازہ نہیں لگا سکتے مگر یہ کدینہ جگوتی پرشار ان ساڑھیوں کی قیمت کیا مانگے گا یا یہ کہیں گزرتے نہ کر جائے۔

”کیا اسے ان کی قیمتوں کا اندازہ نہیں ہے۔“

”خیر ایسی بات نہیں آدمی تو وہ بہت سیال ہے اور مجھ سے زیادہ کاروباری گڑبانتا ہے بیٹے کی اولاد ہے اور تم بچے ہو دو کا نڈار کتنے تیز ہوتے ہیں لیکن کہیں بیچ میں نالکا نہ لگ جائے چلو اسے بھی سنبھالیں گے ویسے اسے قیمتیں معلوم ہیں وہ ہمارا مستقل اینٹ ہے یہ بات تو رانی اپنی جگہ یاد رکھو یہ ساڑھیاں اٹھواتو۔ دیر کر نامناسب دہو گا۔ نوشاد میرے ساتھ ساڑھیاں اٹھوانے میں مصروف ہو گیا۔ پھر بولا۔

”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ سب کچھ تو جو ہے سو ہے مگر تم نے رانی صاحبہ کی نظروں میں کچھ غمخسوس کیا۔“

”کیا۔ میں نے سوال کیا۔“

”ساڑھیاں کم دیکھ رہی تھیں تمہیں زیادہ دیکھ رہی تھیں۔“ نوشاد آگے دبا کر بولا۔

”بے کار باتیں ہیں: میں نے جھینے ہوئے لمبے میں کہا اور نوشاد تب بقیہ لگا کر ہنس پڑا۔ پھر بولا نہیں بھائی۔ یہ رانیاں مبارک رانی جی: میں نے کہا کہی کی تقدیر ساتھ دے جائے تو سمجھ لو وارے نیارے ہو جائیں گے اور میں سمجھتا ہوں کہ اب جب تم بنارس واپس آؤ گے تو نجائے کیا بن کر آؤ گے۔“

”نوشاد میں یہاں نہیں رکنا چاہتا۔“

”ارے باب رے کیسی خونخوار باتیں کر رہے ہو بھلا رانی صاحبہ کا حکم اور اس کی تعمیل نہ ہو انہوں نے پوچھنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی کہ تم رکنا چاہتے ہو یا نہیں اور پھر حیاقت کی باتیں ہت کر میں نے تم سے پہلے ہی

کہہ دیا تھا کہ راج محلوں کی کہانیاں ذرا مختلف ہوتی ہیں اور تقدیر بننے میں دیر نہیں لگتی ہو سکتا ہے یہ میری ہی غلط فہمی ہی ہو لیکن جانشین لینے میں کیا ہرج ہے یہ نہیں ہو سکتا نوشاد کہ تم یہاں رک جاؤ۔

”آہ کاش! ایسا ہو سکتا مگر جسے پایا جا ہے وہی بہان ہیں بھلا کون پوچھتا ہے۔ چلو نیک ہے بہر طور نہیں یہاں رہنا ہوگا۔ بس ذرا احتیاط رکھنا۔ بس ان لوگوں کے دماغ پھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ دولت اچھے اچھول کا ستیاناس کر دیتی ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اس دنیا کا بای نہیں سمجھتے بس تھوڑی سی احتیاط رانی صاحبہ کے احکامات کی تعمیل اور پھر یار یہ تو خوش بختی ہے کتنی حسین ہیں وہ عمر کتنی ہی ہو لیکن کیا شان ہے کیا انداز ہیں اور کھینے دکھانے کی چیزیں ہیں پلو بیبا عیش کرو ہمارے طرف سے پیش کی مبارکباد۔

میں الجھا ہوا تھا ویسے تو مجھے کوئی ایسی خاص پریشانی نہیں تھی مافی صاحبہ مجھے لقمہ نہ کچھ کر لنگل تو نہیں بایں گی لیکن بس الجھن تھی ابی کیا بات پائی ہے انہوں نے مجھ میں اور بات اگر رانی صاحبہ ہی کی ہوتی تو چلو مان لیتا کہ نوشاد کا کہنا درست ہے لیکن اس سے پہلے مہاراج کالی داس نے بھی مجھے چونک کر ہی دیکھا تھا۔ کیوں۔ آخر کیوں کام ختم ہو گیا نوشاد اور جگوتی پر شاد چلے گئے۔ کالی داس نے مجھے محل کے خادموں کے حوالے کر دیا۔ حویلی یا محل کے بغلی حصے میں بنے ہوئے مہمان خانے میں مجھے جگہ دی گئی تھی ہر طرح کا خیال رکھا گیا تھا پیل سبزیاں وغیرہ کھانے میں دی گئیں میرے دماغ میں بہت سے خیالات تھے مگر بے سکونی نہیں تھی۔ وہموں میں الجھ کر سکون برباد کرنے سے آج تک تو کچھ حاصل نہیں ہو سکا تھا اب میں نے ہر طرح کے حالات میں جہنا سیکھ لیا تھا رات خوشگوار گزری دو سیرا دن بھی گزر گیا کوئی ایسی بات نہ ہوئی ہو قابل ذکر ہوتی شام کو کالی داس آیا اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا: تم حاجی فیاض الدین کے آدمی ہو نا۔

علم ہیت کیلئے دنیا الیہ کے صوائشیں چرواہوں کی رہیں منت ہے۔ یہ طویل راتوں میں بیکار دی سے پریشان ہو کر صفا خاک کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے اور ہر سزاہ کی حرکت و سکون پر گہری نظر ڈالتے تھے اور ان کا دل شہادت دیتا تھا کہ ان ستاروں کا تغیر و تبدل کسی بقاعدہ اصول کے تحت ہے اور یہ ستارے موسم اور رشتی فصول پر غماص اثر رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے ان کے نام رکھے اور ان کے طلوع و غروب کا اندازہ کیا پھر قراہت و ظہرے ہوئے ستارے کی امداد سے سمتیں مقرر کر کے ہر شام کے لئے ایک منزل ستارے کی جس فصول کی بنیاد پڑی اور سیر و سفر میں نہیں ستاروں نے میل و فرسنگ کا کام دیا۔ اس علم کے مسلم اول کسی ملک کے باشندے تھے یا اختلافی مسئلہ ہے لیکن تاریخی آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ علم ہیت کی ایجاد کا فخر بھی کلدانیوں کو ہے۔ — ابن الفی

”جی دیوان جی۔“

”رانی مہاروتی تمہیں کچھ دیوان دینا چاہتی ہیں بہت بڑا کام ہوگا تمہیں اس کے لیے کئی دن رکنا پڑے گا کوئی جلدی تو نہیں ہے تمہیں۔“

”سنا ہے جب سے آئے ہو اندر گھسے رہتے ہو۔ تم مہمان ہو قیدی نہیں محل بیت بڑا ہے گھومو پھرو اس جگہ رہنا پسند نہ ہو تو جہاں چاہو بندوبست کر دیا جائے۔“

”نہیں دیوان جی۔ یہاں ہر طرح کا آرام ہے۔“

”کیا نام ہے تمہارا۔“

”مسعود۔“

”ایں۔ کالی داس چونک پڑا۔“

”مسعود احمد۔ میں نے اسے دوبارہ نام بتایا اس کے چہرے پر پھر ہنس کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی پھر وہ بولا۔“

”مسلمان ہو۔“

”جی بالکل۔“

” اچھا وہ حیرت سے بولا مجھے دیکھتا رہا پھر بولا
 واپس پلٹ آیا کچھ سوچ کر دروازے میں رکھا میری طرف
 دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ یہاں دایاں باندیاں بھی
 بہت سی ہیں کسی کو کسی سے ملنے پر پابندی نہیں ہنسی
 خوشی سے گزارو۔ تم مہاراجی کے مہمان ہو ایرے غیرے
 کے نہیں۔ میں تمہارے پاس سندری کو بھیجتا ہوں۔
 تمہیں پسند آئے گی۔ یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔
 میں دروازے کو گھورتا رہ گیا ابھی کیا ماحول ہے
 اس دنیا میں رہنے والے کیا تمام لوگ میری ہی طرح
 پر اسرار واقعات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں کیا بھی
 کو زندگی میں قدم قدم پر ایسے انوکھے واقعات پیش
 آتے ہیں کبھی سنا تو نہیں یہاں تو طویل عرصہ سے ایسا
 ہی ہو رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد وہاں سے ایک سندری داخل ہوئی
 سندری ہی تھی بڑا باڈب نگاہ چہرہ تھا اند آگئی اور مسکراتی
 نظروں سے مجھے دیکھ کر بولی۔

” میرا نام سندری ہے۔“

” جی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔“

” کیسی ہوں۔ وہ شوشی سے بولی۔“

” جی۔ میری گھرائی ہوئی آواز ابھری۔“

” تمہارا نام کیا ہے۔“

” مسعود۔“

” کچھ بتا دو نا۔ وہ ناز بھرے انداز میں بولی۔“

” تعجب ہے تم میری بات کو جھوٹ کیوں سمجھ رہی ہو

میں نے کہا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر بولی۔“

” آؤ باہر چلیں۔ ہاں بڑی سندہ جا چل رہی ہے

تمہیں پھول پسند ہیں۔“

” پھول کے پسند نہیں ہوتے۔“

” اور پھول دیتی۔ وہ پھر اسی طرح کھلکھلا کر ہنسی اور

آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی۔“ آؤ میں تمہیں پھول کھنڈ

لے چلوں۔ آؤ نا۔ میں نے آہستہ سے اس سے ہاتھ

چھڑایا مگر اس کے ساتھ ہاں نکل آیا۔ میرے اس طرح ہاتھ

چھڑانے پر اس نے گہری نظروں سے مجھے دیکھا مگر کچھ بولی

نہیں میں اس کے ساتھ باہر آ گیا وہ مجھے محل کے بیچے حصے
 میں لے آئی لوق و دوق جگہ تھی گھاس کا فرش بچھا ہوا تھا ہر
 طرف ہریالی تھی۔ جگہ جگہ حوض نوارے بنے ہوئے تھے ان
 کے گرد سنگی جیسے آویزاں تھے انتہائی حسین سنگی مجھے جنہیں
 بڑی مہارت سے تراشا گیا تھا یہ سب مختلف شکلیں رکھتے
 تھے ویسے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ان محسوسوں نے
 باغ کا حسن بڑھا دیا تھا۔ محل کے عقبی حصے میں یہ علاقہ بے حد
 خوبصورت تھا ابھی مدھم مدھم روشنی بکھری ہوئی تھی لیکن
 شام تیزی سے جھکتی چلی آ رہی تھی ہوا چل رہی تھی اگر موسم
 اور ماحول کے لحاظ سے دیکھا جاتا تو یہ جگہ انتہائی حسین
 کہی جاسکتی تھی عجیب و غریب خوشبوئیں چاروں طرف
 بکھری ہوئی تھیں۔ ایک موڑ مڑنے کے بعد میں نے جو منظر
 دیکھا وہ ناقابل یقین سا تھا۔ انسانی ہاتھوں کا کارنامہ تو
 معلوم ہی نہیں ہوتا تھا پھول جیسے دیواروں میں لگائے
 گئے تھے کہیں بلند کہیں پست کہیں اونچے کہیں نیچے سب
 کے رنگ مختلف تھے اور پھول کے پتوں پر مجھے اس
 طرح آویزاں تھے جیسے کوئی پھولوں کے درمیان چلتے
 چلتے رک گیا ہو ایک چوکور حوض اس طرف بنا ہوا تھا
 جس کے کنارے بیٹھنے کی جگہ بھی تھی۔ اسے محسوسوں کا علاقہ
 کہا جاتا تو غلط نہیں ہوتا شوقین لوگ ایسے سنگی مجھے آویزاں
 کرتے ہیں لیکن اتنی تعداد میں نہیں بہر حال عام لوگ
 راجہ اور رانی بھی تو نہیں ہوتے۔

سندری مجھے لیے ہوئے اس سمت آگئی حوض کے
 پاس رک کر اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا
 اور بولی۔

” یہ ہے ہمارا پھول کنڈ۔“

” بہت خوب صورت جگہ ہے میرے منہ سے بے اختیار
 نکل گیا۔“

” راجہ چندر بھان جی پھولوں کے رسیا ہیں بس یوں
 سمجھ لیں کہ انہوں نے اس حصے کو پھولوں سے آراستہ
 کرنے کے لیے اتنی دولت خرچ کی ہے کہ اس سے ایک
 گاؤں بسایا جاسکتا تھا۔“

راجہ چندر بھان جی مذاں محل کے مالک ہیں رانی

سہاقتی ہی انہی کی تو دھرم غنی ہیں : میں اس لیے بنا
رہی ہوں کہ تم بنارس سے آئے ہو جانتے نہ ہو گے
بھنڈا کے بارے میں :

ہاں ایسی ہی بات ہے : میں نے جواب دیا
”بیٹھو..... بیٹھ جاؤ نا۔ تم مجھے کچھ ٹیپ سے لگ رہے
ہو گجرات کے گجرات سے کیا گجرات پریشان ہو :
”نہیں..... نہیں : میں نے نرم لہجے میں کہا :
”میں نے انہی کو انہی کے گجرات میں لے آئے ایسے گجرات
جیسے..... جیسے..... وہ جلا دھوڑا چھوڑ کر خانا کھل ہوگی۔
”راجہ مندر بھائی جی کو میں نے کبھی نہیں دیکھا :
”لو آئے ہوئے کے ہی کتنا بیتا ہے تمہیں ویسے بھی
وہ بیمار ہیں۔

اوپر اچھا میں نے آہستہ سے کہا : وہ مجھے دیکھ کر
سکڑنے لگی پھر بولی : بہت کم بولتے ہو تم ویسے کیا تم پچ
مسلمان ہو :

”کیا۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔
”نہیں میرا مطلب ہے۔ میں نے مسلمان نہیں دیکھے
خود : یہاں بلیا بڑھی ہوں اسی محل میں پیدا ہوئی
اسی میں پروان چڑھی ہیں رہتی ہوں :
”مسلمانوں کے سینگ نہیں ہوتے جیسے تم لوگ
ہوتے ہو ویسے ہی ہم :

”ہاں اب تو یہی اندازہ ہوتا ہے مجھے۔ وہ بات بات
پر فتنے کی مادی تھی پھر بولی : اچھا اب یہ بنا کر کیا پوچھے :
”کچھ نہیں.....“

”واہ ایسا خوبصورت موسم پاروں طرف بکھے ہوئے
پھول میں کچھ پیسے کے بے شکوائی ہوں تمہارے لیے۔
”سنو..... سنو رک جاؤ ایسی کوئی فتنے ہم مسلمان
نہیں پیتے۔ یعنی طور پر اس محل میں رہ کر تمہیں یا بات
بھی معلوم نہیں ہوتی ہوگی۔

تو میر میں کیا کروں تمہارا ادھر دیوان کالی داس
جی ہیں جو کہتے ہیں کہ مہمان کو کوئی تکلیف نہ ہو اس کا دل
بہلا داس سے باتیں کرو۔ وہ جو چاہے اس کی ہر سیوا
کرو اور تم جو کہ ٹھیک سے بول رہے ہو مجھے

محبت دنیا کی وہ عظیم ہستی ہے جو شوہر ہی کی
نہیں جیسے تک کی کمال اتار دیتی ہے۔ صرف اس لیے
کہ وہ اپنا کوٹ تیار کر سکے۔



اس نے اداس سے منہ بنایا اور میں نے گردن جھٹکتے ہوئے
کہا۔

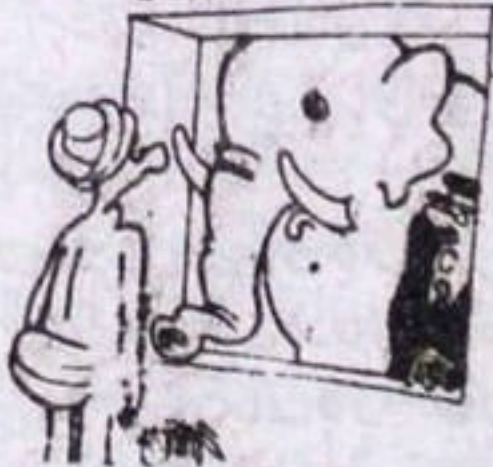
”نہیں سندی ایسی کوئی بات نہیں ہے بس یہ جگہ
بہت پیار ہے مجھے بڑی پسند آئی اور کیا باتیں کروں
آپ سے : وہ کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔
”اچھا کہ میں ابھی آئی ہوں گجرات سے تو نہیں۔
”نہیں میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

”مانا ابھی نہیں یہاں سے میں یہ گئی اور وہ آئی :
وہ پھر نہیں اور پھر آگے بڑھ گئی میں اسے جلتے دیکھتا رہا
جب وہ لگا ہوں سے اوٹھل ہو گئی تو میں اپنی جگہ سے
اٹھ کر آجوارات کی دھندلاہٹیں پھیل گئی تھیں پھولوں
کے رنگ مائل پڑتے جا رہے تھے بڑا طلسمی ماحول تھا
ہر طرف ایک پناہ سرا اور اسی فضا پر بھائی ہوئی تھی یوں
لگتا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ اچانک کچھ ہو جائے گا
پھولوں کا سکوت ان کے درمیان خاموشی کھڑے
مجھے سب کسی انہونی بات کے منتظر تھے یا پھر اس



”کبھی اٹھا نہیں ہرکت“

7201 7201 7201



فیثوں نے اس ماحول کو اور خواہناک بنا دیا تھا اور اب ہر چیز کو صاف دیکھا جاسکتا تھا ابھی سہ چوں میں گم تھا کہ ”سٹی سٹی“ کی آواز دو بارہ ابھری اور میرے اعصاب تن گئے پھر ایک سرگوشی ابھری

”ادھر... اس طرف... اس طرف بائیں سمت... میں بے اختیار بائیں سمت گھوم گیا میری بائیں سمت پہ بھولوں کے درمیان تنگ مرکا ایک بے جان ممبرہ ایسا وہ تھا پھر بلا اور ساکت۔

”ہاں ٹھیک ہے میرے پاس آ جاؤ... سنو جلدی کرو اور نہ سندی آ جاؤ گے“ آواز نہ جیسے میں سے ہی ابھر رہی تھی۔ لاکھ خود کو سنبھالا بہت کرنے کی کوشش کی لیکن پورے بدن میں تھر تھری سی دوڑ گئی۔ میں دہشت بھری نظروں سے اس جیسے کو دیکھنے لگا۔ اس کے پھرے بونے میں کوئی شک نہیں تھا مگر وہ بول رہا تھا۔

ماحول نے یہ احساس میرے دل میں پیدا کر دیا تھا کہ مجھ سے حالات تھے وہ لڑکی یاد آتی جو اعلیٰ کے درخت سے اتری تھی اور میرے دل پر ایک عجیب سا نقش چھوڑ گئی تھی۔ رہنا وہی تھا اس کا نام بائیں بڑی بیب تھیں اس کی ہو سکتا ہے پاگل ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس انداز میں نہیں سوچا تھا اچانک اچھل پڑا ”سٹی“ کی ایک آواز سنائی دی۔ بالکل ایسی آواز جیسے کوئی کسی کو مطالبہ کرتا ہے صاف سنی تھی وہم نہیں تھا۔ دوسری بار وہ آواز دوسری سنائی دی ”سٹی... سٹی...“ میں اچھل کر کھڑا ہو گیا پھر کوئی راز داری سے مجھ سے بولی مگر نہ جہر نہ پاشنا تھا مگر کون۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا مگر خاموشی بھولوں اور پھر بے محسوس کے سوا اور کوئی نظر نہیں آیا۔

اچانک کچھ فاصلے پر روشنی ابھری اور میرے حلق سے آواز نکل گئی اس روشنی میں میں نے دو انسانی منہ دیکھے تھے۔ میں نے ان پر نظریں جمادیں وہ روشنی کے پاس سے ہٹ گئے اور کچھ دیر کے بعد مجھے ان سایوں کا راز معلوم ہو گیا۔ محل کے ملازم تھے جو جگہ جگہ بولے کے پھول میں لگے ہوئے کار باڈ کے ٹیشے والے بیب رکشن کرتے پھر رہے تھے۔ یہ بیب رنگین تھے اور ان کے روشن ہونے سے اس جگہ کا حسن بڑھ جاتا تھا۔ ملازم اپنا یہ کام کرتے ہوئے میرے قریب سے گزرے انہوں نے شک کر مجھے دیکھا پھر معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو اور پھر وہ مسکراتے ہوئے بڑھ گئے خدا یا خدا یا سب کیلئے یہ محل یہ جوہلی کوئی حقیقت ہے یا دیسی ہی کوئی ظلم جیسا میں نے رہا رانی کے سلسلے میں دیکھا تھا وہاں ہی تو ایک دنیا آباد تھی سب کچھ تھا مکمل زندگی تھی لیکن پورنی کی ہلاکت کے بعد وہاں جہاز و پھر گئی۔ سب کچھ ظلم ثابت ہوا۔ دھوکا ثابت ہوا اصل لوگ اپنی جگہ تھے مگر یہاں ذرا مشکل ہے نو شاد حقیقت تھا۔ بے لگوتی پر شاد جی حقیقت تھی اس بار میں تنہا نہیں تھا... پھر... پھر...

رات کی تاریکی نے اس ماحول کو ننگا کر دیا مگر ان روشنیوں نے سات کا منصوبہ ناکام بنا دیا بلکہ رنگین

بھنڈہ میں داخل ہوتے ہی جن واقعات سے سابلہ
پڑا تھا وہ احساس دلاتے تھے کہ یہاں بھی سنسنی خیز واقعات
نے میرا بچا نہیں چھوڑا ہے اہ کیسی آرزو تھی دل میں گیس
جی چاہتا تھا کہ کچھ ایسا گند جائے جس میں کچھ نہ ہو۔ جیسے
دوسرے لوگ زندگی گزارتے ہیں ویسے ہی میں بھی
گزاروں سادہ سادہ عام لوگوں جیسی زندگی لیکن ایسا
نہیں ہوتا تھا۔ ہر طرح کو شش کر لی تھی ملازمت اس
لئے کر رہا تھا کہ محنت کی روٹی ملے کبھی کسی کے در پر جاڑتا
تھا کبھی کسی کے۔ پیٹ بھر جاتا تھا مگر دوسروں کے رحم
و کرم کی وجہ سے ان دنوں کچھ جی خوش تھا مگر تقدیر
کو یہ گوارہ نہ تھا۔ پھر کسی جال میں آچسپا تھا نہ جانے
اب کیا ہوگا عام آدمی مجھے کی آواز پر اس کے پاس
جلنے کا تصویر بھی نہیں کرتا تھا بلکہ خوف سے بہوش ہو جاتا
مگر میں..... آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا
نوجوان آدمی کا بت تھا۔ پھر ملا بے جان پھر اس کے ہونٹوں
کے آواز ابھری۔

بھاگ جاؤ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ یہ کال مگر ہے
کالا جال پڑ گیا ہے تم پر ایک بار جال اوڑھ لیا تو...
تو پھر کبھی نہ جاسکو گے۔ بھاگ جاؤ۔ بھاگ جاؤ۔
”تم کون ہو۔ میں نے پوچھا۔

بھاگ جاؤ۔ جلدی بھاگ جاؤ دیکھو وہ آگنی۔“
مجسٹریٹ ناموش ہو گیا میں نے گردن گھما کر دیکھا سندری آری
تھی اس کے ساتھ کچھ اور لڑکیاں بھی تھیں چہرے سات لڑکیاں
تھیں۔ مجسٹریٹ ناموش تھا۔

”تم کون ہو مجھے بتاؤ۔ وہ ابھی دور ہیں میر نے
سوال کیا مگر مجھے کی آواز دوبارہ نہ سنائی دی۔ مجھے
اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اب نہ بولے گا۔

سندری قریب آگئی دوسری لڑکیاں کچھ فاصلے
پر رک گئیں وہ خوبصورت جھللاتے لباس پہنے ہوئے
تھیں ان کے پیروں میں بچنے والے زیور تھے اور ہاتھوں
میں پھولوں سیوڑوں کی تھال میں انہیں دیکھتا رہا انہوں
نے پھولوں کے درمیان گھاس کے فرش پر چاندنی بچا دی
تھال بجا دیے سندری بولی۔

”آؤ بیٹھو کیسی لگی یہ جگہ کیا یہ سنساہ کا سورگ نہیں

ہے؟ تم نے کہیں ایسا دیکھا۔

”یہ مجھے کس نے بتائے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
”سنگ تراش نے جس طرح چند بھان بھاراج
لے یہاں پھول لگوائے ہیں اسی طرح مجسٹریٹ ساروں نے
یہاں یہ بت تراشے ہیں۔ کیسے لگے تمہیں سندری نے
پوچھا۔

”بالکل جتنے جاگتے۔“ میں نے کہا اور وہ پھر قہقہہ
مار کر ہنس پڑی اپنی مخصوص فہمی جو ذہن کو گرفت میں
لیتی تھی کجنت بڑے پراسرار طریقے سے منسا جانتی تھی
انسان کے ذہن پر نغمگی کی ایک لہری دوڑتی محسوس
ہوتی تھی اور ذہن اس کی گرفت میں جانے کے لیے
بے چین ہو جاتا تھا۔ ہنس کر بولی اصلی ہی تو ہیں۔
”کیا مطلب۔“ میں نے پوچھا۔

”جس پتھر کے بت بنانے والوں نے انہیں اصلی جیسا
ہی بنایا ہے آؤ بیٹھو ہوا میں پھیلی خوشبو لگ رہی ہے
تمہیں آؤ نا۔ اس نے نات سے میرا ہاتھ پکڑا لیا آگے بڑھا اور
اس سے بڑی آستنگی سے اپنا ہاتھ پکڑا لیا آگے بڑھا اور
چاندنی پر جا بیٹھا سامنے رکھے ہوئے سیوڑوں کے تھال
دیکھے بیچ کے ایک بڑے تھال میں سونے کے گلاس
اور سونے ہی کی صراحی رکھی ہوئی تھی اس نے میرے سامنے
دو زانوں میں پکڑ کر ان گلاسوں میں کوئی رنگین مشروب
اندھلا اور مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ وہ
لڑکیاں جو اس کے ساتھ آئی تھیں قطار بنا کر بیٹھ گئیں ان
میں سے کسی کے ہاتھ میں ربط تھا تو کسی کے ہاتھ میں
لمبنورہ ایک خوبصورت ٹیٹے کی دمن پیمیری کی ماحول
ویسے ہی رنگینوں سے رنگا ہوا تھا خوشنما اور خوشبوؤں
بکھرتے ہوئے پھول آسمان پر مدھم مدھم دھنلاہٹیں
ساروں کی ٹٹا ہٹ نیچے رنگین ٹیشوں سے ابلتی ہوئی
روشنی کی شعاعیں جو مخصوص زادیوں سے ان لڑکیوں
کو کھرا نکیر بنا رہی تھیں۔ سامنے سندری اور ٹھنڈی ٹھنڈی
ہوا ایک انسان پر قدرتی طور پر بحر طاری کرنے کے
لیے کافی تھیں لیکن صرف اس انسان پر جس کا واسطہ
زندگی میں پہلی بار کسی بحر سے پڑا ہو۔ میں تو محرزہ تھا ہی
ایسے ایسے وار ہوئے تھے مجھ پر کہ سنسلا ممکن نہیں تھا۔ پتہ

نہیں کون کون سی قوتیں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار
تھیں جو میں بال بال پہنچ جاتا تھا۔ یعنی طور پر ان قوتوں
کا تعلق نہ میری قوت ارادی سے تھا نہ میری ذہنی پاکیزگی
سے۔ بس یوں لگتا تھا جیسے کوئی مجھے بچا لیتا ہوا درجیب
بھی یہ خیال دل میں آتا بڑی ڈھارس ملتی، جیسا ہمارا ملتا
بنانے کیا کیا کچھ یاد آتا ہے۔ در شہوار کا معاملہ تھا اس سے
پہلے کشاکش کا معاملہ تھا انسان ہی تھا ایک لمحہ جھک جانے
کے لیے کافی ہوتا۔ لیکن بچا لیا گیا تھا مجھے اور اس وقت
بھی ماحول کا یہ بحر میرے حواس پر فطری طور پر نہیں چھایا
تھا اور میں مسلسل خود کو سنبھالنے ہوئے تھا۔ قہقہے کی
دھن آہستہ آہستہ تیز ہوتی گئی۔ سندی نے گلاس اٹھایا
اور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔۔۔

”یہ امرت جل ہے، میرے ہاتھوں سے پی لیا اور رام
ہو جاؤ۔“ میرے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی
میں نے آہستہ سے کہا۔ میں نہیں بنا چکا ہوں سندی کہ
میں مسلمان ہوں۔

”دین دھرم سارے کھیل، کایا کے کھیل ہیں انسان
تو سو۔ اس سے اس ماحول میں، جب بھگوان نے تمہیں یہ
سب کچھ دیدیا ہے تم دین دھرم کے جال میں الجھے ہوئے
ہو، غوثی دیر کے لیے سب کچھ بھول جاؤ، یہ نغمہ سنو،
اے اپنے دل میں اتارو۔ امرت جل پو اور رام ہو جاؤ
میں تمہاری ہوں۔“ اس نے جھک کر اپنی پیشانی میری
پیشانی سے ٹکرائی اور گلاس میرے ہونٹوں کے نزدیک
لٹانے کی کوشش کی۔ میں نے آہستہ سے اس کے گلاس
پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔۔۔

نہیں سندی تمہاری بدستہی ہے یا میری کہ میں اپنے
دین کو نہیں بھول سکتا اور میرے دین میں یہ سب کچھ جائز
نہیں ہے۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی اس نے غیبی
نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر ادھر ادھر دیکھتی
ہوئی بولی۔ تو میں کیا کروں؟ اس کے پیچھے میں.....
جھلاٹ نہی۔

نور کو کتنا کام تصور کرو سندی اور اگر ہو سکے تو
مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہ سب کیوں کر رہی ہو؟ سندی نے ہونٹ
سکڑ کر گلاس واپس تھال میں رکھ دیا اور بولی۔ میں

کیوں کرتی، سب کچھ۔ بس مجھے تو حکم دیا گیا تھا کہ مہمان کا بچہ
خوش کروں اسے بہلاؤں اور ذرا بھی اداس نہ ہونے
دوں۔ میں تو یہی سوچ رہی تھی کہ امرت جل کے دنگلاں
پی لوتھ تو میں تمہیں ناپ دے گاؤں۔

جن لوگوں نے یہ سب کچھ کیا ہے سندی انہیں
واپس جا کر یہ بتا دو کہ بدستہی سے یہ مسلمان ان کے جال
میں پھنسا ہے اور اسے ان تمام چیزوں سے کوئی فہمی
نہیں ہے وہ نہ امرت جل پی کر مر رہا ہے نہ چاہتا ہے نہ رقص و
موسیقی سے لطف و اندوز ہو کر اپنا ایمان کو ہونا چاہتا۔ بس
اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں کہنا تم سے۔ میں اپنی
جگہ سے اٹھا خوف تھا کہ کہیں اس کی خنجر کوئی قدم
سبک نہ جائے چنانچہ یہاں سے چلا جانا ہی زیادہ اچھا تھا
تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور مہمان خانے کے قریب
پہنچ گیا پلٹ کر نہیں دیکھا تھا لیکن اندازہ ہو رہا تھا کہ
وہ سب بری لگا ہوں سے مجھے دیکھ رہی ہیں غیبی آگئی
کبنت ایک کے بعد ایک مصیبت گھلے آ رہی تھی ہے بھلا
اس میں بھی کوئی شک کی بات تھی کہ یہ سب کچھ ایک لمبی
چال تھی کوئی گہرا جال تھا اور اس کا اردوانی کے عقب
میں ہو سکتا ہے، بھوریا چلن وہیں بیٹھا ہو اور یہاں بڑھا
ہو۔ اسکانات تھے اس بات کے۔ مکمل طور پر اسکانات
تھے۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا یہاں کا ماحول بدل گیا
تھا۔ غالباً بستروں پر نئی چادریں بچھائی گئی تھیں کچھ اور
چیزیں بھی لا کر رکھی گئی تھیں ایک طرف ایک فریم دیوار
پر لٹکا ہوا تھا اور اس فریم میں ایک تصویر آویزاں
تھی یہ تصویر ایک عیب و غریب چہرے کی تھی قدیم مٹرن
کا کوئی راجپوت یا ایسا سورما جو جنگ و جدل میں حصہ
لیتا رہا ہو اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں خون کی آبرش
تھی اور یہ آنکھیں درحقیقت بڑے جاندار رنگوں سے
بنائی گئی تھیں بالکل اصلی اور گھورتی ہوئی محسوس ہوتی
تھیں ایک لمحے کے لیے ذہن اس تصویر میں بھی الجھ گیا
کہ یہ بدیلیاں کیوں رونما ہوئی ہیں بہر حال سب کچھ
ہو سکتا ہے سندی پھر اندر آ جاؤ اور مجھے پریشان
کرنے کی کوشش کرے حالانکہ میں نے اب وہ راستہ
تو نہیں چھوڑا تھا کہ وہ میری جانب رخ کرے لیکن اندازہ

یہ ہوتا تھا کہ اس کی ٹور بھی کسی اور دی کے ہاتھ میں ہے۔
 کافی وقت گزر گیا، سدری نے دروازہ نہیں دیا یا
 اور پھر میں سونے کی کوشش کرنے لگا مگر مدد نہ ملتی
 کمرے میں پھیلی ہوئی تھی پوری طرح اندھیرا نہیں تھا کوئی
 اتنا قہ طور پر تصویر پر نظر پڑی اور میں بیٹھے بیٹھے اٹھ
 بیٹھ گیا یہ نظر کا دھوکا نہیں تھا آنکھوں کی کوئی خرابی بھی
 نہیں تھی اور نہ ہی ذہن کا کوئی انتشار۔ لیکن فریم
 میں لگی ہوئی تصویر بے شک بدل گئی تھی۔ یہ تصویر اب
 مجھے کچھ اور ہی شکل میں نظر آتی تھی آنکھیں حیرت سے
 پہنی کی جیسی رہ گئیں بستر سے کود کر تصویر کے نزدیک
 آیا سانی مہاوتی کی تصویر تھی وہ سور یا تصویر کے فریم
 سے غائب ہو گیا تھا جسے میں نے پہلے دیکھا تھا بھی نہیں
 آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا اور کوئی تصویر بھی نہیں
 تھی پھر گہری سانس لے کر اپنے بستر کی جانب آ گیا اور
 اور اس کے بعد بھلا نیند آنکھوں میں کہاں آتی کبھی
 کبھی پلکیں جھپک جاتیں پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تصویر
 کی جانب دیکھنے لگتا اب اندازہ ہو رہا تھا کہ تبدیلیاں
 بلاوجہ رونما نہیں ہوتی ہیں۔ ایک بار پھر پلکوں پر ہلکی
 سی آگئی اور اچانک ہی تصویر کا تصور ذہن میں آیا تو
 چونک کر آئے دیکھا ان میرے فضل..... میں نے وہ تو
 باتوں سے سر پکڑ لیا تصویر پھر بدل چکی تھی اندازہ میری
 آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں تو یہ تصویر کالی داس
 کی تھی۔ ہاں دیوان کالی داس فریم میں بار بار تصویریں
 بدل رہی تھیں ادب اب یہ بات دھوکے سے کہہ سکتا تھا
 کہ یہ تصویریں نہیں تھیں۔ یہ وہ غیبی روحیں تھیں جو
 تصویر کی شکل میں آکر میرا جائزہ لے رہی تھیں مجھے
 دیکھ رہی تھیں میرے بارے میں اندازہ لگا رہی تھیں
 دل چاہا کہ دروازہ کھول کر باہر جاگ جاؤں کس ظلم
 ظلم نے میں آپنا نوشاد اور بھگوتی پر شاد تو جاکے تھے
 اور مجھے اس غدا ب میں گرفتار کر گئے تھے کیا کر دیں کیا
 کر دیں یا تو لا پرواہ ہو کر آنکھیں بند کر لوں اور گہری
 نیند سو جاؤں زیادہ سے زیادہ میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا
 ہے لیکن انسانی فطرت کے خلاف تھا۔ بھلا اس ظلم میں
 نیند آ سکتی تھی۔ آہ کیسے اس ظلم خاتمے سے جاگ جاؤں

اگر یہ سب کچھ چھوڑ کر چلا جاتا ہوں تو مجاہد صاحب کے کام
 میں مداخلت ہوتی ہے۔ سانی مہاوتی ہی آخر میں کیا چیز
 اندازہ تو اسی وقت ہو گیا تھا جب دیوان کالی داس نے
 مجھے مشتبہ لگا ہوں سے دیکھا تھا اور اس کے بعد میرے
 یہاں قیام کا فیصلہ کیا گیا تھا نہ اس نے اپنے کسی لیے بھگوتی
 پر شاد بھی ہو سکتا تھا نوشاد بھی لیکن اشارہ میرے لیے
 کیا گیا تھا۔ گویا اب پہلے خدہ بات تھی کہ پھر کوئی جال بھر
 پر ڈالا جاسا تھا باغ میں بچے ہوئے مجھے کے الفاظ یاد
 آئے یہ کال کمرے کا کمرہ۔ میں اس کی بات سے
 پوری طرح متفق ہو گیا بستر پر بیٹھ کر بنانے کتنی دیر ہو چکا
 رہا کہ اب کیا کروں خاموشی سے جاگ بھی سکتا تھا لیکن
 دل نے نہ حارس دی اور کہا کہ مسعود دیکھ تو ہو ہی آگے
 کیا ہو تا ہے تیرا آج تک کسی نے کیا لگاڑا جواب بگاڑ لگا
 ذرا ان سانی مہاوتی ہی کا کھیل ہی دیکھ لے ان تمام
 تصورات کے ساتھ ایک بار پھر نظر اس فریم پر ڈالی لیکن
 وہاں ہر بار کوئی ایسا منظر نظر آتا تھا جو دل استو شمی میں
 جکڑ لیتا تھا۔ اس بار تصویر کا فریم خالی تھا سب جا چکے تھے
 میرے حلق سے ایک ہدیائی سا تہقہ نکل گیا میں نے
 غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اجازت ہو تو اب سو جاؤں۔ اور اس کے بعد
 میں نے بستر پر لیٹ کر روٹ بدلی اور آنکھیں مضبوطی
 سے بھینچ لیں غالباً کوئی ایسا مل خود بخود ہو گیا تھا جس نے
 مجھے نیند کی آغوش میں پہنچا دیا اندازہ میں ہی ایسی پلکوں
 کشمکش کو سورج کی روشنی ہی نے جگایا۔ گہری کمروں کے
 مختلف کونوں کھدروں سے رنگیتی ہوئی اندر آگئی تھیں
 اور مجھے دیکھ رہی تھیں منتظر تھیں کہ میں اپنی جگہ سے
 اٹھوں اور زندگی کے ہر سارا معاملات پھر سے جاری
 ہو جائیں پہلی شکل سدری ہی کی نظر آتی تھی۔

جاگ گئے مہاراج

”ہاں سدری تم ٹھیک ہو۔“

”خاک ٹھیک بول تم میری کوئی بات ماننے نہیں ہو
 سب میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔“

”سانی مہاوتی جی سے ملنا چاہتا ہوں میں نے کہا۔“

اور یہ چونک پڑی۔ ”کیوں؟“

”میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہاں کب تک رہنا پڑے گا میں جانتا چاہتا ہوں۔“
”اگر اس نے بگڑی سانس لے کر کہا جیسے وہ مطمئن ہوئی ہو پھر اس نے کہا۔ کوئی جلدی ہے۔“

”سندری میں جانتا چاہتا ہوں۔“
”مہادولی ہی تو صبح ہی صبح کہیں گئی ہیں۔ دیوان بھی ان کے ساتھ ہی گئے ہیں ان سے پوچھ جانتا رہا جانا اچھا نہیں ہوگا۔“

”تمہیں پتہ ہے وہ کب تک آجائیں گے؟“
”مالک تو کڑوں کو بنا کر نہیں جانتے ویسے میرا خیال ہے کہ شام تک ضرور آجائیں گے تم یہاں کسی کوٹھے میں بیٹھ کر اپنے دین کی پوجا کرو۔ پجاری..... ہو نہ۔ اس نے کہا اور وہ بال سے چلی گئی۔“

چھلپاتی دوپٹہ۔ دھوپ سے زیادہ غیر۔ ماحول بڑا انسان تھا دن کی روشنی میں۔ میں نے ان مجسموں کو دیکھا تھا جو کر دیکھا تھا۔ سب کے سب انسانی ہاتھوں کی تراش معلوم ہوتے تھے کوئی خبر نہیں تھا اس بات میں عمر پہلی رات کی بات بھی وہم نہیں تھی۔ میں نے اس مجسمے کو بھی دیکھا تھا جو مجھ سے بولا تھا۔ مگر وہ صرف چہرہ اور ایک نکل گیا۔ واقعی یہ عمارت بڑے وسیع احاطے میں تھی مگر مگر تعمیرات تھیں سرخ چٹروں سے بنی ہوئی ایک عمارت کے پاس سے گزرتا تھا کہ ایک جھروکے سے آواز ابھری۔

”سنو..... سنو ارے ادھر..... ادھر میں رک گیا باغیچہ فوراً ہو گیا تھا کہ آوارہ جھروکے سے آہی ہے مگر جھروکا اونچا تھا میں اس میں نہیں جھانک سکتا تھا۔“

”بدمعہ جتنے ہوئے رائیں سمجھنا تو دروازے سے اندر آ جاؤ۔“ وہ گہری نیند سو رہا ہے آواز بھرا بھری۔
”کون ہو تم۔“

”ڈرومست۔ تمہارے جیسا انسان ہوں.....“
”یہاں کیا کر رہے ہو۔“

”ہمت کرو اندر آ جاؤ۔ ڈرومست اس وقت کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آؤ۔ جلدی کرو۔ آ جاؤ۔“
”آ رہا ہوں تمہیں بھی دیکھ لوں۔ میں نے طنز پر آواز

میں کہا اور آگے بڑھ گیا اس کا کنارہ درست تھا آگے چل کر بائیں طرف مڑا تو دروازہ نظر آ گیا اندر سے بند نہیں تھا میں نے دھکا دیا تو کھل گیا دوسری طرف ایک وسیع چوڑا بنا ہوا تھا اس کے عین طرف کمرے تھے۔ چوڑا بھی سرخ چہرے بنا ہوا تھا۔ ان کے بچوں بیچ پہل کا درخت تھا۔ جو باہر سے بھی نظر آتا تھا۔ ایک گونٹے میں پہل کے سوکے پنوں کے انبار لگے ہوئے تھے ان کے قریب جھاڑ بھی بڑی ہوئی تھی۔ وہ مکروہی اس عمارت میں دائیں سمت کا ہو سکتا تھا۔

احتیاجی دیوار کے ساتھ تھا چنانچہ میں اس کے قریب پہنچ گیا باہر سے لوہے کی مضبوط کنڈی لگی ہوئی تھی۔ وہ مکروہی اس عمارت میں دائیں سمت کا ہو سکتا تھا۔ میں نے بہ آہستگی اس کنڈی کو کھولا اور پھر آہستہ سے دروازے کے کواڑ کو دھکا دیا چہرہ بٹ کی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ اندر تاریکی نہیں تھی روشن دان سے دھوپ بڑی تھی دھوپ نے کمرے کو روشن کر دیا تھا مگر جو کچھ کسی قدر بلندی پر تھا اس لیے اس شخص نے مجھے دیکھ لیا تھا مجھے میں باہر سے نہ دیکھ سکا تھا وہ ایک ٹھکانا آوی تھا مجھے قدر و قیمت کا مالک تھا اس کے پیروں میں زنجیریں بندھی ہوئی تھیں ایک زنجیر کمرے سے بھی بندھی ہوئی تھیں اور یہ تمام زنجیریں موٹے آہنی کڑوں سے بندھی ہوئی تھیں۔

”کون ہو تم۔“
”اگر تمہاری آنکھوں میں روشنی ہے تو مجھے دیکھ لو نور سے دیکھو۔ کون ہوں میں۔ اس نے کہا۔“
”میں تمہیں نہیں جانتا۔“

”تمہیں جانتے کیوں؟ وہ میرت سے بولا میں نے پھر اسے غور سے دیکھا اس کا حلیہ بہت خراب تھا کپڑے چلتی چڑوں کی شکل میں جھول رہے تھے چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں پر زنجیروں کے کھنڈ تھے۔“

”تمہاری بات کا کیا جواب دوں میں۔“
”بے وقوف میں چند بیان ہوں..... چند بیان۔“
”کیا؟ میں اچھل پڑا۔“
”اس نے مجھے بیمار مشہور کر دیا ہے لوگ مجھے بیمار

سمجھتے ہیں بھگوان کی سوغند میں پاگل نہیں ہوں میں تمہارا
مہاراج ہوں۔۔۔ میں تمہارا مہاراج ہوں مجھے میں تمہارا
ان داتا ہوں۔ میں تمہارا مہاراج ہوں مجھے۔
”تم چندر بھان ہو مہاراجی کے شوہر۔“

ہاں میں وہی بد نصیب ہوں۔ سنو میری مدد کرو بس
ایک بار۔۔۔ صرف ایک بار۔۔۔ مجھے یہاں سے آزاد دی
دلا دو۔ جیون بھر تمہارا احسان مانتا ہوں۔ ارے بھائی
ایک بار بس ایک بار اس کے لیے میں بڑا درد تھا وہ
امید بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا سمجھ میں آنے والی
تو خیر کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں آنے کے بعد جو کچھ دیکھا
تھا ان میں سے ایک دو باتیں ہی سمجھ میں آئی ہوں تو آئی
ہوں۔ در نہ کچھ نہیں سمجھ پایا تھا۔ چندر بھان کی کمرے بندھی
ہوئی زنجیروں کے کڑوں کو دیکھا مٹے مٹے نوکے
کڑے تھے جن میں انتہائی مضبوط زنجیریں باندھ کر انہیں
دیواروں میں لگے ہوئے کڑوں سے باندھ دیا گیا تھا میں
نے ان کڑوں اور زنجیر کی مضبوطی کا اندازہ لگایا تھا۔
چاروں طرف دیکھنے لگا کوئی ایسی چیز نہیں تھی جن سے ان
کڑوں کو توڑنے کی کوشش کی جائے اور پھر سب
کچھ چندر بھان یعنی چندر بھان مہاراج یہاں پر قیدی
تھے اور رانی مہاراجی ان کے نام پر اس شاندار محل
میں راج کر رہی تھی وہ عورت تو مجھے ایک نگاہ میں ہی
پراسرار لگی تھی اور اب اس کے بعد جو واقعات پیش
آئے تھے انہوں نے کوئی شک نہیں چھوڑا تھا میں نے
افسوس بھرے انداز میں کہا۔

”مگر چندر بھان جی میرے پاس تمہاری زنجیروں کو
توڑنے کے لیے تو کوئی چیز نہیں ہے۔“

”بھگوان کے لیے۔۔۔ کچھ بھی کرو جو تمہارا من چندر
بھان نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ دفعتاً اس کے چہرے پر خوف
کے آثار پھیل گئے اس کی نگاہیں میرے عقب میں کھلے ہوئے
دروازے پر جم گئیں میں نے بھی تیز روشنی میں ایک مہار
سامسوس کیا بلٹ کر دیکھا تو حلق سے ایک دہشت بھری
آواز نکل گئی۔ بڑے چوڑے بدن کا مالک تھا وہ انسان
کہنا جس کو غلط تھا ہاں انسان نما چیز ضرور تھی خوفناک
لیسے بال اس کے پورے چہرے پر گرہن پر۔۔۔“



اور کھلے ہوئے بازوؤں پر نظر آ رہے تھے۔ باقی جسم پر لباس
تھا، آنکھیں بے حد خوفناک اور ضرورت سے زیادہ بڑی بڑی
ناک کے بارے میں بھی کوئی صحیح اندازہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا
تھا۔ وہ بھی تقریباً کانوں تک ہی پھیلی ہوئی تھی، ادھار بہت
چھوٹا۔ وہ خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر وہ غراتا ہوا
دو قدم آگے بڑھا اور میں ایک دم ٹپکے ہٹ گیا۔ لیکن جیسے ہی
اس کی نگاہ میری آنکھوں سے ٹکرائی دفعۃً ہی وہ اس انداز میں پیچھے
ہٹ گیا جس انداز میں آگے بڑھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی
مٹھیاں سمجھ گئی تھیں۔ اور وہ عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھ رہا
تھا پھر اس کے حلق سے خونخوار غراٹیں نکلنے لگیں اور وہ اپنی
جگہ کھرا کھرا اچھلنے لگا۔ اس نے اپنی موٹی انگلی سے میرے سینے کی
جانب اشارہ کیا اور پھر اس انگلی کو کھلم کھلے دروازے کی
جانب لے گیا جیسے کہ رہا ہو کر باہر نکل جاؤ۔ میں خاموشی سے اسے
دیکھ رہا تھا اور یہ اندازہ لگا رہا تھا کہ یہ انوکھی مخلوق انسان ہے کبھی
یا نہیں۔ پھر اس کے حلق سے ایک چنگھاڑی نکلی اور وہ اپنے
دونوں ہاتھوں سے اپنے بال توچنے لگا اس کے بالوں کے کچھ کے

مجھے اس نے اکھاڑ کر پھینک دیے، جسم کے بالوں کو بھی نوچنے لگا اس کے حلق سے غرا، تھیں نکل رہی تھیں اور وہ ادھر سے ادھر دوڑ رہا تھا کبھی اس طرف کی دیوار سے ٹکراتا اور کبھی دوسری طرف کی دیوار سے پھر وہ زمیں پر گر کے زمین پر پوٹنے لگا جگہ جگہ سے اس نے اپنا جسم کاٹنا شروع کر دیا اور میں نے اس کے جسم سے خون ابنا ہوا دیکھا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس پر کیس قسم کا دورہ پڑ گیا ہے۔ لیکن ایک اندازہ میں نے ضرور لگایا تھا کہ وہ شدید غصے کے عالم میں مجھ سے باہر نکل جانے کے لیے کہہ رہا تھا اور اپنی بوٹیاں چبائے جا رہا تھا۔ البتہ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل پاتا تھا، بالکل گونگوں کا سا انداز تھا شاید وہ گونگا تھا چند لمحات کے بعد چند سبحان ہی نے کہا۔

• دیر کر دی، دیر ہو گئی، اب ساری بلا مجھ پر ہی آئے گی تم سے یہ کچھ نہیں کہہ رہا مگر مجھ سے بدلے کا جاؤ جاؤ باہر نکل جاؤ پتہ نہیں اس نے تم پر حملہ کیوں نہیں کیا، اپنا غصہ کیوں ضبط کر رہا ہے۔

• یہ گونگا ہے۔؟

• ہاں۔۔

• کون ہے یہ۔؟

• آ۔ آ۔ آ۔ چند سبحان کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اپنے الفاظ کو اہوں میں تبدیل کر کے رہ گیا۔ پھر اس نے کہا: جاؤ جاؤ نکل جاؤ۔ ہو سکے تو دوبارہ مجھے مظلوم کی طرف رخ کرنا، کسی کو میرے بارے میں بتا دینا۔ لوگوں کے کہہ دینا کہ چند سبحان، چند سبحان دفعہ ہی نیچے لیٹا ہوا آدی ہوں تاکہ آواز میں چینا یہ آواز اس کمرے میں اس طرح گونجی تھی کہ کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے اس کے بعد اس نے چند سبحان کی طرف چھلانگ لگائی اور چند سبحان بھی خوفزدہ ہو کر تیسپے ہٹ گیا تھا مگر اس شخص نے چند سبحان پر کسی حملہ نہیں کیا پھر میری جانب بڑا اور دروازے کی جانب اشارہ کر کے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا اب حماقت اتنی ظاہر ہے اس بھونچال سے مقابلہ کرنے کا تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور پھر مقابلہ کس بنیاد پر کرتا۔

کچھ بھی تو معلوم نہیں تھا مجھے ایک اور انوکھی چیز دیکھی تھی میں نے یہاں ایک اور انوکھی چیز اور حیران دروازے سے باہر نکل آیا تھا۔ باہر کا منظر دہی تھا۔ چمپلائی دھوپ، سنسان اور دیرین راستے۔ وہ میرے پیچھے پیچھے آیا تھا اور اس نے میرے باہر لکاتے

ہی یہ دروازہ بھی بند کر دیا تھا جب کہ چند سبحان کے کمرے کا دروازہ اگلے پہلے ہی بند کر دیا تھا۔ میں ایک لمحے کھڑا اس بند دروازے کو دیکھتا رہا پھر گردن جھٹک کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ لعنت ہے، لعنت ہے۔ اس زندگی پر جو کچھ نظر آتا ہے ایسا ہی نظر آتا ہے جس کا سر پاؤں سمجھ میں ہی نہ آئے۔ وہاں واپس پلٹ پڑا اور ادھر ادھر کھولتا بے کار سمجھ کر اپنی رہائش گاہ میں آگیا۔ دیر تک اس سارے قصے کے بارے میں سوچتا رہا اور اس کے سوا اور کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ ہماوتی پر اسرار اور خطرناک عورت ہے وہ کیا ہے اور کیا کر رہی ہے اس کے بارے میں ظاہر ہے مجھے کچھ معلوم نہیں تھا اور نہ ہی اس کے سارے گور کو دھندوں کے بارے میں میری کوئی معلومات حالانکہ طویل عرصے سے اس جال میں پھنسا ہوا تھا پھر میں نے سوچا کہ حاجی صاحب نے مجھے اس لیے تو یہاں نہیں بھیجا کہ ہماوتی کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔ ہماوتی بس حاجی صاحب کی ایک پارٹی تھی اور حاجی صاحب نے اسے سارٹھیاں فروخت کی تھیں جن کا معاوضہ انہیں مل گیا تھا اگر آج شام تک ہماوتی مجھے وہ ڈیزائن نہیں دے دیتی اور حاجی صاحب کے لیے نیا آرڈر نہیں دے دیتی تو میں یہاں سے واپس چلا جاؤں گا



حاجی صاحب سے کہہ دوں گا کہ وہاں کچھ ایسے عجیب و غریب حالات
کا سامنا کرنا پڑا جن کی وجہ سے میں وہاں نہیں رہ سکا۔ حاجی صاحب
اچھے آدمی ہیں اس بات کا برا نہیں مانیں گے بہر حال میں اپنی جان
تو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا یہ دوسری بات ہے کہ مجھے اپنی
جان کی کوئی پروا نہیں تھی۔ سب کچھ ہو رہا تھا سب کچھ اچھے
سکون کے ساتھ کر رہا تھا لیکن نقطہ نظر ابھی تبدیل نہیں ہوا۔
تھا۔ اپنی ذات کے ساتھ بھلا اس وقت تک کیا دلچسپی
ہو سکتی تھی۔ جب تک کہ ماں باپ اور بہن بھائی نہ مل جائیں، ان
کے لیے ہی تو زندگی ٹھنڈی تھی جو کھو گیا تھا اسے پانے کی آرزو
میں ہی قوی رہا تھا، اگر یہ آرزو ختم ہو جائے اور دل اس بات
کا یقین کرے کہ اب وہ زندگی میں کبھی نہیں آئیں گے تو پھر ایک
لمحے بھی میرے لیے جینا بے کار تھا کیا فائدہ اس طرح تہا جینے
سے ملنے کو تو بہت کچھ مل جائے گا لیکن سب بڑی طلب ماں
باپ کی تھی سب سے بڑی حسرت انہی کی تھی اور اس حسرت اس
کک کو دل میں دبائے جہاد کر رہا تھا اپنے آپ سے اور کوشش
کر رہا تھا کہ مجھے میری کوئی ہوتی رہتی واپس مل جائے اور اگر ایسا
ہو گیا تو اس کے بعد ایک معمول انسان کی حیثیت سے اپنے ماں
باپ کے قدموں میں زندگی بسر کرنا دنیا کی سب سے بڑی عبادت
سمجھوں گا۔

شام ہو گئی سورج کی قرسامانیاں ختم ہو گئیں اور جب سورج
چھپا تو نجانے کہاں سے بند ہوائیں چل پڑیں اور ماحول میں
ایک فرحت خیز کیفیت طاری ہو گئی۔ سندھ دی دوبارہ میرے
پاس نہیں آئی تھی اس واقعہ کے بعد سے مجھے یوں لگ رہا تھا
جیسے وہ مجھ سے روٹھ گئی ہو، میں لعنت بھیجتا تھا ایسی سندھیوں
پر۔ لیکن شام کو جب میرے لیے کھانے پینے کی چیزیں آئیں اور
میں انہیں کھانے میں مصروف ہو گیا تو کھانا لانے والے ملازم نے
کہا۔

”ہمارا ج آپ تیار ہیں کالی داس جی نے کہا کہ کھانے سے
زراغت حاصل کرنے کے بعد آپ کو رانی ہادی جی سے ملنا ہے۔“
”رانی جی آگئیں۔“
”ہاں۔“

”ٹھیک ہے تم بھی انہیں میرا پیغام دے دو کہ میں فوراً
ہی ان سے ملنا چاہتا ہوں۔“
میں نے کھانے سے جلدی جلدی فراغت حاصل کی اور

انتظار کرنے لگا کہ رانی ہادی جی بلائیں۔ آنے والا کالی داس
ہی تھا۔ وہی کالا بھنگ جواب مجھے انسان سے زیادہ شیطان
معلوم ہونے لگا تھا، خصوصاً اس وقت سے جب سے میں نے
اسے تصویر سے غائب ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ مسکراتی نگاہوں
سے مجھے دیکھ رہا تھا ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی اس کے ہونٹوں پر،
بھر لولا۔

”اچھے ہمارا ج۔ رانی ہادی آپ کو ڈیرا دینا چاہتی
ہیں۔ میں خاموشی سے اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ وہ مجھے
چند قدم آگے چل رہا تھا، مختلف غلام گردشوں اور راہ داریوں
سے گزرا کر وہ مجھے محل کے اندرونی حصے میں لے گیا۔ بڑے سے
چوڑے دروازے کو کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ وسیع و عریض کمرہ
تھا جس میں شاندار اور قیمتی فرنیچر سجا ہوا تھا۔ رانی ہادی ایک
بہت قیمتی اور چوڑی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ قیمتی ساڑی پہنے
ہوئے چہرے پر وہی پروقار کیفیت جسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا
تھا کہ کوئی گمی رانی ہی کے سامنے ہے۔ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا
اور کہنے لگیں۔ ”آؤ۔ آؤ آگے آؤ۔“ کچھ کیوں گئے کالی داس
ہمارے یہاں کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوتی تمہارے گھر میں؟“
”کوشش تو یہی کی ہے ہمارا جی کہ آپ کے یہاں کو کوئی تکلیف
نہ ہونے پائے کالی داس کے پیچھے میں ایک مسخر چھپا ہوا تھا۔“

”ان کی خاطر مدارات بھی کی؟“
”ہاں۔ مگر سندھ ری کہتی ہے کہ یہ سندھ ری کو پسند نہیں کرتے۔“
کالی داس نے جواب دیا۔

”تم بھی بدھو ہوئے کالی داس جی جس کے چروں میں اندھ بھا
بجی ہوا ہے سندھ ری کی سندھ رتے کیا لگاؤ ہو گا۔ مگر پورے
بھگت ہیں بھگتی کا بھاد نہیں دے رہے کیوں پورے ہمارا ج؟“
رانی نے دل موہ لینے والی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا رانی
جو کچھ کہہ رہی تھی وہ سمجھ میں آ رہا تھا پھر اس نے کہا، ”ہم سے بولو
گے نہیں ہمارا ج۔“

”حکم دیجئے رانی جی۔ میں نے کہا۔“
”اپنے بارے میں بتاؤ گے نہیں؟“
”کیا۔“

”ہم تمہارا کھوج نکالنے گئے تھے سو نکال لائے مگر کچھ باتیں
سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ پوچھیں تو بتاؤ گے۔“
”جی رانی جی۔“

• ایک مسلمان کے ہاں نوکری کر رہے ہو، نام بھی مسلمانوں ہیسا
 روپ بھی ان کا سا کیا کیوں ہے؟
 • اس لیے کہ میں مسلمان ہوں۔
 • کوئی مسلمان پورن نہیں ہو سکتا یا کوئی پورن مسلمان
 نہیں رہ سکتا۔ مافی نے کہا۔
 • آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں مافی جی مجھے یہاں
 بہت رقت گزر چکا ہے میں جانتا چاہتا ہوں، حاجی صاحب میرا
 انتظار کر رہے ہوں گے۔
 • آپ ایسے کہاں جائیں گے پورن جہاں جہاں کچھ دیتے جائے
 ایسے ہی تھوڑی روکا ہے آپ کو چلیں ٹھیک ہے۔ آپ کی بات
 ہی ہی دیکھئے ہیں ایسے سو دو شالے بنواتے ہیں۔ بندری کڑھائی
 میں یہ ڈیزائن بنوا دیں ہیں۔ دکھا دکھائی داس۔ سورج لیکھا
 دکھاؤ پورن ہمارا راج کو۔ کالی داس نے گردن جھکانی ایک طرف
 بڑھا پھر لٹا اور اس کے بعد اس نے ایک سرخ دوشالا کھول دیا۔
 دوشالے پر جگر لگاتے تاروں سے کچھ نشان کڑھے ہوئے تھے۔
 صاف لگتا تھا کہ ان تاروں سے کچھ لفظ لکھے ہوئے ہیں میں نے
 انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔
 • ٹھیک ہے مافی جی آپ یہ مجھے دے دیں۔
 • اس کے بدلے آپ ہیں کیا دیں گے؟ مافی نے مسکرا کر پوچھا۔
 • یہ آپ کو داپس مل جائے گا دیوی جی۔
 • نہیں آرہے یہ ہمارے قابو میں سمجھو ہمارا ج۔ آپ ہی آئیے
 پورن جی پردہ کر رہے ہیں ہم سے۔ مکرے میں بنے ہوئے
 دوسرے دو دانے سے ایک کرپہر المنظر بوڑھا باہر نکلا۔ دبلا
 پتلا بانس کی طرح سوکھا سارے ہاتھ پاؤں بے ترتیب، ادھری
 بدن نہ گائیچے دھوٹی باغھے ہوئے وہ بھی نہایت مختصر، گردن
 میں باریک باریک سانپ لالہ لالہ کی طرح پڑے ہوئے تو کھلا
 سہتے۔ داڑھی موچکوں اور سر کے بال کچھ میں لپٹے ہوئے
 بدن سے بونے کے بجائے اٹھ رہے تھے۔
 • جے ہما کالی۔ اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ میں اسے
 نفرت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ جے ہما کالی۔ اس ہمارا
 نے گرجتی آواز میں کہا میں نے پھر بھی کچھ نہ کہا تو وہ کڑک کر بولا
 • سارے دیاس یہاں سے شروع ہوتے ہیں یہاں ختم ہو جاتے
 ہیں جے ہما کالی۔ کیا تو کالی کا داس نہیں ہے؟
 • مجھے جانے دیں مافی جی۔ میں نے کہا۔

• تم سمجھو ہمارا ج سے بات کریں پورن۔ وہ بول۔
 • میرا نام سمجھو احمد ہے۔
 • نام سمجھنا تمہارے پھر پورن نیاں کیسے مل گئیں تھیں؟ اور پوچھا
 دیکھو ایک اس نے ہاتھ اٹھا کر نیچے کیا اور کالے رنگ کا ایک
 کڑی کا ٹکڑا نیچے گر پڑا۔ دفتر میں چار وہ گنتا رہا اور چھ مگر
 زمین پر آگئے سات۔ اس نے ہاتھ اٹھایا مگر کوئی ٹکڑا نیچے نہ گرا
 سات۔ سات۔ سات، وہ دوبارہ ہاتھ اٹھا کر نیچے
 گرا تا رہا۔ مگر ساتواں ٹکڑا نیچے نہ گرا۔
 • اور ساتویں کہاں گئی۔ ساتویں کہاں گئی۔ ساتویں کہاں
 ہے۔ ساتویں نہیں ہے۔ اس نے آخری الفاظ جھاوٹی کو
 مخاطب کر کے کہا۔
 • کونج لگائیں ہمارا ج۔ جھاوٹی پریشان لہجے میں بولی
 اور سمجھو زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے اس جہاں اور آنکھیں بند
 کر لیں۔ تب میں نے اس کی گردن میں پڑے ہوئے باریک باریک
 سانپوں کے بل کھینچے ہوئے دیکھے۔ ان میں سے داس کی ناک
 کے دونوں تختوں میں گھسنے لگے۔ دو کانوں کی طرف بڑھ گئے
 اور کانوں کے سوراخ تلاش کر کے ان میں بدن بھیجنے لگے۔ بھیاں
 منظر تھا۔ سانپوں کے پھیلے بدن اس کی ناک اور کانوں کے سوراخوں
 میں گم ہوتے جارہے تھے اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے سارے
 سانپ غائب ہو گئے میں اکتائی ہوئی سانسیں لے رہا تھا اور
 رانی اور کالی داس بدستور مسکراتی نظروں سے میرا چہرہ دیکھ
 رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد سمجھو ہمارا ج نے آنکھیں کھول دیں۔
 خوفناک سرخ آنکھیں، پھل پھولنے والے منہ کھولا اور بے چین سانپ
 بیللاتے ہوئے ان کے منہ سے باہر نکلنے لگے کچھ رینگتے ہوئے
 ان کی گردن تک پہنچ گئے کچھ اس کو کشش میں نیچے گر پڑے تو
 سمجھو ہمارا ج نے انہیں خود اٹھا کر گردن میں ڈال دیا پھر وہ مجھے
 گھورنے ہوئے بولے کچھ پتہ نہیں چل رہا۔ ساتویں کہاں ہے؟
 • نہیں پتہ چل رہا ہمارا ج۔ جھاوٹی بولی۔
 • بڑا بگڑا ہوا کھیل ہے جھاوٹی۔ یہ خود ہی بتائے تو پتہ
 چلے اس کا شروع بھی پتہ نہیں چلتا۔ اٹھ کھڑا بھی نہیں ہے یہ کہ
 کھنڈ دلا بن جائے مگر پورن تاخیر رہے مگر ساتویں پورنیاں
 رکھنی ہوتی ہیں ساتویں کہاں گئی۔ بول رہے پورن ساتویں کہاں
 گئی درہم سمجھو ہے میرا نام۔
 • بتادو جہاں ج۔ بتادو کالی داس بولے۔

• رانی جہادتی۔ میں آپ کا احترام کرتا ہوں۔ یہ کیا ہو رہا ہے
میں نے استہجان کیا۔

• تم بھی تو ضد کر رہے ہو پورنیا۔ بتا دو تمہو جہاد ارج کو نہیں
تو مصیبتوں میں پھنس جاؤ گے۔

• آپ مجھے جانے دیں۔ میں جا رہا ہوں۔ میں نے دروازے
کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اسی وقت سمجھا چل کر کھڑا ہو گیا۔

• رک جا پورنا۔ رک جا۔ اس نے گلے سے ایک سانپ اتار
کر ہاتھ میں لے لیا۔

• میں جا رہا ہوں اور اب میں محل میں نہیں رکوں گا۔ سمجھ تم لوگ
میں نے کہا اور سمجھو نے سانپ مجھ پر اچال دیا۔ سانپ میری

گردن میں آپٹا اس سے خوفزدہ ہونا اور چھکارہ پانا فطری کوشش
تھی میں نے اسے ٹھیکوں میں جکڑ دیا مگر اس نے دوسرا سانپ پھینکا

جو میری کلائی پر آکر گر ا اور اس نے میری دونوں کلائیوں پر بندش
کر لی۔ میرے حلق سے دہشت بھری چیخیں نکلیں اور میں نے بدعوا سی

کے عالم میں دروازے کی طرف چھلانگ لگائی لیکن ایک اور
سانپ نے میرے پیروں کو پکڑ لیا۔ میں اوندھے منہ نیچے گرا۔

اور پوری قوت سے سانپوں کے جسموں سے قائم کی ہوئی بندشوں
سے نکلنے کی جدوجہد کرنے لگا لیکن ان گھناؤنی پکھلدار رسیوں

نے مجھے ایسا جکڑا کہ میں ہل بھی نہ سکا اور دھیرے سے ادھر دھکنے
لگا۔ سمجھو نے کچھ اور پھینکا اور گردوغبار کا ایک بڑا مغل غول میرے

گرد چھا گیا میری آنکھیں بند ہو گئیں جدوجہد رک گئی اور بدن
سکت ہو گیا۔ کھانسی اٹھ رہی تھی۔ عجیب سی گردشی میں نے سمجھ

سے آنکھیں پھینچ لیں اور رکھنا تار ہا۔ کچھ دیر کے بعد اس
ہوا کہ گرد کم ہو گئی ہے۔ آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں دھند سی

چھائی ہوئی تھی پھر وہ دھند بھی چھٹ گئی۔ ایک نگاہ میں ہی
مسلوم ہو گیا تھا کہ منظر بدل گیا ہے۔ نہ محل ہے نہ جھنڈا، نہ

کالی دا سہ ہے نہ سمجھو بلکہ ایک اجاڑ جنگل ہے۔ سو کھٹے ہوئے
پتوں سے بے نیاز درخت کمرے ہوئے ہیں کچھ گز کے فاصلے

پر بدن پٹانوں اور چھاڑوں کا سلسلہ ہے ایک اونچے ٹیلے
کے دامن میں ایک سیاہ غار کا دہانہ منہ کھولے مجھے تنگ رہا

ہے۔ سانپ بدستور میرے بدن سے لپٹے ہوئے ہیں اور میں ان
کی قید میں ہوں۔ ان سانپوں سے مجھے دہشت بھی ہو رہی تھی۔

گھن بھی آ رہی تھی بے چینی سے پورے بدن کا زور لگایا تو دوری
طرف بڑھک گیا۔ تب ادھر کا منظر نظر آیا لاتعداد بیرگردن

نیہوڑائے گھٹنوں میں سر دیے اداس بیٹھے ہوئے تھے یہ میرے
بیرتھے۔ پورنیوں کے بیر۔ ان سے کوئی دگڑنے کے فاصلے پر پتھر

کے ایک کٹے ہوئے تنے پر سجور یا چرن پاؤں لٹکائے بیٹھا
ہوا تھا اور سجوریاں چرن کے پیروں کے پاس ایک نوائے

بدن رسیوں سے بندھا پڑا تھا۔ میں پتھر اگیا۔ یہ سب کچھ بہت
سنسنی خیز تھا۔ مجھے اپنی طرف دیکھتے پا کر سجور یا چرن اپنی جگہ سے

اٹھا اور میرے قریب آکر میرے پاؤں چھو تا ہوا بولا۔
• پائے لاگوں جہاد دین دیال۔ بڑے دھرم دیوتا

میں آپ مان گئے آپ کو۔ اس کی آواز میں طرک کوٹ کوٹ
کر سہرا ہوا تھا۔

• سجور یا چرن تم۔؟
• بس حال تو پوچھو ہمارا۔ ہم نے بڑے بڑے دھرم دیال

دیکھے ہیں مگر تم جیسا دھرم کا باؤلا نہیں دیکھا۔
• پتھر کہتے ہو سجور یا چرن۔

• نہیں جھوٹ بول رہے ہیں کیا۔؟
• تمہارا شکریہ تم نے مجھے یہ اعزاز اپنے منہ سے دیا ہے

۔ یہی تو میں چاہتا ہوں سجور یا چرن کہ لوگ مجھے میرے دین کے لیے
پاگل سمجھیں۔

• ستیاناس ہو تمہارا، کتنے کی موت جہاد ہمارا اگر یا کریم کیوں
کر دیا تم نے۔ ارے سارا جیون خستہ کر دیا تھا کھنڈ لا بننے کے

لیے کتنی محنت کی تھی سب خاک میں ملا دی۔ خیر ہم تو خاک میں ملے
ہی ہیں مگر تمہارا بھی کر یا کریم کر کے چھوڑیں گے کچھ ادیوانے

پاگل، پاپی، اب بھی مان لے ہماری بات۔ اب بھی مان لے۔
تیرے ذریعے ہمارا ایک اور ایسا کام ہو سکتا ہے جو سارے

بگڑے ہوئے کام بنائے۔ اگر تو ہمارے رنگ میں رنگ جلے
تو اب بھی سن لے، خود بھی عیش کرے گا اور ہمیں ہمارے

منزل بھی مل جائے گی، بتائے دیے رہے ہیں مجھے، تو ہے مسلمان
کا چھو کر، مسلمان بنے رہنا۔ ہم انکار نہیں کریں گے مسلمانوں

میں گھس جانا، دین دیوتا بن جانا، لوگوں کے کام نہ کاتے رہنا
اور سب کو دھوکا دیتے رہنا۔ ایک ایسا ارکا تلاش کر لینا

جو ہمارا کام کر دے۔ اسے ہم اب بھی اسی پھیر میں پڑے ہوئے
ہیں کہ کبھی کبھی عقل آجائے اور تو ہمارا یہ کام کر دے۔ وہ

سارے دھرمے جو ہم نے مجھ سے کئے ہیں اب بھی پورے
کریں گے ہم، اب بھی پورے کریں گے۔ مان لے ہماری بات

سنا میں عیش ہی عیش کرے گا تو..... میں نہیں پڑا اندھ میں نے کہا۔

• تم بھی دھن کے پکے ہو بھوریا چرن، مگر تم نے یہ کہہ کر میری میری مدد خوش کر دی ہے کہ تو نے مجھ جیسا دین کا متوالا نہیں دیکھا۔ ایمان نہیں چھوڑ دوں گا بھوریا چرن، کبھی ایمان نہیں چھوڑ دوں گا۔ عہد ہے ہزاروں بار۔ مرنا چاہا ہے نہیں کھلی جلی ہے تم کتے کی موت کہہ رہے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مجھے آہستہ آہستہ ڈس میں اپنا زہر میرے جسم میں اتار دیں میرے جسم میں آگ لگ جائے، پانی بن کر ہر جاؤں میں خوشی سے تیار ہوں اس کے لیے، لیکن مردوں کا اپنے ہی دین کے نام کو لیتے ہوئے۔ مجھے بھوریا چرن۔ میں بھی نہیں ایسا نکرایا ہوں کہ نہیں مرنا آگیا ہے اور ابھی اور بھی بہت سے مرے آئیں گے۔

• بیٹا مرے تو مجھے بھی آئیں گے، تو کیا بھگتا ہے۔ ٹھیک ہے ڈھارہ اپنے دھرم پر اس دھرم پر جس کے ہم پر تو عبادت بھی نہیں کر سکتا بھگتا۔ مجھے بھی تو بہت کچھ چھین گیا ہے، اتنا کچھ چھین چکا ہے مجھ سے کہ تو بہت اچھی طرح بھگتا ہے تو بھی تو اب لکیری پیٹ رہا ہے۔ بہت شوق ہے مجھے لکیر ویٹنے کا، تو بیٹا رہ۔

بہت بری بات ہے بھوریا چرن، میرے لیے یہ بھی بہت ہی بڑی بات ہے کہ لکیری میرے ہاتھ میں ہے، بھوریا چرن نے خنصے سے آگے بڑھ کر کئی لائنیں میرے جسم کے مختلف حصوں پر ماریں اور میں قہقہے لگاتا رہا۔ وہ دیوانگی کے عالم میں لائیں اور گھونٹے مجھے مارتا رہا اور پیٹتا رہا اور ہنستا رہا پھر وہ خود ہی تھک گیا اور دور دور ہٹ کر خونخوار نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس کے اندر سے خوف ک غرا نہیں نکلتے لگی تھیں۔

• کون سی بات بھوریا چرن ہے؟
• دیکھ ادھر دیکھ وہ کون ہے سامنے ہے؟
• مجھے نظر نہیں آ رہی۔ کوئی عورت ہے؟
• سندھی ہے یہ سندھی۔ ہما دتی کی ٹوکرائی پائل ہے بھگتا ہے، یاد آگیا مجھے۔ کیا کہا تھا میں نے پائل کے لیے۔ دیکھ وہ چھری بھی لگی ہے اور برتن بھی اگر دن کاٹ اس

کی اور اس کا خون پی لے، اس اتنا ہی کرنا ہے۔ مجھے اتنا ہی کرنا ہے، اس کے بدن کا سارا خون پی لے۔ بات بن جائے گی۔

• ناممکن تیری ایک بھی ناپاک خواہش پوری نہیں کر دوں گا۔ بھو یا چرن۔

• حرام خورنا تاشکرے، بھوریا چرن نے دانت کچکپا کر ایک لالت میرے پیٹ پر رسید کی اور کہا: اتنا کچھ اگر ہم کسی اور کو دے دیتے تو جیون بھر تلوے چاٹتا ہمارے۔ اس سمجھنے والوں سے باندھ دیا ہے۔ چہرہ کی دھول بھی نہیں ہے تیری وہ۔ اپنے بیروں کو حکم دے تو ہما دتی کے محل کو پھونکوں سے اڑا دیں وہ ایک ایک کو کچا چب جائیں۔ مگر تیرا دھرم چلا جائے گا ان کے کوئی کام لے کر، یہی بات ہے نا۔

• ہاں یہی بات ہے بھوریا چرن۔
• تو سپرمر، ہم کیا کریں۔ جا پڑ لہور پاتال میں تیرا ستیاناس۔
• مجھے ان سے چٹککارہ کیسے ملے گا بھوریا چرن؟
• بیروں کو پکار۔ یا مجھ سے وعدہ کر کہ اس پائل کا خون پی لے گا۔

• نہیں بھوریا چرن، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ جیوں گا ہر طرح کے حالات میں جیوں گا۔ ان سے رابطہ کر کے تو میں اپنے ماں باپ سے بھی مل سکتا تھا جن سے ایک بار ملنے کی آرزو میں، میں جمت رہا ہوں مگر ان کے کام لینے کا مطلب ہے کہ میں نے انہیں قبول کر لیا۔ ایسا میں کبھی نہیں کروں گا بھوریا چرن۔ کبھی نہیں بھوریا چرن کچھ جو تک سا پڑا اتحادہ عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ ہنسا، پہلے آہستہ سے پھر زور سے اور پھر وہ قہقہے لگاتے لگاتے ہنستا ہوا بولا۔

• ارے واہ۔ ارے واہ۔ یہ ہوئی تباہات بڑھیا بات ہے ہوئی نا۔ میری اس کھوپڑی میں ہی نہیں آئی سکتی۔ تو نے جو بتائی ہے، تو نے خود ہی بتائی ہے، تیرے سنا تا پتا۔ ہنسنے لگا۔

• کیا بک رہا ہے؟
• جاتا ہوں۔ جاتا ہوں۔ وہ خوشی سے اچھلتا ہوا بولا۔
• اب تیرے سنا تا پتا ہی مجھے میری بات ماننے پر مجبور کریں گے وہی مجھ سے میرا کام کر آئیں گے۔ تو نے خود ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

• تو ہے ہی بھوریا چرن۔ میں تو ان کے قدموں کی خاک ہوں میرا ایمان تو بہت کمزور ہے۔ ان کے مقابلے میں۔ تو کیا اور تیری اوقات کیا۔ تو ان کو بھی نہیں رگڑ سکتا۔
• مجھے بتائے گا بالکل۔ اب۔ جوں۔ ان کے لیے رکھ بن جائے گا تیری وجہ سے، صرف تیری وجہ سے، اور..... اور۔
مجھے بھی دکھائیں گے ہم اب دوسرا راستہ پکڑیں گے ہم۔ چلتے ہیں۔ چل رہی تو یہاں کیا کرے گی مگر..... اسے بھاگ جاؤ تم بھی سب رہے کیوں سرچھوڑ رہے ہو اسس زخمی سے۔ چلو جاؤ بھاگ جاؤ۔ اس نے بیروں سے کہا اور وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ آہیں بھرتے ہوئے وہاں سے اگے بڑھ گئے۔ بھوریا چرن نے سندری کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا وہ شاید بے ہوش تھی، پھر اس نے میری طرف رخ کر کے تنہا اور سندری کو کندھے پر لادے اگے بڑھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میرا دل گہرائی لگا۔ دماغ میں سننا ہٹ ہونے لگی کیا مجھ سے غلطی ہو گئی۔ کیا مجھے اس سے اپنے ماں باپ کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آہ کیا غلطی ہو گئی..... خدا..... ان کا حامی و ناصر ہو۔ غملا انہیں اپنے تحفظ میں رکھے۔ آنکھوں کی کوریوں سے آنسو بہنے لگے۔ عقب سے کچھ آہیں ابھریں۔ پھر سرگوشیاں چلا گئیں۔

• ہاں چلا گیا۔

• آؤ.....

میں چونک پڑا یہ کون ہو سکتا ہے سمجھ میں نہیں آیا تھا لیکن وہ دونوں سامنے آگے میں نے انہیں پہچان لیا جسواور کالی داس نے دونوں میرے سامنے اکھڑے ہوئے پھر سمجھو بیٹھ گیا وہ غور سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

اور تو کہتا ہے تو کچھ نہیں ہے۔ میں نے آنکھیں پھینچ کر آنسوؤں سے صاف کیں۔ اور آہستہ سے کہا۔

• ہاں وہ سمجھو..... میں کچھ بھی نہیں ہوں۔

• من تو چاہتا ہے کہ ایک بڑا سا پتھر پہلے تیرے سر میں مار کر اسے کل دیں پھر اپنے سر میں مار کر خود بھی ختم ہو جائیں تیرے پریشانیوں کو سب سے ایک اشارہ کرتا انہیں تو وہ بتا ہی چکا دیتے یہاں مجھے کھول دیتے تو نے ایسا ہی نہیں کیا۔

• تو نے دیکھا سمجھو میں نے ایسا نہیں کیا۔

• کیوں..... آخر کیوں۔

• اس لیے کہ میں مسلمان ہوں نہ تمہارے کلمے جادو پر یقین رکھتا ہوں نہ اس کے کوئی مدد لینا چاہتا ہوں میرے دین میں یہ سب ناپاک ہے غلط ہے مجھے ہمیشہ اپنے خدا پر بھروسہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ انسان ہوں..... کچھ غلطیاں کر بیٹھا ہوں لیکن جب تک زندگی ہے اس سے مدد مانگتا رہوں گا کسی ناپاک قوت کو آواز نہیں دوں گا۔
• ارے پھر تو اس کا لے سنسا میں کیسے آچنسا۔

• تجھے یہ سب جانا ضروری نہیں سمجھتا۔

• "خند مت کر یہ بتانا تیرے لیے فائدہ مند بھی ہو سکتا ہے۔" مجھ پورنیاں تیرے چہرہ پر ہیں یہ بات ہوتی ہیں۔ ساتوں کا بتا تو بتا دے اور یہ بتا دے کہ انا بڑا کام تو نے کیسے کر لیا ابھی جو تجھے سے باتیں کر رہا تھا وہ ٹھکھاتا ٹھکھاتا ہی انہی کے پاس آتے ہیں جو خود بہت کچھ ہوتے ہیں یہ سب کیا بھاؤ بھید ہیں۔ تو پورنیاں تو خود کو مسلمان کیوں کہتا ہے ارے کچھ کچھ میں نہیں آ رہا ہمارے کالی داس ارے کیا کریں ہم۔ سمجھو نے سر پر دو ہتھڑا رتے ہوئے کہا۔
• آپ کیا ہیں سمجھو جی۔ آپ خود کیا ہیں۔

• ہم کالے ہیں، بھٹا کالی مانی کے چیلے، سب جانا ہوگا نوپانی۔ پھر کر رہا ہے ہمارے ساتھ۔

• کالے کیا ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔

• کالے علم کے اٹھ درجے ہوتے ہیں چار کلکتے والی کے اور چار چنڈو لوں کے اور چنڈو لے میں ہوتے ہیں۔
• میں کے پس بل کر چنڈو دل بھرتے ہیں
• رانی مہاوتی کیا ہے۔

• وہ درگامتی ہے اور لوٹا اس کے قبضے میں ہے۔
• اور تم.....

• میں مٹھا ہوں۔ وہ مجھے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

• خدا کی لعنت ہے تم سب پر۔ میں نے کہا اور وہ پھر اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں پھر غصے کے تاثرات جاگ اٹھے اس نے دیوانوں کی طرح ناچنے ہوئے کہا۔

• میں نے تجھے یہ سب اس لیے بتایا تھا کہ تو مجھے اپنے باپ میں بتا دے گا مگر کتنے کی دم کی طرح تو میرے کانٹے خار ہے گا

میں ایک اشارہ کر دوں تو یہ سارے ٹاگ تیرے بدن میں
 نہ رہی نہ ہر بھر دیں احاد میں مجھے کہ... کہ اسے ادکالی
 داس — !
 ”جی مہاراج۔“

”اندر لے چل اسے... اسے اندر لے چل۔ یہ
 ایسی زبان نہیں سمجھے گا لے چل رہے اسے۔ اندر۔“
 ”مہاراج اس کے بندھن نکال دیں۔“ کالی داس نے
 کہا۔ اور سمجھنے آگے بڑھ کر سانپ میرے بدن سے کھینچ
 لیے میری بندھنیں کھل گئیں اور کالی داس نے میرا بازو
 پکڑ لیا۔ سانپوں نے اس طرح مجھے جکڑا ہوا تھا کہ دوران
 خون رک گیا تھا اور بدن کے وہ حصے سن ہو گئے تھے
 جہاں بندھنیں تھیں۔ کالی داس نے مجھے منلوں میں ہاتھ
 ڈال کر غار کے اس دہانے کی طرف گھسیٹا جو سامنے
 نظر آرہا تھا وہ بہت طاقتور تھا بہ آسانی مجھے اندر لے
 گیا۔ سمجھو سمجھو مجھے چل رہا تھا مجھے اپنی کمزوری پر غصہ
 آنے لگا مگر پاؤں زمین پر نہ رکھے تھے نہ ہانے
 کے دوسری طرف ایک تاریک سرنگ تھی جو کافی لمبی لگ
 رہی تھی۔ میرا دوران خون بحال ہونے لگا تھا۔ تاہم جتنا بہت
 برقرار تھی۔ البتہ میں نے اپنا وزن کالی داس پر ڈالے
 رکھا تا کہ وہ یہ سمجھے کہ میں منلوں ہوں اسے دھوکے میں
 رکھ کر کچھ کیا جاسکتا تھا مگر یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا کر دوں
 لمبی کالی سرنگ کے دوسرے دہانے پر سرخ روشنی نظر
 آرہی تھی بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے آگ روشن ہو دوسرا
 سرا قریب آنا جا رہا تھا۔ پھر وہ مجھے لیے ہوئے اس مربع
 دہانے سے اندر داخل ہو گئے۔ بہت ٹرا غار تھیں یوں لگتا تھا
 جیسے کوئی پہاڑ اندر سے کھوکھلا ہو جگہ جگہ دیواروں میں
 چٹانیں ابھری ہوئی تھیں ایک طرف لکڑیاں سلگ رہی
 تھیں اور یہ انہیں کی روشنی تھی جو پورے غار کو سرخ
 کیے ہوئے تھی مگر اس میں آگ کی تپش بالکل نہیں تھی
 اس کے برعکس غار میں جگہ جگہ نہانے کیا کیا کھمبات
 چھلا ہوا تھا۔ ان میں انسانی جسم کے ہڈیوں کے انبار بھی
 تھے اتنا دانا انسانی کھوپڑیاں بکھری ہوئی تھیں جیسے کھیلے پھنے
 پرانے رنگین کپڑے اور نہ جانے کیا کیا میرے کان ایک
 آواز سن رہے تھے۔ چپ چپ کی آواز جیسے کوئی بڑا جانور کچھ

کھا رہا ہو۔

”چھوڑ دے اس پانی کو یہاں۔ مہاراجی جانے اور یہ۔“
 سمجھنے کالی داس نے کہا اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں
 بے جان شہتیر کی طرح نیچے گر پڑا۔ اب میں منلوں ہونے کا
 اظہار کر رہا تھا۔

”اب کیا کریں مہاراج۔“

”پڑا رہنے دے اسے یہاں۔“

”جو آگیا۔ کالی داس نے کہا۔“

”آجا۔ سمجھو بولا اور وہ دونوں غار سے باہر نکل گئے
 میں اسی طرح زمین پر پڑا رہا۔ میری نگاہیں پورے غار
 کا جائزہ لے رہی تھیں اور دل لرز رہا تھا۔ کیا ہولناک جگہ
 تھی غار کی بلندی ناقابل یقین تھی اس کی چست تو نظر ہی
 نہیں آتی تھی ابھرے ہوئے چٹانی پتھروں میں موٹے
 موٹے تاروں والے مکڑیوں کے جالے لگے ہوئے تھے
 البتہ مکڑیاں نظر نہیں آرہی تھیں اور پھر وہ آواز چپ چپ
 کی آواز..... یہ آواز کہاں سے آرہی ہے کیسی بھیانک
 آواز ہے نہ جانے۔ پھر یوں لگا جیسے کوئی چپ کھسیٹ جا رہی
 ہو۔ اور اس کے بعد زمین میں ابھرے ایک کوہان کے
 عقب سے ایک ہولناک چیز باہر نکل۔ آہ میرا دل کانپ کر
 رہ گیا چٹانی کوہان کے پیچھے سے ایک سیاہ انسانی جسم
 برآمد ہو رہا تھا۔ ایک نو منڈا انسانی جسم جو کسی عورت
 کا تھا۔ اس کا مٹی حصہ لگا ہوں کے سامنے آیا تھا گھٹنوں
 کے بل جھکی ہوئی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے کسی فٹے کو گھسیٹ
 رہی ہو پھر سیاہ جسم کوہان کے عقب سے مکمل طور پر باہر
 نکل آیا اور وہ ہولناک منظر میری آنکھوں کے سامنے
 نمایاں ہو گیا جسے دیکھ کر دل کی دھڑکنیں بند ہو جائیں
 سیاہ رنگ کی تن و مند عورت جس پیر کو گھسیٹ کر پیچھے ہٹ
 رہی تھی وہ بھی ایک نسوانی بدن تھا۔ خون میں نہایا ہوا۔
 بے جان خونخوار عورت کے لیے سیاہ بالوں نے دوسرے
 جسم کا کچھ حصہ ڈھاک لیا تھا۔ خود اس کا چہرہ بھی اس کے
 بالوں میں چھا ہوا تھا۔ وہ بتی کی طرح دونوں ہاتھوں پیروں
 کے بل پیچھے کھسک رہی تھی اور یقینی طور پر دوسرے مردہ
 جسم کو دانتوں میں دبو چے ہوئے تھی میں سانس ہونے کے
 اسے دیکھتا رہا۔ سیاہ رنگ کی ہولناک بلانے اپنے کام

سے فارغ ہو کر رخ بدلا اور پھر انسانوں کی طرح بالوں کو زور سے پیچے جب تک گرا نہیں۔ ہاتھوں سے سنوارنے لگی بالوں کے پیچھے ہٹ جانے سے۔ اس کا چہرہ نمایاں ہو گیا۔ کیا جیسا تک چہرہ تکامل طور پر انسانی نقوش اور شاید جلنے پہلے۔ بس رنگ کا فرق تھا اور نہ وہ سو فیصدی مہادوتی تھی۔ رانی مہادوتی... سیاہ چہرے پر جگہ جگہ خون کے پھینٹے پڑے ہوئے تھے اور آنکھیں اس کی بڑی بڑی... اور آنکھوں کی سفیدی نمایاں تھی کالی تیلیوں کی جگہ ایک سیدھی سبز روشن لکیر نظر آ رہی تھی تیز سبز روشن لکیر ہونٹ گہرے سرخ ہو رہے تھے مجھ پر شاید اس کی نظر نہیں پڑی تھی۔ چنانچہ وہ پھر ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل جبک کر منہ سے اس انسانی بدن کو ٹٹولنے لگی۔ وہ اے جگہ جگہ سے سو گھر رہی تھی پھر اچانک اس نے ایک غراہٹ جیسی آواز نکالی۔ اور مردہ جسم کے سینے پر دانت گار دیئے۔ وہ ہاتھوں پر وزن سنبھال کر شاید لاش کا سینہ کھول رہی تھی اور اس پر دانتوں سے قوت صرف کر رہی تھی اس کے منہ سے خونناک غراہٹیں نکل رہی تھیں پھر شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ البتہ اس کوشش میں لاش کا چہرہ میری طرف ہو گیا گردن شاید پہلے چپالی گئی تھی مگر چہرہ محفوظ تھا اور گردن کے ساتھ لگے ہوئے کھال کے کٹسے ٹکڑے سے جمبول رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھا اور بے اختیار میرے حلق سے چیخ آزاد ہو گئی۔ وہ رجنادوتی تھی وہی معصوم لڑکی جو اٹلی کے درخت پر چبھی ہوئی تھی اور بھوک سے تیب ہو کر کھڑکی کے راستے اندر آئی تھی اسے زندگی کا خطرہ تھا آہ اسے اپنی جان کا خوف تھا اور وہی ہوا۔ اس نے کچھ اس کے الفاظ کہے تھے۔ میری آواز پر لاش سے لپٹی ہوئی مہادوتی نے گردن اٹھا کر سیدھی تیلوں سے مجھے گھورا۔ اس کے منہ سے خون نیک رہا تھا پھر اس نے ہونٹ سکونڈ کر دانت نکالے۔ خون میں ڈوبے ہوئے نوکیلے دانت مجھے دیکھتی رہی پھر دوبارہ جبک کر لاش کے کھلے ہوئے سینے میں سر ڈال دیا۔ دانتوں سے اس نے رجنادوتی کے اعمرونی جسم میں کسی چیز کو جھکادیا اور اس کا کلبہ دیگر لوازمات کے ساتھ باہر نکال لیا میں نے جنون کے عالم میں ادھر ادھر دیکھا ایک انسانی پاؤں کی سوکھی ہوئی ہڈی مجھ سے کچھ فاصلے پر

پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اسے اٹھایا اور گھما کر پوری قوت سے مہادوتی پر دے مارا۔ نشانہ درست نہ رہا۔ ہڈی اس کے سر سے گزرنے لگی مگر مہادوتی نے جلدی سے کلبہ دانتوں میں دبا کر ایک لمبی چیلانگ لگائی اور ایک چٹان سے دوسری پر دوسری سے عمیری پر اور پھر کافی اور ایک دیوار میں نکلی ہو چٹان پر جا بیٹھی۔ یہ چیلانگیں نبی تلی مہارت سے بھرپور تھیں۔ وہ اس وقت بالکل کالی بلی لگ رہی تھی انسان کا اس سے خونناک روپ کبھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا جو میں دیکھ رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ پھر جبک کر بیٹھ گئی اور منہ میں لٹکا ہوا کلبہ اسی طرح چپڑچپڑ چلنے لگی۔

”مہادوتی... تو نے رجنادوتی کو مار دیا ہے مجھے میں نہیں چھوڑوں گا... نہیں چھوڑوں گا۔“ میری آواز پر اس نے چونک کر پھر مجھے دیکھا اور اس کے بعد پھر جبک کر کلبہ چلنے لگی۔ میں بے بسی سے اسے دیکھتا رہا پھر میں... اپنی جگہ سے اٹھا اور میں نے دور پڑی ہڈی اٹھالی۔ اس نے رجنادوتی کا کلبہ منہم کر لیا تھا۔ میرے ہڈی اٹھانے پر وہ سنبھلی اور اس نے ایک اور چٹان پر چیلانگ لگا دی۔ بالکل بیسوں جیسا۔ انداز تھا۔ میں نے اس چٹان پر یہ ہڈی پھینکی تو وہ نیچے کود آئی۔ مگر وہ مجھ پر حملہ نہیں کر رہی تھی بس رک رک کر غراہٹیں تھی دانت نکال رہی تھی۔ میں اب سلسل اس پر ہڈیاں پھینکنے لگا اور وہ ادھر سے ادھر بھاگتی رہی۔ پھر ایک بار اس نے پڑی زور سے چیخ ماری اور دروازے سے کالی داس اور شمعواندہ داخل ہو گئے۔

”ارے ارے یہ کیا کر رہا ہے تو... شمعواندہ! اور اس بار میں نے ہڈی اس پر دے ماری وہ میرے اس وار کے لیے تیار نہیں تھا۔ ہڈی اس کے سر پر لگی اور وہ جکڑا گیا۔ دوسرے لمحے وہ سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ کالی داس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

”تیری موت ہی آگئی ہے پانی یہ تو نے کیا کیا میں نے دوسری ہڈی اٹھا کر کالی داس کو نشانہ بنایا اور وہ جلدی سے بیٹھ گیا۔ ہڈی اس پر سے نکل گئی تھی مگر اس وقت ایک خونناک غراہٹ کے ساتھ مہادوتی مجھ پر پڑی وہ زبردست تن و توش کی مالک تھی اس لیے میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ میرا سر زمین پر لگا اور آنکھوں کے

مانے تارے تاب گئے۔ مہاوتی خوفناک فراہٹوں کے ساتھ مجھے دیکھ رہی تھی۔ دوسری بار میرے سر میں پھونٹ لگی۔ میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس کے بعد کوئی ہوش نہ رہا تھا۔۔۔۔۔ دوبارہ ہوش آیا تو ماحول بدلا ہوا تھا یقیناً محل کا ہی کوئی کمرہ تھا نرم بستر نشاں ماحول۔ دو لوگیاں سلتے موجود تھیں۔

”جاگ گئے مہاراج۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ میں وحشت زدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”کون ہو تم۔“

”ہمارا نام شیلا ہے۔۔۔۔۔ یہ وہ ہے۔“

”یہاں کیا کر رہی ہو۔“

”سیوا کے لیے ہیں۔ ناسفہ لگائیں۔“

”یہ کونسی جگہ ہے۔“

”راج محل۔“

”مہاوتی کہاں ہے؟“ میں نے کہا اور وہ دونوں جو تک پڑیں انہوں نے مجھے غیب سی نظروں سے دیکھا۔ پھر ایک بولی۔

”مرانی جی تو اس میں ہیں۔“

”میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”آپ کا سندیس انہیں دیدیں گے مہاراج مگر یہاں کوئی ان کا نام ایسے نہیں لیتا۔ ناشتہ لگا دیں آپ کے لیے۔“

”نہیں تم فوراً باہر نکل جاؤ۔ میں غرا کر بولا اور ان دونوں کے چہرے کی خشک جھلکی کا فورہ ہو گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو دھکیلتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ میں خوفی نظروں سے پورے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ سر کے بائیں حصے میں ٹیس اٹھ رہی تھی۔ یہیں وہ جھوٹ لگی تھی جس نے مجھے بے ہوش کر دیا تھا۔ ہاتھ وہاں پہنچ گیا۔ گومڑا اٹھ رہا تھا۔ اسے ہلاتا رہا پھر گئے اتر کر دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ بند تھا۔ دروازہ کھولو۔۔۔۔۔ دروازہ کھولو۔ میں چیخ کر اسے سینے لگا۔ کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی۔

میں جنوبی انداز میں دروازہ پتیا رہا اور پھر جب کوئی سنوائی نہیں ہوئی تو کمرے میں موجود ہر شے تباہ و برباد کرنے لگا۔ کیونکہ کسنگلی مجسٹریٹ نے پور چور کر دیا چیت میں جکے تہیتی مجسٹریٹ نے نیچے گرا کر کھل دیا دیواریں

کھرج کر پینک دیں بکرے کا حلیہ پوری طرح بگاڑ دیا لیکن گہن سے کوئی آواز نہیں ابھری تھی بہت دیر تک یہ کونکس کرتا رہا۔ مگر اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو جھک ہار کر بیٹھ گیا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں خاموشی سے ایک طرف جا بیٹھا۔ سانس تیز تیز چل رہا تھا سخت پریشانی کا شکار تھا۔ بہت دیر گزرتی سر کی دھکن بے چین کر رہی تھی۔ مگر کیا کرتا مجبوری تھی اچانک بالکل ویسی ہی ہشی ہشی کی آواز سنائی دی جیسی ایک بار محل کے باغ میں پتھر لے جسے کے منہ سے نکلی تھی۔ میں نے وحشت زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ یہاں تو کوئی مجسٹریٹ بھی نہیں تھا۔ کوئی کھڑکی یا روشندان بھی نہیں تھا۔ پھر یہ آواز۔۔۔۔۔ آواز دوبارہ سنائی دی اور میرے نظروں میں یہ پڑی جہاں تباہی مچ چکی ہوئے میں نے دیوار سے چند روشتی نکال کر یہ بھی تار پھینکی تھیں انہیں پیروں سے روندنا تھا۔ یہ ہشی ہشی کی آواز ایسی ایک تصویر سے ابھری تھی ایک جٹا دھاری سادھو کی تصویر تھی جو پاتنی مارے آسن ہماے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے عقب میں ایک درخت پھیلا ہوا تھا۔ پیچھے جنگل نزدیک پیٹھے کے پھل سے بنا ہوا کنڈل رکھا ہوا تھا۔ یہ تصویر بھی میری کارستانی کا شکار ہوئی تھی اس کی ایک آنکھ پھٹ گئی تھی مگر باقی چہرہ بچا ہوا تھا۔

”ادھر آ میرے پاس آ۔“ تصویر کی آواز ابھری اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے تصویر کو دیکھا اس کی آنکھوں کی آنکھ جھپک رہی تھیں اور ہونٹ ہل رہے تھے۔

”نکلنا چاہتا ہے یہاں سے۔“

”ہاں میری سرگوشی ابھری اس قدر حیرتوں سے گزرا تھا کہ اب کسی ناممکن پر حیرت نہیں ہوتی تھی۔“

”وہ دیکھ ادھر دیوار میں ایک کڑا نکلا ہوا ہے۔“

میں نے اس کے اشارے پر ادھر دیکھا۔ یہاں پہلے کیونڈ کا مجسٹریٹ رکھا ہوا تھا مگر اب وہ چور چور ہو کر نیچے پڑا ہوا تھا۔

”دیکھا۔“

”ہاں۔“

”وہ تیری مشکل کا حل ہے۔“

”کیسے۔“

”اسے زور سے کھینچتے مارتے مل جائے گا۔ تصویر کے

ہوئوں سے آواز ابھری۔

”کہاں پہنچوں گا میں۔ میں نے سوال کیا مگر..... اس کی آنکھ بند ہو گئی تھی۔ کہاں پہنچوں گا میں۔ میں غزا یا مگر جواب نہ ملا۔ تصویر بے جان ہو گئی تھی۔ بول میں کہاں پہنچوں گا۔ میں نے گرج کر کہا۔ تصویر اٹھائی اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس وقت مجھے ہر چیز پر غصہ آ رہا تھا۔ ٹکڑے پھینک کر میں پھر اپنی جگہ جا بیٹھا۔ کڑا میرے سامنے ہی تھا میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر دماغ کچھ ٹھنڈا ہوا واقعی اس کڑے کی یہاں موجودگی کا کوئی جواز نہیں ہے یہ یہاں کیوں ہے دیکھو اسے کھینچ کر۔ اپنی جگہ سے اٹھا دیوار کے پاس جا کر میں نے کڑے میں انگلیاں..... چھنسا لیں اور اسے زور سے کھینچا۔ کڑے کے ساتھ ایک چوکور سل کھینچی چلی آئی حالانکہ پہلے دیوار میں کوئی نشان نہیں نظر آیا تھا۔ چوکور سل کے پیچھے تاریک خلا تھا غیب سادر وازہ تھانہ جانے دوسری طرف کیا ہے کڑا چھوڑا تو سل اپنی جگہ جا گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔ غیب میکنرم تھا دوسری بار میں اس سے اندر جانے کے لیے تیار ہو گیا کڑا کھینچ کر سل کو ہٹایا۔ اپنے شانے سے اسے روکا اور بدن ٹکڑ کر اس کے پیچھے پہنچ گیا۔

دوسری طرف بہت کشادہ جگہ تھی لیکن میرے اندر داخل ہوتے ہی دیوار کا خلا بند ہو گیا اور اندر گھورتاریکی چھا گئی۔ آگے جانے کا راستہ تھا اس لیے میں نے بغیر کسی دسو سے کے آگے قدم بڑھا دیئے یہاں کسے پروا تھی اگلا قدم اگر تحت السری میں لے جائے تو لے جائے موت کی کسے پروا تھی۔ چنانچہ میں آگے بڑھتا رہا کوئی تین سو قدم چلنے کے بعد راستہ رکا لیکن دایاں ہاتھ جگہ تیار ہاتھا۔ چنانچہ میں منہول کر اس طرف بڑھ گیا یہاں بھی اتنا ہی چلنا پڑا تھا یہاں تک کہ یہ راستہ بھی ختم ہو گیا۔ میں نے دونوں ہاتھ ہاتھ پھیلائے لیکن ہاتھ دیواروں سے جا ملے اس کا مطلب ہے کہ آگے کوئی راستہ نہ تھا اب کیا کروں بند دیوار پر ہاتھ پھیرنے لگا کوئی چار فٹ کی بلندی پر اچانک ہاتھ رک گیا بالکل ویسا ہی کڑا محسوس ہوا تھا جلدی سے اسے پکڑ کر اس پر زور لگایا تو زور دہنی ہو گئی ساتھ ہی ویسا ہی خلا نمودار ہو گیا کانپتے دل کے ساتھ دوسری

طرف نکل آیا۔ دوسری طرف آتے ہی دیوار بھر پور ہو گئی تھی مگر جس جگہ پہنچا تھا وہ سرخ پتھروں کی دیواروں سے بنا ہوا ایک وسیع قمر تھا۔ جس میں ایک چھوٹا سا مضبوط دروازہ لگا ہوا تھا۔ چھت کے قریب روشندان تھے ایک روشندان ذرا نیچا تھا اس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ یہ باہر جانے کا کونسا راستہ تھا۔ دفعتاً مجھے ایک آواز سنائی دی۔

”کون ہے کیا کوئی ہے۔“ ساتھ ہی روشندان کے پاس دیوار جانے کی آواز سنائی دی میں نے بے بسی سدا در دیکھا۔ دیوار سپاٹ تھی اور کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جس سے جڑھ کر روشندان کے دوسری طرف جانا جا سکے میں گردن ہلا کر رہ گیا۔ آواز پھر ابھری۔ کوئی ہے کوئی ہے ادھر مجھے بات کرو بھائی۔

”ہاں میں ہوں۔ میں نے کہا۔“

”کون ہو۔ کون ہو بھائی۔ میری مدد کرو مجھے یہاں سے نکال دو تمہاری مہربانی ہوگی میں اس آواز کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ سنی ہوئی آواز تھی پھر ذہن جاگ گیا میں نے اس آواز کو پہچان لیا۔ چندربھان مہاراجی کا شوہر چندربھان..... اور سرخ پتھروں کی عمارت وہ عمارت جہاں میں باغ کی سیر کرتا نکل آیا تھا اور مجھے راجہ چندربھان ملا تھا آہ تو یہ ہے میرے باہر نکلنے کا راستہ گویا اس تصویر والے بابا نے بھی دھوکا کیا تھا۔ کیوں نہ کرتا۔

”بولو بھائی مدد کرو گے میری۔“

”تم راجہ چندربھان ہو۔“

”ہاں تمہارا مہاراج۔ میری مدد کرو اتنا انعام دوں گا تمہیں کہ کسی پشیمیں آرام سے رہیں گی۔“

”راجہ چندربھان میں خود یہاں قیدی ہوں۔“

”قیدی۔“

”ہاں یہ ایک بڑا سا کمرہ ہے اس میں ایک دروازہ

اور کچھ روشندان ہیں۔“

”اوہ۔ چندربھان کے بچے میں بھی مایوسی پیدا ہو گئی

کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے کہا تمہاری کمر میں نہ خبر

بندھی ہے۔“

• نہیں۔

• بیروں میں۔

• نہیں میں آزاد ہوں۔

”ارے بھائی تو دروازہ کھول کر دیکھو۔ دیکھو کھلا تو نہیں ہے۔“ چندر بھان نے کہا اور میں چونک پڑا میں نے دروازے کے قریب پہنچ کر اسے کھول کر دیکھا مگر وہ باہر سے بند تھا۔ چندر بھان نے پوچھا: ”کیا ہوا؟“ ”جلا۔“ ”بند ہے میں نے کہا۔“ چندر بھان مایوس ہو گیا۔

میں نے اسے کئی آوازیں دیں لیکن اس نے جواب نہیں دیا بعد میں میں نے دیوار کے اس حصے پر بھی ہزاروں کوششیں کر لیں لیکن وہ شس سے شس نہ ہوا کچھ دیر کے بعد میں نے چندر بھان کو بھر پکارا۔

”ہاں میں بیٹھا ہوں۔“

”تم مہاراجی کے شوہر چندر بھان ہو۔“

”شوہر!۔ اس نے کہا پھر بولا: ”کیا تم مسلمان ہو؟“

”ہاں۔ شاید تم نے لفظ شوہر سے اندازہ لگایا ہے۔“

”ایسا ہی ہے مگر... تم... تم... اس نے کسی مسلمان کو۔ تم اس کے پیر میں کیسے آپسے بھائی۔ کیا نام ہے تمہارا“

”مسعود۔“

”کیا ہوس کے جال میں آپسے تھے۔“

”نہیں میں نے کہا۔“

”پھر کیا ہوا تھا۔ مہاراجی بری آتا ہے۔ چندر بھانی ہے وہ کالی کی داسی ہے جیسی چاہے بن جاتی ہے۔ ایسی کرا انسان اسے دیکھے تو سدھ بدھ کو بیٹھے جسے وہ اپنی ندرت کے جال میں پھنسا چاہے اس کا پھنسا شکل ہو جائے کیا تم اس کے جال میں پھنس کر اس حال کو پہنچے ہو۔“

”نہیں چندر بھان۔ ایسا نہیں ہوا۔ میں تقدیر کے جال میں پھنس کر یہاں پہنچا ہوں۔“

”ہاں کیل تو سارے بھاگ کے ہوتے ہیں کہانیاں مختلف ہوتی ہیں: چندر بھان افسوس بھرے نیچے میں بولا۔

”تمہارے بدن میں زنجیریں کیوں باندھ دی گئی ہیں۔“

چندر بھان! جب کہ تم ویسے بھی یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ میں نے سوال کیا اور دوسری طرف سے چند لمحات تک جواب دلا۔ پھر اس نے کہا۔

”کیونکہ وہ مجھے جانتے ہیں۔ اسے میری قوتوں کا پتہ ہے اس نے مجھے یہاں رکھ کر تکلیفیں جو دی ہیں اس کے خیال میں میری طاقت اس طرح ختم ہو جائے گی مگر کتنی آخر کتنی۔“

چند نامہر بھی چند نار ہے گا۔

”چند نامہر نے سوال کیا۔“

”ہاں بھٹنڈہ۔ گوری۔ آس پاس ہی نہیں دور دور تک تم چند نامہر کا نام پوچھ سکتے ہو۔“

”مگر چند نامہر کون ہے۔“

”راجہ چند بھان۔ میرے سو رنگ ہاشمی پتا مہاراجہ سورج بھان راجہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے نامی گرامی پہلوان تھے۔ پہلوانی ان کا شوق تھا مگر ان کا یہ شوق میری ماما مانی چند نامہر کو بند نہیں تھا۔ مجھے یہ شوق تباہی کو دیکھ کر پیدا ہوا اور میں نے کھل کر پہلوانی نہیں کی۔ مگر چند نامہر کے نام سے بڑے بڑے پہلوان پھاڑتا رہا۔ ماما جی مر گئیں۔ چناچی سو رنگ ہاشم ہو گئے۔ میری شادی راجہ کمار کی روپ کلی سے ہو گئی مگر چند نامہر چند نار ہا۔ گوگ کبھی یہ نہ جان پائے۔ کہ چندر بھان ہی چند نامہر پہلوان ہے۔ مگر وہ جانتی تھی۔“

”کون۔“

”مہاراجی۔ چندر بھانی۔“

”وہ تمہاری بیوی نہیں ہے۔“

”نہیں۔“

”اور روپ کلی۔“

”روپ کلی۔ چند بھان کے حلق سے سسکی سی نکلی پھر اس کی آواز نہیں سنائی دی کچھ دیر کے بعد میں نے اسے پکارا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں خاموش ہو گیا اور اس کے بارے میں غور کرنے لگا۔

”نہ جانے کیا وقت ہوا تھا۔ جب میں نے دروازے پر آہٹیں سنیں اور چونک کر ادھر دیکھنے لگا دروازہ کھولا اور مجھے وہی سنخوس شکل والا نظر آیا جسے میں نے پہلے ہی دیکھا تھا۔ وحشی اور نیم پاگل۔ اس نے ایک بڑا سا تھال اندر کھسکا دیا۔ تھال میں پہلوں کے انبار تھے کیلے سیب انگور اور پیٹ سے کچے ناریل جو پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ تھال کھسکاتے ہی اس نے دروازہ پھرتی سے بند کر دیا تھا۔ میرے لیے خوراک تھی اور غبنی تھی اس سے اندازہ

ہوتا تھا کہ شاید کئی دن کے لیے ہے ناریل پانی کی ضرورت پوری کرتے تھے اس کا مطلب ہے کہ مہاراجہ نے مجھے یہاں مستقل قید رکھنا چاہتی ہے۔ جو کہ دیوانہ کیے دے رہی ہے۔ دو ناشائیاں چار کیلے کھائے اور ایک ناریل کا پانی پیادہ پر کمبوت طاری ہو گئی زمین پر بیٹ کر اٹھیں بند کر دیں پھر جانے کب آنکھ کھلی تھی گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ غالباً رات کا کوئی پہر تھا کہ نے کو کچھ نہیں تھا۔ صبر و سکون سے پھر نکھیں بند کر دیں اور دوبارہ اس وقت جا کا جب سورج کی کرنیں چمکتے دن کا پتہ دے رہی تھیں۔ دوران خون جاری رکھنے کے لیے اپنے اس قید خانے کے بہت سے چکر لگائے ابھی چکر لگا رہی رہا تھا کہ درختان کے دوسری طرف سے دیوار بننے کی آواز سنائی دی۔

”جاگ گئے“ دوسری طرف سے چند رجھان کی آواز آئی۔

”ہاں۔“
”میں کئی بار دیوار بچا چکا ہوں۔“
”ہاں میں سو رہا تھا۔“
”کچھ کھایا۔“

”ہاں وہ پھل رکھ گیا تھا۔“
”کون پنڈا؟ وہی بڑے بالوں والا؟ چند رجھان نے پوچھا۔“
”ہاں وہی۔ مگر۔“
”کچھ کہنا چاہتے ہو۔“
”دوسری ضروریات کے لیے کیا ہوتا ہے چند رجھان؟“
”جنگل پانی کی بات کر رہے ہو۔“
”ہاں۔“

”کچھ کریں گے۔ مجھے تو دس آدمی جنگل پانی کے لیے دن میں ایک بار لے جاتے ہیں اگر تمہارے پاس وہ آئیں تو سمجھو تمہیں مزادے رہے ہیں یہ سزا مجھے تین مہینوں کی قید میں ملی تھی۔“
”پھر تم نے کیا کیا تھا؟“
”وہی جو ایک مجبور انسان کر سکتا ہے۔ اس نے جواب دیا اور میں ایک پریشان کن کیفیت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ مولیٰ سی لیکن کتنی مشکل بات تھی۔“

”مسعود یہی نام بتایا تھا تم نے۔“
”ہاں۔“

”مجھے سے باتیں کر دو بھائی بڑا دل چاہتا ہے کسی سے باتیں کرنے کو۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ ہاں کیوں نہیں۔“
”تم نے اپنی جہاں مجھے نہیں سنائی۔“
”میری کوئی جہاں نہیں ہے ایک مسلمان شخص کے ہاں ملازم ہوں یہاں بھاری کپڑے لے کر آیا تھا مانی مہاراجہ نے پہلے مجھے مہمان رکھا۔ پھر قید کر دیا۔“
”کیا تم ایک خوبصورت مرد ہو تو جوان ہو؟ تم نے اس کا کوئی حکم ماننے سے انکار کر دیا ہے۔“
”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“
”کچھ تو ہو گا۔ کیا تم نے ہماری باغ کی سیر کی؟“
”ہاں۔“

”تم نے وہاں مجھے دیکھے ہوں گے۔“
”ہاں۔ میں نے دم روک کر کہا۔“
”تمہارا کیا خیال ہے۔ وہ بت ہیں۔“
”پھر۔۔۔۔۔؟“

”نہیں مسعود وہ سب انسان ہیں۔ سارے کے سارے کے سارے انسان ہیں انہیں کسی تنگ ساز نے نہیں بنایا بلکہ وہ مہاراجہ کے عتاب کا شکار ہیں جیتے جاگتے بہت دھرمی کی حکم عدولی کی سزا کاٹ رہے ہیں۔“
”اوہ۔۔۔۔۔ تو وہ سب۔“

”ہاں اور بھی نہ جانے کیا کیا ہے وہ پڑیل۔ پڈائن ہے انسانی خون پیتی ہے۔ انسانی گوشت کھاتی ہے۔ نئے نئے منتر اور جاپ کرتی رہتی ہے۔ کالی شکتی حاصل کرنے میں مصروف رہتی ہے تم نے کچھ داس کو دیکھا ہو گا۔“
”دیوان کالی داس۔“
”دیوان آہ تمہیں یہی بتایا گیا ہو گا۔“
”کیا مطلب؟“

”دیوان کالی داس میرا دوست تھا بچپن کا وفادار دوست۔ اس نے میری متیتیں کیں۔ مجھے بہت سہجایا مگر میں نے نہ مانی اور اس نے میرے لیے۔۔۔۔۔ میرے لیے جان دیدی۔ مگر کیا میرے ہاتھوں۔ میرا دوست میرے ہاتھوں

مر گیا۔ چند بھان کی آواز نہ گئی۔

”تو پھر کالی داس!“

”یہ مہادتی کا بیڑہ۔ جو دیوان کالی داس کے شراب میں رہتا ہے اور مہادتی..... مہادتی.....!“

”چند بھان تم مجھے اپنی پوری کہانی نہیں سناؤ گے۔ میں نے کہا۔“

”پوری کہانی۔ ہاں جی چاہتا ہے وہ کہانی دہرانے کو۔“

اپنے باپ سنانے کو جی چاہتا ہے۔ ہمارا جہ سوریج بھان زندہ تھے۔ ہمارا فی پچھا جیتی تھیں۔ میں اکیلا راج کمار تھا۔ ماتا پتا کی آنکھ کا تارا۔ ریاست انہی کے دور میں ختم ہو گئی۔ مگر ہلے پاس بہت کچھ تھا۔ ہم بھٹنڈا حویلی میں گئے۔ میں یہاں بھی خوش تھا۔ عیش کرتا تھا، پہلوانی کرتا تھا۔ ماتا پتانے ٹوپ کلی کو دیکھا کلی ہی کا روپ تھا۔ مجھے دکھایا اور میں نے شادی کی ہامی بھر لی۔ میرا بیاہ ہو گیا۔ ہم دونوں عیش سے زندگی گزارنے لگے۔ روپ کلی جی درتا تھی، وفادار تھی، مجھ پر جان دیتی تھی میری پہلوانی کے شوق کو اس نے میری وجہ سے ماتا جی سے چھپائے رکھا۔ جگلوں ہمیں پانچ سال تک اولاد نہ دی۔ اسے مہادتی مجھے نہ تھی۔ ایک بار میں بہت بڑی کشتی مار کر کالی داس کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔ ہم دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ دوپہر کا عے تھا۔ یکا یک دوپہر تھی۔ دھوپ ایسی کہ جیل اندھا چھوٹے گھوڑے پینے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بیچ میں پیل کا ایک بہت بڑا درخت پڑتا تھا اس پاس بھی بہت سے درخت میں میرا سن پل اٹھا میں نے کالی داس کے کہا کہ وہاں رکھیں گے۔ کالی داس بولا۔ ”یہاں رکنا خطرناک ہے۔ چند رہا راج۔“

”کیوں۔“ میں نے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ سانپ کنڈل ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں بھوت پریت کا راج ہے سر کئے اور چڑیاں رہتی ہیں۔ میں ہنسنے لگا سانپ کنڈل کے بارے میں میں نے بھی کہانیاں سنی تھیں مگر ہمیشہ اس کا مذاق اڑایا تھا۔ اس وقت بھی میں نے ہنس کر کالی داس کا مذاق اڑایا۔ اور اس بڑے پیل کے درخت کے نیچے گھوڑا روک دیا۔ یہاں بڑی ٹھنڈک تھی ہوا بالکل ٹھنڈی اور مست کو دینے والی تھی۔ گھوڑوں نے بھی گردنیں دال دیں۔ کالی داس بھی خاموش ہو گیا۔ ہم دونوں آرام کرنے لگے میں نے کہا۔ کالی داس بھوت پریت کہاں ہیں۔ اس نے خوفزدہ ہو کر کہا کہ

اس دوپہر میں ان چیزوں کا نام بھی نہیں لیتے۔ بہت دیر گزر گئی اچانک میں نے چمن چمن کی آواز سنی۔ کالی داس کی تو کھنکھن بندھ گئی۔ دہشت سے بولا چند رہا راج آگئی۔ کون میں نے پوچھا مگر اس کے منہ سے آواز نہ نکلی میں نے گردن اٹھا کر دیکھا رنگین کپڑوں میں ملبوس ایک سندری تھی۔ پیروں میں پہنے ہوئے جھانجن چمن چمن نچ رہے تھے، دھوپ سے چہرہ تسمتا رہا تھا اور وہ آگ جیسی نظر آرہی تھی۔ کالی داس نے آہستہ سے کہا کہ اس کے پاؤں تو سیدھے ہیں۔ چڑیل تو نہیں لگتی۔ سندری نے ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ پیل کے درخت کے نیچے دوسرے حصے میں وہ زمین پر بیٹھ گئی اور اپنی اور منی کے پوسے پکھا کرنے لگی۔ ہم دونوں سانس روکے چھپے اسے دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر وہ سیدھ سکھاتی رہی پھر چھوٹے چھوٹے کنکر اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر پھینکنے لگی۔ کسی دور کے درخت پر کوئل کو کی تو وہ بھی کوئل کوئل دونوں میں مقابلہ ہو رہا تھا اور وہ کوئل کی بولی بولی بول کر ہنس رہی تھی۔ میرا دل اسے دیکھ کر ڈھل گیا۔ بڑی سندھ رگ رہی تھی وہ۔ پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔

”کوئل کالی میٹھے میٹھے بول والی، بول میری کہاں۔“ اور میں اس کے سامنے آ گیا۔ وہ گہرا گئی ڈر گئی۔ اس نے بھی سہمی کالی آنکھوں سے مجھے دیکھا مگر ان آنکھوں میں خوف کے ساتھ پسند بھی تھی۔ اسی وقت دور سے ہیں گھوڑوں کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ ایک دیہاتی ہمارے دونوں گھوڑوں کی لگا میں پکڑے ادھر آ رہا تھا۔ قریب آ کر اس نے کہا ہمارا راج یہ گھوڑے آپ کے ہیں۔

”ہاں۔ یہ کہاں سے پکڑے تم نے۔“ اور ہمارے کٹیا ہے۔ یہ چرتے ہوئے ادھر نکل آئے تھے میں سمجھ گیا کہ کوئی مسافر ہیں جو پیل کے درختوں تلے سو گئے ہیں سو ادھر آ گیا۔ پھر اس نے روکی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ دارے مہادتی تو پھر دوپہر میں نکل سہاگی۔ اور وہ شرارت سے ہنسنے لگی۔ گھوڑے لانے والا بولا۔ ”سنبھالو ہمارا راج اپنے گھوڑے اور تو چل چند دینی کہیں کی۔“ وہ اسے ساتھ لے گیا مگر میں ٹکارا ہو گیا تھا اور اس کے بعد میں چپ چپ کر شیشو کے پاس آئے ہکا۔

”شیشو۔“ میرے منہ سے نکل گیا مگر چند بھان نے میری بات کا پھر جواب نہیں دیا اور بولا۔ ”مہادتی مجھ سے بے تکلف

ہوگئی اور میں زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارنے لگا میری
 ماما کا دیکھنا نہ ہو گیا۔ کوئی سال بھر بعد بتاجی بھی مر گئے سو روپ
 کلی اب مجھے بری لگنے لگی تھی۔ مگر بھڑا ستھا اسے۔ سمجھو سے
 میں نے کہا کہ ہما دتی کے مجھ سے پھر کے کرادے۔ وہ بولا کہ
 ہمارا ج وہ آپ کی ہے جب چاہیں اسے لے جائیں۔ ہم چند دے
 میں ہمارے ہاں پھرے نہیں ہوتے۔ اس سے میں چند دلوں کے
 بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ روپ کلی نے میں نے جھگڑتے
 لگا پھر ایک دن میں نے بتایا کہ وہ میری دوسری پتی ہے۔ روپ
 کلی روٹی پٹی مگر بے بس تھی۔ اہستہ اہستہ محل پر ہما دتی کا راج
 ہونے لگا۔ کالی داس ہمیشہ روپ کلی کا پاٹ لیتا تھا کئی بار میں
 نے اسے ڈانٹا تھا۔ مگر وہ کہتا تھا کہ ایک دن ہما دتی مجھ پر عیبت
 لائے گی۔ مجھے بہت برا لگتا تھا مگر دوستی کی خاطر خاموش ہو جاتا
 تھا پھر محل میں کچھ انوکھے واقعے ہونے لگے۔ مہینے دو مہینے میں
 ایک آدمہ داسی ختم ہو جاتی تھی۔ اور وہ بھی عجیب طریقے
 سے۔ اس کا بدن کسی جانور کا کھایا ہوا ملتا تھا۔ بڑی پریشانی
 ہوگئی۔ بہت سی داسیاں ماری گئیں۔ ایک دن اکیلے میں کالی
 داس نے ایک سادھو کو میرے سامنے پیش کیا اور کہا: یہ دینی رام
 جوگی ہیں۔

• پھر میں کیا کروں؟

• پچھلے دنوں یہ میرے ساتھ کام کرتے تھے۔

• کیا کام کرتے رہے ہیں۔

• ہما دتی کے بارے میں معلومات؟ کالی داس نے کہا۔

میں نے غصے سے کالی داس کو دیکھا اور وہ جلدی سے دینی

رام جوگی سے بولا: بتاؤ دینی رام جی۔

• تیرے محل میں چند دینی آبی ہے چند رہبان۔ یہ جادوگر نیاں
 ہوتی ہیں جو خون پیتی ہیں ماس کھاتی ہیں اور اپنے جاپ پورے
 کرتی ہیں جاپ پورے کرنے کے لیے انہیں عورتوں کا بلیا ناخ
 دینا پڑتا ہے، ہو سکتا ہے وہ چند دینی تیری دوسری دھرم پتی
 ہی ہو۔

• تم یہاں سے فوراً نکل جاؤ جوگی ہمارا ج۔ درز میں تمہاری
 گردن اڑا دوں گا۔ سمجھے میں نے دھکے دے کر جوگی ہمارا ج
 کو نکال دیا اور کالی داس سے کہا: کالی داس تم حد سے بڑے
 رہے ہو۔ تم نے ہما دتی سے جو بیرباندھا ہے وہ نہ تمہارے
 کام آئے گا نہ روپ کلی کے۔ اس کے بعد ہما دتی کے بارے میں

کچھ نہ کہنا۔ کالی داس خاموش ہو گیا۔ بہت دن گزر گئے۔ پھر
 ایک دن ہما دتی نے مجھ سے کہا۔

• تمہارا نمک کھاتی ہوں چند رہبان تمہارے پیچھے
 کا خیال رکھنا میرا دھرم ہے۔ کچھ کہنا چاہانی ہوں۔

• کیا بات ہے ہما دتی۔

• تمہارا دیوان تمہارا وقار نہیں ہے۔

• کیا مطلب۔

• اور نہ تمہاری دھرم پتی روپ کلی۔ میں اس سے زیادہ
 اور کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس سے زیادہ کچھ اور سننے کی ضرورت بھی
 نہیں سمجھتی تھی میں نے۔ میں غصے سے بے قابو ہو گیا۔ سیدھا
 روپ کلی کے پاس پہنچا اور اس سے نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالا۔

روپ کلی آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھتی رہی اور میرا گردن جھکا کر
 خاموش ہو گئی۔ پھر دوسری صبح مجھے داسیوں نے آکر بتایا کہ روپ
 کلی زہر کھا کر مر گئی۔

• مر گئی۔ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

• ہاں..... عورت والی تھی۔ اپنے اوپر گندے الزام برداشت
 نہ کر سکی زہر کھایا اس نے۔ اس کی ارنجی اٹھی تو کالی داس بے قابو
 ہو گیا۔ اس نے مجھے برا بھلا کہا۔ میں غصے میں تو تھا ہی میں نے کالی

داس پر حملہ کر دیا۔ مگر ہما دتی نے مجھے مارنے سے روک

دیا اس نے کہا کہ کالی داس کو کال کوٹھری میں بند کر دیا جائے۔

• یہی اس کی سزا ہے۔ میں کالی داس کو ختم کرنے پر تلا ہوا تھا

مگر ہما دتی نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی میں نے

نودن تک کال کوٹھری میں رکھا۔ دسویں دن جب میں نے اسے

نکالا تو وہ میرے قدموں میں گر گیا اس نے مجھ سے معافیاں

مانگیں اور تصدیق کی کہ روپ کلی بری عورت تھی۔ اس طرح میرے

دل میں جو خلیش پیدا ہو گئی تھی وہ ختم ہو گئی، میں شانت ہو گیا

روپ کلی کی آتم ہتھیا کا خیال میرے دل سے نکل گیا یوں کئی

سال بیت گئے۔ اب محل پر ہما دتی کا راج تھا وہ ہی سیاہ

سفید کی مالک تھی۔ میں اس کے کسی معاملے میں نہیں ہوتا تھا۔

مگر محل میں داسیاں پھر بھی مرقی رہیں، بہت سی بھاگ گئیں

یہ بھید میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ بات یہیں تک نہیں رہی۔

کئی بار میں نے محل میں کچھ نوجوانوں کو دیکھا بعد میں ان کے غم

بارغ میں بکے ہوئے دیکھے۔ مجھے پھولوں کا ہمیشہ سے شوق تھا

اور میں نے نہ جانے کہاں کہاں سے پھول منگا کر اپنے بارغ

میں سمجھائے تھے ان پھولوں کے بیج بے بہت برے لگتے تھے۔ مہادتی نے کہا کہ یہ اس کا ثبوت ہے میں خاموش ہو گیا۔ کافی دن کے بعد ایک بار مجھے جوگی دھنی دھام پھر لگیا۔ مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا اور بولا: کیوں چند سو رہا۔ مزے کر رہا ہے۔

• کیا مطلب ہے تمہارا؟
• آنکھوں کے اندھے ہمیشہ دیکھے مگر عقل کے اندھے کو پہلی بار ہی دیکھا ہے۔

• وہ کون ہے؟
• تو اور کون؟

• اگر تم اتنے بوڑھے نہ ہوتے تو ہمیں اس کا جواب دیتا جوگی ہمارا ج۔ میں نے غصے میں کہا۔
• ہاں۔ بہت بڑا پہلوان ہے تو میری ہڈیاں چر مرادیتا اور کیا کرتا۔

• پہلوان.....؟ میں نے حیرانی سے کہا۔
• چندنا پہلوان۔

• کس نے بتایا تمہیں؟ مجھ گیا۔ کالی داس نے بتایا ہو گا۔
• بے چارہ کالی داس اپنی نیکیوں کا گھاد کھا گیا اپنی نیکیوں کے ہاتھوں مار گیا۔ دھت ترسکا اندھے، مجھے سزا ملے گی اس معصوم دھرم جینی کی موت کی چند بھان جو پو تر تھی، اس وفادار دست کی موت کی جھکتے کی طرح وفادار تھا تیرا۔ میں مسکرایا میں نے کہا۔ تمہیں کالی داس کی موت کے بارے میں کس نے بتایا ہمارا ج۔

• تیری طرح عقل کا اندھا نہیں ہوں میں۔ دھنی رام نے غصے سے کہا۔

• کالی داس سے ملوگ ہمارا ج۔ میں نے طنز سے کہا۔
• اس گندے برے جو کالی داس کے شر میں رہتا ہے؟
• کیا کہتے ہو۔ میں غرایا۔

• بکت نہیں پہنتا ہوں۔ کالی داس بے چارہ تو اس کالی کو ٹھہری میں بھوکا پیاسا مر گیا اور جو نہیں اس کی آتھلنے اس کا شریر چوڑا چنڈ دلتی کے برے اس کے شر میں آکر۔ چنڈ دلتی کا کام پورا کر دیا۔ اسے کالی داس کی ضرورت جو تھی تاکہ تیرے بعد دیوان کے ذریعہ تیری دولت منہا لے سکے۔ تو حد کے آگے بڑھ رہا ہے۔ دھنی رام۔ گندے الزام لگا رہا

مہادتی پر میں تیرے گردن اڑا دوں گا۔

• مہادتی نہیں، مہادتی کہہ اسے بڑی ہان ہے وہ تحقیقات کر۔ مجھے بہت جلد سب کچھ پتہ چل جائے گا۔ ذرا سوچ دو بے اپنے باغ میں چلے جانا اور ان مجسوں سے ان کی بیٹا پوچھ لینا۔ اپنی کہانی سنادیں گے تجھے۔ اور آج آہا۔ آج کی رات کام کی ہے۔ ٹھیک ہے آج کی رات۔ پرانی حوٹلی کے نیچے جو تہ خانہ ہے اس میں خود جا کر اپنی پھوٹی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لینا۔

دھنی رام چلا گیا مگر وہ مجھے حیران کر گیا تھا سودا۔ ایسی اندر کی باتیں کہی تھیں اس نے کہ کوئی انہیں نہیں جانتا تھا پرانی حوٹلی ہی جگہ ہے جہاں ہم قید ہیں اس کے نیچے تہ خانہ بھی ہے جس کے بارے میں کسی دوسرے کو نہیں معلوم میرے دل میں کرید سی پیدا ہو گئی میں کچھ پریشان ہو گیا۔ اس شام میں باغ میں آنکلا۔ ان مجسوں کے بیچ گھومنے لگا۔ سبھی مجھے کسی نے سرگوشی میں پکارا۔ میں نے حیرت سے اس ٹھمے کو دیکھا جو مجھے بلارہا تھا۔

• تم زندہ ہو۔ میں نے اسے چھوتے ہوئے پوچھا۔
• ہم تو جو میں وہ تم دیکھ رہے ہو مگر تم فردر زندہ ہو بھاگ جاؤ یہاں سے جتنی جلدی ہو بھاگ جاؤ۔
• کیوں۔

• وہ جادوگر تھیں بھی پتھر کا بنا دے گی۔
• کون۔

• مہادتی۔ وہ کالکی ہے۔ کالی کی بھان وہ ہیں اپنے کالے جادو کو پورا کرنے کے لیے نوکری کے دھوکے سے بلاتی ہے، ایسے حکم دیتی ہے جو ہم پورے نہیں کر سکتے اور پھر وہ ہیں سزا دیتی ہے پتھر کا بنا دیتی ہے تم بھاگ جاؤ۔ فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔ بولتے تھے مجھے ایک ہی کہانی سنار ہے تھے اور میرا دل دبا جا رہا تھا۔ دپ کلی یاد آرہی تھی۔ کالی داس پر بھی غور کر رہا تھا اور اب غور کرنے پر وہ بھی مجھے بدلا بدلا لگنے لگا تھا آہ اس کا مطلب ہے دھنی رام۔ کچھ کہہ رہا تھا۔ میں پھیل کے نیچے آتھ کا شکار ہو گیا تھا اور دار میں نے اپنے دوست کو، اپنی دھرم جینی کو اس کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ میرا دل دکھ رہا تھا پھر میرے اندر دھواں، اٹھل میں نے دانت پیستے ہوئے سوچا۔ کہ اگر سچ ہے تو..... تو ہمیں مہادتی کو زندہ جلا دوں

گیا۔ اسے جیتا نہیں چھوڑوں گا۔ دھنی رام کی دوسری بات بھی مجھے یاد تھی۔ حویلی کے تہ خانے والی۔ چنانچہ میں رات ہوتے کا انتظار کرنے لگا۔ پھر کافی رات گئے میں دبے پاؤں حویلی کے تہ خانے میں داخل ہوا۔ یہ تہ خانہ دیراٹ پڑا رہتا تھا مگر اس وقت وہاں روشنی تھی۔ سرخ روشنی جو ایک جلتے الاؤ سے اٹھ رہی تھی۔ تہ خانے میں کوئی تھا۔ مگر کوئی تھا۔ میں نے ایک سون کی آڑ سے دیکھا اور جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر میرا دماغ سُٹ ہو گیا۔ ایک داسی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس سے خون ابل رہا تھا اور اس کے قریب ہمارا قاتی جس کا رنگ اس سے گہرا کالا تھا چہرہ بھیانک اور خون میں لہرا ہوا تھا دونوں ہاتھوں اور پیروں کے بل جھکی اس کا ماس کھا رہی تھی۔ میرے قدموں کی پاپ اس نے سن لی۔ آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا.....



وہ آنکھیں، وہ آنکھیں کسی انسان کی نہیں تھیں۔ اس کی سفید پوں میں تیلیوں کی جگہ دو سیدھی کھڑی چمکدار لکیریں نظر آرہی تھیں۔ اس کا رنگ گہرا کالا ہو رہا تھا جگہ جگہ خون کے دھبے نظر آرہے تھے۔ ہمارا قاتی کو اس کیفیت میں دیکھ کر میرا غصہ تو ہوا ہو گیا، خوف سے میری ہیکلی بندھ گئی میں نے بھاگنے کے لیے قدم اٹھائے مگر میرے پاؤں میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ شاید میں اس کے سحر میں جکڑ گیا تھا۔ اس جادوگر نے مجھے دیکھ کر مجھ پر اپنا کوئی جادو آزمایا تھا۔ پھر میں نے اپنے پیچھے تہ خانے کا دروازہ بند ہوتے ہوئے سنا۔ میرا بدن تھرا تا ہوا اور وہ میری لگا ہوں کے سامنے ایک انسانی جسم کو خونخوار درندے کی طرح بھنپوڑتی رہی۔ پھر اس نے اپنی کوئی آٹھ انچ لمبی سرخ زبان باہر نکالی، اس زبان کو پورے چہرے پر گھما کر اس نے خون کے دھبے صاف کئے اپنے ہاتھوں کو چاٹا، اس وقت وہ صرف ایک بھیانک درندہ معلوم ہو رہی تھی جو انسانی روپ میں تھا میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوجھا تھا۔ کہ جس کے ساتھ میں نے زندگی کا اتنا وقت گزارا جس کے لیے میں نے نملنے کس کس کو قربان کر دیا وہ انسان نہیں بلکہ ایک گندی آتما ہے دھنی پج کہہ رہا تھا اور اب اس کی کسی بات میں کوئی شک نہیں رہا تھا مجھے، محل میں جو داسیاں گم ہو گئی تھیں یقیناً ان کے جسموں کی ہڈیاں اسی تہ خانے میں پڑی سوکھ رہی ہوں گی وہ عورت ان سب کی قاتل تھی اس نے انہیں کھایا تھا اور یہ تصور میرے لیے اتنا بھیانک تھا کہ میرا بدن ہی میرا ساتھ چھوڑ گیا تھا سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو گئی تھیں روپ کلی بھی یاد آرہی تھی، میری وفادار بیوی جس پر میں نے اس پاپن کی وجہ سے شک کیا تھا، کافی داس میرا وفادار ساتھی، میرے بچپن کا دوست، اب اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ اسی پاپن کا بیر تھا مجھے اب تک اپنی ذات کو درپیش کسی خطرے کا احساس نہیں ہوا تھا۔ اسی کے جال میں جکڑا ہوا تھا۔ وہ شاید اپنا پیٹ بھر چلی تھی، اس کے بعد اس نے مجھے دیکھا مسکرائی اور لمبی کی طرح دونوں ہاتھ اگے کر کے اور پاؤں پیچھے کر کے اس نے انگوٹھی لی۔ پھر زمین پر دو چار ٹومیں لگائیں اور اس طرح آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی جیسے سو گئی ہو لیکن میں نے اس کے وجود کو تبدیل

ہوتے ہوئے دیکھا اس کے بدن کی سیاہی چھٹ گئی اور وہ بالکل پہلے جیسی ہو گئی۔ اس نے قریب ہی پڑا ہوا سفید لباس اپنے کاندھوں پر ڈالا اور پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے سامنے پہنچ گئی۔ اب اس کی آنکھیں بالکل ٹھیک تھیں میرے جسم میں جیسے دوبارہ زندگی دوڑ گئی۔ میں نے ایک بار پھر بری سی لی اور خوشنوار آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا تب میں نے پٹی پٹی ادا میں کہا۔

• یہاں تو کون ہے، میں مجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا تو..... تو میری روپ کلی کی قاتل ہے اور تو نے اتنی داسیوں کو اپنی بھینٹ چڑھا دیا ہے، بتا تو کون ہے، کون ہے تو؟
• آرام سے بیٹھ کر بائیں کرو چندر بھان، یہ جگہ تمہیں کسی لگی۔

• میں تجھے پوچھتا ہوں، مرنے سے پہلے مجھے اپنے بارے میں بتا دے تو اچھا ہے، مجھے زندہ چھوڑنا میری زندگی کا بدترین گناہ ہوگا۔

• کالکی ہوں۔ کالی مائی کی پجاری ہوں اور کیا بتاؤں تمہیں، گیان حاصل کر رہی ہوں، فکرتی حاصل کر رہی ہوں، جیون بڑھ رہی ہوں اپنا، یہ انسانی گوشت، انسانی خون میری زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہے، سمجھ رہے ہونا، اور کیا پوچھنا چاہتے ہو؟

• مگر تو..... تو؟

• ہاں ہاں بولو۔

• تو نے مجھے دھوکا دیا۔ تو مجھے وہاں انسانی روپ میں ملی تھی۔

• یہ تو ہمارا کام ہے چندر بھان جی، اگر میں وہاں تہلے سے من کو نہ بجاتی، تو تم مجھے یہاں تک کیسے لے آتے، اگر میں تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیتی تو سو گند کھا کر ہو، وہی کرتے تم جو تمہنے کیا، مجبوری تھی ایسی کون بات ہے مگر تمہیں اس کو جان میں پڑنا نہیں چاہیے تھا۔ جو کچھ میں کر رہی تھی مجھے کہنے دیتے یہ سب کچھ تو سیکڑوں سال سے کر رہی ہوں، سیکڑوں سال سے.....

• کیا مطلب ہے؟

• اب سارے ہی مطلب جان لو گے، ڈھائی سو سال ہے میری عمر سمجھ، ہو سکتا ہے اس سے بھی کچھ زیادہ ہو۔

ڈھائی سو سال سے جی رہی ہوں میں۔ اور..... اور ہزاروں سال جینا چاہتی ہوں ہزاروں سال جیتی رہوں گی، سچوڑا سا کام کرنا ہے مجھے بس فکرتی حاصل کرنا میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے اور میں کالی نکلتیاں حاصل کر کے اپنے آپ کو امر کر لینا چاہتی ہوں۔

• دوسروں کی زندگیوں سے کھیل کر؟

• ہاں..... یہی تو کالی فکرتی کی مانگ ہوتی ہے۔ کالے جادو

کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تم، یہی وجہ ہے چندر بھان جی اور عام لوگوں کو جاننا بھی نہیں چاہیے۔ جو جان لیتے ہیں وہ فکرتی مان بن جاتے ہیں یا فکرتی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اب تم دیکھو نا جنہوں نے جان لیا، وہ پتھر کے مجسموں میں تبدیل ہو گئے۔ مگر تمہارے ساتھ ایسا کرنا ذرا ٹھیک نہیں رہے گا

چندر بھان جی۔ پتی ہونا تم میرے، راج مل کے مالک ہو، پتہ نہیں کہاں تمہاری ضرورت پیش آ جائے، میں اپنے کام کو کر سکتی ہوں لیکن جو کام تمہیں کرنے ہوتے ہیں وہ کون کرے گا۔

اس کا ایک ہی طریقہ ہے چندر بھان جی، راج مل کے مالک جیتے رہو اور ایسے جو کہ سنار۔۔۔ تمہارا کوئی واسطہ نہ رہے۔

واسطہ رکھو گے تو میرے خلاف کام کرتے پھر وگے، مجھے بھی پریشانی ہوگی۔ تمہیں بھی اور انہیں بھی۔ اس سے بچاؤ کا ایک

ہی طریقہ ہے۔ تم بیمار ہو جاؤ چندر بھان، سمجھے۔ تم بیمار ہو کر اسی پریشانی حویلی میں رہو کوئی تکلیف نہیں ہوگی تمہیں

جیتے رہو گے۔ مگر ایسے نہیں کہ یہاں سے کہیں باہر چلے جاؤ

اور میرے لیے پریشانیاں پیدا کرو۔

• مجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا میں، مجھے زندہ نہیں چھوڑوں

گا۔ وہ ہنس پڑی۔ پھر اس نے زمین پر سے کوئی چیز اٹھائی منہ کے قریب لا کر اس پر کوئی منتر پڑھا اور میری جانب

اچھال دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے بدن میں آگ لگ گئی ہو، ایسی آگ کہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا نہ میرے کپڑے

جل رہے تھے نہ کہیں سے بواٹھ رہی تھی۔ نہ دھواں نکل رہا تھا۔ لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے شعلے مجھے جاٹ

رہے ہوں۔ میرے حلق سے دہشت بھری آوازیں نکل رہی تھیں اور میرا شریر جل رہا تھا، میں زمین پر گر کر لوٹنے لگا اور

اس کے قبضے تہ خانے میں گونجتے رہے پھر یہ آگ رفت رفت ٹھنڈی پڑتی چلی گئی، آگ تو ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی

مسعود۔ بلکہ میرا دماغ ہی ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ جب ہوش آیا تو اس کمرے میں تھا جس کمرے میں تم اب مجھے دیکھ رہے ہو۔ میں اب بہتر کیفیت میں تھا بس ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے بدن کا سارا خون پھوڑ لیا ہو۔ جان ہی نہیں رہی تھی۔ میرے ہاتھوں پیروں میں زمین پر چیت پڑا ہوا تھا۔ بہت دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر ذرا بدن میں کچھ جان واپس آئی تو ہمت پکڑ دی، اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور ان واقعات کے بارے میں سوچنے لگا۔ پرانی حویلی کے اس کمرے کو میں اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ظاہر ہے میرے پرکھوں کی حویلی تھی اس نے مجھے قید کر دیا تھا اور یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم تھی کہ وہ دروازہ کھولے بغیر میں باہر نہیں نکل سکتا اور دروازہ باہر سے بند ہو تو کوئی بڑے سے بڑا سوراخ اسے توڑ نہیں سکتا، یہ پرانے دور کے بنے ہوئے دروازے ہیں ان پر بڑی ضربیں لگائی جائیں تب بھی ٹس سے مس نہ ہوں، جب کہ میرے پاس یہاں کچھ نہیں تھا۔ خالی ہاتھ تھا میں۔ تب پہلی بار میں نے چنڈا کو دیکھا وہ آدمی جو اس دن ہمیں بھی نظر آیا تھا، گونگا چنڈا وہ کون ہے کیا ہے میں نہیں جانتا۔ شکل و صورت سے وہ بھی مجھے کوئی گندمی آتما ہی لگتی ہے مگر میں چنڈا کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ میرے لیے کھانے پینے کی چیزیں لایا تھا جو ایک تھال میں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے یہ تھال رکھا واپس پلٹا تو میں نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے دبوتج یا وہ گینڈے جیسی طاقت رکھتا تھا۔ کسی بھینے کی طرح کھمار کر دیواریں ہلا سکتا تھا۔ مگر مقابلہ چند نا سے ہو گیا تھا اور چند نا میرے بارے میں۔ میں نہیں بتا چکا ہوں کہ اس کا نانی بھٹنڈہ اور اس کے اس پاس کہیں نہیں تھا میں اس سے زود آنا کر تار ہا۔ بلکہ اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ بالآخر میں نے اسے کندھے پر اٹھا کر زمین پر دے مارا اور اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ لیکن مجھے محسوس ہوا کہ پیچھے کوئی آیا ہے اور ایک بار پھر میرے حلق سے دہشت بھری جینیں نکلنے لگیں، اسی آگ نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ آہ دربار میں اس آگ سے دوچار ہو چکا ہوں اور شاید الفاظ میں نہیں اس کی جلن بتا سکوں، ایسی شدید آگ ہوتی ہے کہ سب گوان ہر انسان کو اس سے محفوظ رکھے، وہ نہ کھڑکی آگ ہے، مسعود نہ کھڑکی آگ ہے۔ اس آگ نے ایک بار پھر مجھے بے ہوش کر دیا

اور اس کے بعد جب دوبارہ مجھے ہوش آیا تو آگ ٹھنڈی ہو چکی تھی لیکن میرے ہاتھوں پیروں میں اور کمرے میں یہ زنجیریں پڑی ہوئی تھیں۔ زنجیروں کی لمبائی اتنی ہے کہ میں میں تھوڑی ہی دور تک پہنچ سکوں۔ چنڈا آتا ہے میرے لیے کھانے پینے کی چیزیں لاتا ہے، مجھے جنگل پانی کو لے جاتا ہے مگر اپنا فاصلہ اتنا رکھتا ہے کہ وہ کمرے میں اس تک نہ پہنچ پاؤں اور اس وقت سے میں اسی طرح جی رہا ہوں۔ سب گوان کی سوگند ایک بار مجھے ان زنجیروں سے نجات مل جائے تو میں کم از کم چنڈا کو فردر ہلاک کر دوں اس پانی کو۔ جو گونگا ہے، لیکن اس عورت کا ہر کارہ ہے۔ یہ ہے میری کہانی مسعود، میں نہ جانے کب سے یہاں قید ہوں اس نے مجھے بیمار مشہور کر رکھا ہے کسی کو میرے پاس نہیں آنے دیتی بہت چالاک ہے وہ انجانے کس کس طرح لوگوں کو مالتی رہتی ہے۔ میں جانتا ہوں جب تک میں جیتا ہوں وہ میری فردرست خوش کرتی ہے، مر جاؤں گا تو وہ اس وقت تک سارا نظام سنبھال چکی ہوگی۔ کبھی کبھی وہ مجھ سے کاغذوں پر دستخط کرانے آتی ہے اور میں اس کے جادو کے زیر اثر اس کے کہنے پر عمل کر لیتا ہوں مگر جب وہ چلی جاتی ہے تو جادو کا اثر مجھ پر سے ختم ہو جاتا ہے اور اس وقت اس کے لیے میرے دل میں نفرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا ایسی زندگی گزار رہا ہوں میں۔ یہ زندگی گزار رہا ہوں۔ میں شدت حیرت سے گنگ تھا، زبان کچھ کہنے سے قاصر تھی اس نے ہادوقی کی جو شکل بتائی تھی اس شکل میں اس بھی ہادوقی کو دیکھ چکا تھا ایک لفظ جھوٹ نہیں معلوم ہوتا تھا چند رجھان کا اور اس طرح ہادوقی کی شخصیت بھی سامنے آجاتی تھی کس جال میں پھنس گیا میں..... نہ مجھے اس جادوگر کی زندگی سے کوئی دلچسپی تھی نہ موت سے۔ میں تو یہاں سے واپس جانا چاہتا تھا۔ حاجی فیاض الدین احمد نے نجانے مجھے کس مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔ کم بخت نوشاد چلا گیا تھا۔ سب گوان پر شاد اپنی جان بچا کر نکل گیا تھا اور میں یہاں اس عذاب میں گرفتار ہو گیا تھا اس نے مجھے کیوں قید کر رکھا تھا۔ کیا وہ میرا بھی گوشت کھانا چاہتا ہے لیکن اب تک تو جو بات علم میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ عورتوں ہی کو کھاتی ہے اور اس دن بھی میں نے ایک عورت ہی کے جسم کو دیکھا تھا یعنی رجناتی، معصوم اور

مظلوم رجا دتی۔ چند لمحات کے بعد چند سبحان کی آواز سنائی دی۔ ڈر گئے۔ ڈر گئے تم۔؟

نہیں چند سبحان سوچ رہا ہوں اس کے بارے میں؟ کوئی اس کے بارے میں ڈرے بغیر بھی سوچ سکتا ہے مگر تم سے وہ ضرور کچھ چاہتی ہوگی۔ دیکھو مشورہ دیتا ہوں تمہیں۔ بھاگ سکتے ہو بھاگ جاؤ اور اگر نہیں بھاگ سکتے تو پھر جو کچھ وہ کہہ رہی ہے وہ کر لو۔ ورنہ پتھر بنا دیئے جاؤ گے۔ ہو سکتا ہے اگر تم سے اس کا مقصد پورا ہو جائے تو وہ تمہیں نکل جانے دے یا پھر تمہیں اپنا مستقل ساسنی بنالے اگر ایسا بھی ہو جائے تو تمہارا ہی نہیں بہتوں کا بھلا ہوگا۔ اس سے یہ معلوم کرنا کہ وہ کیسے کسی جال میں چسپاں ہو سکتی ہے۔ اور ہم سب کیسے بچ سکتے ہیں؟

چند سبحان اگر چنڈا ہلاک ہو جائے تو میں تمہیں یہاں سے رہا کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔

چنڈا تمہارے بس کی بات نہیں ہے کسی کے بھی بس کی بات نہیں ہے۔ میں ہی مار سکتا ہوں اسے ایک بار وہ میرے قبضے میں آجائے کہ وہ جو زبان سے کہہ رہا ہوں کر کے دکھا دوں گا، نہ کروں تو کتا کہہ دینا۔ چند سبحان مت کہنا۔

تو پھر ٹھیک ہے چند سبحان، میں کوشش کروں گا کہ چنڈا تمہارے ہاتھ لگ جائے۔ چند سبحان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یقینی طور پر میری بات ہی اس کی سمجھ میں نہیں آتی ہوگی۔ لیکن یہ الفاظ ابھی بلاوجہ نہیں کہے تھے۔ دلدل کے اوپر ایک ایسی چھوٹی سی جگہ بنی ہوئی تھی جو دروازے ہی کا ایک حصہ تھی لیکن۔ لیکن کچھ کیا جا سکتا تھا، وہاں سے کچھ کیا جا سکتا تھا، اور میں اس

بارے میں سوچتا رہا۔ پھل ختم ہو گئے گل مر گئے اور مجھے بہت سی مشکلات سے گزرنا پڑا۔ غالباً تیسرا دن تھا جب چنڈا ابھر آیا۔ گلے مٹے پھل اٹھا کر لے گیا، انے پھل رکھ گیا۔ ابھی تک ہمدانی کی طرف سے مجھے نہ تو کوئی پیام ملا تھا اور نہ ہی کسی نے میری خبر گیری کی تھی چنڈا کے بارے میں یہ اندازہ میں نے لگا لیا کہ وہ قیسرے ہی دن پھر آئے گا۔ اس دوران میری اور چند سبحان کی باتیں ہوتی رہتی تھیں اپنے بارے میں، تو میں نے چند سبحان کو کوئی خاص بات نہیں بتائی۔ مگر وہ اپنے پرکھوں کے بارے میں بچانے

کیا کیا کہانیاں سناتا رہتا تھا۔ مندرت بھی کرتا تھا مجھ سے کہ وہ زیادہ بوتا ہے۔ مگر میں نے اسے اجازت دے دی تھی۔ میں جانتا تھا کہ انسان کی ذہنی کیفیت تنہا رہ کر کیا ہو جاتی ہے۔ پھر چنڈا دن ہو گیا۔ کچھ پھل بچ گئے تھے زیادہ تر میں نے کھائے تھے۔ کمرے میں ناقابل برداشت بدبو پھیل چکی تھی۔ طبیعت ویسے ہی ہر وقت متلاقی رہتی تھی۔ آج زندگی اور موت کی بازی لگانے کا فیصلہ کر چکا تھا پہلے مجھ سے نمٹ لیا جائے اور اگر اس میں کامیابی ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ پھر جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا یہاں رہنا اب میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ چنڈا کے آنے کا وقت ہو گیا۔ میں نے اپنے جسم کو سمیٹا اور دروازے کے اوپر بنی ہوئی چھوٹی سی جگہ چڑھ گیا۔ اس مختصر جگہ پر خود کو سنبھالنا بہت مشکل کام تھا لیکن یہ زندگی بچانے کا معاملہ تھا اور ایسے اوقات میں انسان وہ کچھ کر جاتا ہے جو عام حالات میں کسی طور ممکن نہ ہو۔ میں چھپکلی کی طرح وہاں چپکار ہا خوش قسمتی سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دروازے پر آہٹ آئی دروازہ کھلا اور چنڈا انے پھل اٹھائے اندر داخل ہو گیا۔ وہ جھونک میں سیدھا آگے بڑھ گیا۔ یہی موقع تھا۔ میں نے بدن کو سکڑ لیا اور جھپاک سے دروازے سے باہر رینگ گیا۔ مجھے نہ پا کر چنڈا کی کیا کیفیت ہوئی اس کا اندازہ لگانا تو ممکن نہیں تھا۔ لیکن اس وقت صورت حال اچانک دوسری شکل اختیار کر گئی یہاں سے نکل کر بھاگ سکتا تھا۔

ایسی سمیت اختیار کر سکتا تھا جس سے محل سے ہی باہر نکل جاؤں۔ لیکن یہاں ایک مصیبت زدہ اور تنہا۔ تنہا بے سراسر۔ یہ غیر انسانی عمل تھا اپنی ذات سے پیار کسی اور سے اپنی ذات کے لیے اجتناب تو پوری زندگی نہیں کیا تھا اب کیا کرتا۔ سوچنے کا وقت نہیں تھا جو کچھ بھی کرنا تھا برق رفتاری سے کرنا تھا۔ چنانچہ آگے بڑھ کر چند سبحان کے کمرے کی کنڈی کھولی اور دروازے کا پٹ بھی تھوڑا سا کھول دیا۔ چند سبحان کی بتائی ہوئی کچھ باتیں یاد تھیں اور اس وقت ان پر عمل کرتا تھا۔ چھپنے کے لیے ایک تون تلاش کیا ہی تھا کہ چنڈا کی غراہٹیں سنائی دیں۔ وہ آندھی ٹوفان کی طرح باہر نکلا اور ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ اس پر دیوانگی سی طاری تھی۔ میں ستون کی آڑ میں چھپ کر اسے

دیکھنے لگا پھر چنڈا کی نگاہ چندر بھان کے قید خانے کے دروازے پر پڑی وہ اس طرف دوڑا۔ دروازے کو پھٹا کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ چنڈا کمرے میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور چندر بھان اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ شاندار قتل و قوتش کے مالک چندر بھان کے چہرے پر چنڈا کی پشت میری طرف تھی۔ دروازے سے اندر گھستے ہی میں نے خود کو سینھالا اور پھر پوری قوت سے چنڈا کو آگے دھکیل دیا اس کے ساتھ ہی میں نیچے گر گیا۔

”چندر بھان سنہالاو اسے چنڈا سنبھال نہ پایا اور چندر بھان سے کچھ فاصلے پر جا کر۔ چندر بھان فوراً میرا مقصد سمجھ گیا۔ اپنی وزنی زنجیریں سنبھالے وہ چنڈا کے پیچھے آ گیا۔

”کھڑا ہو جاوے ہمارا قتل کے پٹے بڑا مباحساب کرتا ہے تجھ سے“ اس نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔

چنڈا کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آرہے تھے۔ وہ بھاگنے کا راستہ تلاش کر رہا تھا۔ چندر بھان چیخا۔

”دروازہ..... دروازہ..... میں نے پھرتی سے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ چنڈا نے بھیا نک بیچ ماری اور ایک طرف ہو کر نکل بھاگنے کی کوشش کی لیکن چندر بھان نے زنجیر اتھا دی اور وہ الجھ کر گر پڑا۔ بڑے دنوں سے پیاس ہے سرے آنج بھجے گی۔ اس کے ساتھ ہی وہ چنڈا پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے چنڈا پر گرفت قائم کر لی۔ اور چنڈا اس کی گرفت سے نکلنے کے لیے زور لگانے لگا۔ چندر بھان بولا۔

”تم مسعود ہونا۔“

”ایں..... ہاں۔“

”میں نے تمہیں چند نا کے بارے میں بتایا تھا۔“

”ایں..... ہاں۔“

”تو دیکھو چند نا کو۔ یہ ہمارا قتل کا پٹھا ہے گندی آتما کی پر..... مگر چند نا اکھاٹے میں ہوتا ہے تو پھر چند نا ہی ہوتا ہے۔ ذرا دیکھو اس کو، یہ کلی چککا ہے چند نا کا مخصوص داف۔ چندر بھان نے چنڈا کے ادھر ہی سمت آ کر پہلے اس کی ٹانگوں میں دونوں ہاتھ پھنسائے، اپنی ٹھوڑی اس کی ریڑھ کی ہڈی پر رکھی اور اس کے بند اپنے ہی لمبے ہاتھوں

سے چنڈا کی دونوں کلاسیاں پکڑ لیں۔ حالانکہ زنجیریں اسے برق رفتاری سے اپنا عمل کرنے کا موقع نہیں دے رہی تھیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ چندر بھان جہاں بھی طور پر کسی ہاتھی جیسی قوت کا مالک تھا۔ چنڈا کو اس طرح اٹھا لینا کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ ٹھوڑی اس کی ریڑھ کی ہڈی سے لٹکا کر اور اس کے دونوں ہاتھوں کی کلاسیاں پکڑ کر چندر بھان نے اپنے گھٹنے زمین پر لٹکائے اور چنڈا کے دونوں ہاتھ نیچے سے گھسیٹ کر اسے اپنے شانوں پر لیے کھڑا ہو گیا اور اس کے بعد وہ برق رفتاری سے دوڑا اور چنڈا کو دیوار سے دے مارا چنڈا کے حلق سے نکلنے والی بیخ اس قدر زوردار تھی کہ کانوں کے پردے جھنجھٹا کر رہ گئے۔ اس کا سر پھٹ گیا تھا اور خون کی دھاریں بہنے لگی تھیں۔ چندر بھان نے ایک ہی دھڑکنے سے اسے ادھر مار کر دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود چنڈا نے زمین پر ٹوٹ کر اپنے آپ کو سنبھالا۔ چندر بھان ہی کی زنجیروں کا سہارا لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ خون سے سرخ ہو کر اتنا بھیا نک لگ رہا تھا کہ کمزور دل والا آدمی اسے دیکھ لیتا تو وہیں اس کے دل کی حرکت بند ہو جاتی۔ اس کے فوراً بعد وہ اندھوں کی طرح چندر بھان پر پکڑا تھا لیکن چندر بھان اپنی پہلوانی کے داؤ بیچ دکھارہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اپنے بدن کو بل دیا۔ چنڈا کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈالے اسے اٹھا کر کندھے پر رکھا اور پشت کی طرف سے زمین پر دے مارا۔ ایک ضرب چہرے پر لگی تھی دوسری سر کے پچھلے حصے میں۔ شانے اور گردن پوری قوت سے زمین پر ٹکرائی تھی۔ چنڈا کے حلق سے اب درد بھری آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ اس نے پھر اپنے آپ کو بچا کر نکلتا چاہا لیکن اس بار وہ جونہی گھٹنوں کی بل اٹھا۔ چندر بھان پہلے سے تیار تھا۔ اس نے موٹی کڑیوں والی زنجیر چنڈا کے گلے میں پٹیٹ دی اور اسے دو بل دینے کے بعد چنڈا کی پشت پر سوار ہو گیا۔ درحقیقت اس وقت چندر بھان ایک دھنسی جانور لگ رہا تھا اس کے چہرے پر شدید نفرت کے آثار تھے۔ دانت بچنے ہوئے تھے اور وہ چنڈا کی گردن زنجیر سے دبا رہا تھا۔

میں ساکت کڑا طاقت کا یہ کھیل دیکھ رہا تھا۔ چنڈا کے

خلق سے نکلنے والی غرائیں اب غراہوں میں تبدیل ہونے لگی تھیں۔ اور اس کے اعضا ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے دونوں ہاتھ سیدھے ہو کر بار بار نیچے گر رہے تھے زبان باہر نکل آئی تھی اب وہ زنجیر پکڑنے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا غالباً اس کے ہاتھوں میں اتنی جان ہی نہیں رہی تھی کہ وہ اس کی مرضی کے مطابق رخ تبدیل کر سکیں۔ چند سبحان تے چند لمحات اس طرح اس کی گردن پر طاقت صرفی اور پھر اسے چھوڑ دیا۔ اس کے پر شدید وحشت نظر آ رہی تھی پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور میری نگاہیں اس کی نگاہوں سے ملیں تو وہ کچھ متدل ہوا۔ چنڈاز میں پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا چند سبحان تے اس کے سینے پر پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ ہے مہادوقی کا بیرمجھے مسعود، دیکھا تم نے چند نا کو میرے مد مقابل جب بھی اکھاڑے میں میرے سامنے آتے تھے ان کے بدن پر پہلے ہی کپکپی طاری ہو جاتی تھی کیونکہ اس سے پہلے وہ میری دوسری گشتیاں دیکھ چکے تھے اپنے مد مقابل کے لیے میرا دل یہ کبھی نہیں چاہتا کہ وہ اپنے پیروں سے اکھاڑے سے واپس جائے۔ بعض اوقات تو بارہا میرے دل میں یہ خواہش ابھرتی کہ لوگ مجھے یہ بتائیں کہ جس نے مجھے کشتی لڑی تھی وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے مگر میرے دوست ادھوا، ادھو، تم، تم، تم، تم..... چند سبحان کو اب اس بات کا احساس تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا۔ میرا اس قید خانے سے نکل آنا اور اس کے بعد چنڈا کو چند سبحان کی طرف دھکیل دینا ان ساری باتوں پر اب اسے حیرت ہوئی تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

”اور جو منصوبہ میں نے بنایا تھا چند سبحان وہ اس حد تک کامیاب ہو گیا۔“

”مگر تم نکلے کیسے وہاں سے۔“

”بس ایک مدبر کار غیر ہو گئی تھی۔“

”آہ چنڈا سے تو ہیں نجات مل گئی ہے لیکن اس زنجیر کو اور ان کڑوں کو توڑنا میرے بس کی بات نہیں ہے یہاں چنڈا کے علاوہ اور کوئی سپر وار نہیں ہوتا۔ تم کوئی ایسی چیز تلاش کرو مسعود جس سے میری زنجیریں کھل جائیں کوئی پڑا

ہتھوڑا یا کوئی ایسی چیز..... یہ سب کچھ توڑنا میرے بس کی بات نہیں ہے ہزاروں کوششیں کر چکا ہوں بس کلاسیاں زخمی ہو جاتی ہیں، پاؤں زخمی ہو جاتے ہیں کمر دکھنے لگتی ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔“

”میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری ان کڑوں کی ایک بار پھر قریب سے دیکھا کمپنائی کی نیکن یہ ساری کارروائی مجھے مضحکہ خیز ہی لگ رہی تھی یہ سب کچھ کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی اور اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ باہر نکل کر کوئی ایسی چیز تلاش کروں میں نے چند سبحان سے کہا۔

”بہت نہیں بارنا چند سبحان۔ میں اگر چاہتا تو اکیلا بھی جاگ سکتا تھا لیکن میں نے یہی سوچا کہ پہلے چنڈا سے نجات حاصل کر لی جائے اس کے بعد دونوں یہاں سے فرار کا پروگرام بنائیں گے۔ چند سبحان کے چہرے پر شکر گزاری کے آثار نظر آئے اس نے کہا۔

”دیر نہ کرو جاؤ کوئی ایسی چیز تلاش کرو جس سے یہ کڑیاں کھل سکیں اور کچھ دھوکے تو یہ زنجیروں کی کڑیاں ہی درمیان سے ٹوٹ جائیں۔ کام بن جائے گا۔ میں نے دروازے کی جانب رخ کیا دل ڈر رہا تھا کہ مہادوقی اس طرح یہ سلا معاملہ چنڈا کے شانوں پر چھوڑ کر بے خبر تو نہ ہوگی۔ پہلے صرف اس کا قیدی چند سبحان تھا۔ جلد ٹھیک ہے چند سبحان کے بارے میں وہ سب کچھ جانتی تھی لیکن میرے بارے میں بھی جانتی تھی کہیں یوں نہ ہو کہ ساری محنت اُکارت چلی جائے لیکن اب جب کہ انامل کر چکا تھا تو چند سبحان کو بے سہارا چھوڑنا۔ حماقت کی بات تھی میں وہاں سے نکلا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ یہ پرانی حویلی عجیب و غریب طرز تعمیر کا نمونہ تھی بیچ در بیچ کمرے چلی چلی راہ داریاں جن کا کوئی جواز مجھ میں نہیں آتا تھا

انعام

ایک ملکانی والے کے ہاں ایک اشتہار لٹکا ہوا تھا جس میں لکھا تھا ”یہاں ملکانیاں خالص تھی میں مانگی جاتی ہیں“ ملا ثابت کرنے والے کو ایک ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔

انہی سطور کے نیچے ایک نوٹ بھی غنی حروف میں درج تھا ”یہ کوئی بومس اشتہار نہیں ہے۔ ہم اس سے پہلے بھی کئی بار لوگوں کو انعام دے چکے ہیں۔“

ایک طرح سے بھول بھلیاں ہی بنی تھیں اور میں ان بھول بھلیوں میں سے گزر کر چاروں طرف نگاہیں دوڑاتا ہوا کسی ایسی چیز کی تلاش میں تھا جس سے چند رجحان کے ان کڑوں کی زنجیر میں توڑی جاسکیں لیکن یقین نہیں تھا کہ کوئی مضبوط چیز باقی رہ سکتی ہے۔ وہ ایک کمرہ تھا جس میں داخل ہوا نیم تاریک ماحول میں وہاں مجھے کچھ چیزیں نظر آئیں اور جب میری آنکھوں نے ایک وزنی ہتھوڑا دیکھا تو خوشی سے جک اٹھیں۔ یہ ہتھوڑا ایک سمت سے سپاٹ اور دوسری طرف سے چھپی کا سا ڈیزائن رکھتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے براسی مقصد کے لیے یہاں رکھا گیا ہو کہ میں چند رجحان کی زنجیر کاٹ دوں پھر قے ہتھوڑے کی طرف پھیکا اور میں نے اس کا دستہ پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا۔ دستہ جو بڑی سیدھا ہوا مجھے اپنے عقب میں ٹھیک سی سرسراہٹیں محسوس ہوئیں۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو لوہے کا ایک فولادی جنگلہ میرے اور اس دروازے کے درمیان مائل ہو گیا تھا جس نے میں اندر داخل ہوا تھا مٹی ست سپاٹ دیواریں تھیں اور بہت بھونٹی سی جگہ تھی۔ میں حیرت سے اس ہتھوڑے کو دیکھنے لگا میں نے دیکھا کہ وہ اپنی جگہ جتنا میں اسے اٹھا چکا تھا وہاں ساکت ہو گیا ہے اس کا اگلا سرازمین پر ویسے ہی پڑا ہوا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے نیچے سے وہ زمین میں پیوست ہو۔ چند لمحات کے بعد یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ یہ کوئی ہتھوڑا نہیں تھا بلکہ ایک ایسی چیز تھی جسے اس نے دروازے کا کنٹرول سسٹم کہا جاسکتا ہے یعنی اس کا دستہ اٹھانے سے آہنی دروازہ چھت سے نکل کر دستہ اٹھانے والے اور دروازے کے درمیان مائل ہو جائے۔ ناقابل یقین سی بات تھی۔ یہ سب کچھ کیسے سوچا گیا تھا کیا مہادتی میرے اوپر نگاہیں رکھ رہی ہے کیا یہ سب کچھ کیسے سوچا گیا تھا کیا مہادتی مجھ پر نگاہیں رکھ رہی ہے کیا یہ سب کچھ اس کی اسکیم کے مطابق ہے اس کے علاوہ اور کیا سوچا جاسکتا تھا۔ ہتھوڑے کے دتے کو میں نے بدن کی پوری قوت سے نیچے دبانے کی کوشش کی یہ سوچ کر کہ شاید آہنی دروازہ واپس اپنی جگہ چلا جائے لیکن وہ اس طرح ساکت ہو گیا تھا کہ کس سے سن نہیں ہو رہا تھا۔ گویا میں قید ہو گیا۔

بے چارہ چند رجحان اس کی تقدیر میں شاید آزادی نہیں فولادی سلاخوں والے دروازے کو میں نے بری طرح

جھنجھوڑ کر دیکھا لیکن اس میں کوئی حرکت نہیں تھی بالکل سوئی بھی اسکیم تھی بالکل سوچا سمجھا منصوبہ تھا میں ایک قید خانے سے نکل کر دوسرے قید خانے میں جا پڑا تھا اور اب مجھ پر ابھی یہاں موجود نہیں تھا بہت دیر تک جدوجہد کرتا رہا۔ ہتھوڑے پر بھی جس قدر طاقت صرف کر سکتا تھا کر لی اور جب تھک بار گیا تو ننگے فرش پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا بلاشبہ تعجب خیز بات تھی لیکن کم از کم میرے لیے نہیں کیونکہ اب تک جن حالات سے گزر چکا تھا ان میں انہوں نے واقعات اس قدر ہوئے تھے کہ کسی بھی واقعہ پر بہت زیادہ حیرت نہیں ہوتی تھی دیکھ رہا تھا یہ سوچ سوچ کر چند رجحان کی نگاہیں دروازے پر لگی ہوں گی اس کے دل میں آس پیدا ہو گئی ہوگی۔ ہر آہٹ پر منتظر ہو گا اس بات کا کہ میں واپس پہنچوں اور اسے اس طویل ترین قید سے نجات مل جائے درحقیقت اپنی کوئی فکر میں نے پہلے بھی نہیں کی تھی اب بھی نہیں تھی لیکن بے چارہ چند رجحان ان تمام سوچوں کے علاوہ اس وقت اور کچھ نہیں رہ گیا تھا اب دیکھنا یہ تھا کہ اس نئی قید میں میرا کیا حشر ہوتا ہے مہادتی کو میری اس نئی قید کے بارے میں معلوم ہے بھی یا نہیں اور جب اسے یہ معلوم ہو گا کہ مجھ پر چکا ہے تو اس پر کیا رد عمل ہو گا وقت گزرتا رہا رات ہو گئی مجھے بیٹھ تھک گیا تو لیٹ گیا روشندانوں سے سنبھرا جاندی چھن رہی تھی اب تک کوئی آواز نہیں سنائی دیتی تھی کسی کو میری اس افتاد کے بارے میں نہیں معلوم ہو سکا تھا اب جو ہو گا۔ دیکھا جائے گا بھارت میں جائے سب کچھ رات گزری صبح ہوئی دوپہر پھر شام گھپ اندھیرا پھیل گیا اور اپنا ننگ مجھے کچھ سرسراہٹیں محسوس ہوئیں سلاخوں دار دروازہ یوں ہی تھا لیکن پھلی دیوار کھسک رہی تھی اور اس سے روشنی کی لکیریں اندر آنے لگی تھیں پھر دیوار پوری بٹ گئی۔ اور سامنے وہی باغ نظر آنے لگا جسے میں دیکھ چکا تھا ہواؤں کے جھونکے اندر آگئے اور بڑی تازگی محسوس ہوئی دوزخ کا باہر نکل آیا مگر باہر قدم رکھتے ہی ٹھٹھک گیا سامنے ہی اندری نظر آ رہی تھی وہ خاموشی سے مجھے دیکھ رہی تھی اس نے ہنس سکون سے کہا۔

آؤ میں آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا اس کے قریب پہنچ گیا اس کے نزدیک خوش چلوں کے تھال رکھے ہوئے

تھے۔ بیٹھو وہ بولی۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ میں نے پوچھا۔

”تمہارا انتظار۔ بیٹھو نا۔“

”نہ بیٹھوں تو.....“ میں نے کہا اور وہ عجیب سی نظروں

سے مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

”کوئی فائدہ نہ ہوگا۔“

”کیا مطلب۔؟“

”اپنی بجھ کے کام نہیں لیتے؟“

”جو کچھ کر رہی ہو۔ صاف الفاظ میں کہو۔“

”اس سے پہلے تم اپنے قید خانے سے نکل سکتے۔ تم خود

جانتے ہو کہ تمہیں نکالا گیا ہے اور جب نکالا گیا ہے تو یہ

بھی سوچا گیا ہوگا کہ تم بھاگ سکتے ہو گے یہ سوچا ہوگا۔ تو

بندوبست بھی کیا گیا ہوگا کہ بھاگ نہ سکو کیا فائدہ ایک کے

بعد دوسری مصیبت میں پھنسنے سے؟

”خوب بات تو سمجھاری کی ہے؟ میں نے مسکرا کر کہا۔

”تو بیٹھو اس نے کہا اور میں گہری سانس لے کر بیٹھ گیا۔

”گویا اب میں ایک آزاد قیدی ہوں۔“

”لو پھل کھاؤ۔ تم بھوکے ہو۔“

”کیا چھپا ہوا ہے ان پھلوں میں؟“

”تمہاری سوگند۔ یہ پوتر ہیں پیڑوں سے اترے ہیں۔“

”قسم بھی میری کساری ہو۔“

”ہاں اس کی وجہ ہے۔“

”کیا میں نے پوچھا۔ اور سندری خاموش ہو گئی دیر

تک کچھ نہ بولی پھر اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور

مدھم لہجے میں بولی۔

”پہلے میں صرف مہادیوی کے حکم سے تم سے ملتی تھی اب بھی

انہی کے حکم سے یہاں آئی ہوں مگر میرے من میں تمہاری

مدد دی اترائی ہے تم میرے من ہو۔ تم نے مجھ پر افسان

کیا ہے۔“

”میں نے..... احسان.....“

”تو اور کیا۔ مجھے شک تھا اٹھالے گیا تھا بھینٹ چڑھالے

کوئی میری رکشا نہ کر سکا تھا اگر تم شکھا کی بات ماننے سے

انکار نہ کرتے تو میرا جیون چلا گیا تھا اس لیے اب تمہارا

یا احسان مجھ پر ہے۔“

”اوہو..... اچھا۔ تو پھر اس احسان کے کچھ اور بدلے بھی

چکاؤ۔“

”کہو۔ اس نے سنجیدگی سے گردن ہلائی۔

”کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”یہ پھل کھاؤ ان میں کوئی کھوت نہیں ہے پیڑوں

سے اتارے ہوئے ہیں۔ اس نے کہا۔

”کھالوں کا مجھے جلدی نہیں ہے۔“

”عجیب ہو خیر پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“

”بہت سے سوال ہیں۔“

”پوچھو۔“

”پہلا سوال۔ مجھے کیوں نکالا گیا ہے؟“

”میں نہیں جانتی بس مجھے یہاں تمہاری سیوا کے لیے

بھیجا گیا ہے۔“

”تمہاری کہاں ہے؟“

”محل میں۔“

”اے میری نئی قید کے بارے میں معلوم تھا۔

”کیوں نہیں جو ہو رہا ہے مہادیوی کی مرضی سے ہو رہا

ہے ویسے تمہارے لیے مہادی بھی حیران ہیں۔“

”کیوں۔؟“

”سمجھو مہاراج اور وہ باتیں کرتے ہیں۔ مہادیوی کہتی

ہیں کہ تم بڑے شگفتی مان ہو بہت کچھ کہتے ہو مگر نہیں کرتے

نہ جانے کیوں۔“

”اب وہ کیا چاہتی ہے؟“

”تمہاری سوگند مجھے نہیں معلوم۔“

”سندری تمہیں شکھا اٹھالے گیا تھا فرض کرو اگر میں

اس کی بات مان لیتا تو تمہاری زندگی تو ختم ہو گئی تھی۔“

”ہاں۔“

”مہادی نے تمہاری مدد نہیں کی۔“

”اول تو مہادیوی کالی جاپ کرنے گئی ہوئی تھیں اور

پھر شکھا سے تو وہ مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔“

”وہ اپنے گیان میں شکھا سے ہلکی ہے؟“

”اس کا کوئی جواب نہیں دے سکوں گی۔“

”مجھے یہاں سے نکال سکتی ہو؟“ میں نے پوچھا اور وہ

چونک کر مجھے دیکھنے لگی پھر اسی سے بولی۔ ”نہیں۔“

”بس اور کچھ نہیں پوچھنا مجھے۔“
 وہ خاموش بیٹھی رہی میں نے تھال سے انگوروں کا
 ایک گچھا نکال لیا خود بھی سمجھتا تھا کہ ہزار آنکھیں میری ٹھہرائی
 کر رہی ہوں گی نکلنا ممکن نہیں ہے بہتر ہے کہ آئندہ پیش
 آنے والے واقعات کا انتظار کروں۔ پھل کھاتا رہا۔ پھر
 آسمان پر چاند نے سر اٹھایا اور مصنوعی روشنیاں مدھم مدھم
 پورا کھلا چاند تھا سدری بھی چاند کی طرف دیکھ رہی تھی
 پورا چاند ہے۔ میرے منہ سے نکلا۔
 ”پورن ماشی ہے آج۔“
 ”ہوں میں نے کہا اور نیلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر
 کچھ سوچنے لگا پھر چانک ایک عمل ہوا ایک جانا سپنا نائل
 چاند کی کچھ روشن کریمیں سیدھی زمین پر پڑیں اور انہوں نے
 میرے گرد احاطہ کر لیا پھر یہ کریمیں سفید روشن غبار میں ہلنے
 لگیں اور میرے منہ سے بے اختیار یہ نکل گیا ”پورنیاں“
 روشن غبار میں عورتوں کی شکل اختیار کرنے لگا یہ نظر ایک
 بار پہلے بھی سامنے آچکا تھا ایک معصوم پنڈت کے گھر کے
 احاطے میں۔ گویا پورن ماشی کی یہ رات جادو کی تیلیاں بچے
 اترتی ہیں اور پورن بھگتی کرتی ہیں۔ میری نگاہ سدری پر
 پڑی وہ آنکھیں پھاڑ رہی تھی اور ششدر تھی طرح طرح
 کے سائے لیے چہ عورتیں انسانی شکل لیے میرے سامنے
 تھیں ان کی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور ان آنکھوں میں
 محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔
 ”چھہ۔۔۔ میں نے دل میں سوچا پہلے یہ سات تھیں ایک
 میں نے کشاکش کی شکل میں ہلاک کر دی تھی۔ بہت سی باتیں خود
 سمجھ میں آ رہی تھیں۔ پورنیاں اس وقت میرے پاس آتی
 ہیں جب میں پورے چاند کے نیچے کسی کھلی جگہ موجود ہوں
 کسی بند جگہ وہ نہیں آتیں انہوں نے وہی کھیل شروع کر دیا
 جو میں بھی دیکھ چکا تھا سدری زمین پر اوندھی ہو گئی تھی بہت
 دیر تک ان کا عمل جاری رہا پھر معمول کے مطابق ختم ہو گیا
 اور پورنیاں واپس چلی گئیں۔
 ”سدری۔۔۔ سدری۔ میں نے سدری کو پکارا مگر وہ کسی
 اور سی جہان کی سیر کر رہی تھی عقب سے آواز آتی اور میں
 ایک دم گھوم کر نیچے دیکھنے لگا کالی داس کا منہ چہو نظر
 آیا تھا۔“

”نہیں مہاراج۔“

”پھر۔“

”وہ کالنگا بھنڈا میں ہے۔“

”تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ زیادہ دور نہیں ہے۔“

”بس مہاراج یہ سرنگ ملے کرنی پڑے گی بکالی داس نے کہا۔ وہ جڑا بابا ادب نظر آ رہا تھا وہ مجھ سے کئی قدم پیچھے چل رہا تھا لمبی سرنگ میں سگڑوں مشعلوں سے روشنی کی ٹہنی تھی۔ بالآخر اس کا اختتام ایک رکشن دروازے پر ہوا اور میں نے اس دروازے کے دوسری طرف قدم رکھ لیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسری طرف سرنگ کو مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی۔ ایک عظیم الشان غار تھا جس کی بلندی ناقابل یقین تھی پوری گردن پہنچے کر کے ادب دیکھا جاتا تو چند چھوٹے چھوٹے سوراخ نظر آتے تھے جن کے اوپر چاند چمک رہا تھا غار ٹنڈا اور پر سکون تھا اس میں چہرے کے ستون تھے اور ہر ستون پر انسانی کھوپڑیاں بچی ہوئی تھیں ان کھوپڑیوں کے جڑے بل رہے تھے اور انکھوں سے تیز روشنیاں خارج ہو رہی تھیں۔ غار کے مین درمیان سنگ موٹی بے بنا ہوا ایک کالا چوڑا تھا اور اس چوڑے پر کالی دیوی کا بہت بڑا مجسمہ ایستادہ تھا۔ سیاہ رنگ کا مجسمہ جس کے بے شمار ہاتھ تھے ان ہاتھوں میں قدیم ہتھیار دو انسانی کھوپڑیاں نہیں بالوں سے بکڑ کر لٹکا یا گیا تھا ان کی کئی ہوئی گردنوں سے تازہ تازہ ہونے کے قطرے ٹپک رہے تھے جو نیچے سنگی چوڑے پر جمع ہو رہے تھے اصلی خون تھا اور شاید یہ کئی ہوئی گردن بھی تازہ تھیں بنانے کون بد نصیب تھے۔ مجسمے کی گردن میں تھری بنا میں انسانی کھوپڑیوں کو پرو کر ڈالا گیا تھا اس کی کئی ٹپک لسی زبان ہوئے تھری ہوئی باہر ٹپک رہی تھی اور بڑی بڑی آنکھوں سے وحشت نمایاں تھی اس بیت کے ساتھ یہ مجسمہ اس سنگی چوڑے پر آویزاں تھا سنگی بت کے عقب میں ایک عجیب سی جگہ بنی ہوئی تھی کوئی پلاسٹک سیڑھیاں تھیں جو ایک پیٹ فارم پر جا کر ختم ہو گئی تھیں پیٹ فارم پر ایک عجیب سا کجوا لگا ہوا تھا جس کے ادب پر سے میں زنجیریں اور طعنے نظر آتے تھے۔ الغرض ایک تھرا دینے والی جگہ تھی اور میں اسے دیکھ کر

انہ کے خوف کا شکار ہو گیا تھا۔

”یہ کالی نو اس ہے مہاراج۔“ کالی داس کی آواز نے

مجھے چونکا دیا میں نے اسے بغور دیکھا پھر کہا: ”مجھے کیا کرنا ہے؟“

”مہادیوی: کالی داس نے ایک سمت اشارہ کر کے۔

مردانہ انداز میں کہا۔ میں نے مہادیوی کو ایک نئے درپ میں دیکھا بے حد چست لباس پہنے ہوئے تھی جو جھللا رہا تھا سر پر ہیروں کا بار پہنا ہوا تھا چہرہ انگاروں کی طرح چمک رہا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ بڑی شان سے آرہی تھی اس کے پیچھے چھوڑا ہوا تھا جس کے گردن میں کالا ناگ لٹکا ہوا تھا جس میں اپنا چوڑا بچن اس کے سر پر پھیلا رکھا تھا دونوں اسی سمت آرہے تھے چند لمحات کے بعد وہ میرے سامنے پہنچ گئے۔

جے پورن بھگت مہادتی نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے

میں اسے دیکھا کہ اس نے دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے

پھر کہا۔

”پدھارے مہاراج۔ آج میں آپ کے شایان شان....“

سو اگت کروں گی۔ پدھارے مہادیوی: کالی داس نے اس دوران

نہ جانے کہاں سے ایک کرسی لا کر رکھ دی تھی مگر میں نے

اس طرف توجہ نہیں دی۔

”اب کیا چاہتی ہو مہادتی: میں نے کہا۔

”آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں مہاراج۔“

”کہو۔“

”آپ بیٹھ جائیے۔“

”نہیں تم بیٹھو۔“

”ہم کالی کے چروں کے سوا کہیں نہیں بیٹھے آپ کیوں

نہیں بیٹھ رہے اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے؟“

”پورن کالی کو تو ماننا ہو گا: وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔

میں اس کا مطلب سمجھ گیا کرسی کو ایک ٹھوکہ مار کر میں نے

اس جگہ سے ہٹا دیا اور بیٹھ گیا۔ مہادتی: ”شعبو اور کالی داس

کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے ناگواری کے آثار نظر آئے

مگر مہادتی نے فوراً خود کو سنبھال لیا: ”شعبو مہاراج کا کب

ٹھیک نکلا۔ پورن کیا تم مجھ سے کچھ بولے گے۔ وہ سوالیہ

نظروں سے مجھے دیکھتی رہی مگر میں نے اس کی بات کا جواب

نہیں دیا: کیا تم مسلمان ہو: کبنت نے ایسا سوال کیا کہ مجھے بولنا پڑا۔

”الحمد للہ: وہ منوں گھر اگر ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ مہادتی نے پھر کہا۔ یہ پورنیاں تمہیں کہاں سے مل گئیں۔“

”تمہارا کیا خیال ہے۔“

”بڑے پریشان تھے ہم ایک نظر میں ہیں معلوم ہو گیا تھا کہ تم پورنیا ہو مگر مسلمان بنے ہوئے تھے تم یہ راز معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی رہی مگر کسی طرح سمجھ نہ سکا ہر جن کو لیا اور پھر پورن مافی میں ہم نے پورنیاں دیکھیں کوئی شک نہیں رہا اور یہ بھی شک نہیں رہا کہ تم مسلمان ہو مگر تمہارا دھرم اب تمہارا نہیں رہا۔ پورنیا اس کے متقی ہیں جب کا لادھرم اپنا لیا جائے ایک پورن دھرم کے ساتھ کیسے جو ہر گندگی سے پاک ہے اس کا لے منتر کے ساتھ کیسے چل رہا ہے۔“

میں چونک پڑا مہادتی کے یہ الفاظ میرے کانوں میں شہد گھول گئے تھے میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا: دوبارہ اپنے الفاظ کہو۔“

”تمہارا دھرم پاک ہے جس دھرم میں پانچ مرتبہ وضو کیا جاتا ہے۔ گندے پانی کی ایک جینٹ جسم ناپاک کر دیتی ہے اس میں پورنیوں کے جاپ کی کیا گنجائش ہے کافی شکتی تو

ایک دور کی چیز ہے۔“

”تیرا کیا خیال ہے مہادتی۔ میں کون ہوں۔“

”دل سے مسلمان ضرور ہو: ہوتے تو اتنے کشت نہ اٹھاتے پورنیوں کے ہر تمہارے لیے سب کچھ کر سکتے تھے مگر تم نے کبھی ان سے بات نہ کی ہم نے تمہیں بہت قریب سے دیکھا ہے تم سمجھ میں نہیں آئے۔“

”تیرے لیے میرے دل میں بہت کچھ ہے مہادتی مگر میرے دین کے لیے اتنے اچھے الفاظ کہہ کر تو نے میرا دل نرم کر دیا ہے اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو اس وقت میں تجھے انعام دیدیتا۔ مہادتی یہ سن کر اچھل پڑی اس نے کہا۔“

”مسلمان ہو تو زبان کے کچے بھی ہو گے۔“

”ہاں ہوں۔“

”ساری باتیں بے کار ہو گئیں تم نے کہا ہے کہ تمہارے پاس کچھ ہوتا تو اپنے دھرم کے نام پر مجھے دیدیتے۔“

”ہاں اپنے ایمان کے علاوہ۔“

”کیا۔“ میں نے سوال کیا۔ میں کچھ حیران ہو گیا عجیب سالک رہا تھا مجھے۔ کیا مانگنا چاہتی ہے وہ۔ ایسی کیا چیز ہے میرے پاس۔ ادھر اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی مت بڑی چیز مانگنا چاہتی ہو

آپ کا ریڈیو اور T.V خراب بھی ہو سکتا ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی رکھنے والے کیوں کہ ان کی تکنیک سے واقف نہیں ہوتے اس لئے پریشان رہتے ہیں اور معمولی معمولی خرابیوں کے لئے بہت زیادہ پیسہ بھی خرچ کر دیتے ہیں۔

T.V کی تصاویر عموماً اینٹینا کے پیڑھا ہونے سے خراب ہوتی ہیں جو ہر شخص خود درست کر سکتا ہے ریڈیو اور T.V پر جدید ٹیکنالوجی میں بہترین کتابیں آپ کی مددگار ہیں۔

— ریڈیو گائیڈ پچیس روپے — ٹی وی ری پیئر گائیڈ بارہ روپے — کلر ٹی وی گائیڈ پینتیس روپے

اشتہاری حکیم ڈاکٹر، بھولے بھالے نوجوانوں کو جنسی علاج کے نام پر گمراہ کر کے لوٹ بھاری ہے ہیں۔ نوابی علاج، شہنشاہی علاج، کے نام پر بے وقوف بنا رہے ہیں۔ ہم ان نوجوانوں کو بتا دینا چاہتے ہیں جو کسی بھی وجہ سے بے راہ روی کا شکار ہو چکے ہیں تب بھی آپ میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے اور اگر کمی محسوس کرتے ہوں تو ہماری شائع کردہ دو کتابیں ”جنسی صلاحیت بڑھاتی ہے“ اور ”خفیہ جنسی راز“ منگا کر مطالعہ کریں انشاء اللہ ہر پریشانی سے نجات پا جائیں گے۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے۔

بہت کجخوش مشہور تھا لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ جب ایک لڑکی نے اوائے
بے نیازی سے مسکرا کر میکفرسن کے سامنے چندے کا تھیلا لہرایا تو وہ مجبور
ہو گیا کہ اپنی جیب سے ایک پینی نکالے اور اس کے تھیلے میں ڈال دے۔

اس لڑکی کو گئے چوتھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ کچھ ہی دیر بعد دوسری
لڑکی چندے کا تھیلا دکھائے اس کے سامنے اکھڑی ہوئی اور بولی۔ "میتھوں اور بیواؤں کی مدد کے لیے آپ آسانی سے جو رستم
دے سکتے ہیں عنایت فرمائیے، آپ کو آج سب عظیم ملے گا۔"

"نہیں نہیں۔" میکفرسن کانپ اٹھا۔ میں ابھی ایک منٹ پہلے ہی چندے سے چکا ہوں۔
"اچھے کام بار بار انجام دینے چاہیے۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا۔ "غریبوں کی مدد کے لیے آپ جو رقم خرچ کریں گے،
اس کا آپ کو سو گنا اجر ملے گا۔"

"سنا تو میں نے بھی یہی ہے۔" میکفرسن نے جواب دیا۔ لیکن میں اس وقت تک دوبارہ سر ہلکانے کے لیے تیار نہیں
ہوں جب تک پہلے لگائے ہوئے سرمے کا اجر مجھے نہ مل جائے۔"

اشتہاری حکیم ڈاکٹر، بھولے بھالے نوجوانوں کو جنسی علاج کے نام پر گمراہ کر کے لوٹ بیٹھا ہے۔ نوابی علاج
شہنشاہی علاج، کے نام پر بے وقوف بن رہے ہیں ہم ان نوجوانوں کو بتا دینا چاہتے ہیں جو کسی بھی وجہ سے بے راہ روی
کا شکار ہو چکے ہیں تب بھی آپ میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے اور اگر کمی محسوس کرتے ہوں تو ہماری شائع کردہ دو کتابیں "جنسی صلا جیت
بڑھائیے" اور "خفیہ جنسی راز" منگا کر مطالعہ کریں انشا اللہ ہر پریشانی سے نجات پا جائیں گے۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے۔

ہے، ہماوتی سوالیہ لگا ہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میرا
فیصلہ سننے کی منتظر تھی میں نے بہت دیر غور نہیں کیا اور
گہری سانس لے کر بولا۔

"ٹھیک ہے ہماوتی، مسلمان ہوں، اپنا وعدہ پورا کر
رہا ہوں، یہ چھ پورنیاں میں نے تیرے حوالے کیں مگر میں
نہیں جانتا کہ مجھے اس کے لیے کیا عمل کرنا ہوگا، یہ سب یہ
ذمہ داری ہے، میں اپنا وعدہ خوشی سے پورا کرتا ہوں۔"

ہماوتی کے پورے جسم پر کچکا ہٹ طاری ہو گئی۔
وہ خوشی سے دیوانی ہو گئی، سمجھو اور کالی داس ایک دوسرے
سے پیٹ گئے اور خوشیاں منانے لگے۔ ہماوتی آگے
بڑھی، گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی، دونوں ہاتھ سیدھے کئے
اور سر جھکا کر سجدے کی کیفیت میں آگئی میں نے فوراً ہی
رخ بدل لیا تھا۔ وہ نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتی رہی پھر سیدی

کا انداز ایک دم بدل گیا۔ وہ کسی
ہماوتی ایسے خیال میں ڈوب گئی جس نے
اس کی سانسیں تیز کر دیں۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے
لگی۔ پھر اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"پورنیاں مجھے دے دو، یہ چھ پورنیاں مجھے دیدو
مسلمان ہو پورنیاں تمہارے دھرم میں ناپاک ہیں یہ
بوجھ کیوں اٹھائے پھر رہے ہو۔ دیدو یہ پورنیاں مجھے
انعام میں دے دو، اب میرے حیران ہونے کی باری
تھی۔ میں اس کے جملوں پر غور کرنے لگا۔ پورنیاں اس طرح
کسی کو دی جاسکتی ہیں۔ میں تو خود انہیں ہلاک کرنا چاہتا تھا
میں تو خود ان سے چٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا یہ تو میری
روح پر بوجھ تھیں، بڑی مشکل سے ان میں سے ایک سے
چٹکارا حاصل ہو سکا تھا کیا اس سے بیچا چھڑایا جاسکتا

ہوئی اور اس نے مجھے پکارا۔

”پورنا..... پورنیاں ہمیں دے کر تو اپنے بوجھ سے آزاد ہو جائے گا، تو بیچ بیچ مسلمان لگتا ہے، مگر میرا گمان مجھے یہ نہیں جتا پتا کہ پورنیاں ایک مسلمان کی غلام کیسے ہوئیں جو ہوگا، تیری یہ بھینٹ ہم سوئیکار کرتے ہیں اور تیرا احسان مانتے ہیں، اور یہ کام جلدی ہو جانا چاہئے، اسے کالی داس، تمہو ہمارا آج دیر کیوں کر رہے ہیں آپ، جلدی کریں، جلدی کریں۔ کام پورا کریں۔ اسے یہاں کنوڑے جائیں، تمہو ہمارا آج کالی داس جلدی کریں میں پورنا بننے جا رہی ہوں، جلدی کریں۔“ وہ ادھر سے ادھر بھاگنے دوڑنے لگی۔

تمہو اور کالی داس میرے قریب پہنچ گئے، انہوں نے گردن جھکا کر کہا: ہمارے ساتھ آئیں ہمارا آج۔“ میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا اب نتیجہ کچھ بھی ہو۔ یہ پورنیاں مجھے منتقل ہو جائیں تو کم از کم میرے وجود کی غلامت دھل جائے۔ وہ مجھے اس طرف لے گئے جہاں بیڑھیاں اور پرکھ جاتی تھیں اور پھر انہوں نے بڑے احترام سے مجھے اوپر چڑھنے کا اشارہ کیا، کچھ سمجھ نہیں پایا تھا اور صرف ان کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔ بیڑھیاں چڑھ کر میں اس پلیٹ فارم پر پہنچ گیا جو کالی کے پیٹ ناک ٹھنکے عین سر پر بنا ہوا تھا بڑی عجیب سی جگہ تھی۔ ایک عجیب سی بدبو وہاں پھیلی ہوئی تھی۔ زمین پر خون کی تہیں کی تھیں جی ہوئی تھیں، نہ جلنے یہاں کیا ہوتا ہوگا، دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ انسانی خون ہے اور ہو سکتا ہے یہاں انسانی جسم ذبح کر کے ان کا خون کالی کے پیٹ پر گرایا جاتا ہو۔ گویا قربانی کی وہ جیسا تک رسم، جس کے بارے میں قصے کہانیاں میں ہی پڑھا تھا لیکن اچانک ہی ذہن میں چھنکا سا ہوا، پورنیا اسے دینے کا کیا مقصد ہے۔ کیا یہاں میری بھی گردن کاٹ دی جائے گی تمہو اور کالی داس کچھ فاصلے پر رک گئے تھے اور میں پلیٹ فارم کے بالکل آخری سرے پر تھا کچھ سوچنے بھی نہیں پایا تھا کہ اچانک ہی میرے پیروں میں دونوں طرف سے زنجیروں کے دو کڑے آپڑے، ان سے زنجیریں بھی منسلک تھیں مگر کچھ ایسے انداز سے کہ اوپر سے نظر نہیں آتی تھیں

پھر اچانک سر جھکا سا گیا۔ پلیٹ فارم کو جنبش سی ہوئی، ایک چوڑی سل اپانک ہی آگے بڑھی، میں اس پر کھڑا ہوا تھا بدن کو جھککا لگا تو اندھے منہ گر بڑا اسکن سل برق رفتاری سے پیچھے ہٹ کر واپس اپنی جگہ پہنچ گئی۔ اور پھر پلیٹ فارم کے اوپری حصے پر بنے ہوئے ایک کین نار اڈ میں پڑی ہوئی تھیں یوں میرا چہرہ پلیٹ فارم سے ٹکرنے پہنچ گیا لیکن اب کیفیت یہ تھی کہ ان زنجیروں میں اندھا حال کا ہوا تھا، اور کالی کے پیٹ کے بالکل اوپر تھا۔ میرے جسم کا سر خون سمٹ کر چہرے میں جمع ہو گیا تھا، ٹانگوں میں سخت تکلیف ہو رہی تھی کیوں کہ فولادی کڑے میری ہڈیوں کو دوبارہ سے تھے۔ میرے حلق سے کراہیں نکلتی گئیں، پہلے تو بدن کو کئی جنبش دیں لیکن جب اس عمل سے تکلیف کے علاوہ کچھ نہیں ملا تو سکت ہو گیا آنکھوں میں آنسو آگئے تھے، تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ ہاتھ نیچے لٹکے ہوئے تھے اور اس وقت کی کیفیت کو میں الفاظ میں بیان کرنے کے قابل نہیں تھا۔ دماغ شدید ہرجان کا شکار تھا۔ کچھ سوچنے سمجھنے کی اہلیت نہیں رہی تھی۔

تمہو، کالی داس اور ہادوقی اب ساتھ ساتھ کڑے ہوئے اوپر دیکھ رہے تھے۔ میں سخت پریشان تھا، چیخ کر انہیں اپنی تکلیف کے بارے میں بتانا چاہتا تھا لیکن آواز نہیں نکل رہی تھی۔ پھر نہ جانے کہاں سے ہادوقی نے ایک تیرکمان اٹھایا، چوڑے پیل کی چمکدارانی والا تیر تھا جسے وہ کمان میں جوڑ رہی تھی۔ میری آنکھیں دہشت سے پھٹ گئیں اور میں اپنی موت کا انتظار کرنے لگا، بارہا موت کو پکارا تھا۔ زندگی کو بے حقیقت جانتا تھا لیکن اب جب کہ موت نگاہوں کے سامنے پہنچ گئی تھی تو زندگی چل رہی تھی، جینا چاہتا تھا اور اس آفت سے چھٹکارا پانے کا خواہش مند تھا ہادوقی کا چھوڑا ہوا تیر میری گردن کے پاس شانے میں پھنسا ہو گیا۔ حلق سے دلخراست چیخ نکلی، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس قدر شدید تکلیف ہوئی تھی کہ ناقابل بیان، میں اچیل اچیل کر تیر کو اپنے شانے سے نکالنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن توازن نہیں بن پاتا تھا اور ہادوقی دوسرا تیر کمال میں جوڑ رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کیں اور موت کو مار کرنے لگا۔



چلو ٹھیک ہے زندگی کا یہ انتقام برداشت نہیں ہے ٹھیک
ہے مسود احمد موت قبول کر لو۔ جو کیا سو پایا اس میں کسی کا کیا
قصور، مگر کو الزام دے کر سب کو مزید تباہ کرنا مناسب
نہیں ہے، نہ جانے کس طرح یہ سوچیں ذہن تک پہنچیں
کر سب کا دوسرا دور شروع ہوا۔ دونوں شانے خون اگل رہے
تھے، اور پھر عیسائیت پر پھر چڑھا، اب ذہن جمع ہو کر کام
نہیں کر رہا تھا، آنکھوں سے بینائی رخصت ہو گئی تھی
بس دھندلے دھندلے نقوش تھے، ایک بڑا سا چمکدار
پیالہ کالی کے بت کے قدموں میں رکھ دیا گیا تھا، ہادوق کا
جسم پھر دیا ہی سیاہ ہو گیا تھا جیسا میں نے اسے اس پہاڑی
غار میں دیکھا تھا۔ مدھم مدھم شور کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں
چمکدار رہے تھے اور ہادوق رقص کر رہی تھی ایک جنونی
رقص، وہ پورے ہال میں برقی کی طرح کوندتی پھر رہی
تھی۔ سمجھو اور کالی داس نظر نہیں آ رہے تھے۔ ہادوق
بار بار کالی کے قدموں میں آتی اور میرے جسم سے بہنے والا
خون چاٹتی پھر رقص کرتی ہوتی دور نکل جاتی۔ کالی کا ہیپ
ناک مجھ میرے خون سے سرخ ہو گیا تھا۔ اس پر سیاہی
کے بہت کم دھبے نظر آ رہے تھے۔ بس مجھے نظر نہیں آ رہا
تھا لیکن یہ دھندلا دھندلا سا احساس تھا جو میرے
ذہن پر گزرتا تھا۔ نہ جانے کتنا وقت اس طرح گزر گیا۔
پھر کچھ سکون سا خود بخود محسوس ہوا یوں لگا جیسے میرا بدن
بے خون ہو گیا ہو، ٹانگوں میں پڑے ہوئے کڑے بھی
اب ہڈیوں کو وہ دکھ نہیں دے رہے تھے جو پہلے محسوس
کر رہا تھا۔ جس کا احساس ہی باقی نہیں رہا تھا اگر یہ منظر
نگاہوں کے سامنے نہ ہوتا، ہادوق کے جسم کی جنبش نظر
نہ آتیں تو یہ سمجھتا کہ روح جسم سے نکل گئی ہے اور جسم
خالی ہونے کے بعد بے وزن ہو گیا ہے۔ نگاہوں کے
سامنے جو کچھ تھا وہ ذہن تک بھی پہنچ رہا تھا۔ ہادوق
نے چمکدار پیالہ جس کے دونوں سمت کندھے سے ہوئے
تھے، کالی کے سامنے دوڑا تو بیٹھی اور میرے جسم کا ہاتھ ہوا
خون جو ایک دھار کی شکل میں اس پر پڑا۔ کالی پہنچا
تھا، ہونٹوں سے لگا کر بدن میں اتارنے لگی سگاڑھا
گاڑھا ہوا سیاہ خون اس کے جسم میں اترتا چلا گیا اور

اس نے پیالے کو اپنی لمبی زبان سے چاٹنا شروع کر دیا۔
پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کالی کے بت سے چمٹ کر
اس پر پڑا ہوا خون چاٹنے لگی۔ پھر اس نے چند بوندیں
انگلی میں ڈبو کر کالی داس اور سمجھو کی طرف اچھالیں اور
وہ کتوں کی طرح زمین پر گرنے والی بوندوں کو چاٹنے لگی
ہادوق کے قہقہے اس ہال میں بری طرح گونج رہے تھے
اور اس کی آواز میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

”میں پورنی ہوں۔ میں پورنی داس ہوں، میں پورنی
داس ہوں۔ سمجھو مہاراج، کالی داس، جھک جاؤ میرے
چرنوں میں، میں چھ پورنیوں کی مالک ہوں۔ میں نے
ہمان شکی حاصل کر لی ہے، جھک جاؤ میرے چرنوں میں
جھک جاؤ۔ اب میں صرف ہادوق نہیں بلکہ ہمان دوق ہوں
جھک جاؤ۔ جھک جاؤ۔“

کالی داس اور سمجھو ناچنے اس کے سامنے اوندھے گھر
پڑے تھے اور ہادوق کے خوفناک قہقہے غار کے در دیوار
ہال کے دے رہے تھے بہت خوش تھی وہ۔ میری طرف
کسی کی کوئی توجہ نہیں تھی۔ میرے جسم میں اب بھی تیر جھبے ہوئے

تھے لیکن اب کوئی تکلیف نہیں تھی بلکہ ایک عجیب سی سحرنگ
رگ دپے میں دوڑ رہی تھی پھر کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔ اچانک
ہی تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے اور ہر چیز اڑنے لگی۔

ہما دتی سیدھی کھڑی ہو گئی۔ شبھو اور کالی داس بھی اس کے
پیچھے آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ پتکدار ذرات کا ایک غبار غار
کے اندر داخل ہوا اور پورے غار میں پھیل گیا پھر اس نے
سمٹ کر ایک شکل اختیار کرنا شروع کر دی اور کچھ دیر کے
بعد وہاں بھوریا چرن نظر آیا وہی بدنما اور بدہیت شکل
لیے وہ خونخوار نگاہوں سے ہما دتی کو دیکھ رہا تھا اس کے
چہرے پر شدید نفرت کے آثار نظر آرہے تھے۔ ہما دتی
اور اس کے دونوں ساتھیوں نے بھوریا چرن کو دیکھا
اور بھوریا چرن کی نگاہ میں ادھر ادھر بٹھکنے لگیں۔ پھر ادھر بٹھ
نکت پہنچ گئیں۔ اور اس کا چہرہ بگڑ گیا۔

”ہما دتی۔ ہما دتی۔۔۔۔۔ کالی کی بھارن، یہ ادھار کی
شکنتی اچھی تو نہیں ہے تو نے اپنے گیان سے یہ بھی نہ معلوم
کیا کہ اس مسلمان کو یہ شکنتی کہاں سے مل گئی۔“

”جے شنکھا جہا راج، کیسے پدھارے، کیسے آنا ہوا۔“
”مجھے بتانے آیا ہوں ہما دتی کہ تو نے چور دروازے سے
پورن شکنتی حاصل تو کر لی مگر چہرہ پورنیوں کی، ساتویں پورنی
کہاں ہے بنائے گی۔“

”یہ بات تو شاید شنکھا بھی نہ بتا سکے۔ شنکھا جہا راج۔“
”پاگل ہما دتی پورن شکنتی میں نے ہی اسے دی تھی۔“

میں نے پورن جاپ کیا تھا اور پورنیاں اس کے شریر میں
اتار دی تھیں اور تو نے میری کمائی ہوئی چیز اس سے چھین
لی۔ ساتویں پورنی کو اس نے مار ڈالا ہے اور تو یہ بات
اگر نہیں جانتی تو مجھ سے سن لے کہ اگر پورنیاں سات

ہوں تو پورن پورا نہیں ہوتا۔ ادھورار ہتا ہے اور ایسے
جاپ ایسے متر ایسے گیان میں جو لنگڑے پورن کو بڑا نقصان
پہنچا سکتے ہیں میرا تیرا کوئی جھگڑا نہیں ہے ہما دتی لیکن اس

بات پر جھگڑا ہو سکتا ہے کیوں کہ تو نہیں جانتی کہ اس سے پورن
شکنتی چھین کر تو نے ایک بہت بڑا خطرہ پیدا کر دیا ہے
اسے پورن بنا کر میں نے جو بڑا کام کیا تھا وہ تو نہیں
جانتی۔۔۔۔۔ کہ وہ تیرے اور میرے اور ہمارے جیسے ہزاروں

کے لیے کتنا بڑا کام تھا۔ عورت کہے ناباولی، عورت ہے
”اگر عقل ہوتی تو آگے پیچھے دیکھ لیتی۔“

”جے شنکھا جہا راج، شنکھا ہمارا جہا راج میرے گھر
پدھارے میرا بڑا مان ہوا لیکن اس سے میں خوشی سے پاگل
ہو رہی ہوں نہ کچھ سمجھ میں آ رہا ہے نہ سمجھ پاؤں گی۔ آپ
جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں ہمارا جہا راج کچھ کہہ رہے ہیں لیکن اگر آپ
نے یہ شکنتی اسے دے دی تھی تو دے کر آپ پیچھے ہٹ گئے
تھے اور اس نے اپنی خوشی سے وہی چیز مجھے دے دی ہے حال
اس کا برا نہ مانیں۔“

”وہی تیرا بہت، وہی عورت والا کھیل چل ٹھیک ہے
میں تو اپنا بچاؤ کرنا چاہتا تھا مجھے بھی پورن شکنتی کا مزہ آئے گا
ٹھیک ہے اس کا۔۔۔۔۔ کی اب۔۔۔۔۔؟“
”کس کا ہمارا جہا راج۔“

”میں پاگل کتا۔ جو نہ جانے کیا کیا کرنا رہا ہے جیون بھر
جس نے اپنی ذات کو کشت دے ہیں ہمیشہ کیا نہیں ملا اسے
اور کیا لیا اس نے اس سے یہ کتا مجھے دے دے ہما دتی اس
کتے کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا بڑا ہان بٹا ہے سات
پورنیوں کا پورن تھا کبھی کسی سے کام نہیں لیا کشت میں
پڑا رہا تکلیفیں اٹھا تا رہا سب کو کا پڑا رہا بے سار پڑا رہا لیکن
بیروں کو نہ پکارا۔ ارے دے دے اسے اس پانی کو میں
ہی ٹھیک کر دوں گا بہت کچھ دکھانا ہے اسے سندار میں۔
ابھی۔ ایسے تھوڑی مرنے دوں گا سارا خون دے دیا بدن
کا۔ سترہ آدمی مارے تھے میں نے اس کے لیے نکال دیا
سارا بدن کا خون اور اب پڑا ہے بی کا کھا یا جھپٹا۔۔۔۔۔
دھت ترے کی، لا تا را سے اتار دے اسے۔“

”بیرو۔۔۔۔۔ بیرو۔۔۔۔۔ ہما دتی قنہا داز دی اور پورا۔
غار ان ٹیرے میرے تپا کوں سے بھر گیا جو پہلے میرے تھے
اور اب ہما دتی کے غلام تھے۔ وہ سب ہما دتی کے سامنے
جھک گئے ہما دتی کی آنکھوں میں فخر اترا آیا اس نے فاتحانہ
نگاہوں سے بھو یا چرن اور اس کے بعد شبھو اور کالی داس
کو دیکھا پھر بولی۔“

”بیر، شنکھا یہ شریر مانگتا ہے دے دے اسے اتار دو
یہ شریر اور پورے۔۔۔۔۔ سارے بیرو اور پر کی جانب دوڑے اور

انہوں نے مجھے احتیاط سے نیچے اتار کر زمین پر ڈال دیا۔ میرا جسم تو اب جسم تھا ہی نہیں بس ایک بے جان گوشت کا ٹوٹا ہوا تھا۔ پتہ نہیں شکل و صورت کیسی ہوگی، سنی دیکھ رہا تھا سوچ رہا تھا، سمجھ رہا تھا بول نہیں پارہا تھا اپنے چیخنے کی آواز بھی بلکہ کراہ تک منہ سے نہیں نکل پارہی تھی بھوریا چرن سے شدید غصے میں تھا اس نے ایک ہاتھ اوپر کیا چڑھے کا ایک پٹا اور نہ زیر اس کے ہاتھ میں آگئی اس نے چٹا میزی گردن میں ڈال دیا۔ زنجیر اپنی منہی میں پکڑی اور مجھے گھورتا ہوا بولا۔
 "ہاتھ پیروں کے بل چلتا میرے ساتھ آ جا چل اٹھ۔"
 اس نے آگے بڑھ کر ایک لالت جیسے جسم پر رسید کی۔ اور میں اپنے بدن کو سنبھال کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا شاید اس میں کامیاب بھی ہو گیا تھا لیکن کتے کی طرح نہیں چل سکا بلکہ اپنے پیروں پر ہی کھڑا ہو گیا بھوریا چرن نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اگر تو چاروں ہاتھ پیروں کے بل نہیں چلا تو میں تجھے آگ میں چلا دوں گا کتابن جاکتے آت بن جا۔" اس کی آواز میرے حواس پر مسلط ہونے لگی اور اس کے بعد میں دونوں اور دونوں پاؤں زمین پر لکائے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ غار سے باہر آگیا اور بھوریا چرن نے ایک عجیب سی سمت کا رخ کیا آنکھوں میں دھندلاہٹیں تھیں اور بدن میں لرزشیں، نظر بھی نہیں آ رہا تھا فکر، پتھر ہاتھوں اور پیروں میں چبھ رہے تھے لیکن انہیں کے بل چلنا تھا پھر شاید بدن کے نیچے گھاس آئی اور میں جانوروں کی طرح اونڈھا اس گھاس پر لیٹ گیا۔ بھوریا چرن نے زنجیر ایک طرف ڈال دی اور خود ایک پتھر پر جا بیٹھا نجانے پرانی حویلی سے کس طرح باہر نکل آیا تھا نجانے کتنا فاصلہ طے کر کے کہاں پہنچ گیا تھا اب کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی بھوریا چرن سامنے موجود بھی ہے یا نہیں یا زنجیر ڈال کر کہیں چلا گیا تھا۔ کسی بات کی تصدیق نہیں ہو سکتی تھی نجانے کب تک اسی طرح پڑا رہا اور نجانے کیا کیا کیفیات مجھ پر بیتی رہیں۔ میرے بدن سے خون کا ایک ایک قطرہ نکل گیا تھا یا پھر کچھ خون باقی تھا یقیناً باقی رہتا تو اعضاء کو جنبش کیسے دیتا مگر دل

ابن انتہاء کہتے ہیں کہ۔ "پندرہویں صدی میں کولمبس نے امریکہ دریافت کیا اس کے بارے میں دو نظریے ہیں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا تصور نہیں وہ ہندوستان کو یعنی ہمیں دریافت کرنا چاہتا تھا مگر غلطی سے امریکہ دریافت کر بیٹھا۔ اس بات یعنی نظریے کو اس بات سے تقویت ملتی ہے کہ ہم ابھی تک دریافت نہیں ہوئے.....
 دوسرا فریق کہتا ہے کہ نہیں کولمبس نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی۔ یعنی امریکہ کو دریافت کر ڈالا۔ بہر حال یہ غلطی بھی تھی تو بہت سنگین کیونکہ کولمبس تو مر گیا مگر اس کی غلطی کا خمیازہ ہم لوگ بھگت رہے ہیں۔"

اٹھائی تو یوں لگا جیسے سر کا وزن منوں بڑھ گیا ہو مشکل تمام آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تو محسوس ہوا جیسے پوئے ایک دوسرے سے جدا ہونے کے لیے تیار نہ ہوں۔ آہ کاش کچھ ہو جائے، اس عالم میں ہی کچھ ہو جائے دم نکل جائے میرا۔ بہتر ہی ہو گا بے جان جسم، بند آنکھیں، بھاری دماغ یہ بھی کوئی زندگی ہے اور اس طرح بھی کیا زندہ رہتے ہیں مرہ آتا ہے۔ سوچیں، سوچیں۔ حرف سوچیں اور وہ بھی اس طرح کہ کوئی سوچ ترتیب سے نہیں سنی بس نجانے کیا کیا خیالات ذہن سے گزر رہے تھے ایک بار یہ بھی سوچا کہ ہمدانی کی بات مان کر میں نے غلط تو نہیں کیا مجھ سے تو پورنیوں کو قتل کرنے کے لیے کہا گیا تھا کہ میں انہیں دان کر دوں۔ کیا پھر مجھ سے غلطی ہو گئی پورنیوں سے چھٹکارا ہی حاصل کرنے کے لیے کہا گیا تھا یا تو نہیں کہا گیا تھا ناجائز کر لیا، جہاں تک کوشش ہو سکی ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھ یا رعایت ملنی چاہئے ملنی چاہیے۔ بھوریا چرن کی آواز نے خیالات کا طہر توڑ دیا پکار رہا تھا مجھے کہنے لگا۔

”اے ادھان پرش ذرا گردن تو اٹھا دے۔ بہت بڑا انسان ہے تو۔ بڑا دھڑا تھا ہے اب بول کیا بیت رہی ہے میں نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا بھوریا چرن کا چہرہ بگڑا ہوا تھا میرے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں کھینچ گئے اس مسکراہٹ کو دیکھ کر بھوریا چرن اور گولہ ہو گیا بڑا بے غرت ہے بھی، نا دیکھے تیرے جیسے نا دیکھے حالت بکٹ ہے اور دانت نکل رہے ہیں۔“

”میرے دین میں اسے میرے کہتے ہیں بھوریا چرن۔“
 ”چنتا مت کر بچہ سارا جیون میری کرنا پڑے گا۔“
 ”مجھے زیادہ تیری حالت غم اب ہے بھوریا۔“
 ”لات دوں گا جبراً ٹوٹ جائے گا۔ زیادہ بک بک مت کر کوئی نہ بچا سکے گا اب۔ نہ تیرا دم نہ میرا سب کچھ دے دیا اسے باپ کا مال سمجھ کر۔“

اس بار مجھے زور کی ہنسی آگئی۔ بھوریا چرن کا انداز ہی کچھ ایسا تھا کہ اپنی تمام تر تکلیفوں کے باوجود میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا، اور اس بات سے وہ بالکل ہی دیوانہ ہو گیا، دانت پس کر آگے بڑھا، میرے قریب پہنچ کر رک گیا پھر بولا۔

”مرے ہوئے کو مار دوں کیا۔ ایسا مرے گا ایسا مرے گا کہ دیکھنے والے کان پکڑیں گے مجھے دیکھ کر، ایسا بدلا لوں گا تجھ سے کہ سنار میں کسی نے کسی سے ایسا بدلہ نہ لیا ہوگا تو نے میرا تو ستیا ناس کیا ہی ہے مگر بیٹا اپنا بھی ستیا ناس دیکھنا، ابھی کیا دیکھا ہے تو نے، بدلا لوں گا تجھ سے ایسا بدلا لوں گا کہ یاد کرے گا۔ ایسے گھاؤ لگاؤں گا تیرے دل میں کہ میرے من کے سارے گھاؤ بھر جائیں چل اٹھ اور اب تو۔ تو بول کر دکھانا ذرا، دیکھوں گا کیسے تیری زبان چلتی ہے اس نے جھک کر زمین پر سے تھوڑی سی مٹی اٹھا لی، میرے قریب پہنچا اور یہ مٹی میرے من میں بھر دی۔ عجیب طلیف مٹی تھی بدبودار۔ میں تھو تھو کرنے لگا، مجھے ابکائیاں آنے لگیں۔ مگر جسم اس عرج بے جان تھا کہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ غالباً ہاتھوں اور پیروں کے بل چل کر یہاں تک جو آیا تھا وہ بھی بھوریا چرن کی دی ہوئی قوت تھی۔ ورنہ جس شخص کے جسم سے سارا خون بہہ جائے

وہ جنبش کیسے کر سکتا ہے۔

بمشکل تمام منہ کی مٹی صاف کی اور اس کے بعد بھوریا چرن کو دیکھنے لگا۔ وہ بولا۔

اب ذرا ایک لفظ بھی بول کر دکھا دے اپنے منہ سے مان میں تیرے کو کہ تو بہت دھڑا تھا ہے؟ میں ٹھنڈی آہ بھر کر آنکھیں بند کر لیں۔

ارے او خواب کے جنے چل ذرا چل آگے بڑھ اس نے زنجیر پکڑی اور مجھے گھسیٹنے لگا گھسیٹتا ہی رہا تھا نجائے کتنی دور تک گھسیٹتا رہا تھا پھر شاید کوئی آبادی آگئی تھی دماغ تو ساتھ دے نہیں رہا تھا کتوں کے بھونکنے کی آواز تھی جس نے یہ احساس دلایا تھا کہ اس وقت کسی آبادی کے قریب سے گزر رہا ہوں میں نیچے چھوٹے چھوٹے پتھر کے ٹکڑے اور کچی زمین تھی پتھر نہیں بدن کی کیا حالت ہو رہی تھی۔ پتھر نہیں میرا جسم گھسیٹ رہا تھا یا شاید مردہ حالت میں مجھے گھسیٹے لے جا رہا تھا پھر اس نے میری زنجیر چھوڑ دی۔ پتھر گلے سے نکال دیا اور مجھے وہیں ڈال کر کہیں چلا گیا میں آسمان کو دیکھتا رہا جت پڑا رہا جانے کیا کیفیت ہو رہی تھی میں اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دے سکتا بہت دیر کے بعد بھوریا چرن واپس آیا خوش نظر آ رہا تھا مجھے آواز دی تو میں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”کہوتیا گی جی مہاراج کیسے حال ہیں تمہارے میں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اور بولنے کی کوشش کی منہ کھلا۔ لیکن آواز غائب ہو چلی تھی۔ بہت زور لگا یا پتھر نہیں بسمانی۔ کمزوری تھی یا پھر بھوریا چرن نے جو حرکت کی تھی اس کا نتیجہ بولنے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی تو وہ قہقہے لگانے لگا خوب ہنسا پھر بولا۔

بھوک لگ رہی ہوگی۔ اس لگ رہی ہے نا بھوک کھا نا کھلائیں تمہیں لوہہ کھا لو۔ اس نے ایک برتن سامنے کیا ایک عجیب سی بعض زندہ چیز تھی وہ اس نے میرے چہرے کے بالکل قریب کر دی۔ ایک بار پھر حالت بگڑنے لگی۔

”ذرا نہیں مہاراج۔ بہت اچھا صومن ہے گوہر ہے یہ کھا لو۔ کھا لو بہت اچھا ہوتا ہے اور پھر سے بھی گائے کا۔“
 اس نے پلیٹ میرے منہ پر جھینک دی اور گوہر میرے چہرے پر جگہ جگہ تھپ گیا۔ ہاتھ اٹھا کر مشعل تمام چہرہ صاف کیا۔ اور

ایک دن ہارون رشید ہسلوں کے ساتھ حمام

میں گیا۔ خلیفہ نے ہسلوں سے مذاق میں پوچھا۔

اگر میں غلام ہوتا تو اس حالت میں میری قیمت کیا لگتی؟...

ہسل نے جواب دیا۔ پچاس دینار

خلیفہ غصے ہو کر بولا۔ پگلے! صرف یہ تمہ

جو میں نے باندھ رکھا ہے، پچاس دینار کا ہے۔

ہسل نے جواب دیا میں نے صرف تمہ

کی ہی قیمت لگائی ہے ورنہ خلیفہ کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

محمد ابراہیم جمالی

کے نیچے جھکا ہوا تھا۔ جبرانی سے ادھر ادھر دیکھا کون کہاں لے آیا۔ منظر کیسے بدل گیا رفتہ رفتہ رونق ہونے لگی لوگ آنے جاتے نظر آئے کسی نے رک کر میرے سامنے کچھ ڈال دیا دیکھا تو ایک روپے کا نوٹ تھا میں نے جیب کی سی منکراہٹ کے ساتھ آنکھیں بند کر لیں پھر کوئی اور آیا اور میری گود میں کچھ رکھ گیا ٹوٹ کر دیکھا تو دو پوریاں اور ان پر رکھی ہوئی فرکاری تھی یہ میری ضرورت تھی چنانچہ میں نے اس من و سلوی کو احرام سے اٹھالیا اور کاٹتے باحوں کے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے لگا اس نعمت کو کھا کر میں نے آنکھیں بند کر لیں دل نے خدا کا شکر ادا کیا پیاس لگنے لگی تھی۔ پانی غور سے فاصلے پر نظر آ رہا تھا۔ غائبانیوں سپی کا نکلتا تھا جس سے تھوڑا تھوڑا پانی بہہ رہا تھا۔ بدن کو خشک دی پیروں سے کھڑا تونہ ہو گیا گھسٹنا ہوا نکلے تک پہنچا پانی پیا اور جسم آسودہ ہو گیا ایک بار پھر چل چکھ رہا تھا۔ ٹھیک ہے کوئی حرج نہیں ہے سزا پوری ہوئی چاہے تاکہ جزلے میں خوش ہوں میرے معبود..... مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے میں بالکل مطمئن ہوں میں تیری رضا

آنکھیں بند کر لیں۔ بھوریا چرن کہنے لگا۔ چلو یہ بھوجن ناپسند ہے تو ادھر دیکھو وہ کھا لو اس نے پاؤں سے برادرخ دوسری جانب کر دیا ایک گندی نالی تھی جس میں سفید رنگ کے کیڑے کھلا رہے تھے بھوریا چرن ہلستا ہوا آگے بڑھا کیڑوں کو منٹھی میں بھرا اور میرے چہرے کے قریب کر دیا۔

”بڑے بڑھیا ہیں یہ، کھا کر دیکھو آتما کو شانتی ملے گی۔ پیٹ بھی بھر جائے گا“ میں نے وحشت کے عالم میں سنا بدل لیا اور بھوریا چرن قہقہے لگانے لگا: ستیاناس مار دوں گا تیرا..... جل اٹھ..... اٹھ..... اس نے جھک کر میرے بال کپڑے اور اس کے بعد مجھے سیدھا کھڑا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پیروں میں بانگل جان نہیں تھی کھڑا ہوا تو زمین پر گر پڑا پھر دوبارہ کھڑا ہوا اور دوبارہ زمین پر گر پڑا بھوریا چرن بدستور قہقہے لگانے لگا تھا۔ اور میں نے اپنا ذہن و دل ساکت کر لیا تھا نہ غصہ آ رہا تھا نہ افسوس ہو رہا تھا بس دل میں ایک ٹھنڈک سی اثر رہی تھی اور شاید یہ ہی ٹھنڈک مجھے زندہ رکھنے کا باعث تھی بھوریا چرن نے میرے منہ پر تھوکا۔ اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ میں وہیں پڑا رہا بدن میں تحریک ہی نہیں ہو رہی تھی کئی بار اٹھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا اور اس کے بعد وہیں رخسار زمین پر کھڑک کر ساکت ہو گیا۔ موت کتنی بے رحم ہے، وہ جو جینا چاہتے ہیں وہ جو زندگی کی تمام آسائشیں چاہتے ہیں وہ جو زندگی سے تڑپنا ہیں انہیں ایک لمحے میں لپیٹ لے جاتی ہے اور وہ جو اس کے آرزو مند ہوتے ہیں وہ جن پر زندگی خلاب جہنم ہوتی ہے انہیں وہ دور سے دیکھ کر مسکراتی رہتی ہے اس وقت موت بھی میرے قریب آنے سے گریز کر رہی تھی ٹھیک ہے کیا ہرج ہے ہر حالت میں فکری کرنا ہو گا کیونکہ اور کچھ نہیں سکتا۔ ہمارا بادشاہ بے جان ہو گیا سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو گئیں پھر شاید کسی نے چہرے پر پانی ڈالا تھا لوہے کی دھار سے پانی ڈالا تھا ہوش تو آ گیا تھا لیکن آنکھیں نہ کھل رہی تھیں بدن میں توانائی سی محسوس ہوئی آنکھیں دیکھا تو کوئی موجود نہیں تھا البتہ ایک انسان سرک نظر آ رہی تھی اور میں اس سرک کے کنارے زمین پر ایک دفعت

میں خوش ہوں بہت شکر ہے تیرا کہ تو نے مجھے اپنی نعمتوں سے نوازا مجھے کوئی شکایت نہیں ہے میں مطمئن ہوں۔

واپس پٹنہ دل چاہا کہ اپنے پیروں سے چلوں دھپل پایا درخت کا سایہ غنیمت تھا۔ پورا دن وہیں گزار دیا دینے والے دیتے رہے زبان بلا کر یہ کہنے کی کوشش کی کہ یہ پیسے میرے لیے بے کار ہیں اگر ہو سکے تو روٹی دے دو لیکن گویائی تو بھوریا حیرن لے گیا تھا نہ ہی دینے والے نے صبح کا ناشتہ دیا ہے تو ضرورت کے مطابق کھانا بھی دے گا۔ اور بڑا اطمینان ہوا اس وقت مجھے جب دو تندرستی روٹیاں اور ایک پلیٹ سالن جو مٹی کے ایک برتن میں تھا، لا کر میرے سامنے رکھ دیا گیا۔ میں نے بڑے اعتماد سے اسے کھایا یہ جگہ بہت مناسب ہے بقیہ زندگی یہاں بہ آسانی گزاری جاسکتی ہے رزق دینے والا اللہ ہے جو غافل نہیں ہے۔ کھانا مل جاتا ہے اور پانی قریب ہی موجود ہے میں نے وہیں اپنا بیکر کر لیا جانے کتنے دن گزر گئے تھے لیکن دونوں کا حساب وہ نہیں جنہیں دنوں سے دلچسپی ہو مجھے دن گزرنے سے کیا ملتا دیرھی بڑھ گئی۔ بال بڑھ گئے وقت نے شکل بدل دی ہڈیاں ابھر آئیں۔ آنکھوں میں حلقہ پڑ گئے صبر و سکون سے گزر بسر کرتا رہا پاؤں بے جان تھے۔ قوت گویائی ختم ہو گئی تھی گھسٹ

انتخاب

رمضان نے شادی کے لئے ایک دولت مند لڑکی ڈھونڈی اور ایک نظر اچھی والدہ کو دکھانے کے لئے اسے کھانے پر مدعو کر کے گھر لے آیا۔ کھانے کی میز پر اس کی والدہ نے لڑکی کو دیکھا تو دم بخود رہ گئیں۔ کھانے کے بعد وہ بھانے سے رمضان کو ایک طرف لے گئیں اور ناگواری سے سرکوشی میں بولیں "پوری دنیا میں تمہیں یہی لڑکی ملی تھی شادی کے لئے؟ اس کے چہرے پر ہال ہیں آنکھوں سے جھگی ہے دانت ٹیڑھے ہیں اور ذرا رنگت تو دیکھو اس لئے تو بے چارہ"

رمضان ان کی بات کانٹے ہوئے بولا "آپ کو سرکوشیوں میں بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ آرام سے اونچی آواز میں بات کیجئے۔ وہ بہتر بھی ہے۔"

گھسٹ کر چلتا تھا بس لیکن اس دن صبر کا پیمانہ بھج چکا تھا جس نے ایک ایسا منظر دکھا جس نے میرا دل سینے سے نکال لیا۔

ابا جان تھے۔ ہاں بھلا انہیں بھول سکتا تھا۔ بنیاتی بھی ختم ہو جاتی تو تب بھی انہیں محسوس کر لیتا لاغر ہو چکے تھے۔ خرا ماں خرا ماں چلے آ رہے تھے دیکھ کر دل بری طرح سے دھڑکنے لگا۔ ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرنے کی کوشش کی زبان سے انہیں پکارنا چاہا۔ رک گئے مجھے دیکھا جیب سے ایک روپے کا نوٹ نکالا میرے ہاتھ میں تنہا اور وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ میں اس نوٹ کو دیکھنے لگا انہیں آوازیں دینا چاہیں۔ پہچان سکے تھے مجھے۔ یہ بھوریا حیرن کا جادو نہیں تھا۔ یہاں دل کی گہرائیاں پکار رہی تھیں کہ وہ میرے باپ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔ نوٹ کو چومتا رہا سینے سے بھینچ کر روتار رہا یہ نہیں آنکھوں سے آنسو نکل بھی رہے تھے ہاتھیں پیروں میں قوت ہوتی تو دوڑتا ان کا پیچھا کرتا کسی طرح انہیں بتا دیتا کہ میں آپ کا بیٹا ہوں آپ کا مسودہ ہوں دل بچانے کے سک زخموں سے چور رہا۔ بدن کے زخم دل کے اس زخم کے سامنے بے جان ہو گئے تھے تب ہی ایک احساس دل میں ابھر ا کسی نے میرے کان میں کہا۔ اور اس کے باوجود تو شکر ادا نہیں کرتا کم از کم مجھے۔ یہ اندازہ تو ہو گیا کہ تیرے باپ زندہ ہیں وہ تیرے سامنے سے گزر رہے ہیں بے شک تجھے پہچان نہ سکے لیکن کیا شکر کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تو نے اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ لیا۔ آنکھیں بند ہو گئیں اور دل اندر ہی اندر شکر کے کلمات ادا کرنے لگا۔ آرزوئیں ہی تو اس جگہ آتی ہیں یہ بھی ایک آرزو تھی لیکن اللہ کی طرف سے اسے یہیں تک رہنا تھا۔ ورنہ باپ کا خون جوش مار سکتا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ ابا جان یہاں اس شہر میں موجود ہیں نہ جانے کونسی جگہ ہے نکلنے کوں سا خیر ہے۔ کسی سے پوچھنے کے لیے گویائی تو ساتھ ہی نہیں دے رہی تھی صبر و سکون سے ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لے کر رہ گیا۔ وہ نوٹ میں نے سنبھال کر احتیاط سے اپنے سینے کے قریب رکھ لیا جس میں مجھے اپنے باپ کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا تھا اور سینے کے قریب اس نوٹ

قرآن مجید کے پڑھنے میں ثواب اور سمجھ کر پڑھنے میں دس گنا ثواب ہوتا ہے۔ قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان اور بامحاورہ اردو زبان میں کلام پاک کا ترجمہ **روشن چراغ** کا مطالعہ کیجئے اور خالق کائنات کے احکامات کو اپنی زبان میں سمجھ کر دین و دنیا کی برکتیں سمیٹ لیجئے۔ ہدیہ صرف چالیس روپے۔ منگوانے کے لئے دس روپے کا پیشگی منی آرڈر کریں۔

کی قربت نے بڑی ٹھنڈک بخشتی تھی جتنی جلدی روح کو پیلے بدن کو نہ جانے کیا دے دیا تھا اس نور کے لمس نے آہستہ آہستہ آسمان سے رات اترتی آرہی تھی بڑی بے چین رات گزری تھی۔ بڑا بے کل رہا تھا دن۔ تصورات نبائے کہاں کہاں پہنچ رہے تھے اباجی مجھے پہچان نہ سکے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ پتہ نہیں ان سب کے ذہنوں میں میرا کیا تصور گیا ہے اب اتنے عرصے کے بعد تو وہ مجھے سہول بھی چکے ہوں گے سو جا تو ہو گا انہوں نے کہ نہیں سے میری کوئی فہم نہیں ملی تو اس کا ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے کہ اب اس دنیا سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے میں یہاں سے جا چکا ہوں اچیلے ایسا ہی ہو..... کم از کم انہیں تو صبر آگیا ہو گا۔ میں تو ابھی امتحان کی منزل سے گزر رہا ہوں مجھے اگر صبر مل جائے تو بات ہی کیا ہے آنسوؤں نبانے کس طرح آنکھوں سے نکل آتے تھے۔ نبانے یہ ذخیرہ بدن کے کس گوشے میں پوشیدہ تھا پھر نیند نے افوش مادر کا کہہ مارا دیا اور اپنے وجود میں سمیٹ لیا۔ دوسرا دن معمول کے مطابق تھا۔ چلتے پھرتے انسان۔ انسانوں پر رحم کھاتے ہوئے رزق عطا ہو جاتا تھا ابھی تک اتنے دن گزر چکے تھے یہاں پڑے ہوئے، ایک مدت بھی بھوکا نہیں ہوا تھا۔ کبھی بے بسی سے بھوک سے ایڑیاں نہیں رگڑی تھیں۔ یہ معاملہ بھورا چہرہ کا نہیں تھا بلکہ یہاں رزق عطا کرنے والے نے میرے لیے حکم صادر فرما دیا تھا کہ بھوکا نہ رہوں دوپہر کا وقت تھا میں نے کچھ فیروں کو بھاگتے ہوئے دیکھا ایک میرے قریب سے گزرا رکا اور جھک کر بولا۔

”اے کیوں مر رہا ہے یہاں بھاگ جا بھاگ جا پولیس

فیروں کو پکڑ رہی ہے اٹھا کر لے جائے کی بیٹا اور بیٹیاں توڑ دے گی ابے بھوٹ وہ آرہی ہے یہ کہہ کر وہ آگے دوڑ لیا میں نے وحشت زدہ نظروں سے اس سمت دیکھا جہر سے وہ آ رہا تھا۔ درحقیقت توڑے فاصلے پر پولیس کے دوڑے ٹرک کھڑے ہوئے تھے اور پولیس والے ڈنڈے لے لے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے جو فیران کے ہاتھ لگتا اسے وہ بازو قفل سے پکڑتے اور ٹرک میں ڈال دیتے۔ میں نے صبر و سکون کے ساتھ یہ نظر دیکھا نہ تو بھاگ سکتا تھا نہ ان سے کچھ کہہ سکتا تھا۔ دو موٹے تازے پولیس والے ڈنڈے ہاتھوں میں لیے میرے قریب پہنچے اور خونی نظروں سے مجھے دیکھ کر بولے۔

آپ یہاں براجمان میں مہاراج آئے اب ذرا۔ سرکاری ہسپتال تو گئے لیجیے اے اٹھا لگاؤں ڈنڈا کر پر۔ میں نے ہاتھوں کے بل آگے کھسکتے ہوئے انہیں اپنے پیروں کی جانب متوجہ کیا۔ دوسرا پولیس والا کہنے لگا۔

”معدور ہے سالا، چلو اٹھا کرے چلو۔ انہوں نے بڑی بے ہمدردی سے میری بغلوں میں ہاتھ ڈالے، میں نے پاؤں سیدھے کر کے زمین سے کھائے اور ان کے ساتھ گھسٹنے لگا ٹرک کے قریب پہنچ کر انہوں نے مجھے دو تین بار مچلایا اور پھر ٹرک پر پھینک دیا۔ دو فیروں نے مجھے زور زور سے دھکے دیئے اور غراتے ہوئے بولے۔

”اندھے کے بچے دیکھتا نہیں ہے ہم بیٹھے ہوئے ہیں اے سرک انہوں نے لاتوں سے مجھے ایک طرف سرکا دیا اور میں سمٹ کر ایک کونے میں جا بیٹھا کئی اور فقیر یہاں سے کھڑے گئے تھے گایاں دے رہے تھے۔ پولیس والوں

کو برا بھلا کہہ رہے تھے خوفناک بددعائیں دے رہے تھے اور پولیس والے نہیں رہے تھے۔

بیٹا اگر ان بددعاؤں سے ہمارا یہ حال ہو جاتا تو ہمارا یہ حال کبھی نہ ہوتا اب چپ بیٹھو درندہ ڈھکے مار مار کر سر بھاڑ دیں گے دو پولیس والے ٹرک پر چڑھ آئے۔ اور اس کے ایک گوشے میں خود بھی بیٹھ گئے ٹرک اسٹارٹ ہو کر چل پڑا اور میں اس نئی منزل کا انتظار کرتے لگا جو میرے لیے مخصوص کی گئی تھی یہاں اس درخت کے نیچے جیسی بھی گزر رہی تھی بہتر ہی تھی۔ پانی بھی موجود تھا غذا بھی اللہ تعالیٰ فراہم کر دیتا تھا۔ باقی سب کچھ اس کے اپنے اختیار میں تھا لیکن بنجانے یہ جگہ کیسی ہو گی دل ہی دل میں تو بہ کی جس نے یہاں زندگی عطا کی اور رزق پہنچا یا وہی قادر مطلق ہر جگہ موجود ہے۔ بھلا فکر کیوں کیا جائے جب اس نے سانسوں کو بخشا ہے تو ان سانسوں کے لیے بھی متعین کر دیا ہو گا کہ وہ کیسے گزریں گی آنکھیں بند کر کے ٹھنڈوں میں سر دے کر بیٹھ کر تھوڑی دیر کے بعد ٹرک ایک بڑی سی عمارت کے احاطے میں داخل ہو کر رک گیا اس کے تختے کھول دیئے گئے اور فقیروں کو نیچے کودنے کے لیے کہا گیا۔ جو معذور تھے انہیں پولیس والے اتار اتار کر نیچے ڈال رہے تھے۔ پھر نیچے اتارنے کے بعد وہ انہیں بھڑکریوں کی طرح ایک سمت ہانکنے لگے اور سب کو ایک کونے میں جمع کر دیا ٹرک وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ سب طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے خدا کا خوف دلارہے تھے بھگوان پر مہشور اور نہ جانے کیا کیا نام لے کر پولیس والوں کو ڈرا دھمکارہے تھے پھر پولیس کا افسر اعلیٰ قریب آیا اس نے سب کو دیکھا اور کہا۔

”ختم لوگوں کو شرم نہیں آتی تم میں سے تو بے شمار لیے ہیں جو ہم سے بھی زیادہ تندرست و توانا ہیں۔ میں معذروں کو نہیں کہتا لیکن جو تندرست ہیں وہ تو اپنا کام محنت مزدوری کے چلا سکتے ہیں یہ لعنت آخرتہ لوگوں پر کیوں سوار ہے ملک کو محنت کشوں کی ضرورت ہے اور تم ہو کہ حرام خوردی کرتے ہو بھیک مانگتے ہو جو ہنٹے کٹے مشنڈے تھے وہ تو ہتلا کرنے لگے اور کہنے لگے کہ آئندہ وہ محنت مزدوری

کر کے وقت گزاریں گے جو معذور رہتے وہ خاموش اور بے بس سے پولیس والوں کو دیکھتے رہے۔ پولیس کے افسر اعلیٰ نے کہا۔

”تمہیں سزا ملے گی بھیک مانگنے کی سرکار نے یہی حکم دیا ہے ایک ہفتے کی سزا کا نو گئے یہاں اور اس کے بعد جو معذور ہیں انہیں ایسے اداروں کے سپرد کر دیا جائے گا جہاں معذور کی دیکھ بھال ہوتی ہے لیکن انہیں وہاں کچھ کام دھندے کرنے ہوں گے یہ فیصلہ ہے سرکار کا۔ چلو انہیں کوٹھڑیوں میں بند کر دیں۔

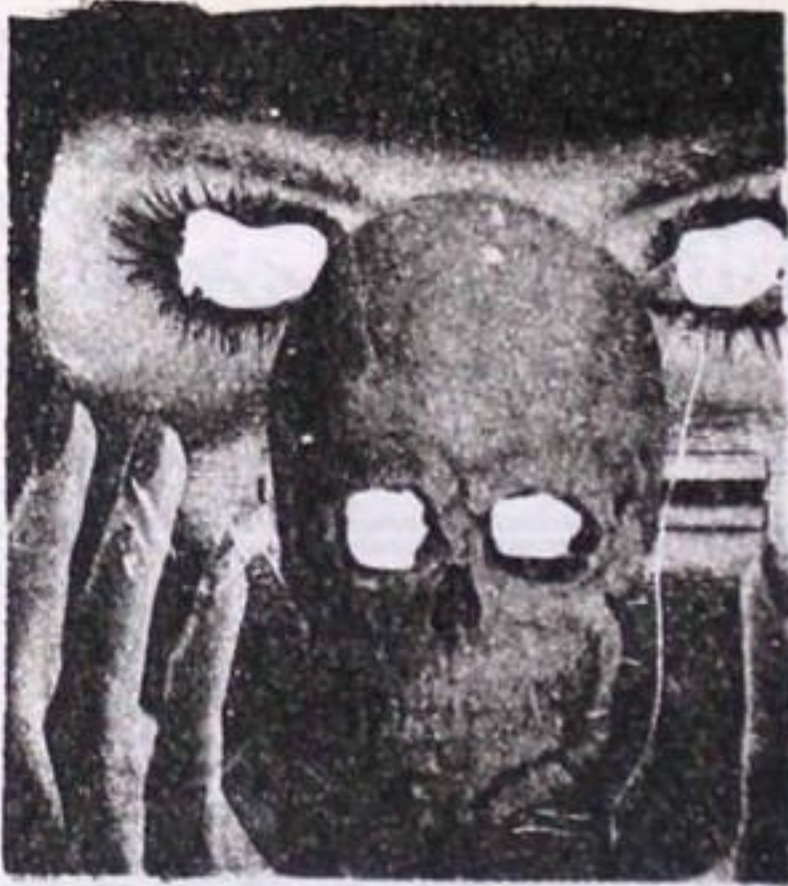
فقیروں کو پھر ایک بار بار کا جانے لگا مجھے معذور تسلیم کر لیا گیا تھا ہر حال مجھے ہی سہارا دے کر ایک کوٹھری میں پہنچا دیا گیا۔ کوٹھری میں میرے علاوہ دو تین فقیر اور تھے اور ایک دو ایسے ملزم تھے جنہیں پولیس نے گرفتار کیا تھا ایک گوشے میں ہیں بٹھا دیا گیا۔ ان لوگوں نے احتجاج کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک ملزم نے پولیس افسر سے کہا۔

”حوالدار صاحب ان کوٹھڑیوں کو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی انہیں کہیں اور رکھا جائے ورنہ ہم سب ہڑتال کر دیں گے۔

”ابھی میری ہڑتال کراؤں نکالو بے نکالو اسے باہر نکالو یہ لہڈر ہے ہڑتال کرے گا۔ پولیس کانسٹیبل نے لاک اپ کا دروازہ کھولا اور اس لیڈر کو باہر گھسیٹ لیا پھر لاک اپ کے سامنے ہی اس کی خوب پٹائی کی گئی اور وہ چیخنے چلانے لگا بعد میں اسے مار پیٹ کر دوبارہ لاک اپ میں ڈھکیل دیا گیا تھا میرے ساتھ سبھی چار پانچ فقیر تھے جو نیٹھے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے میں خاموش تھا۔ فقیروں نے آپس میں بات چیت شروع کر دی ایک نے کہا۔

”تو ایک ہی ہے سڑک پر زیادہ تکلیف ہوتی تھی دھوپ ٹھنڈک برداشت کرنا پڑتی تھی یہ پولیس کی بھیک ہے روٹی تو دیں نا سسرے پھر رفاہی اداروں میں بھیج دیں گے وہاں بھی روٹی ملے گی ارے بھائی بھیک مانگنا یہی کون چاہتا ہے ہاتھ پاؤں ہی کام نہ کریں تو کیا کیا جائے کیوں بھائی میاں ۱۔

”ٹھیک ہے مگر یار ہوتی بری ہے دیکھیں گے سسرے۔



کب تک کھلاتے ہیں ہونہر باپ دادا کا دھندہ ہے بھلا
کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟

جتنے منہ اتنی باتیں، میں تو ان میں حصر ہی نہیں لے
سکتا تھا چنانچہ سکون سے بیٹھا انہیں دیکھتا رہا عجیب دنیا
تھی ایک انوکھا تجربہ تھا میرے لیے وہاں اس درخت
کے نیچے تنہا ہی ہوتا تھا لیکن اب وہاں اس نئی برادری سے
واسطہ بڑا تھا اور خوب مزے مزے کے لوگ تھے یہ رات
ہو گئی سارے کے سارے ایک دوسرے سے اپنا تعارف
کراتے رہے اپنی اپنی کہانیاں سناتے رہے اور میں کن کر
حیران رہ گیا تھا۔ وہ معذرت تھے کسی کے ہاتھ نہیں تھے
کسی کے پاؤں مغلوج تھے اور کسی کو کوئی اور بیماری تھی
لیکن زندگی ان کے لیے کسی طرح ان لوگوں سے کم دلکش
نہیں تھی جو دنیا میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں۔
اور اپنی اپنی کمائی کے بارے میں بتا رہے تھے اور اس
کے بعد اپنے مشاغل کے بارے میں ایک نے کہا۔

یار میرے پاس تو بڑی شاندار جگہ تھی وہاں بیٹھ کر تو
ڈیڑھ دو سو روپے چکیوں میں آجاتے تھے اور کبھی کوئی
صدقہ خیرات مل جائے یا زکوٰۃ دینے والا آجائے تو کچھ بڑے
آگے پھلے مہینے یا نچ فلمیں دیکھیں اور بال بچوں کے لیے
بڑے کپڑے بنائے کپتوں نے وہ جگہ بھی چنوا دی تھی خطرہ
ہے کہ کہیں کوئی اور نہ وہاں جا بیٹھے۔

”ابے سارے شہر میں ہی فقیر پکڑے جا رہے ہیں۔
کوئی اور وہاں کیسے جاسکتا ہے۔“

تو فقیر چھوڑے بھی تو جائیں گے ابے ہم سب سمجھتے ہیں۔
کوئی نیا حکم آیا ہوگا کسی نئے افسر کو سوچا ہوگی اس نے یہ
حکم چلا دیا بعد میں بھول جائے گا۔ وہ بھولے گا تو باقی لوگ
بھی بھول جائیں گے۔ تمام فقیر نہیں لگے تھے۔

شام ہو گئی جھپٹنے رات کی سیاہی میں تبدیل ہو گئے ہیں
ناموش بیٹھا ہوا تھا۔ ایک فقیر نے دوسرے سے کہا۔
”ابے پہلوان، بیڑی ہوگی تیرے پاس۔“

”ابے میں خود مر رہا ہوں پورا بدل پٹا ہوا تعجب میر
اٹھانک میں نکل گیا کہیں۔“

”مارے گئے اب کیا ہوگا۔“

”کوئی جگاڑ لگانی پڑے گی پیاسہ یہ پولیس والے بھی
سارے کے سارے رام بھروسے ہوتے ہیں۔ چائے تک
نہیں ملی سارا دن نکل گیا کہیں۔!“
بیڑی کی طلب ہو رہی ہے یا راجے کسی کے پاس بیڑی
پڑی ہے۔“

”سگریٹ پو تو لے لو بادشاہ بیڑی نہیں ہے؟
لا دیدے۔“

”ہفتے سب کی خوشخبری سنائی گئی ہے مال اقیانوس سے خرچ
کر دو۔ ہم سب فقیر نے باقی دو کو ہوشیار کیا اور سگریٹ کے کش
بڑی ترتیب سے لگائے جانے لگے پٹنے والا ملزم گراہ رہا تھا
کیونکہ ایک بولنے والے کی گرامیں اچانک سنی جا رہی تھیں۔“

رات کا کمانا دیا گیا دو دو روٹیاں دال وغیرہ سب کھانے میں
مصروف ہو گئے لاک اپ کے سامنے راہداری میں ایک ملکجا
بلب روکشن تھا جس سے لاک اپ میں بھی روشنی پھیلی ہوئی
تھی کھانے سے سب فارغ ہو کر آرام کرنے کے لیے زمین پر

لیٹ گئے میں بھی اپنی جگہ گھٹنوں میں سر دیتے بیٹھا رہا۔
لاک اپ میں ایک ملزم کا اور اضافہ ہوا دروازہ کھول کر
اسے اندر ڈھکیل دیا گیا تھا میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور
پورا بدن کر بے سے چیخ اٹھا۔ زخموں کے منہ کھل گئے اور وہ
چیخ اٹھے پورے بدن کو ایسا ہی جھکا لگا تھا۔ وہ مامول دیاض
تھے۔ مامول دیاض انہیں اندر پہنچا کر دروازہ بند کر دیا گیا۔

علم الاعداد، علم تحریر، علم قیافہ، علم نجوم، کردار شناسی نہ جادو ہیں نہ جھوٹے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کو دماغ نام کا کمپیوٹر عطا کیا ہے اس کمپیوٹر میں سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیتیں بھری ہیں۔ حقیقت ہے کہ کسی علم کی طرف توجہ دی جائے صرف توجہ دینے ہی سے ہر گتھی کو دو اور دو چار کی طرح سلجھایا جاسکتا ہے۔ سیکڑوں ماہرین نے ہزاروں سال تجربات کئے اور پھر ایسے صدیقی نے سب کے تجربات کو موجودہ صدی میں ”دنیا کے چھ پراسرار علوم“ کے نام سے یک جا کر دیا ہے۔
(پروفیسر عالم اقبال)

ڈاکٹروں کا کہنا ہے اگر انسان اپنی بیماری کو جان لے تو اس کا تدارک آسان ہو جاتا ہے اور بہت معمولی معمولی دواؤں سے وہ اپنا علاج خود کر سکتا ہے۔ عالی جناب ڈاکٹر پی۔ سی گپتا نے مجروحہ دکھانے والی دوسو ہومیوپیتھک دوائیں اور ان کے استعمال کے طریقے ”ہومیوپیتھک ڈاکٹر بنو“ نامی کتاب قیمت بیس روپے میں درج کر دیئے ہیں۔ اس کتاب کی مدد سے غریب و نادار لوگ پیسہ بچا کر بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ”کتاب والا“ سے طلب کریں۔
(محمد انیس)

اپنی جگہ سے اٹھا ادھر ادھر دیکھا ماموں ریاض کی طرف بڑھا اور پھر ان پر گر پڑا۔ میرے مضبوط ہاتھ کے ٹپکنے نے ان کا علقوم پھینچ لیا تھا۔ انہوں نے مداخلت شروع کر دی دونوں ہاتھوں سے میری کلائی پکڑی مگر میرا پنجہ حلق سے نہ ہٹا سکے۔ ”کلمہ پڑھو“ میں نے فرما کر کہا وہ بھی جی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگے۔ میں گرفت ڈھیلی کر رہا ہوں۔ کلمہ پڑھو رتہ رتہ زبانی باہر نکال دوں گا۔ میں نے یہ کہہ کر گرفت ڈھیلی کر دی وہ دونوں ہاتھوں سے گردن مسلنے لگے پھر انہوں نے خوف آواز نکالی تو میں نے جھپٹا مار کر دوبارہ ان کی گردن پکڑ لی۔ ”اگر تم مسلمان ہو تو صرف کلمہ پڑھو دوسرا ایک لفظ تمہارے منہ سے نکلا تو... نو... میں نے پھر دباؤ لگا کر دیا۔

ماموں ریاض نے ہنسی ہنسی آواز میں کلمہ پڑھا۔ ”دوبارہ“ میں نے کہا اور انہوں نے دوبارہ کہا۔ میرے کہنے پر تیسری بار کلمہ پڑھا اور میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے ماموں ریاض مجھے بھی جی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

”ریاض احمد ہے آپ کا نام؟“ میں نے گلوگر بچے میں پوچھا۔

اور ماموں ریاض گھبرائے گھبرائے سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ایک خالی جگہ جا بیٹھے وہ بدحواس اور پریشان نظر آ رہے تھے دل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا۔ کلیم منہ کو آگیا پھر حواس نے کچھ یاد دلایا پہلے بھی سو رہا چون نے کھیل کھیلنا ماموں ریاض پہلے ہی میرے سامنے لائے گئے تھے بعد میں کچھ اور نکلا تھا۔ پورنی کشابن کر آئی تھی اس شیطان کے لیے یہ سب کچھ کر دینا مشکل نہیں وہ اس عالم میں پہنچانے کے بعد بھی میرے پیچھے لگا ہوا ہے آنکھیں ملنے لگیں۔ میں جی آنکھوں سے انہیں دیکھتا رہا۔ وہ پریشان سر جھکائے بیٹھے تھے رات گزرتی رہی اور پھر ہر طرف سناٹا چھا گیا، قیامی سو گئے بھانت بھانت کے خراٹے ابھرنے لگے۔ بستر پر بھی گشت ختم کر کے کہیں جا بیٹھے تھے میں مسلسل ماموں ریاض کو گھورتا رہا تھا اس قدر بھان کا شکار ہو گیا تھا کہ اپنی مات کا احساس بھی نہیں رہا اور زبان کو جنبش دی تو طویل عرصہ کے۔ ”ماپنی سرگوشی سنی اس بیجان نے میری گویائی واپس کر دی تھی میرے بدن میں زندگی دوڑا دی تھی۔ میں کھڑا ہو سکتا تھا بول سکتا تھا مگر سب کچھ بھولے ہوئے تھا ماموں ریاض پر نظر میں جی ہوئی تھیں

”ہاں... ہاں وہ جانکنی کے سے انداز میں بولے اور میں ان سے لپٹ گیا۔ میں نے انہیں پہنچ لیا وہ گھر گھر کر مجھے خود کو چھڑا رہے تھے نہ جانے کیا گھر رہے تھے وہ ہیشکل تمام انہوں نے مجھے قدرے دود کیا۔ کیا ہو گیا کیا بات ہے بھائی وہ کب سے ہے انداز میں بولے۔

”مجھے پہچانتے مجھے پہچانے ماموں ریاض۔“
”مم... ماموں ریاض۔ لگ کون ہو تم۔ میں میں نہیں نہیں جانتا۔ وہ اسی انداز میں بولے۔

”میں مسعود ہوں ماموں ریاض آپ کا بھانجا مسعود۔“
”ماموں میں آپ کا بھانجا ہوں۔ میں نے روتے ہوئے کہا۔“
”مسعود مسعود وہ آنکھیں پھاڑ کر مجھے گھورنے لگے بہت دیر تک گھورتے رہے پھر کھوٹے کھوٹے لہجے میں بولے۔“
”مسعود...“

انداز ایسا تھا جیسے اس نام کو یاد کر رہے ہوں۔ مجھے گھورتے ہی جا رہے تھے پھر نہ کچھ نہ والے انداز میں بولے۔
”مسعود احمد... محفوظ احمد کے بیٹے...“

”ماموں آپ کا مسعود... آپ کا چھٹا مسعود۔“
”معاف کرنا بھائی کچھ عجیب سی بات ہے میرا بھانجا مسعود تھا تو سہی مگر وہ تو... وہ تو...“

”مرحبا ہے بی نا۔ میں نے مسکائی لے کر کہا۔“
”تم مسعود کیسے ہو سکتے ہو۔ مسعود وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھتے رہے پھر آہستہ سے بولے۔ تم واقعی مسعود ہو تو...“
ان کا بدن تھر تھرنے لگا۔ بہت زور کی تھر تھری طاری ہو گئی تھی ان پر۔

”ماموں میں مسعود ہی ہوں۔ میں ان سے لپٹ کر سسکنے لگا اور ماموں کا چہرہ رہے لکڑی کا ان کے اندر تیر پیدا ہوا اور پھر انہوں نے بے اختیار مجھے پہنچ لیا۔ ان کے حلق سے گھٹی گھٹی آوازیں نکلنے لگیں۔

”مسعود احمد... مسعود... آہ میرے بیٹے... میرے...“
وہ نار و قطار رونے لگے تم زندہ ہو مسعود... تم واقعی زندہ ہو...“

”ہاں ماموں ریاض جتنا زندہ ہوں آپ دیکھ رہے ہو؟“
”یکساں ملیر بنا رکھا ہے بیٹے۔ کیا کر لیا مسعود...“
”ہم...“
”ہڈیوں کا ڈھانچہ بنے ہوئے ہو۔ مسعود میرے بیٹے یہاں ملنا

تھا تبہیں یہ زخم بھی لگانا تھا میرے کپڑے پر۔

”سنہا لے ماموں خود کو۔ خدا کے لیے سنہا لے۔“

”آہ کیسے سنہا لوں۔ ہزاروں آنسوؤں کے ہوئے میں میری آنکھوں میں لاکھوں دعاؤں کا قہر ہو تم کیسے سنہا لوں۔“
”ضروری ہے ماموں... ضروری ہے... خدا کے لیے خود کو سنہا لے۔“

”آہ مسعود کیا بیت گئی ہم پر اب تو تہا ری یاد بھی کھو بیٹھے تھے ہم مسعود کیا کہوں کیسے بتاؤں تمہیں۔ میرے بچے کیا کیا گزری ہے ہم پر۔! بی پر کیا گزری ہے۔ سب پر کیا گزری ہے ہم انسانوں کی طرح جینا بھول گئے۔ بیٹے ہم ایسے نہیں جی رہے ہیں... ہم... ہم... میں نے اپنے لباس سے ماموں کے آنسو خشک کیے۔ ماموں بار بار میرا ہرہ سامنے کر لیتے تھے مجھے دیکھتے تھے پھر سینے سے پیچھ لیتے تھے تمام فقیر اور قیدی مزے سے سو رہے تھے کوئی ہم جیسا نہیں تھا ماموں نے کہا۔

”تم مسعود، کوئی تہا ری زندگی پر یقین نہیں کرے گا اگر میں کسی کے کہوں گا تو وہ مجھ پر ہنسے گا۔“

”ہاں ماموں، میں خود اپنی زندگی پر نشا ہوں تو دوسروں کا بھی یہی حال ہو گا۔“

”ہڈیوں کا ڈھانچہ بنے ہوئے ہو کہاں تھے کیسی زندگی گزار رہے تھے۔“

”مجھے کچھ دپو نہیں ماموں... رات مختصر ہے صبح بہت جلد ہو جائے گی بعد میں نہ جانے کیا ہو پہلے مجھے سب کچھ بتا دیں ماموں مجھے یقین نہیں ہے کہ مجھے کچھ معلوم ہو سکے گا۔“
”کیا پچھنا چاہتے ہو۔“

”امی۔“

”حیات میں اندھی ہو چکی ہیں۔“

”اندھی... میری رندھی ہوئی آواز ابھری۔“

”ہاں۔ رورور کرینا کی کھو بیٹھی ہیں اب تو طویل عرصہ ہو گیا ہے ہم تو اسی وقت سے برباد ہیں جب سے تم نے ماموں خاموش ہو گئے۔“

”پھر کیا ہوا ماموں۔“

”پڑوسی غلاف ہو گئے انہوں نے ہم پر گناہوں کے الزامات لگائے یہ کہا کہ ہم سخی علم کرتے ہیں... مزید ہیں محمود بھگت پڑا اور اس کے ہاتھوں سے ایک قتل ہو گیا۔ ہماری کیا اوقات تھی کچھ کرتے

پولیس نے بارہا پیچا نہیں چھوڑا عجیب عجیب سوالات کرتے تھے۔
مجھے سترہ دن تھانے میں رکھا۔ تمہارے اور محمود کے بارے میں
پوچھتے رہے کہ تم کہاں چھپے ہوئے ہو۔ ہم نے گھر چھوڑ دیا۔
اپنوں نے رشتے دار ماننے سے انکار کر دیا جہاں گئے وہاں
سے نکال دیئے گئے کئی شہروں میں جا کر رہے اور... اور۔
”اور ماموں۔“

”ایک اور الناک واقعہ ہوا۔“
”کیا۔“

”غور سب میں تھے ہم لوگ گھر کے سامنے ایک اور خاندان
رہتا تھا انہوں نے شہر کا رشتہ مانگا۔ ہم قیامت زدہ بھلا
کیا شادی بیاہ کر سکتے تھے انکار کر دیا اور۔“ ماموں نے ہنسی
بھری۔

”اور کیا۔“
”انہوں نے شہر کو انوا کر لیا۔“

”پھر۔“
”وہ پھر بھی نہیں ملی۔“

”میں نے آنکھیں بند کر لیں دل میں شدید مہمیں اٹھ رہی تھی
ماموں بھی خاموش تھے بہت دیر کے بعد میں نے کہا۔

”ابو۔“
”ٹھیک ہیں ایک دکان پر نوکری کرتے ہیں۔“
”آپ۔“

”میں بھی ایک اسٹور پر کام کرتا ہوں۔ اسٹور کے مالک
کا بیٹا عیاش بلع ہے مجھ سے رقمیں لے جاتا رہا ہے حساب میں
گڑبڑ ہوتی تو مالک نے مجھے غبن کے الزام میں گرفتار کر دیا۔
”آپ نے اسے اس کے بیٹے کے بارے میں نہیں بتایا۔“
”بیشربتانا رہا ہوں مگر۔۔۔ لوگ کہاں مانتے ہیں خدایا اس
کے دل میں رحم ڈال دے تو میری گلو ملائی ہو جائے ورنہ نہ
جانے کیا ہوگا۔ میں خاموش ہو گیا کچھ دیر کے بعد ماموں صاحب
نے کہا: اپنے بارے میں بھی تو کچھ بتاؤ۔“

”اتنا کچھ سن چکے ہوں گے میرے بارے میں کہ اور کیا
بتاؤں داستان اتنی لمبی ہے کہ۔۔۔ جی۔۔۔ دیئے ایک
انکشاف کروں آپ کو زندگی ہوگی۔“

”کیا۔“

”محمود کے بارے میں کوئی خبر ملی آپ کو۔“

”آج تک پتہ نہیں چل سکا۔“

”وہ بیرون ملک ہے مجھے مل گیا تھا۔ ایک بھلا انسان کی
مدد سے ملنے اسے بیرون ملک نکال دیا یقیناً بعد میں اس
نے آپ سے رابطے کی کوشش کی ہوگی لیکن آپ کا پتہ نہ
پاسکا ہوگا۔“

”اے کیا عجیب ایسا ہے۔“

”ہاں امی اور ابو کو یہ بات ضرور بتا دیجیے انہیں بہت
خوشی ہوگی۔“

”مسعود تم۔۔۔ تم۔۔۔“

”نہیں، ماموں میں۔۔۔ شاید ابھی ان کے قدم بوی کے
قابل نہیں ہوں۔ شاید ابھی یہ سعادت میرے مقدر میں نہیں ہے۔“
”تمہارے اوپر جو مقدمات تھے ان کا کیا ہوا۔“

”بہت سے مقدمات کے اضافے ہو چکے ہیں۔ سب کے
فیصلے ہوں گے۔ الشرا ملک ہے۔“

”ان سے ملو گے نہیں۔“

”امی۔ ابو۔“

”ہاں۔“

”ضرور ملوں گا ان سے کہہ دیجیے زندہ رہیں میرے لیے
زندہ رہیں میں ان سے ضرور ملوں گا۔“

”یہاں کس الزام میں آئے ہو۔“

”بس ماموں اور کچھ نہ پوچھیں خدا کے لیے اور کچھ نہ پوچھیں
الشرا آپ کو اس مشکل سے نکالے۔ ہم دونوں ساری رات۔۔۔
روتے رہے تھے باتیں کرتے رہے تھے اپنے بارے میں انہیں
کیا بتانا۔“

”مجھ کوئی دن کے دس بجے تھے کہ کچھ نوگ لاک اپ کے
دروازے پر آئے ماموں ریاض انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے
ایک خاتون تھی تھیں ایک عمر رسیدہ شخص ایک نوجوان اور
پولیس انسپکٹر انسپکٹر نے کانسٹیبل سے دروازہ کھولنے کے لیے
کہا۔ اور کانسٹیبل نے دروازہ کھول دیا۔ انسپکٹر نے ماموں ریاض
سے باہر آنے کے لیے کہا اور ماموں ریاض باہر نکل آئے ممبر
شخص نے ماموں ریاض کے ہاتھوں کی انگلیاں چنسا لیں اور
انہیں ساتھ لے کر وہاں سے آگے بڑھ گیا کچھ مجھ میں نہیں آیا
تھا۔ پتہ نہیں کیا قصہ تھا خاموشی سے وقت گزرتا رہا ماموں ریاض
کی داپھی کا اخطار کرتا رہا مگر وہ واپس نہیں آئے درپہر کو تمام

فقیروں کو نکالا گیا اور املے میں کھڑے ہوئے ایک ٹرک میں بٹھایا گیا۔ ٹرک اسٹارٹ ہو کر چل پڑا پھر اس نے کوئی چر گھنٹے تک مسلسل سفر کیا اور پھر ایک جگہ رک گیا پولیس والے نیچے اترے اور انہوں نے ٹرک کا پچھلا حصہ کھول کر فقیروں سے نیچے اترنے کے لیے کہا۔ سب نیچے اترنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ سب نیچے اترنے لگے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ویران اور بے رونق جگہ تھی دور دور تک یہیلی زمین اور اس میں اگی ہوئی تصویر کی جھاڑیاں پرندے اور دوسرے جانور بھی نظر آ رہے تھے یہ نہیں یہ لوگ یہاں لاکر ہمارے ساتھ کیا کرنا چاہتے تھے فقیروں نے احتجاج کرنا شروع کر دیا اور چیخنے چلانے لگے۔ پولیس والوں نے ان میں سے چند کو ڈنڈوں سے مارا ایک موٹا تانہ پولیس والا کہنے لگا۔

شہر کا بیڑہ فرق کر کے رکھ دیا ہے تم لوگوں نے اب یہاں بھوکے پیاسے اور جاقسید جمہم میں کم فیتوں سے کام کاج ہوتا نہیں ہے۔ بٹھے کئے مسندے ہو اور بیک باگ کر ہماری حق تلفی کرتے ہو پولیس والے ٹرک میں چڑھنے لگے۔ کچھ خند و فقیروں نے کہا۔

”ہاں اللہ تمہارا بیڑہ فرق کرے واپس شہر پہنچنا نصیب نہ ہو تمہیں، ٹرک کا حادثہ ہو جائے اسے ہم سے تو کچھ اور کہا تھا تم لوگوں نے، اسے یہاں کیا کریں گے ہم تمہارا ستیاناس پولیس والے ہتھے ہوئے ٹرک پر چڑھ گئے اور ٹرک اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گیا واقعی بڑا عجیب کام کیا تھا ان لوگوں نے اس ویرانے میں تو بھوک اور موت کے سوا کچھ نہیں تھا فقیروں نے پیٹتے رہے پولیس والوں کو گالیوں سے نوازتے رہے کچھ اور ادھر منتشر ہو گئے ان میں سے کچھ فقیر اونچائی کی جانب بڑھنے لگے پھر دفعتاً ان میں سے ایک نے کہا۔

”ادھر... ادھر آبادی ہے ہم آبادی سے زیادہ دور نہیں ہیں اسے چلو بھائیو! وہ تو کوئی مزار ہے ذرا اور چڑھ کر دیکھو بڑا سا جھنڈا نظر آ رہا ہے اور مزار کا گنبد بھی: شوقین فقیر اس جانب دوڑے، بلندی تھی توڑی سی وہ بھی اوپر چڑھ گئے اور شاید اطلاع دینے والے نے صحیح اطلاع دی اس بات کی تصدیق میں سب ہنسنے مسکرانے لگے۔ تہقے لگانے لگے معذرت فقیروں میں سے کچھ نے کہا۔

ادھر... ادھر آبادی ہے ہم آبادی سے زیادہ دور

نہیں ہیں اسے چلو بھائیو! وہ تو کوئی مزار ہے ذرا اور چڑھ کر دیکھو بڑا سا جھنڈا نظر آ رہا ہے اور مزار کا گنبد بھی: شوقین فقیر اس جانب دوڑے بلندی تھی توڑی سی وہ بھی اوپر چڑھ گئے اور شاید اطلاع دینے والے فقیروں کی بات کی تصدیق ہو گئی وہ سب ہنسنے لگے... تہقے لگانے لگے۔ معذرت فقیروں میں سے کچھ نے کہا۔

اسے بھائیو! اگر لمبا فاصلہ ہے تو میں بھی اپنے ساتھ لے چلو ہم وہاں تک کیسے پہنچیں گے:

”مزدوری کون دے گا: سو دے ملے ہونے لگے کچھ نے کچھ کو اپنے کندھوں پر لاد لیا جن کی مزدوری ملے نہیں ہوئی تھی وہ خود ہی بندی کی جانب گھسنے لگے میں خاموش اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا ایک فقیر نے جو سب سے آخر میں رہ گیا تھا میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اب تو نہیں ملے گا کیا: ادھر یقیناً سنگرمل جائے گا۔ یہاں تو بیٹا کھانے کے لیے گھاس بھی نہیں ہے:

میں نے مسکرا کر اسے دیکھا اور کہا۔ تمہارا شکریہ یہاں چلا جاؤں گا میرے تو پاؤں ٹھیک ہیں: فقیر نے شانے ہلائے اور بلندی کی جانب بڑھ گیا۔ میرے دل میں کوئی تبس پیدا نہیں ہوا تھا شام جھکتی چلی آ رہی تھی ہوا میں خشکی پیدا ہونے لگی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے بدن لاغر تھا ہاتھ پاؤں بے شک سلامت تھے لیکن اتنی جان نہیں تھی کہ کوئی طویل فاصلہ طے کرتا بدن کا خون نکل جانے کے بعد اب تک ایسی ہی نقابست بدن پر طاری رہی تھی۔ بہر حال شام کے جھپٹے رات کی سیاہیوں میں تبدیل ہونے لگے کچھ فاصلے پر دو عجیب سے کالے رنگ کے مڑے مڑے چھل سے پڑے ہوئے تھے یہ نہیں کیا تھے تھی۔ آہستہ آہستہ لگے بڑھا اٹھایا اور ٹٹول کر دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک چھل توڑا کوئی صحیح انداز نہیں ہو سکا کہ کیا چیز تھی پھینک دیا اور اس کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر تھوڑا سا آگے بڑھ گیا بلندی پہنچ کر میں نے بھی کافی فاصلے پر اندازے کے مطابق دو دھاتی فرلانگ پر آبادیاں دیکھیں۔ غالباً کوئی مزار ہی تھا۔ قرب و جوار میں مکانات وغیرہ نظر نہیں آ رہے تھے لیکن روشنیاں تھیں عمارت بنی ہوئی تھی اور اس کے اطراف میں اچھے خالص لوگ موجود تھے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کچی کچی

قبول بھی نظر آرہی تھیں پتہ نہیں کونسا علاقہ تھا غالباً بہت بڑا
 قبرستان تھا۔ زائرین کی گاڑیاں وغیرہ بھی کھڑی نظر آرہی تھیں
 وہ فقیر جو یہاں سے گئے تھے شاید یہ فاصلہ طے کر کے مزار
 شریف تک پہنچ گئے تھے کیونکہ اس جگہ سے وہاں تک کے
 راستے میں اب کوئی نظر نہیں آ رہا تھا میں نے ایک گہری
 سانس لی۔ اس علاقے کے بارے میں واقعی کوئی اندازہ
 نہیں ہو سکا چلو ضرورت مندوں کا کام تو بن گیا مجھے تو ہجوک
 بھی نہیں لگ رہی ہے۔ وہیں ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ
 گیا۔ دور جگہ گاتی روشنیاں بھلی لگ رہی تھیں پھر بوا کے
 دوش پر قیرتی اذان کی آواز سنائی دی "اللہ اکبر اللہ اکبر"
 "بل شانہ" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا دل میں ایک
 ہوک سی انہی اذان کی تکرار کرنے لگا روحانی سکون محسوس
 ہوا تھا۔ دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ لذت انگیز تھا۔ اذان ختم
 ہو گئی پتھر کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسو رواں
 تھے۔ ہچکیاں بندھ رہی تھیں۔ لہر زنی آواز نکلی۔ لوگوں کی ہوائی
 غیر یقینی آواز میں نماز کی نیت باندھی الحمد شریف کا تصور کیا
 ذہن ساتھ دینے لگا آیت یاد آتی رہی بس سکیاں ہچکیاں بندھ
 گئی تھیں۔ برسوں کا پھینکا ہوا سرمایہ واپس مل گیا تھا۔
 سب کچھ یاد آ گیا تار و دو کو طہارت ملنا ہو گئی تھی رکوع بعدہ
 رور و کر نماز پڑھتا رہا سجدے سے سر اٹھانے کو جی نہیں چاہ
 رہا تھا مگر نماز پوری کرنی تھی اعتماد بڑھتا گیا۔ نماز مکمل کر لی بدن
 تھا کہ آگ کی طرح تپ اٹھا تھا کسی کمزوری کا نام و نشان نہیں
 تھا مسرت کی لہریں اٹھ رہی تھیں آہ مجھے میرا سرمایہ واپس
 مل گیا..... اور کچھ نہیں چاہیے تھا..... اسی جگہ بیٹھا رہا پتھر کی
 اذان سنائی دی پھر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا رات صبح کی جا رہی
 تھی پھر نہ جانے کیا وقت ہو گیا پلکیں جڑنے لگیں وہیں بیٹ گیا
 آنکھیں بند کر لیں سردی بہت بڑھ گئی تھی بدن سکڑ لیا نیند
 آگئی غالباً نیم منودگی کی کیفیت تھی کہ کچھ آہیں سنائی دیں۔
 آنکھیں کھول کر دیکھا دوسرے نظر آئے اسی سمت نظر آ رہا ہے
 تھے خاموش لیٹا رہا پھر ایک آواز سنائی دی۔

"ارے یہ کون ہے؟"

"کوئی سائل ہے۔"

"رکو: کسی نے کہا اور وہ میرے پاس رک گئے۔"

"میاں صاحب بھوکے ہو۔"

"شکر ہے میرے منہ سے نکلا۔"

"روٹی کھاؤ گے۔"

"کھائیں گے۔ لورہ: ان میں سے ایک نے جھک کر دو

روٹیاں جن پر دال رکھی ہوئی تھیں میرے ہاتھوں پر رکھ دیں۔

"شکر الحمد للہ: میں نے کہا اور احترام سے رزق لے لیا۔

"یہ پانی ہے: دوسرے نے ابخوردہ میرے حوالے کر دیا۔

"سردی ہے یہ کھل اور دھو لینا: پہلے نے کھل اپنے شانے

سے اتار کر میرے قریب رکھ دیا

"اللہ اجر عطا فرمائے: میں نے کہا۔"

"آؤ۔" پہلے نے دوسرے سے کہا اور دونوں آگے

بڑھ گئے، شکم سیری ہو گئی۔ آب خورہ سے پانی پیا سردی اور

بڑھ گئی خشک ہوا میں تیز ہو گئی۔ اور منہ سے میں وزن بڑھا

تو دوسرے احساسات بھی جاگ اٹھے۔ کھل باد آیا جلدی سے

اٹھا کر بدن کے گرد لپیٹ لیا۔ جانے کون خدا کے نیک

بندے تھے بڑے کام آئے۔ دل سے دعا نکلی وہیں لیٹ

گیا۔ کھل بدن کے گرد لپیٹ لیا مزید سردی لگی تو چہرہ بھی

ڈھک لیا اور چہرہ ڈھکتے ہی ایک عجیب سی روشنی کا احسا

ہوا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ سیکن روشنی کم نہ ہوئی۔ دیر تک

ساکت رہا پھر بدن گرم ہو گیا۔ کھل نے سردی سے نجات

دلادی تھی ماموں ریاض یاد آئے۔ نہ جانے وہ کون لوگ

تھے اور ماموں کو کہاں لے گئے منظر آنکھوں کے سامنے

گھوم گیا۔ مختصر نے ماموں ریاض کی آنکھوں میں انگلیاں

ڈالتے ہوئے کہا۔

"آئیے۔" ماموں ریاض خاموشی سے ان کے ساتھ

آگے بڑھ گئے وہ لوگ انہیں ایسے انسپکٹر کے کمرے میں آئے۔

"بیٹھے۔" انسپکٹر نے کہا عورت اور لڑکا بیٹھ گئے

پھر مختصر بھی۔ انسپکٹر نے ماموں ریاض سے کہا: آپ بھی

بیٹھئے۔"

"جی..... میں۔"

"ہاں تشریف رکھئے۔" انسپکٹر نرمی سے بولا۔

"شش..... شکریہ۔"

"نعم الحسن صاحب آپ سے سخت شرمندہ ہیں۔"

"جی۔" ماموں ریاض حیرت سے بولے۔

"جی ہاں انہوں نے غلط فہمی میں اور جہد باقی ہو کر آپ کے

خلاف رپورٹ درج کرا دی تھی اور اب انہوں نے یہ رپورٹ واپس لے لی ہے۔ حالانکہ پولیس کے کام ذرا مشکل ہوتے ہیں لیکن نجم الحسن میرے دوست ہیں۔ تم ان کے لیے کچھ لچک پیدا کر لی ہے۔ میری رائے ہے ریاض صاحب آپ بھی انہیں معاف کر دیں۔

سر میں سمجھا نہیں ہے۔

”بھئی میں آپ کو یہاں لاکھاپ سے رہا کرتا ہوں۔ باقی معاملات آپ خود نجم الحسن صاحب سے طے کر لیں۔ ماموں ریاض کے چہرے پر مسرت کے آثار پھیل گئے۔ انہوں نے آنسو بھری نگاہوں سے نجم الحسن کو دیکھا اور بولے: ”بڑے صاحب آپ، آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں بے گناہ ہوں۔“

”انسپیکٹر صاحب ہمیں اجازت دے دیجئے۔ کوئی ایسی آفیشل کارروائی تو نہیں کرنی ہے جس کی ضرورت ہو۔ نجم الحسن صاحب نے کہا۔

”نہیں نجم جاو، عیش کرو اور ان صاحب کو ذرا مطمئن کر دیتا، سب لوگ اٹھ گئے، مگر عورت نے ریاض ماموں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا: ”ریاض بھائی ہمارے ساتھ چلئے آپ سے کچھ کام ہیں۔ فوراً ہی ریاض ماموں کے ذہن میں میرا خیال آیا اور انہوں نے کہا۔

”انسپیکٹر صاحب۔ وہ۔ وہ۔ اسی وقت دو کانسیبل اندر داخل ہوئے اور انہوں نے سیلوٹ کر کے کہا: ”سر ڈی ایس پی کی گاڑی آکر رکی ہے۔“

”ادھو، اچھا اچھا۔ انسپیکٹر صاحب، جلدی سے کمرے ہو گئے اور انہوں نے نجم الحسن صاحب سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”ڈی ایس پی صاحب آگئے ہیں۔ اچھا خدا حافظ یہ کہ انسپیکٹر صاحب، نجم الحسن صاحب سے پہلے اپنے آفس کے کمرے سے باہر نکل آئے۔ نجم الحسن صاحب نے ماموں ریاض کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”آپ آئے ریاض صاحب آئیں، ماموں ریاض غالباً میرے بارے میں سچ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن یہ موقع نہیں تھا چنانچہ وہ خاموشی سے نجم الحسن صاحب کے ساتھ باہر نکل آئے یا ایک کار کڑی ہوئی تھی۔ نجم الحسن صاحب نے

انہیں ڈرائیو کے ساتھ بٹھوایا۔ پچھلے خستے میں وہ نوجوان رٹکا، مگر خاتون اور نجم الحسن صاحب بیٹھ گئے اور کار اسٹارٹ ہو کر تھانے کی عمارت کے احاطے سے باہر نکل آئی اس کے بعد یہ لوگ ایک خوبصورت بنگلہ نما عمارت میں داخل ہوئے کمرے میں پہنچے اور نجم الحسن صاحب نے نوجوان رٹکے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”اگر تمہارے خون میں شرافت کا ایک ذرہ بھی باقی ہے تو ریاض احمد صاحب کے قدموں میں گر کر معافی مانگو، وہ اگر چاہتے تو تمہارا نام بھی لے سکتے تھے۔ کیا دوسرے کچھ تمہارا سنا ہے؟ انہیں بے عزت بھی کیا۔ تھانے بھی بھجوا دیا اور انہیں سزا بھی ہو سکتی تھی اس الزام میں، کچھ غرت ہے تمہارے اندر۔ نوجوان رٹکا آگے بڑھا اور اس نے جھک کر ریاض ماموں کے پاؤں پکڑنے چاہے۔ ریاض ماموں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر کمر کر دیا اور کہنے لگے۔

”بیٹے میری مجبوریاں ہیں۔ میں نے تم سے کئی بار کہا کہ جو رقم تم مجھ سے لیتے ہو اس کا کسی رسمی شکل میں اندازہ کرا دو۔ تمہارے ابو تمہیں تو معاف کر سکتے ہیں، میرے لیے مشکل ہو جائے گی لیکن خیر تقدیر میں یہ بھی تھا اور پھر۔۔۔ اور پھر۔۔۔ ماموں ریاض کے ذہن میں میرا تصور ابھر لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ نجم الحسن صاحب سے وہ کیا کہیں تاہم انہوں نے اتنا غور کر کہا۔

”بڑے صاحب جو کچھ ہوا۔ وہ اللہ کی مرضی تھی اور اللہ کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ وہاں تھانے کے لاک اپ میں میری ملاقات ایک ایسے نوجوان رٹکے سے ہوئی تھی۔ جو وہاں بند تھا لیکن میرے اس سے ایسے رابطے میں کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا، آپ میرے اوپر اگر کوئی احسان کرنا چاہتے ہیں تو صرف ایک کام کر دیجئے میرا۔ ہاں ہاں کہیئے۔ آپ نے وہیں کیوں نہ کہا ریاض صاحب انسپیکٹر میرا گہرا دوست ہے آپ اسی وقت بتا دیتے تو میں اس رٹکے کو بھی چھڑا لیتا کیا جرم کیلئے اس نے؟“

”یہ تو مجھے نہیں معلوم، اس کا نام مسعود احمد ہے علیہ میں آپ کو تفصیل سے بتا دیتا ہوں۔“

”ماموں ریاض میرا علیہ دہرائے لگے۔ بالکل اطمینان رکھیں۔ میں کل ہی اس کے لیے کچھ کر دوں۔“

گیا آپ خلوص دل سے اسے معاف کر دیں اور مجھے بھی
جو کچھ ہوا غلط فہمی میں ہوا، میں دل سے شرمندہ ہوں۔
نجم الحسن نے کہا۔
تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی شکل میں
ضرور پورا ہوتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے میری عزت بحال
ہو گئی۔

دماغ پر غنودگی طاری ہو گئی اور پھر گہری نیند آ گئی
صبح اذان کی آواز نے جگا یا تھا۔ ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا وہی
جگہ تھی۔ مدھم، مدھم اجالا پھیلتا جا رہا تھا۔ ادھر ادھر دیکھا
پانی دستیاب نہیں تھا۔ آب خورے کی شفاف مٹی سے
نیم کیا اور نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ بدن توانا تھا۔ خشوع
و خضوع سے نماز پڑھی۔ دل و دماغ شاد ہو گئے۔ سورج
کی پاکیزہ کرنیں انہیں چھونے لگی تھیں۔ ادھر ادھر دیکھا پھر
شریف کی طرف اور پھر کیبل اٹھا کر کاندھے پر ڈالا اور
وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ رخ مزار شریف کی طرف تھا
فاصلہ محسوس ہی نہ ہوا۔ کچھ دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔ گو
قرب وجوار میں باقاعدہ کوئی شہر یا بستی آباد نہیں تھی لیکن خود
یہ بستی بھی کم نہیں تھی۔ زائرین کے لیے قیام گاہیں بنی ہوئی
تھیں۔ دکانیں لگی ہوئی تھیں لوگ ادھر سے ادھر جا رہے
تھے ایک بزرگ کو دیکھا سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ دو
بڑے تھیلے دونوں ہاتھوں میں لٹکائے ہوئے تھے۔
میری طرح نڈھال نظر آ رہے تھے مجھے امداد طلب نظروں
سے دیکھا پھر اشارہ کیا تو میں قریب پہنچ گیا۔
”میاں مزدوری کرو گے؟“ وہ بولے۔
”مزدور کریں گے۔“

”یہ تھیلے وہاں پہنچانے ہیں۔“ انہوں نے کافی فاصلہ
پر اشارہ کیا۔

”بسم اللہ“ میں نے جلدی سے تھیلے اٹھائے۔

”پہلے پیسے بتا دو۔“

”جو عنایت فرمائیں گے لیں گے۔“

”بعد میں جھگڑا نہ کرنا۔“

”نہیں کریں گے، آئیے۔“ میں تھیلے سنبھال کر آگے چل

پڑا۔ بزرگ میرے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ وزنی تھیلے مطلوب
جگہ پہنچا کر میں سیدھا ہوا تو بزرگ نے دو روپے نکال

کر میرے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

”بے حد شکریہ۔“

”کم تو نہیں ہیں۔“

”نہیں ہیں اگر آپ نے خوشی سے دیئے ہیں۔“

”ناشتہ کرو گے۔“

”نہیں عنایت ہے۔ ناشتے کے لیے اللہ نے بندوبست
کر دیا ہے۔“ میں نے دونوں روپے منٹھی میں دبا کر کہا۔
اسی وقت ریٹ ہاؤس کے کمرے سے کوئی گیارہ سال
بڑکا بھانگتا ہوا باہر نکلا۔ اس کے پیچھے ایک عورت ایک بڑکی
اور ایک ۲۲، ۲ سالہ شخص دوڑتے ہوئے باہر آئے۔ بڑکے
نے جیسخ کر کہا۔

”دادامیاں پکڑیئے۔“ میرے ساتھ آنے والے بزرگ
چونک پڑے۔ ان کے حلق سے لایینی سی آواز نکل
میں نے بھی چونک کر بڑکے کو دیکھا اور اچانک رکھا ٹھٹھک
گیا۔ اس نے سچی سچی آنکھوں سے دیکھا پھر بری طرح
جیختا ہوا واپس اندر گھس گیا۔ اس کے پیچھے دوڑنے والے
رک گئے جیسے کچھ نہ سمجھ پائے ہوں۔ میرے وہاں رکنے کا
جواز نہیں تھا اس لیے میں پلٹ کر واپس گیا جہاں دکانیں
لگی ہوئی تھیں وہاں پہنچا ڈیڑھ روپے کی دو پوریاں اور
ترکھاری لی۔ کاندھ پر رکھے ایک گونے میں آ بیٹھا۔ پراکھول
کر سامنے رکھا تو ایک بوڑھا فقیر نزدیک آ بیٹھا۔ اس نے
کہا۔

”ارے واہ چٹری اور دودھ۔“ حلقہ کر لو۔ مل بانٹ کر

کھانا اچھا ہوتا ہے۔“

”ٹھیک ہے، ایک تم لے لو۔“ میں نے ایک پوری
پر ادھی ترکھاری رکھ کر اس کے حوالے کر دی۔ اس نے خوشی سے
پوری لے لی اور میرے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگا۔ کچھ دیر کے
بعد ہم فارغ ہو گئے۔
”پانی پیو گے۔“

”ایں۔“ ہاں آؤ تلاش کریں۔“

”نہیں، میں دیتا ہوں۔“ اس نے کہا اور اپنی گڈری
سے ایک ٹوٹا سا سورا کھلا نکالا۔ گلاس خالی تھا اس
نے اسے میرے سامنے کرتے ہوئے کہا: ”لو پہلے تم پیو۔“
”ایں۔“ میں حیرت سے بولا۔ پانی کہاں ہے؟

وہ ایک دم جس پڑا پھر بولا۔

• دیکھو تو پانی، دیکھنا تو فروری ہو تلہے ناہ بات
میری مجھ میں نہیں آئی۔ لیکن چانک ہی ہاتھ میں تھا ہوا
گلاس وزنی محسوس ہوا اور اس سے پانی چھلکنے لگا۔ میری
آنکھیں حیرت سے پٹی کی پٹی رہ گئیں وہ جلدی سے بولا۔
”تم جو بہانی، پھر مجھے دو۔“

مگر میں پانی پینا بھول گیا تھا۔ اس نے اپنی گڈری
سے خالی گلاس نکالا تھا اور جب یہ گلاس میرے ہاتھ
میں آیا تھا تو بالکل ہلکا تھا لیکن اب وہ پانی سے بھرا
بھرا ہوا تھا اس نے پھر ایک تلقاری ماری اور کہنے لگا۔
پوری تمہاری، پانی ہمارا، حساب برابر۔ دیکھو تو طے سوچو
تو پاؤں سے جلدی کرو، ہمیں پیاس لگ رہی ہے۔
مرچیں نگ رہی ہیں۔ وہ اپنے دونوں گال پٹپٹاتا ہوا
بولا اور میں نے بادل نخواستہ پانی کا گلاس منہ سے
لگایا۔ طبیعت سرد ہو گئی اور پھر جب گلاس پیچھے ہٹا تو وہ
کناروں تک بھرا ہوا تھا اس نے جلدی سے گلاس
میرے ہاتھ سے چھین لیا۔

• گلاس تمہارا، نہ کبیل ہمارا، اپنا راستہ ناپو۔ ہم بھی
چلے۔ یہ کہہ کر اس نے گلاس گڈری میں ڈالا اور تیز تیز
قدموں سے وہاں سے اگے بڑھ گیا۔ میں شدت حیرت سے
گنگ رہ گیا تھا۔ عجیب سا شخص تھا، پھٹے پرانے جینز کے
لگے ہوئے لباس میں لمبوس۔ کاندھے سے جھولی لٹکائے
ایک اونچی سی قبر کے کتبے کے پیچھے پہنچ کر وہ میری نگاہوں
سے اوجھل ہو گیا۔ اور میں سوچتا ہی رہ گیا۔ کوئی بات سمجھ
میں نہیں آتی تھی۔ گردن جھٹکی اور پھر سوچنے لگا کہ اب کیا
کرنا چاہیئے۔ دن خوب چڑھ گیا تھا۔ اور رات کی نسبت
دھوپ میں تیزی پیدا ہونے لگی تھی جگہ جگہ بوسیدہ قبریں
ٹوٹے پھوٹے لگھوری اینٹوں سے بنے مقبرے نظر آرہے
تھے بہت سی جگہ چھاؤں تھی کسی بھی جگہ کا انتخاب کیا جاسکتا
تھا۔ کچھ ایسا شکم خیر ہو گیا تھا اس ایک پوری سے کہ بدن
یو جھ محسوس ہونے لگا تھا۔ بہر حال وہاں سے ہٹا، کبیل
کاندھے پر ڈالا اور اس کے بعد قبروں کے درمیان مارا مارا
پھرتا رہا۔ دوپہر کو بڑے مزار پر جانا نصیب ہو گیا۔ بڑی
ٹھنڈک تھی وہاں۔ بے شمار افراد گنبد کے نیچے آرام کر رہے

تھے۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ دل چاہا کہ فاتح خوانی کروں
چنانچہ مزار کے قدموں میں پہنچ کر فاتح خوانی کرنے لگا۔
دھوپ تیز ہو گئی تھی۔ وہاں سے واپس نکل آیا۔ اسی جگہ
پاؤں پسا کر لیٹنا کچھ اچھا نہ لگا، یوں محسوس ہوا جیسے
مزار اقدس کی بے حرمتی ہو اگر میں وہاں بیٹ جاؤں
بہت سی جگہیں بڑی ہوئی تھیں، گھنے درختوں کے سائے
دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ باہر نکلا اور ایک گھنے
درخت کے نیچے آکر بیٹ گیا۔ کبیل کو تہہ کر کے تکیہ بنا کر
سر کے نیچے رکھا اور درختوں کے پتوں کو گھونٹنے لگا
نخنے نخنے پرندے چہرہ رہے تھے۔ جگہیں تبدیل کر رہے
تھے ان کے پردوں کی پتھر پتھر ہٹ بڑی خوش نما لگ رہی تھی
طبیعت میں ایک عجیب سی فرحت تھی جسے الفاظ میں بتا
نہیں سکتا تھا۔ بہت دیر اس طرح گزر گئی۔ آنکھوں میں کچھ
یو جھ سا ہو گیا۔ بھوک تو نام و نشان کی نہیں تھی لگتا تھا
ایک پوری نے دن بھر کی کسر پوری کر دی ہے۔ پھر وہ
شخص یاد آیا۔ ایسی جگہوں پر اللہ کے نیک بندوں سے
ملاقاتیں ہو ہی جاتی ہیں۔ کیا کہہ گیا تھا، دیکھو تو پاؤں۔ سوچو
تو جانو۔ غور کرتے لگا اور یہی غور کرتے کرتے اچانک
پچھلے دن کی باتیں یاد آ گئیں۔ اور اچھل پڑا۔ ماموں ریاض
تھانے میں ملے تھے اور وہ لوگ انہیں لے گئے تھے۔
لیکن اس کے بعد جو کچھ علم میں آیا تھا وہ کیا حیثیت رکھتا تھا
بالکل یوں لگتا تھا جیسے تمام واقعات میری نگاہوں کے
سامنے سے گزر رہے ہوں۔ میں خود بھی ان میں شریک ہوں
یہ کیسے ہوا تھا، یہ کیا بات تھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہت دیر
تک غور کرتا رہا اور پھر گردن ہلکا کر دوٹ بدل لی۔ ماموں
ریاض بے چارے۔ اگر جو کچھ میرے ذہن میں آیا، سچ ہے
تو اس کا مطلب ہے کہ مصیبت سے نکل گئے۔ سوال یہ
پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ذہن میں کیسے آیا۔ ٹھنڈی
ہواؤں نے آنکھوں کے پوٹے بو جھل کر دیے تھے
اور ہلکا سا سرد ذہن پر طاری ہو گیا تھا۔ لیکن سوچوں کے
دارے محدود نہیں ہوئے تھے۔

سوچوں کا غلبہ سرمایہ محفوظ تھا، دماغ بو جھل ضرور
ہو گیا تھا لیکن حاضر تھا۔ ماموں ریاض کے دل میں ضرور ہو گا
کہ میرے لیے کچھ کریں ہر چند کہ میں نے انہیں اپنے بارے

میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اتنا جانتا تھا کہ وہ بھی دیوانے ہو گئے ہوں گے اگر بڑے افسر نہ آجاتے تو ہو سکتا ہے جو کچھ میرے ذہن میں آیا اس کے بعد بھی انہوں نے کچھ کیا ہو۔ ہو سکتا ہے انہوں نے گمراہ کر کے بارے میں امی اور ابو کو بتایا ہو۔ کیا گزری ہوگی ان پر۔ ماموں ریاض.....

ٹوٹا پھوٹا سا گھر تھا۔ بوسیدہ کواڑ جس پر ٹاٹ کا پردہ پڑا تھا۔ پلاسٹر کی دیواریں تھیں۔ دروازے کے دوسری طرف چھوٹا سا محن۔ ایک برآمدہ جس میں تخت پٹا ہوا تھا ایک کمرہ جس میں بائیں سمت غسل خانہ اور بیت الخلا دوسری طرف باورچی خانہ۔ ابو اور امی تخت پر بیٹھے ہوتے تھے۔ امی کے سر کے سارے بال سفید ہو گئے تھے، چہرے پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ آنکھیں بے رونق تھیں اور وہ بار بار بلیکس جھپک رہی تھیں۔ ابو اچھل پڑے۔ انہوں نے سرگوشی کے عالم میں کہا۔

”ریاض آگیا۔“
”آگیا۔؟ امی اچھل پڑیں۔“

”ہاں۔“

”ریاض، ریاض بیٹے! امی کی لرزقی آدھا بھری۔“

”ہاں باجی۔ میں آگیا۔“

”کہاں ہے کہاں ہے۔ میرے پاس آ، ریاض میرے پاس آ۔ ماموں ریاض امی کے سینے سے جا لگے تھے کیا ہوا تھا۔ مارا تو نہیں تھے۔ انہوں نے مجھے مارا تو نہیں۔“ امی ماموں ریاض کو ٹوٹتی ہوئی بولیں۔

”ارے نہیں باجی، کوئی میں ڈاکو تھا، چور تھا مارتے کیسے؟“ ماموں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اللہ تر اشکر ہے۔ اللہ تر احسان ہے۔ کچھ کھا لے۔“

”پیٹ بھر کر کھا لے باجی۔ اطمینان سے بیٹھو۔“

”جھوٹ بول رہا ہے، جھوٹ بول رہا ہے۔ سینے روٹیاں لے آئیے بازار سے، میں چائے بنا لیتی ہوں،۔“

”باجی۔ میں نے کھانا کھا لیا ہے۔“

”اور کھائیں گے۔ ریاض ہم نے نہیں کھایا، اگلے سے

نہیں کھایا۔“

”اوہ۔ میں لاتا ہوں۔ آپ بیٹھے بھائی جان۔ میں لاتا ہوں۔“ ماموں ریاض بولے۔

”نہیں ریاض، تو نہ جا بیٹھے کہیں پولیس دوبارہ نہ پکڑے تو نہ جا ریاض۔“

”باجی، پولیس کیوں پکڑے گی مجھے آخر۔ اسے دھوکا ہوا تھا۔ بعد میں سب نے معافی مانگی ہے۔ یہ دیکھئے نجم الحسن صاحب نے مجھے پانچ سو روپے بھی دیے ہیں ہر جانے کے طور پر۔“

”مجھ پر اب الزام تو نہیں ہے؟“

”نہیں باجی، فیض الحسن بری صحبتوں میں ضرور پڑ گیا ہے مگر وہ برا لڑکا نہیں ہے جب اسے معلوم ہوا کہ اس نے جو رقمیں غائب کی ہیں ان کے الزام میں اس کے باپ نے مجھے گرفتار کر دیا ہے تو وہ باپ کے پاس پہنچ گیا اور اس نے ساری بات بتادی۔ نجم الحسن خود تھانے گئے ان کی بیوی اور فیض بھی ساتھ تھا۔ انہوں نے مجھے چھڑا لیا بڑی مسافری مانگی ہے۔ انہوں نے دو سو روپے تنخواہ میں اضافہ بھی کر دیا ہے۔“

”اللہ تر اشکر ہے۔“

”بھائی جان، میں کھانا لے آتا ہوں۔“

”روٹیاں لے آ۔ میں چائے بنا لیتی ہوں۔“

”نہیں باجی، مرغی کا سان لادوں گا۔ محنت کے پیسے ملے ہیں اور یہ آپ کو چائے بنانے کی کیا سوجھی۔ کیا آپ پھر جو لہا جلائے لگی ہیں۔“

”نہیں مانتیں۔ مجھے بتاؤ کیا کروں۔؟“ ابو بولے۔

”خدا کے لیے باجی چوہے کے پاس نہ جایا کریں۔ پورا دوپٹہ جلا لیا ہے۔ اللہ نے بچا لیا۔“

”اب بار بار ایسا تھوڑی ہو گا۔ جا کھانا لے آ۔“ امی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ماموں دروازے سے نکل گئے تھے۔ پھر میں نے ان سب کو دسرخوان پر دیکھا۔ امی ہاتھ دالے پکھلے سے پکھا جھل رہی تھیں۔

”اب یہ پکھا کر دیں اور کھانا کھائیں۔“ ابو بولے

”افوہ، کھاؤ تم لوگ کھیاں بیٹھیں گی کھانے پر۔“

”ایک سچی کمی نہیں ہے۔ رکھئے پکھا کھانا کھائیے۔“

ماموں بولے۔ ذرا دیکھئے بھئی ہوئی مرغی کیا مزاح ہے رہی ہے۔
 ”کھاؤں گی نا تم لوگ کھاؤ“ امی بے اختیار رو پڑیں
 ابو اور ماموں کے ہاتھ رک گئے ماموں نے کہا۔
 ”بابی۔“

”کھاؤں گی میں۔ میرے پیچھے مت پڑو۔ مت پڑو میرے
 پیچھے، پتہ نہیں میرے بچے..... میرے بچے..... امی بلک
 بلک کر رو پڑیں۔ ابو بھی سسکتے لگے۔ ماموں عجیب سی کیفیت
 کا شکار ہو گئے۔ وہ ان دونوں کو دیکھنے لگے۔ ایک لگے
 تم لوگ نہ کھاؤ تو مجھے مرہ دیکھو۔ کھاؤ، میں ہتی ہوں کھاؤ“
 امی ان کے ہاتھ ٹوٹنے لگیں۔ ماموں ریاض نے کہا۔

”آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں بھائی جان“
 ابو نے آنکھوں میں آنسو سحر کے انہیں دیکھا۔ آپ کے اور
 بابی کے سوا دنیا میں میرا اور کوئی ہے۔ آپ دونوں
 کی قسم کھا کر ایک بات کہہ رہا ہوں۔ یہ رزق بہت میرے ہاتھ
 میں، میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ مگر اب سوچ رہا ہوں کہ جو کچھ
 کہنا ہے بابی کے سامنے ہی کہہ دوں۔“
 بات کیا ہے؟ ابو نے آنکھیں خشک کر کے ماموں
 ریاض کو دیکھا۔

”مسود زندہ ہے، خیریت سے ہے۔ بس ذرا کمزور ہو
 گیا ہے۔ جلد بدل رکھا ہے۔ داڑھی چھوڑ دی ہے۔ کہتا ہے
 کہ کچھ مشکلات ہیں جن پر قابو پایا تو واپس گھر آجائے گا
 اس کی فکر نہ کی جائے۔“
 ”کیا۔“ ابو اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

”آپ کی اور بابی کی قسم جھوٹ نہیں بول رہا۔ وہ زندہ
 سلامت ہے اور اسے محمود کے بارے میں بھی معلوم ہے
 ہمارا محمود بھی خدا کے فضل سے خیریت سے ہے اور ملک سے
 باہر چلا گیا ہے۔ اگر اسے ہمارا پتہ معلوم ہوتا تو یقیناً وہ
 اب تک ہم سے رابطہ کر چکا ہوتا۔“

”ریاض۔ ریاض مجھے اللہ کا واسطہ۔ کلیجہ نکال لیا ہے
 تو نے۔ ہائے تو نے کلیجہ نکال لیا ہے۔ ارے بھائی
 کا واسطہ بتانے کے کہ دل رکھ رہا ہے یا سچ بول رہا ہے۔“
 امی نے جھک کر ماموں ریاض کے پاؤں پکڑ لیے۔
 ”میں نے آپ دونوں کی قسمیں کھائی ہے بابی۔ اور

بھی کچھ کر سکتا ہوں تو مجھے بتائیں۔“
 ”کہاں ملا وہ، تیرے ساتھ گھر نہیں آیا۔“
 ”تھانے کے لاک اپ میں ملا تھا۔“
 ”ایں۔“ ابو کے حلق سے رندھی ہوئی آواز نکلی۔
 ”اللہ نے چاہا تو واپس آجائے گا۔ نجم الحسن کل اپنے
 تھانے دار دوست سے مل کر اسے رہا کرالیں گے۔“
 ”مجھے لے چل، مجھے لے چل ریاض، مجھے لے چل۔ اپنے اپنے
 بچے کو چھوٹا چاہتی ہوں میں۔ آہ میں اسے چھوٹا چاہتی ہوں“
 امی نے زار و قطار روتے ہوئے کہا۔

”آپ نے اس طرح دل دکھا دیا بابی درہ میں ابھی آپ
 کو کچھ نہ بتاتا مجھے اپنی یہ خاموشی جرم محسوس ہوتی تھی۔ ہر
 قیمت پر آپ کو انتظار کرنا ہو گا بھائی جان آپ غور کریں
 اس پر قتل کا الزام ہے کہ جانے کس طرح اس نے خود کو
 چھپایا ہوا ہے۔ پولیس کی یادداشت اتنی خراب نہیں ہوتی
 سب کچھ ہو گئے تو کہیں تھانے دار کو ماضی یاد نہ آجائے۔
 پھر ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔“

”ہیں۔“ امی کے منہ سے نکلا۔
 ”ہاں بابی مگر کرنا ہو گا آپ کو۔ اللہ نے آپ کو اس
 دونوں کی زندگی کی خبر دی ہے ایک دن ہم سے ابھی ملیں
 گے۔“

”کل نہیں۔“ امی نے حسرت سے پوچھا۔
 ”سب کچھ اللہ جانتا ہے وہی سب کچھ۔“
 ایک دم سلسلہ ٹوٹ گیا۔ کوئی پاؤں پکڑ کر چلا یا تھا۔ پھر
 ایک آواز سنائی دی تھی۔

”بابی..... بابی۔“ میں چونک پڑا۔ چند افراد کھڑے
 ہوئے تھے شکلیں جاننا پہچانی ہی تھی۔ ان بزرگ کو میں نے فوراً
 پہچان لیا۔ جن کا سامان اٹھانے کے دو روپے ملے تھے۔ چھ
 میں جلدی سے اٹھ گیا اور آنکھیں سچاڑ کر انہیں دیکھنے لگا۔
 ”بابا صاحب اٹھئے۔ اٹھئے بابا صاحب۔“

”کوئی غلطی ہو گئی مجھ سے۔“ میں نے سہمے ہوئے پیچھے
 پوچھا۔
 ”غلطی ہم سے ہو گئی ہے بابا صاحب، آپ کو پہچان نہ سکے“
 کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف کر دیں۔
 ”اللہ کے نام پر آپ ہماری مدد کریں بابا صاحب۔ اللہ

ہٹلو ایک معمولی سپاہی تھا۔۔۔۔۔
 — راسپوتین ایک پادری — ایک نے جرمن کو اور
 دوسرے نے روس کو منٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ سوچئے،
 کس طرح؟

آپ کے جسم میں بھی یہ طاقت پوشیدہ ہے —
 آپ بھی اس خداداد قوت سے واقف ہو کر اپنے جسم میں
 چھپی طاقت کو جگا سکتے ہیں، سوئی ہوئی جسمانی طاقت
 کو بیدار کرنے کے لئے پڑھئے۔

• ہیناٹزم کیا ہے؟
 • ہیناٹزم کے عملی طریقے
 • ہیناٹزم سے علاج

آپ کو اس کا اجر دے گا۔

آپ لوگ یقین کریں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ میں
 اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہی خاندان تھا جو ریٹ ہاؤس میں ٹھہرا
 ہوا تھا۔ اب میں نے سب کو پہچان لیا تھا۔ وہ سب بھی
 میرے ارد گرد بیٹھ گئے۔ بزرگ نے کہا۔

• عام میرا پوتا ہے۔ میرے بیٹے کا ایک ہی بیٹا۔
 دوسری بیٹی ہے۔ یہ ہے وہ سیر۔ عام اسکول میں پڑھتا
 تھا۔ شوخ کھلاڑی مگر ذہین تھا۔ کبھی کبھی بچوں کے ساتھ
 اسکول سے آوارہ گردی کرتے نکل جاتا تھا۔ اس دن
 بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کے اسکول سے کافی فاصلے پر ایک
 جگہ کے ملا کے نام سے مشہور ہے وہاں تعزیتی دفن کئے جاتے
 ہیں۔ نزدیک ہی قبرستان بھی ہے اس پاس کسیت بکھرے
 ہوئے ہیں وہیں کھینٹے چلا گیا تھا۔ واپس آیا تو چہرہ سرخ
 ہو رہا تھا۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ رات کو بخار آ گیا وہ
 ہڈیاں بکتا رہا اس کے بعد میاں صاحب ہم زیر عتاب
 ہیں۔ سینکڑوں ایسے واقعات ہو چکے ہیں من کی تفصیل
 طویل ہے اس پر سایہ ہو گیا ہے بابا صاحب۔ نہ جانے
 کیا کیا کر چکے ہیں ہم مگر کچھ نہیں ہو سکا۔ بابا صاحب اس
 وقت بھی اس پر خون طاری ہے جب وہ بھاگ کر باہر آیا تھا
 آپ کو دیکھ کر ہم گیا۔ اس وقت سے اندر گھسا ہوا ہے جب
 کہ اندر رہتا ہی نہیں تھا اب کہتا ہے باہر نہیں جاؤں گا باہر

وہ ہے۔۔۔۔۔ وہ ہے!

• کون؟ میں نے پوچھا۔

• آپ سے ڈر رہا ہے۔

• مجھ سے؟

• ہاں۔!

• مجھ سے کیوں؟

• اللہ جانتا ہے۔

میں ہنسنے لگا۔ عجیب میں آپ لوگ۔ آپ کو پتہ ہے کہ
 میں خود ایک غریب آدمی ہوں۔ محنت مزدوری کر کے پیٹ
 بھرتا ہوں۔ چچامیاں آپ کو خود علم ہے کہ میں نے آپ کا
 سامان اٹھا کر صبح ناشتہ کیا تھا۔!

• اللہ کے نیک بندے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ دیکھئے بابا
 صاحب۔ ہم بھلا آپ سے کچھ کہنے کی کہاں اہلیت رکھتے ہیں۔
 اتنا فرد کہیں گے کہ اگر اللہ نے اپنی کوئی امانت آپ کو
 سونپی ہے تو اسے دوسروں کی سہلائی۔ گئے لیے فردار استعمال
 کریں۔ آپ کی سربلندی میں اضافہ ہی ہو گا۔ ہم پریشان
 حال لوگ ہیں۔ چلتے کہاں کہاں مارے مارے پھر
 رہے ہیں۔ وہ معصوم بچہ ہے کل گیارہ سال عمر ہے اس
 کی۔ پوری زندگی تباہ ہو جائے گی اس کی۔ ماں رو رو کر
 مرجائے گی اس کی۔ سولی پر لٹکے ہوئے ہیں ہم لوگ اللہ
 کے نام پر ہماری مدد کریں۔ بزرگ روتے لگے۔

• مگر محترم۔ میں۔۔۔ میں ایک عام آدمی ہوں۔ میں
 خود زندگی کا ستایا ہوا ہوں؟ آپ کو فردا میرے بارے
 میں غلط فہمی ہوئی ہے۔

• وہ صرف آپ سے خوف زدہ ہے۔ کہتا ہے باہر
 نہیں جائے گا۔ باہر گیل والے بابا ہیں اور کیل آپ ہی
 کے پاس ہے۔

• کیل! میرے پورے وجود میں ہم سا بچھا۔ کیل
 کیل میں نے سچی سچی آنکھوں سے اس کیل کو دیکھا ہے ابھی
 سڑانے لکھے سو رہا تھا۔ یہ عطیہ انہیں دو۔ بزرگوں میں
 سے ایک نے مجھے دیا تھا۔ مگر اس وقت میری اندھی
 آنکھوں نے اسے نہیں پہچانا تھا اب تک نہیں پہچانا
 تھا۔ یہ تو وہی کیل تھا جو ایک بار پہلے بھی مجھے مل چکا
 تھا۔

میں بھلا اس کبیل کو بھول سکتا تھا جب یہ ملا تھا تو مجھے عروج ملا تھا اور پھر میں نے اسے کھو دیا تھا۔ آہ یہ وہی کبیل تھا سو فیصد وہی تھا دماغ میں شیٹے سے ٹوٹنے لگے۔ چھناکے ہونے لگے۔ وہ دونوں بزرگ یاد آئے جن میں سے ایک نے مجھے کبیل دیا تھا۔ شکلیں یاد نہیں تھیں لیکن..... باقی سب کچھ یاد تھا کبیل اوڑھا تھا اور اس کے بعد امی اور ابو کو دیکھا تھا۔ ماموں ریاض کے بابے میں آگے کا سارا حال دیکھا تھا کوئی تصویر اتنی جامع شکل نہیں اختیار کر سکتا تھا۔ میں نے تو وہ سب کچھ دیکھا تھا۔ جس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔

بابا صاحب..... بزرگ کی آواز نے مجھے چونکا دیا.....

جی..... میں..... وہ.....

خدا کے لیے بابا صاحب، خدا کے لیے اللہ نے آپ کو کچھ دیا ہے تو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کریں خدا کے لیے بابا صاحب، بزرگ نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور میں تڑپ اٹھا۔

ایسا نہ کریں محترم، خدا کے لیے ایسا کر کے مجھے گناہ گار نہ کریں۔

ہماری مدد کریں۔

آپ مجھے وقت دیجئے کچھ کر سکتا تو ضرور کروں گا۔ آپ سے وعدہ کرتا ہوں میں خود حاضری دوں گا۔

ہمت بہتر، ہم انتظار کریں گے۔

آپ جائیے میں آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔ اگر آپ کا کام نہ کر سکتا تو معذرت کرنے آؤں گا۔ میں نے کہا اور وہ سب امید بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے واپس چلے گئے۔ میں نے دیوانہ وار آگے بڑھ کر کبیل اٹھا لیا اسے سینے سے لگا لیا سکون کا ایک سمندر سینے میں اتر گیا تھا دیر تک اس سکون سے بہرہ ور ہوتا رہا۔ شام کے سائے جھلک رہے تھے۔ عمر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ پانی تلاش کر کے دھو کیا نماز پڑھی اسی درخت کے نیچے بیٹھ کر لیا تھا۔ رات ہو گئی عشاء کی نماز سے فارغ ہوا تھا کھانا آ گیا۔

بابا صاحب لنگر لے لیجئے۔ صاحب مزار کے نام کا

ہے۔ انکار نہ کر سکتا تھا بہت کھانا کھایا اس کے بعد کبیل اوڑھا لیا دل میں کہا۔

مجھے بس نعمت سے سرفراز کرنے والو! مجھ سے زیادہ تم میرے بارے میں جانتے ہو میں کو رہنا ہوں، میری نظر محدود ہے۔ میری عقل محدود ہے جو منصب مجھے عطا کیا گیا ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے رہنمائی درکار ہے۔ میری عقل ناقص صحیح فیصلے کرنے سے قاصر ہے مجھے رہنمائی عطا ہو مجھے رہنمائی درکار ہے، مجھے رہنمائی چاہئے۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے کسی نے زور سے دھکیل کر کہا۔

بڑا پھیل کر سو رہا ہے سرک جگدے میں لڑھک گیا تھا جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ سب پچھنے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک بوڑھا آدمی تھا۔ زمین اللہ کی ہے اس پر سب کا حق ہے۔

کیوں نہیں آپ آرام سے لیٹ جائیں؟ میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بوڑھا آدمی اطمینان سے لیٹ گیا کچھ دیر خاموشی سے گزر گئی پھر اس نے گردن اٹھا کر مجھے دیکھا اور بولا۔

پیروں میں بڑا درد ہو رہا ہے ذرا دبا دے۔

جی.....! میں نے اس کا پاؤں اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور اسے دبانے لگا۔

دفعہ اس نے بڑی زور سے دوسرا پاؤں میرے سینے پر مارا اور میں بے اختیار لڑھک کر دوڑ جا گیا۔

ہاتھوں میں کلنٹے آگے ہوئے ہیں۔ اہستہ نہیں دبا سکتا۔ طاقت آزار رہا ہے میرے پیروں پر۔

ادہ نہیں بابا صاحب معاف کر دیجئے اب اہستہ دباؤں گا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر دوبارہ اس کے پاس آ بیٹھا احترام سے دوبارہ اس کا پاؤں لے کر گود میں رکھا اور اسے اہستہ اہستہ دبانے لگا۔

ہاں اب ٹھیک ہے، اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کوئی ایک گھنٹہ گزر گیا تو اس نے کر دٹ بدل کر دوسرا پاؤں میری گود میں رکھ دیا۔ میں دوسرا پاؤں دبانے لگا کافی دیر گزر گئی اچانک وہ بولا۔ قاتل بہت ہیں کچھ زیادہ خطرناک کچھ کم۔ دشمن کے دار کرنے سے پہلے

اس پر دار کر دو، اسے مار ڈالو۔ دشمن نمبر ایک غرور ہے خود پسندی ہے، تمہارے بدن کا لباس تمہاری مینائی تمہاری سوج اور سب سے بڑھ کر تمہاری زندگی اپنی نہیں ہے پھر کس چیز پر حق جتاتے ہو۔ یو فوفی ہے نا..... کیوں ہے نا.....؟

”ہاں..... میں نے آہستہ سے کہا۔

”سب کچھ فرض ہے ادھار ہے ادائیگی ضرور ہوتی ہے بچا کچا پتا ہوتا ہے دوسرے کے مال پر کیا اتنا کیوں ہے کہ نہیں۔“

”ٹھیک کہتے ہیں بابا صاحب۔“

”پوچھ لینا اچھا ہوتا ہے سمجھ میں نہ آئے تو پوچھ لو۔“

”کس سے بابا صاحب۔“

”بتانے والا اندر ہوتا ہے پوچھو گے جواب ملے گا بھٹکنے کی ضرورت ہی کیا ہے مگر کرنے سے پہلے پوچھو۔“

”جی بابا صاحب۔“

”خود غرضی ہمیشہ نقصان دہتی ہے پہلے دوسروں کے بارے میں سوچو پھر اپنے بارے میں۔ جذبات سنبھالنے پڑتے ہیں درز کھیل بگڑ جاتا ہے کیا سمجھ۔ اور کچھ پوچھنا ہے۔“

”آپ نے جتنا بتایا ہے اتنا تو سمجھ لیا بابا صاحب۔“

”اتنا کافی ہے ضرورت پڑے تو اور پوچھ لینا۔“

”میں نابینا ہوں بابا صاحب کچھ نہیں جانتا۔ سچائی

سے سب کچھ کرنا چاہتا ہوں مگر نادانیت کا شکار ہو جاتا ہوں

میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

”چہرہ ڈھک لینا، دل و دماغ روشن ہو جائیں گے۔

بس کافی ہے۔“

”بوڑھے شخص نے پاؤں سمیٹ لیے۔

”اور دباؤں بابا صاحب؟“

”نہیں..... چلتا ہوں۔“ بوڑھے نے کہا اور پھر

تیزی سے آگے بڑھ گیا میں اسے دیکھتا رہا اس نے چند

قدم آگے بڑھائے اور پھر ایک درخت کی آڑ میں گم ہو

گیا۔ دل بری طرح کانپ رہا تھا رہنمائی ملی تھی انعام عطا

ہوا تھا، ہدایت کی گئی تھی۔ درخت کے نیچے بیٹھ کر سوج

میں ڈوب گیا ساری باتوں کو یاد کر کے دل میں اتار رہا

تھا پھر وہ لوگ یاد آ گئے جن سے وعدہ کیا تھا۔ کیا

کر دوں کیا کرنا چاہیئے لیٹ کر کبیل چہرے پر ڈال لیا۔
ذہن میں ان کا تصور کیا تو چاروں طرف روشنی پھیل گئی
وہ سب لگا ہوں کے سامنے آ گئے بزرگ، ان کا بیٹا
ہو، لڑکی اور وہ بچہ۔ زبان باہر لٹکی ہوئی تھی آنکھوں
میں دہشت رقصاں تھی نو جوان لڑکی نے آنکھیں بند کی
ہوئی تھیں اور خوف سے کانپ رہی تھی بچے کی ماں کی
آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اور وہ حسرت بھری
نظروں سے بچہ کو دیکھ رہی تھی اس کا شوہر سر پکڑے
بیٹھا ہوا تھا اور وہی بزرگ تبسح ہاتھوں میں لیے کچھ پڑھ
رہے تھے۔

دفعۃً لڑکے کی زبان لمبی ہونے لگی۔ سرخ زبان کسی
سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اس کی
لمبائی کوئی چار گز پہنچی اور پھر اچانک اس نے ان بزرگ
کے ہاتھوں میں دبی بیس کو پک لیا نو جوان لڑکی نے دہشت
بھری چیخ ماری اور گر کر بے ہوش ہو گئی۔

”بات کر لو۔ چلے جاؤ..... حال معلوم ہو جائے

گا۔ چلے جاؤ کام ہو جائے گا۔“ مجھے اپنی آواز سنائی

دی میں بول رہا تھا، میں سن رہا تھا۔ مستعدی سے اٹھ کھڑا

ہوا۔ کبیل تہہ کر کے شانے پر رکھا اور تیز تیز قدموں سے اس

طرف چل پڑا کچھ دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا سب لوگ

ریٹ ہاؤس میں تھے میں نے دروازہ بجایا انہی

بزرگ نے دروازہ کھولا تھا۔

”آپ..... آئیے، دیکھئے اندر کیا ہو رہا ہے ہاتھوں

نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

”آسکتا ہوں۔“

”آجائیے۔“ بزرگ دروازے سے ہٹ گئے میں

اندر داخل ہو گیا۔ بچا چھل پڑا تھا اس کی زبان نوراً اندر چلی

گئی وہ اٹھ کر دیوار سے جا لگا وہ مجھے خوفزدہ نظروں

سے دیکھ رہا تھا اور شاید بھاگنے کے لیے جگہ تلاش

کر رہا تھا پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے، اپنا کام کر دو رن

اچھا نہ ہو گا۔“

”ایک گلاس پانی دیجئے۔“ میں نے بزرگ سے کہا

اور وہ جلدی سے ایک طرف رکھی مراچی کی طرف بڑھ گئے

”تم سن نہیں رہے، میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔“
 لڑکے نے بھاری آواز میں کہا۔

”یہاں تم سے جھگڑا کون کر رہا ہے۔ اللہ کے بندے
 ہو، اللہ کا نام لے کر بات کرو۔ میں نے بزرگ کے ہاتھ
 سے پانی کا گلاس لے کر اس پر بسم اللہ پڑھ کر پھونکی اور
 اس کے بعد پانی کا گلاس لڑکے کی طرف بڑھا کر بولا۔

”لومیاں پانی پیو۔ محبت سے کوئی چیز پیش کی جائے
 تو اسے محبت سے ہی قبول کرنا چاہیے۔“

”دیکھو، خسری بار سمجھا رہا ہوں، ہمارے بیچ میں
 مت آؤ ہمیں کوئی فائدہ نہ ہو گا سوائے نقصان کے۔“

”اللہ کے بندے ہو کے، اللہ کے بندوں کو نقصان
 پہنچاؤ گے تو تمہارے ساتھ ہی تو بہتری نہیں ہوگی جواب

دو۔ در نہ یہ پانی میں تمہارے جسم پر پھینک دوں گا
 اور تم سمجھتے ہو کہ یہ گناہ صرف تمہارے سر ہو گا۔

”ارے وہ جھگڑا ہمارا ہے، بیچ میں کو د رہے ہو تم
 ذرا اس سے پوچھو کیا کیا ہے، اس نے، بچے کھیل رہے

تھے اسے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچایا تھا، شرارت اپنی
 جگہ ہوتی ہے، پتھر مارنے شروع کر دیے اور اچھا خاصا

زخمی کر دیا میرے بچے کو، میں بھلا چھوڑ دوں گا اسے اتنے
 ہی زخم نہ لگا دوں اسے تو میرا بھی نام نہیں۔“

”دو گزر بھی تو ایک پسندیدہ نسل قرار دیا گیا ہے
 بچپن ہے، بے شک نہیں نقصان پہنچا ہو گا لیکن اس کی

زندگی لے کر تمہیں کیا مل جائے گا۔“
 ”اور اگر میرا بچہ مر جاتا تو....“

”اللہ نے اسے زندگی عطا فرمائی تم اس کے مدد
 اس کی زندگی بھی قائم رہنے دو۔ یہ ضروری ہے۔“

”کیا ضروری ہے اور کیا غیر ضروری، میں سمجھتا ہوں
 تم اپنی ولایت لے کر یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میرا تمہارا

جھگڑا ہو جائے گا اور ہاں پہنچا تھا ہوں نہیں اچھی طرح،
 جانتا بھی ہوں ایک بار دیکھ سب چمکا، ہوں مگر وہ معاملہ

فصا دوسرا تھا ہر ایک کے بیچ میں پہنچ جاتے ہو تمہارا
 بھی کچھ کرنا ہی پڑے گا۔“

”اگر میرے سر میں پتھر مار کر تمہارا دل ٹھنڈا ہو سکتا
 ہے تو میں حاضر ہوں کچھ نہ کہوں گا نہیں۔ لیکن بچوں کے باپ

ہو، معاف کر دو اسے۔ میں اس کی طرف سے اور اس کے
 تمام اہل خانہ کی طرف سے معافی چاہتا ہوں۔ اگر کوئی جرمانہ
 کرنا چاہو تو جرمانہ کر دو اور ایسی ہوگی۔ مگر اب اسے معاف

ہی کر دو تو بہتر ہے۔“
 ”اور اگر نہ کروں تو۔۔؟“

”تو پھر بات دوسری شکل اختیار کر جائے گی۔ میں نے
 گلاس سیدھا کر لیا اور لڑکا دیوار کے سہارے ادھر سے

ادھر کھینکنے لگا پھر بولا۔ یہ طریقہ ہوتا ہے دوستی کرانے کا
 ان لوگوں سے کہہ دو کہ آئندہ اگر یہ بچہ اس طرف دیکھا گیا

تو پھر میں اسے نہیں چھوڑوں گا اور تم، ٹھیک ہے میں نہ
 ہی کوئی دوسرا نہیں ٹھیک کر دے گا۔ ہر ایک کے بیچ

میں ایسے ہی مت آجایا کرو۔“
 ”پھر حال فی الحال تو یہ معاملہ اب تم یہ بتاؤ کہ سچے دل

سے اسے معاف کر رہے ہو یا یونہی عارضی طور پر مجھے ٹال رہے
 ہو۔۔؟“

”اور اگر یہ بچہ دوبارہ ادھر دیکھا گیا تو۔۔؟“
 ”اس کا وعدہ اس کے والدین کریں گے۔“

”عورت جلدی سے بولی۔ نہیں جائے گا ہم وہ شہری
 چھوڑ دیں گے۔ وہ جگہ چھوڑ دیں گے ہم، کبھی نہیں جائیں

گے اس طرف، کبھی نہیں جائیں گے۔“
 ”دیکھو میاں جی مشورہ دے رہے ہیں تمہیں ہم ایسے

معاملات میں ٹانگیں مت اڑا کر دو، ورنہ کسی وقت نقصان
 بھی اٹھا جاؤ گے۔ ارے ہاں پہنچ گئے دل بن کر لڑکے

نے کہا اور اس کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں، رفت
 رفت اس کا جسم ڈھیلا پڑتا جا رہا تھا اور پھر وہ دیوار کے

ساتھ نیچے کھسکتا ہوا زمین پر گر پڑا وہ بھی بے ہوش
 ہو گیا تھا بزرگ جلدی سے آگے بڑھے ان کا بیٹا بھی

آگے بڑھا۔ اور باپ نے بیٹے کو گود میں اٹھا لیا
 لڑکا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ عورت کی ہسکیاں

بلند ہو رہی تھیں۔ میں نے اہستہ سے کہا: خدا نے اپنا
 کرم کر دیا میرے خیال میں اب سب ٹھیک ہے۔ آپ

لوگ اطمینان سے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کریں
 اب خدا نے چاہا تو سب بہتر ہو جائے گا۔“

جھک کر میرے پاؤں پڑنا چاہے تو میں دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”نہیں مجرم، خدا کے لیے نہیں یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ میرے ساتھ دشمنی ہے، محبت کے جواب میں دشمنی۔ بزرگ ایک دم سیدھے ہو گئے تھے۔“

”میرا دل کہہ رہا ہے، میرا بچہ ٹھیک ہو گیا۔ آہ ہم..... سب کو نئی زندگی ملی ہے اپنے جذبات کا اظہار میں کیسے کروں۔ وہ بولے۔“

”بس ایک ہی التجا ہے۔“

”کہنے بابا صاحب۔“

”میرے حق میں دعائے خیر کیجئے۔“

”سنیے بابا صاحب سنیے کچھ خدمت کا موقع دیجئے ہمیں۔“

”اللہ نے آپ کو اپنی رحمت سے نوازا ہے۔ بڑی باتیں

نہ کیجئے خدا حافظ۔ میں نے کہا اور وہاں سے نکل آیا اس

کے بعد رکنے کو دل نہیں چاہا تھا چنانچہ کسی سمت کا تعین

کئے بغیر چلتا رہا۔

مزار شریف سے بہت دور آبادی تھی وہاں سے بھی

گزر گیا نلق ووق میدان شروع ہو گئے چاند نکل آیا تھا

ایک پرسکوت ماحول تھا اسی طرح چلتے رہتے میں لطف آ رہا

تھا چلتا رہا اور نہ جلنے رات کا کون سا پہر گزر گیا پاؤں

کچھ دزدنی محسوس ہوئے تو رک گیا، جھاڑیاں، پتھر مٹی

کے تو دے گڑھے جن میں پانی بھرا ہوا تھا جھینگر بے وقت

کی راگنی الاپ رہے تھے کسی قدر صاف ستھری جگہ دیکھ

کر بیٹھ گیا۔ اور تھکن محسوس کر کے وہیں آرام کرنے کی

ٹھانی۔ ایک پتھر سے سر لکایا اور آنکھیں بند کر لیں۔

نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔ قدموں کی چاپ سنائی دی

اور آنکھیں کھل گئیں۔ چار انسان نظر آئے۔ چاندنی میں

انہیں صاف دیکھا جاسکتا تھا۔ دیہاتی تھے لائٹیاں

اٹھانی ہوئی تھیں، لمبے تڑنگے تھے۔ سہمے سہمے قدم اٹھاتے

آگے بڑھ رہے تھے میں انہیں دیکھتا رہا اور جب وہ

میرے قریب سے گزرے تو میرا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”سنو..... بات سنو۔“ میں نے کہا اور وہ چاروں

رک گئے انہوں نے شاید مجھے نہیں دیا تھا اس لیے

وہ چاروں طرف دیکھنے لگے۔ پھر سب ہی دہشت سے

بچنے لگے انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی مگر ایک دوسرے

میں الجھ کر گر پڑے۔

”ارے دیارے دیا۔ ارے شرودھانند تیرا ستیا ناں

ہے پر بھو..... ہے جگولن..... ارے بھاگو۔“

ارے بھاگو۔“ ان میں سے کسی نے چیخ کر کہا مگر ان کی

ہمت پست ہو گئی تھی۔

”ڈکو نہیں بھائی، میں بھی تمہارا جیسا انسان ہوں ڈرو

نہیں۔ میں کھڑا ہو گیا۔

”ہرے مار دیو، رام دیاں۔ ہرے بھاگو بھیا، کوئی

اور جیٹا، اس دوران میں ان کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔

”دیکھو میں پھر کہہ رہا ہوں تم سے ڈرو، انہیں میں

کوئی بھوت پریت نہیں تمہارے جیسا انسان ہوں۔“

”ہرے بھیا بھوت ناہیں ہو تو کا یہاں کھیت رکھا

رہے ہو؟“ ایک نے ہمت کر کے کہا۔

”مسافر ہوں سفر کر رہا تھا۔ تھک کر یہاں لیٹ گیا تھا۔“

”ایں۔“ ان کی کچھ ہمت بندھی ایک ایک کر کے اٹھ

کر بیٹھ گئے۔ سب نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھا اور

پھر ڈرے ڈرے انداز میں ہنسنے لگے۔

”ارے تو ڈر کون رہا تھا۔ ہم تو پہلے ہی کہہ رہے تھے

ہاں۔“ وہ رہے رام دیاں تو بھی بڑا بکٹ ہے بھائی؟

”بس بس چپ ہو جانا تم کو جان تو تیری نکل رہی ہے

مگر بھائی مسافر لگو تو تم بھوت ہی رہو۔ ارے بھیا اکیلے

یہاں پڑے ہوئے تھے۔“

”تم لوگ کون ہو اور اس وقت کہاں جا رہے تھے؟“

”ارے بس کیا بتائیں یہ شرودھانند ہے بس ہریالی بستی

گئے تھے کام سے صبح کو چلتے مگر یہ گھر والی سے کہہ آیا تھا

کہ رات کو واپس آجائے گا۔ بس بھیا، میں کچھ کر چل

پڑا حالانکہ راستے میں لال تلپا پڑے ہے مگر بھیا بیاہ کو

چار مہینے ہوئے ہیں وعدہ کیسے نہ پورا کرتا ارے ہے

ناشرودھانند۔“

”اب چلو یا یہیں پڑے رہو گے۔“ شرودھانند نے کہا۔

”بھائی مسافر، تم کدھر جا رہے تھے۔“

”بس سیدھا ہی جا رہا تھا۔“

”کہیں دور سے آرہے ہو کا؟“

”ہاں۔“
 ”چلو گے ہمارے ساتھ یا یہیں جھگل میں مرنے کرو گے؟“
 ”تم لوگ کہاں رہتے ہو؟“
 ”دھونی پور کے رہنے والے ہیں ہم۔“
 ”چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“ میں نے کہا
 ”تھکن تھی مگر سپر ہی ان سادہ دل دیہاتیوں کے ساتھ جانے
 کو دل چاہا۔ وہ سب آگے بڑھ گئے تھے۔“
 ”تمہارا نام کیا ہے؟“ سردھانند نے پوچھا۔
 ”مسود۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”میاں بھائی ہو؟“
 ”ہاں۔“
 ”پہلے کبھی دھونی پور نلگے؟“
 ”کبھی نہیں۔“
 ”بڑھیا جگہ ہے۔ مگر.....“
 ”مگر کیا؟“

”ارے نا بھائی نا۔ رات کا وقت ہے کچھ نا بولیں گے
 ہم۔ ویسے ہی اس سسرے سردھانند نے مراد دیا ہے ہیں“
 رام دیال نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ اس کے بعد دیر تک
 خاموشی طاری رہی تھی پھر ان لوگوں کے قدم رکھنے لگے سب
 ڈبے ڈبے سے لگ رہے تھے میں پوچھے بغیر نہ
 رہ سکا۔

”کیا بات ہے؟“
 ”لال..... لال تلیا۔“
 ”تم لوگ پہلے ہی اس کا نام لے چکے ہو۔ یہ لال تلیا
 کیا ہے؟“
 ”ارے بھیا یہاں سے نکل چلو، بعد میں بتائیں گے“
 ”نہیں ابھی بتاؤ۔“

”جنناداس.....“ سردھانند نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ اور
 سب دک گئے۔ سردھانند خوفزدہ انداز میں ایک طرف اشارہ
 کر رہا تھا میں نے اس سمت دیکھا آگ روشن تھی اور کوئی شخص
 بیٹھا اس جگہ آگ میں لکڑیاں ڈال رہا تھا جس سے آگ اور
 بھوک اٹھتی تھی۔

”کیا بات ہے آگے نہیں ملو گے۔“ میں نے پوچھا مگر کسی نے
 کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سب دھشت زدہ نظروں سے لاور

ہی دیکھ رہے تھے۔ میں کچھ دیر ان کے ساتھ کھڑا رہا پھر میں
 نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ہے میں چلتا ہوں
 تم یہاں آرام کرو۔

”ارے کوئی دماغ خراب ہوا ہے تمہارا۔ آگے نہ بڑھنا
 بے موت مارے جاؤ گے گردن مروڑ کر رکھ دے گا تمہاری
 کون۔“

”سرکنا..... ہرے مام غلطی سے منہ سے نام نکل گیا۔“ رام
 دیال نے راتوں نلے زبان دہائی۔

”سرکنا کہاں ہے وہ۔“
 ”تلیا کنارے آگ کون جلا رہا ہے۔“
 ”وہ سرکنا ہے۔“

”ارے تو کیا چاہا ہے ہمارا۔ سب کے سب دھشت زدہ
 نظر آ رہے تھے۔“

”مجھے اس کے بارے میں کچھ افسوس تھا۔“
 ”تمہاری تو گھوم گئی ہے کھوپڑی۔ ہمیں کاہے کو مراد ہو
 بھائی۔ ارے واپس چلو بھیا آج کی رات ہی مصیبت کی ہے
 کہہ رہے تھے سردھانند سے آج گھر پہنچ جائیں تو جانور۔“
 ”ٹھیک ہے تم یہاں رکو میں دیکھتا ہوں۔“ میں آگے
 بڑھنے لگا تو چاروں نے لپک کر مجھے پکڑ لیا۔

ساری شبی نکل جائے گی میاں جی رک جاؤ، آؤ واپس
 چلتے ہیں۔ دن نکل آئے گا تو آگے بڑھیں گے نہیں اس کے
 قہر نہیں معلوم۔“

بتاؤ گے تو چپ چلے گا۔“

”کوئی ایک ہو تو بتائیں جنناداس کے سارے کٹم کو کھا گیا
 ہے یہ۔ ہری داس کو اس نے مارا۔ سلیم چاکا کو ان بیٹا اس
 کے ہاتھوں مارا گیا۔ کھونگھاڑی کی لاش تال میں گھل گئی.....
 راتوں کو سستی میں نکل آتا ہے اور آواز میں رکلا ہے بگھانے
 لے کھونگھاڑے..... کسی نے جھانک لیا تو بھو گیا۔ ہماری بستی تو
 بھوت بستی ہو گئی ہے آج کل۔ بے چارے ہنسی اعل پر تو مصیبت
 آتی ہوئی ہے۔“

”آؤ بیٹھو مجھے اس کے بارے میں مزید بتاؤ۔“ میں نے
 کہا۔ بات دہسپ تھی خلق خدا کو تنگ کیا بارہا تھا تو زبرداری تو
 آتی تھی۔ ان لوگوں نے معصومیت سے مکمل کہانی سنائی۔
 جنناداس دھونی پور کا سا بھوکا رہتا۔ دو بیٹے ایک بیٹی تھی ایک

بنیاد کان کے کچھ پیسے جوے میں ہار گیا۔ باپ کے خوف سے لال
 "لیا پرا آچھا بچ کو اس کی اکڑی ہوئی لاش ملی تھی۔ جنہاں اس نے
 ایک منتر پڑھنے والے کو بلایا اور تلیا کنارے جا پکرایا۔ اس
 غضب ہو گیا۔ منتر پڑھنے والا تو خیر بھاگ گیا مگر جنہاں اس کی
 مصیبت آئی۔ بیٹی آگ سے جل کر مر گئی۔ بیوی مری۔ بچہ دوسرا
 بیٹا پاگل ہو گیا۔ اور سب کے غم میں جنہاں اس نے دستورہ
 کھا کر خودکشی کر لی۔ ہری داس ابیرا بھی تلیا کے کنارے مارا
 گیا۔ سلیم جا پکا بیٹا پہلوانی کرتا تھا۔ مسلمان تھامس کے کو تسلیم
 دیا۔ تلیا کے کنارے آکر لٹکا دیا۔ بہت سے لوگوں نے
 بے سر کے پہلوان کو اس سے کشتی بڑتے دیکھا اور پھر نوجوان
 لڑکا خون تھوک تھوک کر مر گیا یہی ساری کہانیاں تھیں میں
 نے بنی لال کے بارے میں پوچھا وہ دوسری بات ہے۔
 کیا۔"

"ارے وہ اور واقعہ ہے بنی لعل مہاراج بھی تو کسی
 سے کم نہیں ہیں۔"

"وہ اس سرکے کا قہر نہیں ہے۔"

"نہیں وہ ان کے کرموں کا بھل ہے۔"

"چلو تم لوگ یہاں بیٹھو میں ذرا اس سے ملاقات کر لوں۔
 میں نے کہا اس بارے میں ان کے روکے سے نہ رکھا تھا۔ آگ
 کو نشان بنا کر ہی آگے بڑھا اور تالاب کے کنارے پہنچ گیا
 خاما وسیع قدرتی تالاب تھا جس میں انگھٹاڑوں کی بلیں تھیں
 تھیں میں نے جلتی آگ کے پاس اسے پیسے ہوئے دکھا باس
 سے بے گانہ ایک لباڑنگا شخص تھا اور درحقیقت اس کے شانوں
 پر سر موجود نہیں تھا۔ میری آہٹ پا کر دکھڑا ہو گیا میں خاموشی
 سے اسے دیکھ رہا تھا۔"

"کون ہے رے تو؟" ایک منٹائی آواز سنائی دی۔

"مسعود ہے میرا نام۔ تمہارا بھی کوئی نام ہے؟"

"سوربان کرایا تھا۔"

"نہیں نہیں سمجھانے آیا ہوں۔"

"کیا سمجھانے کا۔"

"تمہارا اصل ٹھکانہ کہاں ہے۔"

"کو کون ہوتا ہے پوچھنے والا۔"

"تم خلق اللہ کو پریشان نہ کرتے ہو نہیں یہ جگہ چھوڑنا ہوگی

یہاں سے چلے جاؤ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔"

"لڑے گا۔ اس نے ران پر ہاتھ مار کر اچلتے ہوئے کہا۔
 "مسموم کر دے گا تو لڑنا پڑے گا میں چاہتا ہوں ایسا نہ ہو
 میں نے کہا۔ دل کہہ رہا تھا کہ جو کچھ کہہ رہا ہوں درست ہے وہ
 گندی روح ہے اور انسان کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اسے
 روکنا ضروری ہے۔ وہ کئی بار ران پر ہاتھ مار کر اچھلا اور پھر
 اس نے اپنے ماتیں شانے سے میرے سینے پر کمر ماری۔ لڑکھڑائی
 ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑنے کی کوشش کی لیکن ہاتھ اس کے
 بدن کے درمیان سے نکل گئے اس نے عقب میں آکر ہر ایک
 ٹکڑے ماری اور میں پھر لڑکھڑا کر گرا۔ ایک منٹا تالاب تک پہنچا
 اس کے حلق سے نکلا اور وہ اچھل کود کرنے لگا کبھی سو گز
 دور نظر آتا کبھی بالکل قریب اسے چھونے کی کوشش نہاکام ہوگی
 میں نے بسم اللہ پڑھی اور تیار ہو گیا اس نے قریب آکر میرے
 سینے پر لات ماری تو میں نے فوراً کبل اس پر اچھال دیا اور
 کبل پوری طرح پھیل کر اس پر چھا گیا۔ ایک سیانٹینج سنائی
 دی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ کبل کے نیچے وہ بری طرح جدوجہد
 کر رہا تھا اور اس کی جنٹیں بیٹانک سے بیٹانک ترہوتی جا رہی
 تھیں۔ وہ کئی کئی فٹ اچھل رہا تھا پھر اس کی آواز مدھم ہوتی
 جلی گئی اور کچھ دیر کے بعد کبل بالکل زمین پر پھیل گیا جیسے
 اس کے نیچے کچھ نہ ہو۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھالیا۔ اور
 نیچے کا منظر دیکھ کر خود بھی حیران رہ گیا۔ زمین پر ایک بے سر کے
 انسانی جسم کا سیاہ نشان بنا ہوا تھا۔ جس سے ہلکا ہلکا.....
 دھواں اٹھ رہا تھا۔ میں نے کبل پیٹ کر کندھے پر ڈال لیا۔
 نہ جانے کس طرح ان چاروں کی بہت بڑی کہ وہ میرے قریب
 آگئے اور سبھی سبھی آکھٹوں سے اس منظر کو دیکھنے لگے۔

"بھسم ہو گیا رام دیاں نے کہا۔ پھر سب نے قہقہے کھائے اور
 اچانک چاروں ہاتھ جوڑ کر میرے پیروں سے پیٹ گئے۔ جے
 ہو مہاراج کی۔"

"مہاراج میاں ہیں۔ دوسرا بولا۔

"ہم کچھ نہ سمجھتے مہاراج۔ بالکل تمام میں پیچھے ہٹا اور
 میں نے ان سے اپنے پاؤں چھڑاتے جوتے کہا۔ یہ کیا کر رہے
 ہیں آپ لوگ۔"

"آپ نے سرکٹا مار دیا مہاراج..... ارے دیا رے دریا۔
 یہ بات سنی اور ہم اندھے ہیں پہچان نہیں پائے آپ کو مہاراج

حق برقی بات زبانی سے نکل گئی ہو تو معاف کر دیں ان سب کی حالت خراب ہو رہی تھی میں نے انہیں تسلی دے کر کراتے ہوئے کہا۔ چلیے آپ لوگوں کو ایک گنڈی روح سے تو نبات مل گئی۔

”ارے مہاراج بستی والے سنیں گے تو حریفوں میں آپڑیں گے آپ کے۔ سب کا ناک میں دم رکھا تھا اس سرکٹے نے اور مہاراج یہ تو جسم ہو گیا دھرتی میں سا گیا۔ ہرے رام ہرے رام۔ ان کی بھج میں نہیں آسا تھا اگر کیا کہیں۔ میں نے کہا۔ چلو ٹھیک ہے یہ کام تو ہو گیا اب تو بستی چلو گے۔“

”اب بھی نہ چلیں گے مہاراج۔ وہ چاروں بڑی عقیدت سے میرے پیچھے چلنے لگے راتے میں میں نے ان کے بستی میں رہنے والوں کے بارے میں پوچھا۔“

”بڑی ابھی ہے ہماری بستی مہاراج۔ ہندو مسلمان کا کوئی جھگڑا نہیں ہے ہم اس بستی میں پیدا ہوئے جوان ہو گئے کبھی کوئی خرابی نہیں ہوتی سنسار میں ادھر ادھر لوگ لٹے بھرتے ہیں اور ہم بڑے پریم سے رہتے ہیں۔ جہاں ہم مولوی حمید اللہ کی باتیں سنتے ہیں وہیں پنڈت کرشن مراری کی کتھائیں بھی سنتے ہیں۔ بھگوان کا نام سب اپنے اپنے طور پر لیتے ہیں مہاراج کیا ہندو کیا مسلم۔“

”مولوی حمید اللہ کون ہیں؟“

”دھونی پور کی مسجد کے مولوی صاحب ہیں بڑے اچھے آدمی ہیں۔“

”مسلمان یہاں کتنے آباد ہیں؟“

”ہمیں ٹھیک سے نہیں معلوم مہاراج۔ پر بہت ہیں اور سب اپنے اپنے کام کرتے ہیں راتے بھر ہم لوگ باتیں کرتے آئے اور پھر دھونی مسجد پہنچ گئے۔ صبح ہونے میں دیر ہی کتنی رہ گئی تھی۔ پھر بستی کے سرے میں قدم رکھا تو مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی اور میرے قدم رک گئے۔“

”میں نے سکراتے ہوئے کہا۔ ذرا مسجد کا ماسہ تو بنا دو مجھے۔“

”وہ ہے میدے ہاتھ کی سیدر میں وہ جو روشنی جل رہی ہے۔“

”مرد عاتق نے کہا میں نے سکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔“

”پتا تو بتائیو! میری منزل وہ ہے؟“

”دھونی پور میں رہیں گے تو مہاراج۔“

”دیکھو جی! اللہ کا حکم ہے؟“

”ہم آپ کی سیوا کرنا چاہتے ہیں۔“

”جس میں بجائی نہا سارے حد تک مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اچھا اب تم لوگ اپنے گھروں کو جاؤ میں بھی اپنے انڈر کے گھر کی جانب قدم بڑھاتا ہوں۔ میں نے کہا انہوں نے ہاتھ جوڑ کر میرے سنے گر زمین جھکا دیں اور عقیدت سے واپس چل پڑے۔ میاں رخ مسجد کی جانب ہو گیا تھا۔“

”مسجد زیادہ فاصلے پر نہیں تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں پہنچ گیا چھوٹی چھوٹی تقریباً پانچ فٹ اونچی دیواریں چاروں طرف بنی ہوئی تھیں احاطہ وسیع تھا مسجد کی اصل عمارت بہت چھوٹی

اصلے میں تھوڑے سے فاصلے پر ایک چوترہ بلند ہو گیا تھا بائیں

طرف ہاتھ سے چلنے والا لنگر لگا ہوا تھا اور اس کے بعد ایک

ست گھروں کا سامنا نظر تھا۔ یعنی طوطہ پر سجدہ کا خبر ہو گا مولوی صاحب

ابھی تک بلندی پر اذان دے رہے تھے غالباً یہ مسجد کی چھت کا

حصہ تھا جہاں وہ موجود تھے ایک سمت سے سڑمیاں نیچے

اتر رہی تھیں۔ میں نے کبل ایک سمت رکھا جو تے اتارنے

ہاتھ سے لٹکا چلایا اور وضو کرنے بیٹھ گیا۔ اذان ختم ہو چکی تھی۔

غالباً مولوی صاحب نیچے اتر رہے تھے میں نے وضو سے فراغت

حاصل کر کے کبل سنبھال کر بغل میں دبایا اور اس کے بعد ایک

سمت بڑھ گیا۔ مولوی صاحب میری ہی طرف آگئے تھے۔ میں

ان کے احرام میں کھڑا ہو گیا چوڑا پیکلا جسم اور عمر آدمی تھے

بڑی ہی دائرہ سینے پر کبھری ہوئی تھی۔ اور آنکھوں میں چمک

تھی مجھ سے بولے۔“

”مسافر معلوم ہوتے ہیں حضرت؟“

”جی مولوی صاحب۔“

”ابھی ابھی بستی میں داخل ہوئے ہیں۔؟“

”جی ہاں بس یہاں سمجھ بیٹھے کہ آپ کے منہ سے اذان کی

آواز نکلی اور میں نے آپ کی بستی میں پہلا قدم رکھا۔“

”خوش آمدید میلانام حبیب اللہ ہے؟“

”خاکسار کو مسود کہتے ہیں۔“

”نمازی آنے والے ہیں۔ ذرا انتظامات کر لوں اس کے

بعد آپ سے گفتگو رہے گی۔ نماز کے بعد پلٹتے نہ پڑیے گا مجمع

کا ناشتہ میرے ساتھ کیجیے گا۔“

”بہتر۔ میں نے جواب دیا اور ایک گوشے میں جا بیٹھا

آنکھیں بند کیں اور درود شریف کا ورد شروع کر دیا مولوی

صاحب مجھے ملنے کے بعد ہیں چلے گئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد مسجد کے دروازے سے نماز پڑھنے والے داخلہ ہونے لگا۔ نکلا پلٹنے کی آوازیں ابھرنے لگیں کہ اب میں بائیس افراد جمع ہو گئے مولوی صاحب بھی تیار ہو کر آئے۔ پھر میں نے نماز باجماعت ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد نماز تو ایک ایک کے چلے گئے۔ بہتر جگہ اور کوئی ہو سکتی تھی چنانچہ میں وہیں بیٹھا رہا۔ اور درود شریف کا ورد کرتا رہا مولوی صاحب میرے قریب آگئے تھے اور کہنے لگے۔

”آئیے مسعود صاحب تشریف لائیے جائے تیار ہے ناشتہ کچھ دیر کے بعد پیش کیا جائے گا۔“
”زحمت ہو گئی آپ کو.....“

”نہیں۔ مہمان رمت خداوندی ہوتے ہیں اور ہجراتی صبح ہماری بستی میں داخل ہونے والا مہمان تو ہمارے لیے بڑا باعث رمت و برکت ہو سکتا ہے۔ آجے تکلف نہ کیجیے۔ مجھے میزبانی کا شرف بخئیے۔“

میں مولوی صاحب کے پیچھے چل پڑا۔ مسجد کا وہ بلی صحن جسے میں گمروں کا سلسلہ سمجھتا تھا ایک سرے سے دوسرے سرے تک مولوی صاحب ہی کے پاس تھا۔ اندرونی حصہ میں شاید ان کے اہل خانہ کی رہائش تھی خود اسامہ آمدہ تھا اس کے بعد وسیع و عریض صحن جس میں اہلی کے بڑے بڑے درخت لگے ہوئے تھے اور ان کی چھاؤں بہت چلی معلوم ہو رہی تھی۔ سورج ابھی پوری طرح بلند نہیں ہوا تھا لیکن اجالا تیزی سے پھیل رہا تھا۔ مولوی صاحب نے کچی مٹی کے پیالے میں چائے پیش کی۔ اور میں نے اسے قبول کر لیا۔ مولوی حمید اللہ میرے سامنے بیٹھ گئے تھے بلکہ مجھے دیکھتے رہے پھر بولے: ”میاں بڑا مانجے گا۔ ہماری اور آپ کی عمروں میں جتنا فرق ہے اس کے تحت اگر کہیں کوئی ٹھوڈی سی بے تکلفی کی گفتگو ہو جائے تو برا نہ محسوس کریں۔“

”نہیں مولوی صاحب۔ بزرگ ہیں آپ میرے۔“

”کہنا یہ چاہتے تھے کہ ویسے تو آپ ایک عام سے نوجوان ہیں لیکن نبھانے کیوں آپ کے چہرے میں ایک خاص بات محسوس ہوتی ہے۔“

”کیا عرض کر سکتا ہوں میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔“
”مزید تعارف نہ ہو گا۔“

”کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے میری جو قابل تعارف ہو بس یوں سمجھ لیجیے کہ سمرا نور دہوں، نبھانے کہاں کہاں گھومتا رہتا ہوں میں اچانک اس بستی کی جانب نکل آیا۔ علم بھی نہیں تھا کہ کوئی بستی ہے یا اور پھر آپ نے اذان دے دی۔“

”کہیں نہ کہیں نور ہائش ہو گئی آپ کی کوئی نہ کوئی تو مشغلہ ہو گا۔“

”بس یہی مشغلہ ہے۔ اس سے زیادہ کیا کہوں: مولوی حمید اللہ صاحب گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے چائے کے ٹھونٹ پیتے رہے۔ پھر انہوں نے کہا: ”میاں ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔“

”جی..... جی کیجیے۔“

”اب اس بستی میں تشریف لائے ہیں آپ تو کچھ وقت مزور میرے ساتھ اس بستی میں قیام کیجیے گا مجھے ٹھونٹنی ہو گی۔“
”اگر مجھے ملامت میں نے کہا۔“

”کیوں۔“

”اس لیے کہ آپ کو زحمت ہو گی۔“

”اب ان تکلفات کی گنجائش نہیں ہے مسعود صاحب میری درخواست ہے یہ تک بھی ممکن ہو سکا آپ یہاں قیام فرمائیے گا۔ دیکھئے یہاں اہلی کے درخت کے نیچے۔ چار پانی ڈلوادوں گا آپ کی۔ آرام سے قیام کریں اور پھر ہمارا کیا جاتا ہے۔ اللہ رزق دیتا ہے ہم سب کھاتے ہیں آپ کا اماناد ہو گا تو یقینی طور پر رزق میں بھی اضافہ ہو جائے گا میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔“

تھریٹا ساٹھ آٹھ بجے حمید اللہ کے گھر سے پرلے اور تھکری آگئی۔ ساتھ میں چائے بھی تھی میں نے ان کے ساتھ ناشتہ کیا۔ حمید اللہ صاحب کہنے لگے۔

”اگر جمع کے اس صحن میں آپ یہاں پہنچے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ رات بھر سڑک پر ہو گا۔ اب مناسب یہ ہے کہ ظہر کے وقت تک آرام فرمائیے گا۔ اگر چند گہری ہو گئی تو میں نماز کے وقت جگا دوں گا۔“

میں نے قبول کر لیا تھلائی کے درخت کے نیچے پڑی ہوئی چار پانی پر لیٹ گیا۔ کبھل سر اٹھانے رکھ لیا اور آنکھیں بند کر کے تصور کرنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔

کتر عین

سراک : دو پرچہ کے کھار۔
ملک پاؤڈر : ڈسے میں بند سوتلی میں۔
یورپ : بے کاموں کے پاس کپڑے نہیں ہیں۔
اسٹیلی : احتیاط کیجئے، ہیڈلٹ پن کر آئے۔
سفر : یورپ بستر ہر وقت تیار رکھئے۔
ڈاکٹر : آپ رقم جمع کروائیے ہم لکھالیں گے۔
شوگر : اتنی منگال میں گھر بیٹھے آئی ہے۔
گرین جیل : نکل جائیں، ہمیں سب معلوم ہے۔
سٹی بس : جس میں جس سے زیادہ سواریاں آئیں۔
منشیات : تم ہمیں دیکھو ہم تمہیں نکالیں، حساب برابرا۔
ہندوستان : معلوم نہیں کون کہاں پیدا ہو جائے۔

انڈیا : پھر بیویوں کی پسندیدہ ڈش۔

سعودی سراک : کہنی، ریاض، سعودی عرب
سے عبدالخالق ناز کا مراسلہ

”شرمندہ ذکر میں سعود احمد صاحب، اپنے بارے میں عرض
کر رہا ہوں مجھ سے گستاخی ہو جائے تو درگزر فرمائیے۔
”آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ بزدل ہیں اور پھر
آپ نے بڑی خاطر داری کی ہے میری ویسے یہ سرکنا۔
”جی ہاں غیبت روح حسی۔ لال نالاب پر کوئی بیس سال
سے قبضہ جبار کھاتا تھا۔ ذات کا دھوبی تھا مگر بڑا سرکش اور کیستہ
انسان تھا۔ اس نے مشتعل ہو کر اپنے باپ کو قتل کر دیا تھا ماں
اس واقعے سے متاثر ہو کر کنوئیں میں کود کر مر گئی۔ جی والوں نے
اسے بقی سے نکال دیا تو تالاب کے پاس جا کر رہنے لگا یہاں
اسے سانپ نے ڈس لیا اور کوئی بارہ ہند رہ دن کے بعد اس
کی سڑی ہوئی بعض زدہ لاش کا پتہ چلا۔ لوگوں نے اسے ہاتھ بھی
دنگایا اور وہ وہیں ہی ہو گئی مگر پھر ساتوں کو اور دوپہر کی چھلپاتی
دھوپ میں لے تالاب کے کنارے پھیو رام پھیو رام کرتے
دیکھا جانے لگا۔ ادھر سے گزرنے والے بے شمار افراد کو اس
نے اپنی نہایت کافسکار بنایا۔ کافی خوف و ہراس چھایا رہتا ہے
اس کی وجہ سے عبوری یہ ہے کہ بقی سے باہر کا راستہ ایک
ہی ہے دھونی پور کے لوگ اس سے بہت خوفزدہ رہتے
ہیں۔ دوپہر کو بارہ بجے سے تین بجے تک کوئی ادھر سے نہیں
گزرتا اور شام کو سورج چھینے کے بعد سے صبح سورج نکلنے

ذہن میں خیالات بیدار ہونے لگے۔ حکم ملا کہ ابھی یہاں
قیام کرنا ہے۔ بڑی حیرانی ہوئی تھی یہ میری اپنی آواز تھی جو
میرے کانوں میں گونجی تھی ایسا کیوں ہے مجھے اپنی ہی آواز
سنائی دی اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب کسی اغلاف
کا تصور ہی ممکن نہیں تھا۔ دوپہر کو مولوی حیدر اللہ نے جگایا
اور میں اٹھ گیا۔ مولوی صاحب بولے۔
”مسعود ریاں ساڑھے بارہ بج گئے۔ میں نے حیرانی سے
پوچھا۔

”ساڑھے بارہ بج گئے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”ہاں غسل کریں گے؟

”اگر زحمت نہ ہو تو۔

”نہیں گرم حمام موجود ہے۔ زحمت کیسی۔ یہ اور بتادیں
کہ کھانا ناز کے بعد کھائیں گے یا پہلے۔

”بعد میں ہی مناسب سب سے کھادہ جو حکم ہو۔

”میں خود ہی ناز کے بعد کھاتا ہوں۔ آئیے حمام بتا دوں۔
نسل سے فارغ ہو کر باہر نکلا۔ مسجد کے دروازے کے
باہر سے کچھ آوازیں سنائی دے رہی تھیں میں نے فوری نہیں
کیا اپنی جگہ جا بیٹھا۔ کچھ دیر کے بعد مولوی حیدر اللہ صاحب
سکرتے ہوئے آئے۔

”کیسے میند پوری ہو گئی؟

”اللہ کا احسان ہے۔

”کچھ پوچھ سکتا ہوں؟

”جی فرمائیے۔

”یہ سرکے کا تھک کیا ہے؟

”غیر پت۔ کیا ہو گیا؟

”صبح دس بجے سے لوگوں کا ناخاکا ہوا ہے۔

”کیوں؟

”آپ کو علم نہیں ہے۔ کسی سرکے کو جلا کر کھا کر دیا ہے۔

آپ نے:

”اوہ..... وہ..... جی ہاں۔ بس وہ اللہ کے کلام سے

گمراہ نے آگیا تھا۔ ویسے ہی خلق اللہ دشمنی کر رہا تھا۔

میں ایک جاہل و سہاقی ہوں سعود احمد صاحب میرا کوئی

امتحان دلے ڈالے گا۔ اللہ کے واسطے۔

”کوئی گستاخی ہو گئی محترم۔ میں نے پریشانی سے پوچھا۔

تک اور مرے سفر میں کیا جاتا۔ کوئی بھولا بھلا گزر گیا تو بس اس کا شکار ہو گیا۔

”خدا کا شکر ہے ہوزی سے نجات ملی۔ میں نے کہا۔
”لوگ جمع سے آ رہے ہیں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔
”اور ہو۔ یہ ایک تکلیف دہ پہلو ہے۔

”نالتار باہوں کر آپ سو رہے ہیں۔ مگر ملنا پڑ جائے گا۔
آپ کو بڑی عقیدت سے آ رہے ہیں کچھ مقامی لوگ آپ کے ساتھ تھے انہوں نے پورا واقعہ بتایا بسنی والوں کو۔ یوں بھر لیں پوری بسنی میں کاروبار بند ہے لوگ جوق در جوق لال تیار جا رہے تھے۔ وہاں اس کے زمین میں رعدہ جل جانے کا نشان موجود ہے۔

”الٹر کا یہی حکم ہے اس کے لیے گمراب میں کیا کروں؟
میں نے پریشانی سے کہا۔

”بس ایک بار مل لیں ان سے ویسے ہی کسی کا دل رکھنا عبادت ہے۔

چلیے۔

”ابھی مناسب دھوکا۔ میں اعلان کیے دیتا ہوں کہ نماز کے بعد آپ باہر آئیں گے۔

”نہیں اس میں رعوت کا پہلو جھلکتا ہے آئیناں سے ملاقات کر لیں۔

”سبحان اللہ آئیے: حمید اللہ صاحب بولے اور میں ان کے ساتھ ہر نکل آیا میں بائیس افراد تھے زیادہ تر ہندو تھے چند مسلمان۔

مولوی حمید اللہ نے کہا: لیجیے شاکر بیون کمار جی بل لیجیے مسعود میاں سے۔

”ہیں یہ ہیں وہ مہمان پرش۔ چرن چوئیں گے ہم ان کے: شاکر صاحب نے کہا اور آگے بڑھے۔ میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

”آپ مجھ سے ہاتھ ملائیں شاکر صاحب میرے گلے لگیں میں اتنا بڑا انسان نہیں ہوں کہ آپ میرے پاؤں چوئیں۔
”آپ نے جتنا بڑکا کیا ہے میاں جی وہ تو ایسا ہے کہ ہم آپ کو سر پر بٹھائیں دھوئی بسنی کو نیا بیون دیا ہے آپ نے۔
”اس کے لیے آپ اپنے بھگوان کا اور مسلمان الٹر کا شکر ادا کریں۔ میں تو بس ایک ذریعہ بنا ہوں۔ مجھے تو اس خبیث

کا علم بھی نہیں تھا۔ آپ کی بسنی کے چار جوان مجھے اس کے سامنے لے آئے۔

”وہ پھر تو ذبحی جائے گا مہاراج۔

”انشار اللہ اب ایسا نہ ہوگا۔

”ہم بسنی والے آپ کی کیا سیوا کریں مہاراج۔ آپ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔

”مجھے صرف آپ کی دعائیں دینا کار ہے۔

”آپ ابھی مائیں گے تو نہیں مہاراج۔

”نہیں مولوی حمید اللہ کے حکم کے بغیر میں یہاں سے نہیں نہیں جاؤں گا۔

”ہم آپ کے چوٹوں میں کچھ سینٹ کریں گے۔

”مجھے آپ کی دعاؤں کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔

”ہم آپ سے پھر مل سکتے ہیں۔ مہاراج۔

”جہاں حکم دیں گے حاضر می دوں گا۔

”نماز کا وقت ہونے والا ہے شاکر صاحب اب مجھے

اجازت دیجیے۔ حمید اللہ صاحب نے کہا اور سب مجھے سلام

کر کے واپس چلے گئے۔ نماز پڑھی کھانا کھایا اور اس کے

بعد حمید اللہ صاحب اٹلی کی چادر میں میرے پاس بیٹھے

”جبرائیل تمہارے صرا ہے مسعود احمد صاحب۔ میں نے خود تو

آپ کو نماز عقیدت پیش ہی نہیں کیا۔ اپنے باپ سے میں مختصر

بتا دوں اسی بسنی میں پیدا ہوا۔ میں پرمان چڑھا والد صاحب

کا منصب بنیالا۔ دو جوان بیویوں کا باپ ہوں ابھی ہیں اور میں

ہوں۔ بس الٹر کا کلام جانتا ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

”اس سے زیادہ کچھ ہے بھی نہیں حمید اللہ صاحب۔ الٹر

آپ کی مشکلات دور کرے۔

یہاں آکر خوشی ہوئی تھی جگیوں کی بسنی تھی لوگوں نے بڑا

احترام کیا تھا۔ جوق در جوق ملنے آتے سہے تھے بہت کچھ چاہتے

تھے مجھ سے۔ میں خود فرمندہ ہو گیا تھا نماز وغیرہ سے فراموش

کر کے رات کا کھانا کھایا بہت دیر تک لوگوں کے درمیان

بیٹھا۔ پھر زیادہ رات ہوئی تو آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔

نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا تھا پھر غنودگی طاری ہو گئی دفعتاً ہی

کچھ آٹھیں ابھریں اور آنکھیں کھلیں نظر سامنے آٹھ گئی۔

احاطے کی دیوار پر دو پاؤں لٹکے ہوئے تھے صرف دو پاؤں جو عجیب سے انداز میں جنبش کر رہے تھے باقی جسم کا وجود نہیں تھا۔

آہمیں پوری طرح کھل گئیں پھر کوئی آگیا۔ پھر کچھ رہا ہے۔
غور سے دیکھنے لگا پھر کچھ تصور بدلانا غالی پاؤں نہیں تھے باقی بدن
بھی تھا جس جگہ سے امانی کی دیوار نظر آرہی تھی وہاں اہل کے
درخت کی گھنی شاخیں جھکی ہوئی تھیں اور جو کوئی دیوار پر تھا
اس کا باقی جسم پنوں کی آڑ میں چھپا ہوا تھا یہ اس وقت پر چلا
جب وہ نیچے کودا شاید کمزور بدن کا مالک تھا جو کمزور یا درہ
بلندی نہ ہونے کے باوجود وہ نیچے گر پڑا تھا میں خاموش لیٹا یہ
نکیل دیکھتا رہا وہ اٹھ کر میری طرف بڑھنے لگا اور پھر میرے
قریب آگیا آنکھوں میں جھری کر کے میں اسے دیکھنے لگا۔
وصورتی کرتا ہوں ہوئے ایک سفید بالوں والا شخص تھا منجھیں
بڑی اور سفید قفیں کچھ مجھ میں نہیں آیا کون ہے وہ میرے
پلنگ کے پاس کھڑا مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے کندھے پر ہاتھ
سے میرے پاؤں کا آگوشا کھینچ کر بلا یا اور اس کے آواز اجری۔
مہاراج.... جاگئے مہاراج سوالی آیا ہے اور آپ کد ہے
ہیں۔ جاگئے مہاراج:-

اب اٹھنا ضروری تھا میں اٹھ کر بیٹھ گیا اس نے دونوں ہاتھ
جوڑے اور منہ میں پکڑ لیا تب میں جلدی سے اپنی جگہ سے
اٹھا اور میں نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھانے ہوئے کہا۔
"ارے ارے یہ کیا کر رہے ہیں آپ یہاں بیٹھے۔ مجھے
گناہگار کر رہے ہیں۔"

جگوان کھسی رکھے جسے جگوان عزت دیتا ہے وہی دوسروں
کو عزت دیتا ہے۔ مگر میں آپ کے چہروں میں بیٹھنا چاہتا ہوں
سوالی ہوں مجبور ہوں دیکھی ہوں آپ کے سائے میں سر جھکا کر
آپ سے مدد مانگنے آیا ہوں:-

"آپ آرام سے یہاں بیٹھیں اور مجھے بتائیں کیا بات ہے
میں نے اسے اٹھا کر پلنگ پر بیٹھا دیا۔"

"اٹھا کر لایا ہوا ہوں مہاراج۔ پردوش اکیلے میرا نہیں
ہے پر کئی ہی رکھا کر گئے تھے۔ وہ تو ایک معیار بنا کر چلے گئے
نقصان مجھے ہوا اور اب یہ بھی بولوں گا تو لوگ مذاق....
اڑائیں گے میرا کوئی پتہ نہیں مانے گا سب یہی کہیں گے کہ ٹھاکر
پر بیٹا پڑی تو سیدھا ہو گیا ہے جگوان میرا کوئی ہمدرد نہیں رہا۔
سنسار میں اسی لیے مہاراج رات کی تاریکی میں آیا ہوں آپ کو
دکھو یا معاف کر دیں اس کی آواز آنسوؤں میں گندھی ہوئی
تھی۔"

تمہارا معاملہ قدرت کے ہاتھ ہے مگر اگاہ گناہگار بندہ اگر
تمہاری کچھ مدد کر سکتا ہے تو اس سے گریز نہیں کرے گا۔
"بیٹا سنو گے میری:- وہ بولا۔
"مذہب میں نے کہا:-"

"بہی راج یہاں رہے نام میرا۔ کھرا برہمن ہوں میں باغ کا
مالک ہوں اور ہزاروں بگھے زمین جوڑی ہے پر کموں نے اور
ساتھ ہی میں یہ نصیحت بھی کی کہ اپنے علاوہ سب کو بچ بھودوں
سنسار کی سب سے بڑی جہانی ہے:-
"کیسا پایا اس نصیحت کو:-"

"مار دیا سسروں نے مجھے یہ سوچ کر کہ..... سنسار میں مجھے
سب سے بچا کر دیا:-"

"اب کیا ہو:-"
"ایک بے بس اپادھی۔ جو کسی مدد کرنے والے کو آنکھیں
بھاڑ بھاڑ کر تلاش کر رہا ہے میں باغ اور ہزاروں بگھے زمین
اس کا ساتھ نہیں دے رہی:-"

اس کی سسکیاں جاری ہو گئیں میرے دل میں اس کے
لیے ہمدردی کا جذبہ بیدار ہو گیا میں نے اس کے شانے پر ہاتھ
رکھتے ہوئے کہا:- تمہارے دھرم کے بارے میں میں کچھ نہیں
کہتا لیکن میرا دین کہتا ہے کہ اگر کسی نے گناہ کیا ہے تو اس کی سزا
دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اگر تم کسی کے کام آ سکتے ہو تو
اس سے گریز نہ کرو پہلے بھی کہ چکا ہوں کہ تمہارا معاملہ تمہارے
اور خدا کے درمیان ہے میری ذات سے اگر تمہیں کوئی فائدہ
ہو سکتا ہے تو میں ضرور تمہارے لیے جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑے گا
کروں گا اب وقت ضائع نہ کرو اپنے بارے میں جو کچھ بھی بتانا
چاہتے ہو بتا دو:-"

"تموڑا بہت تو بتا چکا ہوں مہاراج اس سوچ نے مجھے
سنسار سے دور کر دیا تھا ہر ایک کو بیچ بھنا میرا کام بن گیا تھا
کسی کو اپنے خلاف پایا پڑوایا ہوتے لگوادینے کسی نے زیادہ
سرکشی کی تو ہاتھ پاؤں تڑوا دیے بڑے بڑے عزت داروں کی
عزت اچھا دی میں نے۔ پانچ بیٹے تھے میرے دو بیٹیاں اور
یہ سب میری لگا ہوں میں دھونی پور کے سب سے اونچے لوگ
تھے کیونکہ میری اولادوں میں سے تھے ایک بہن بھی ہے میری
ہر ناوق نام ہے اس کا۔ میری بیٹیوں سے دو چار سال ہی بڑی
تھی کہانی لمبی ہے نہیں سناؤں گا مہاراج ہر ناوقی بہک گئی

جوانی کے جوش میں اس نے پرکھوں کے ریت و رواج بھلا دیئے اور ایک پنج ذات سے پریم کر مٹی۔ ہیرا تھا نام لاکھو کا بیٹا تھا۔ دھونی پور کے ایک مشرقی کونے میں گھر بنا کر رہتا تھا نوکر تھا ہمارا مہاراج ہماری زمینوں پر کام کرتا تھا باپ بیٹے ہمارا دیا کھاتے تھے پھر سلاٹھا کر مٹی راج بہادر پر کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ ہیرا پوری آنکھیں کھول کر ہرنادنی کو دیکھے پر ایسا ہوا۔

نبالے گپ اور کہاں بیٹے تھے وہ لوگ ہرنادنی ہیرا کے پریم میں گرفتار ہو گئی اور چپ چپ کسا اس سے ملنے لگی سستی والوں نے دیکھا کسی کی مجال تو نہیں تھی کہ کوئی ہم سے اگر بات کرے۔ لیکن آپس میں کاناپھوساں کرتے تھے ہمیں اس سے تک کچھ نہیں معلوم تھا۔ ہرنادنی کی حرکتیں دیکھ لی گئیں۔ ہیری دھرم تپنی نے ایک رات ہرنادنی کو گھر سے چوری چوری نکلے ہوئے دیکھا تو چونک گئی دن بھر اور رات بھر سوچتی رہی اور مجھے بتا دیا میرے تو تن

بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ مہاراج دوسری رات میں نے..... ہرنادنی کا پیچھا کیا اور دیکھا کہ چاندنی رات میں میرے ہی باغ کے ایک گوشے میں وہ لاکھو کے بیٹے ہیرا کے پاس بیٹھی ہوئی ہے دونوں باتیں کر رہے ہیں اور سنسار سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ خون اتر آیا تھا میری آنکھوں میں سوچتا رہا کہ کیا کروں اور جب برداشت نہ کر سکا تو ان کے سامنے پہنچ گیا۔ میں نے ان کے سامنے پہنچ کر کوک دار آواز میں دونوں کو مخاطب کیا تو دونوں بے خبر کھڑے ہوئے۔ ہیرا میرے قدموں میں گر گیا اور میں نے زور کی ٹھوکر مار کر اس کا سر پھوٹا دیا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن میری بہن ہرنادنی نے اپنی ساڑھی کا بلیو پھاڑ کر میرے ہی سامنے اس کے ماتھے پر پٹی کسی اور پھر آنکھیں نکال کر مجھ پر کھڑی ہو گئی اس نے کہا کہ مجھے یہ حق کس نے دیا ہے کہ میں اس کے پتی کو اس طرح ٹھوکر مار دوں اس بات پر میں جو کچھ نہ کر دانا کم تھا لیکن قتل سے کام لیا خون میرا ہی تھا۔ ہرنادنی نے یہ مجال کبھی نہ ہوئی تھی کہ میری آنکھوں میں آنکھیں ٹال کر کھڑی بھی ہو جائے لیکن اس کے وہ جس طرح بات کر رہی تھی وہ چونکا دینے والے منظر تھے میں نے اسے خونی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ تیرا جی کہاں سے ہو گیا۔“

”تم اسے پاپ کہہ سکتے ہو بھیا جی مگر اب یہ پاپ میں

کر چکی ہوں۔“

”کب کیسے۔“

”ہیرا نے میں بہت پہلے سے پریم کرتی ہوں ہم دونوں کا پریم پوڑا تھا اور جب میں نے ہیرا کو مجبور کیا کہ وہ میرے ساتھ پھیرے کر لے اور میں اس کی مٹی بن گئی۔ ہم ہلنتے تھے مہاراج کہ آپ کو پہلے کا تو آپ کا من سلگ اٹھے گا اس لیے چپ چپ کر یہاں بیٹھیں اور اس کے کاغذ لکھ کر رہے ہیں جب آپ ہم دونوں کو ساتھ رہنے کی آگیاں دیں گے۔“

”تو بچ کر رہی ہے۔“

”بھیا جی کی سوگند۔ بالکل سچ.....“

”ٹھیک ہے گھر جات کر دن کا میں تجھے سے پھر میں نے مجھ داری سے کام لیتے ہوئے کہا۔ بہن کو بیٹی ہی کی طرح بالاتھا میں نے۔ مانتا پتا جی تو پہلے ہی مر چکے تھے محبت بھی تھی مجھے اس سے لیکن اپنی انا اپنا مان سب سے پیارا تھا یہ سوچ کر ہی کلیر منہ کو آنے لگتا تھا کہ کل کا دن اگر مٹی والوں کو یہ بات معلوم ہو جاتا تو میری کیا عزت رہ جائے گی کوئی کام تو کرنا تھا ایسا جس سے یہ بات راز میں رہ جائے چاہے اس کے قیے مجھے کتنی ہی انسانی زندگیوں کی قربانی دینی پڑے بہر حال میں نے اپنے ایک خاص آدمی امر ناتھ کو بلا کر اسے یہ کہانی سنائی تو امر ناتھ گھر دن جھکا کر بولا کہ مہاراج مجھے تو یہ بات پہلے سے معلوم تھی بڑا غصہ آیا مجھے امر ناتھ پر اور میں نے غرا کر اس سے کہا۔

”کیسے تمک حرام ۱۰ اگر تجھے یہ بات معلوم تھی تو مجھے کیوں نہ کہا تو نے۔“

”بہت پڑتی نہیں تھی مہاراج۔“

”اب یہ بتا کہ کیا کیا جائے۔“

”مہاراج سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہرنادنی جی ہی سب کے سامنے یہ سب کچھ کہنے کو تیار ہیں آپ نے پہلے کبھی غور نہیں کیا گھر میں یہ دیکھ چکا ہوں کہ وہ اس شادی کو چھپانا نہیں چاہتی۔ اور بڑی بہت سے سنسار کے سامنے آئے کو تیار ہے۔“

”نکال دوں گا اسے گھر سے باہر بکڑے بکڑے کا محتاج کر دوں گا۔“

”اگر یہ بات آپ ہرنادنی جی سے کہیں گے تو وہ آپ کے چہرے جو میں گئی اور خوشی خوشی گھر سے چلی جائیں گی محبت کی کہانیاں

ایسی ہی ہوتی ہیں مہاراج آپ کو اس سے کوئی خاص کامیابی نہیں حاصل ہوگی۔

”تو پھر میں کیا کروں امر ناتھ مجھے بتائیں کیا کروں۔“
”میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا مہاراج۔ آپ مجھ سے کہیں بڑا دماغ رکھتے ہیں۔“

”سب نے میرے ساتھ فدا رسی کی ہے ایک ایک کو دیکھ لوں گا اور وہ بیماری شیونارائن اس نے پھیرے کر دیے میری بہن کے ایک یلذذات کے ساتھ جیتا رہ سکے گا وہ پہلے اس کی زبان بند کر دوں گا۔“ جیتا نہیں چھوڑوں گا اسے۔“

دھرم استان کا معاملہ دوسرا ہوتا ہے مہاراج دیسے بھی آپ یہ بات جانتے ہیں کہ دولت مندوں کو اچھی لنگا ہول سے نہیں دیکھا جاتا دھونی پور کے لوگ آپ سے زیادہ خوش نہیں ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے اس قدم سے وہ آپ کو نقصان پہنچانے پر تیل جائیں۔

”ایک ایک کو مروادوں گا۔ میں نے غزا کر کہا۔“

”نہیں مہاراج دھونی پور کے ساروں کو آپ نہیں مار سکتے آپ کو کچھ اور سی سوچنا ہو گا۔“ امر ناتھ کی بات سمجھ میں نہ آنے والی تھی میں سوچنا رہا پھر میں نے کچھ فیصلے کر لیے یہ کہ نہ کہا تو یہ کام خاموشی ہی سے کرنا ہو گا امر ناتھ اور تجھے میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ اتنی دولت دونوں کا تجھے کہ جاگیر دار بن کر جیون بسر کرے گا میری عزت بچانا اس وقت میرا ہی کام ہے۔“

”امرناتھ اپنی جان دینے پر تیار ہے مہاراج منہ سے بول کر دیکھیں: تب میں نے امر ناتھ کے ساتھ مل کر ایک ایسا منصوبہ بنایا جس سے سانپ بھی مر جائے لاشی بھی نہ ٹوٹے۔ یہی کیا میں نے ہا دھول بھری رات ہم گھر سے باہر نکلے امر ناتھ کو میں نے جوہرات دیدی تھیں وہ ان پر عمل کر رہا تھا۔ اس بیچ میں نے ہرنادتی سے کوئی بات نہیں کی تھی بلکہ جب دوسری رات وہ چوری چوری گھر سے باہر نکلے تب بھی میں نے اسے درود کا حال لاندہ میں نے اسے دیکھ لیا تھا وہ اس پانی کے ساتھ وقت گزارتی رہی مگر میں اپنا کام آگے بڑھانے کا پورا پورا منصوبہ بنا چکا تھا۔ میں اور امر ناتھ بیماری شیونارائن جی کو اٹھا یا اور ان سے پوچھا کہ کیا یہ بات سچ ہے۔ بیماری جی بچے آدمی تھے انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ دو پریم کرنے والے ایک ہونا چاہتے

انہوں نے سنار کی ریت کے مطابق وہ سب کچھ کر دیا جو انہیں ایک کرتیاب میں نے زہر کی شیشی شیونارائن جی کو دیتے ہوئے کہا۔

”اور آپ نے جو کچھ کیا شیونارائن جی اس کے نتیجے میں آپ کو یہ موت قبول کرنا ہو گا۔“ شیونارائن مسکراتے ہوئے بولے۔

موت اور جیون بھگوان کی بین دین ہے اگر اس نہر سے میری موت نکھی ہے تو مجھے یہ ہر حالت میں پنا پڑے گا اور اگر ابھی کچھ جیون باقی ہے تو یہ زہر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ سو میں نے دیکھا کہ شیونارائن جی زہر کی پوری شیشی حلق میں اٹھیل گئے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ان کے ہاتھ پاؤں مر گئے۔

ہم نے پہلے سے سارا بندوبست کر رکھا تھا زہر نکلے ہوئے ایک سانپ کی دم مروڑ کر اسے شیونارائن جی کے پاؤں سے چمکا دیا اور سانپ کے دانت شیونارائن جی کے پاؤں میں گڑ گئے تاکہ دیکھنے والے یہی سمجھیں کہ پندت شیونارائن مہاراج سانپ کے ڈسے سے مرے اس طرح ہم نے ہر نافرمانی اور

ہیرا کی شادی کے سب سے بڑے گواہ کو ختم کر دیا لیکن بات یہیں تک محدود نہیں رہی تھی دوسرا انتظام بھی کرنا تھا شیونارائن جی کی موت پر کسی نے کوئی شبہ نہیں کیا۔ ہرنادتی چھ ساتیں ہیرا سے ملتی رہی مگر ساتویں رات ہیرا کے جیون میں کبھی نہیں آتی۔

منسوبے کے مطابق ہرنادتی کو دوسرے گاؤں بھیجا گیا اور وہ سب کے ساتھ خوشی خوشی گئی تھی مگر میں اور امر ناتھ آٹھ آدمیوں کے ساتھ تیار تھے ہم لوگ رات کی تاریکی میں لاکھو کے گھر سے سننے دروازے کو بجا یا تو لاکھو نے دروازہ کھول دیا۔ میرے آدھنوں میں سے ایک نے اس کے سر پر لاشی ماری اور لاکھو ہائے کہہ کر ڈھیر ہو گیا۔ تب ہیرا باہر نکلا اور ہم نے اسے بھی لاشیوں پر رکھ لیا پھر گھر کی تین عورتوں باپ بیٹے اور ایک بچے کو ہم نے باغیاں لال باندھ کر وہیں ڈال دیا اور اس کے بعد پورے گھر پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی اتنی تیز آگ لگائی تھی ہم نے اور امانتیل ڈالا تھا کہ کوئی ان کی مدد نہ کیا ہے۔

میں گھر چلے گئے تھے اس آگ سے اور ہیرا اور لاکھو اپنے مزید پانچ گھر والوں کے ساتھ جل کر بھسم ہو گئے تھے اس گھر میں تب میرے دل کو سکون ملا۔ ہرنادتی واپس آگئی بستی والے کبھی یہ جان نہ سکے کہ آگ کیسے لگی بس انہوں نے کوئلہ ہونی لاشیں نکالی تھیں اور ان کا کہنا کہ ہم کر ڈالا تھا مگر ہرنادتی مجھے شیعے کی

نظروں سے دیکھتی تھی اور پھر ایک رات وہ میرے پاس پہنچی
گئی میں اس وقت اپنے کسی کام میں مصروف تھا ہرناوٹی کا پہرہ
دیکھ کر میں چونک پڑا اور میں نے اس سے پوچھا کہ اس کا کیسے
آنا ہوا تھا اس نے پراسرار لہجے میں کہا: "میرا سہاگ کیسے مجھ
ہوا مہاراج؟"

"مجھے کیا معلوم میں نے غصے سے کہا۔

"مگر مجھے معلوم ہو گیا ہے۔"

"کیا معلوم ہو گیا ہے۔"

"میرے سر پر لکھی گئی تھیں اب ملی نہیں لگائی گئی تھی۔

"لگائی گئی تھی، کس نے لگائی؟"

"امرناتھ، بھیل چند، شکتی نعل، پرسی رام، رگھو، شکر راجن
اور سونا آگ لگانے والے تھے اور آپ آگ لگوانے والے۔"

"کیا بک رہی ہے میں غصے سے دھاڑا، مگر میرے بدن میں
سردی دوڑ گئی تھی سارے نام پچھے تھے کسی نے نہری کر دی!
دجانے کس نے زبان کھول دی۔ ہرناوٹی حیرت انگیز طور پر
پرسکون تھی۔ اس نے کہا۔

"خبر تو مجھے پہلے ہی تھا بھیبانی آخر آپ میرے بھیا ہیں بہنے
ایک ماں کی کوکھ سے جنم لیا ہے مگر آپ نے جو انما لے کیا وہ اچھا
نہیں تھا سارے کنبے کو مروا دیا ہے کو بھی نہ چھوڑا دوش تو ہیرا
کا تھا مہاراج۔ سب کا نہیں تھا۔ آپ کو رحم نہ آیا ان پر نہ مدد...
جلوادیا آپ نے انہیں آگ میں۔"

"ہرناوٹی جو کچھ میں نے تیرے ساتھ کیا ہے۔ اس کا یہ بدلہ
دے رہی ہے مجھے الزام لگا رہی ہے میرے اور بھیک ہے
اگر ایسی بات ہے تو ہاتھانے چلی جا میرے خلاف رپٹ درج
کرا دے مگر فتار کرادے مجھے ان سب کے قتل کے الزام میں
ہرناوٹی عجیب سا انداز میں ہنسی اور بولی۔

"کہتا تھا میں نے ہیرا سے بھیبانی۔ مگر اس نے کہا کہ اس سے
کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ نبی راج مہاراج یڑے اختیار والے
ہیں پولیس کو اپنے جال میں پھانس لیں گے مال و دولت
دیدیں گے لے اور بات ختم ہو جائے گی لیکن اب اپنا کام
بہر خود ہی پٹائے گا نبی راج مہاراج۔

"لگ۔ کیا بک رہی ہے تو... تو... تو کہتی ہے امداد
ہیرا... ہیرا... بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی ہرناوٹی نے
آہستہ سے کہا۔

"آیا تھا ہیرا میرے پاس پہلے مجھ سے اس نے اپنی ماری پٹا
سنائی اور اس کے بعد کہنے لگا کہ اگر اکیلے مار دیا جاتا ہے تو یہ
سوچ کر خاموش ہو جاتا کہ چلو ہرناوٹی کے بھیا نے مارا ہے۔
مگر سارے مار دیے۔ چنانچہ کو بھی مار دیا۔ کہہ رہا تھا کہ سب نے
یہی فیصلہ کیا ہے کہ اپنا بدلہ وہ خود لیں گے تم سے کچھ نہیں راج
مہاراج خود ہی دیکھ لیں گے کہنے سننے سے کوئی فائدہ نہیں
ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ میں پچی پچی آنکھوں سے ہرناوٹی
کو دیکھتا رہا شاید پاگل ہو گئی تھی وہ سدا دنگا ہوں سے
مجھے دیکھتی ہوئی واپس چل پڑی میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔
کہاں جا رہی ہے تو۔"

"اب کہاں جاؤں گی بھیبانی۔ میرا سسرال تو ختم ہی ہو گیا۔
اس نے رند سے ہوسے لہجے میں کہا۔

"بے حیا... بے شرم... اس گھر کو اپنا سسرال کہتے تھے شرم
نہیں آتی۔ جواب میں اس نے مجھے حقارت بھری نگاہوں سے
دیکھا اور کمرے سے نکل گئی مگر مجھے کچھ نہ تھا اگر اس نے کسی
اور کے سامنے زبان کھول دی تو میرے لیے بڑی مشکلات پیدا
ہو جائیں چنانچہ میں نے اسے دوسرے ہی لمحہ ایک الگ قتلگ
جگہ رکھ دیا۔ میری حویلی پر کمروں کی بنائی ہوئی ہے دو حصے ہیں اس
کے ایک حصہ ویران پڑا رہتا ہے میں نے اسی ویران حصے کو صاف
تھرکرایا اور۔

اسے وہاں پہنچا دیا۔ میری پتی پہلے تو حیران ہوئی بعد میں
مجھے اسے اپنا راز دار بنانا پڑا۔

امرناتھ وغیرہ سے میں نے ہرناوٹی کی کہوت ہوئی باتوں
کی پوری تفصیل نہیں بتائی تھی کہ کہیں وہ ڈرنے جائے۔ لیکن
ہرناوٹی کی قید کی نگرانی کرنے کے لیے اسی کو منتخب کیا تھا اور
یہ کہتا تھا کہ ہرناوٹی کو اس بات کا شبہ ہو گیا ہے کہ لاکھو کے
گھرانے کو مارا گیا ہے۔

امرناتھ میرا وفادار آدمی تھا آنکھیں بند کر کے اپنے کام
میں لگ گیا مگر میری نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ ہمارا راج میں یہ
سوچتا تھا کہ ہرناوٹی، ہیرا کا نام کیسے لیتی ہے وہ بات کیسے
کہہ رہی تھی کہ ہیرا نے اسے تفصیل بتائی تھی ویسے تو میں نہانتا
مگر اس نے ان تمام لوگوں کے نام بالکل ٹھیک ٹھیک لے
تھے جو لاکھو کے گھرانے میں آگ لگانے گئے تھے۔ پھر ایک
خوفناک واقعہ پیش آیا۔

امرناتھ اور اس کے دو ساتھی جو رات کو زہریلا سویا کرتے تھے جہاں ہر رات قیدی تھے، اچانک ہی آدھی رات کو درشت سے چمکتے ہوئے دوڑتے نظر آئے۔ ان تینوں کے جسموں میں آگ لگی ہوئی تھی اور شعلے اتنے بلند تھے کہ حویلی کے دوسرے لازموں نے اسے دیکھ لیا سب اکٹھے ہو گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں تو اس وقت موجود نہیں تھا کہ انہوں نے آگ بجھانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ان کے جسموں میں لگی آگ دیکھی اور تینوں کے تینوں ایسے جل گئے جیسے کوئلہ جل کر سمٹ ہو جاتا ہے پتہ ہی نہ چل سکا کہ کسی طرح تین آدمی جل کر بھسم ہو جائے۔ اصل بات کسی کے کانوں تک نہیں پہنچی تھی، ہر رات تو سے میں خود ملا تو وہ مطمئن نظر آتی ہنس کر بولی:

”باقیوں کے ساتھ بھی یہی سب کچھ ہونا تھا، مہاراج ستور لسا انتظار کر لیں اور اس کے بعد آپ کی باری آئے گی۔“
”تیرا داغ خراب ہو گیا ہے، دشمن ہو گئی ہے تو ہماری۔“

”نہیں مہاراج، میں نے تو ایسا نہیں کیا۔ ہیرا بھے پہلے ہی بتا گیا تھا کہ ابتداء وہ امرناتھ اور ان دونوں آدمیوں سے کرے گا۔ میرے اوپر پہرہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے مہاراج بچا سکتے ہو تو ان کے گھروں کو اور انہیں بچا لیں جنہیں تم نے اس کام کے لیے آادہ کیا تھا۔ میں کہاں جاؤں گی میرا کون سا ٹھکانا ہے۔“

میں واقعی پریشان ہو گیا تھا میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں، امرناتھ میرا شیر تھا۔ ہر طرح کے رازداری کے مشورے میں اٹھ کے کرتا تھا وہ نہ رہا تھا مجھے اس کی موت کا بہت افسوس تھا۔ بہر حال پریشانیوں کا آغاز تو اسی دن سے ہو گیا تھا مہاراج جس دن سے مجھے یہ پتا چلا تھا کہ ہر رات تو نے اس بیچ ذاتی سے شادی کر لی ہے اور اب یہ پریشانی عروج کو پہنچتی جا رہی تھیں۔ میرے بیٹے عشرت کی زندگی میں پروان چڑھتے تھے۔ بڑے بیٹے کی شادی کرنے والا تھا میں مگر کوئی بات سمجھ میں ہی نہیں آ رہی تھی۔ پھر ایک دن پتا چلا کہ رگھو اور شکر جو کھیت پر کام کر رہے تھے مناسب کے دن سے مر گئے کسی ایسے ناگ نے دسا تھا انہیں۔ جو بہت زہر ملا تھا دونوں کی لاشیں تک نہ اٹھائی جاسکی تھیں بدن

ایک رنارڈ سیاست دان سے سوال کیا گیا ”آپ نے اپنی سیاسی زندگی کے نقیب و فراز سے کیا سیکھا؟“

جواب ملا ”اہمیت اس بات کی نہیں کہ آپ بارے یا جیتے“ سوال یہ ہے کہ آپ الزامات لگانے میں کس حد تک کامیاب رہے۔“

حکومت کا یہ کہنا کہ ملک کا معاشی نظام درست لائن پر ہے بالکل صحیح ہے۔ البتہ یہ ہے کہ ٹرین رک ہوئی ہے۔

ارشاد انیل گوندل کانو جری سے مراسلہ

کا سارا گوشت گل کر پانی کی طرح بہہ گیا تھا اور ہڈیوں کے ڈھانچے کھیتوں میں پڑے نظر آئے تھے۔ جہاں جہاں ان کا پانی بہا تھا وہاں زمیں ایسی کالی ہو گئی تھی کہ جیسے آگ لگا دی گئی ہو اور اس کے بعد مہاراج وہ کھیت پھر سے سرسبز ہو سکے پھر اس کے بعد دوسرے لوگوں کی باری آئی۔

بیر چند اور شکتی راج بھی مارے گئے۔ راجن اور سونا تو پہلے ہی امرناتھ کے ساتھ بھسم ہو گئے تھے۔ بیر چند اور شکتی کہیں سے آ رہے تھے کہ راستے میں ان کی گاڑی ٹکرائی اور اس طرح ان کا قیمتی قیہ ہوا کہ ان کی لاشیں بھی نہ اٹھائی جاسکتی تھیں۔ اب میرے حواس جواب دینے لگے تھے۔ میں بیمار ہو گیا تھا اتنا کہ بخار اترے نہ اترتا تھا کہ ایک دن ایک دید جی میرے پاس آئے، بھدی سی شکل کے مالک تھے۔ میرا بیٹا کچھ چند انہیں لے کر آیا تھا دواؤں کا کبس ان کے پاس تھا۔ کپور چند لے لے لے لے بہت نامی گرامی دید جی ہیں۔ اور بہت اچھا علاج کرتے ہیں، میں آپ کو انہیں دکھانا چاہتا ہوں پتا جی، میں تیار ہو گیا دید جی نے کہا کہ وہ تنہائی میں مجھ سے کچھ باتیں کریں گے، سب چلے گئے دید جی نے مجھے اپنے پیٹے سے دواؤں کی دو پٹیاں نکال کر دیں اور کہا کہ میں انہیں پانی کے ساتھ کھالوں، میں نے ایسا ہی کیا پٹیاں کھانے کی دیر تھی کہ مجھے اپنے بدن میں بڑی طاقت محسوس

ہوئی اور یوں لگا جیسے میں ٹھیک ہوتا جا رہا ہوں۔ میں نے عقیدت بھری نگاہوں سے وید جی کو دیکھا تو وہ ہنسنے لگے پھر بولے :

”اگر ابھی سے مر گئے ٹھاکر نسی راج تو بعد کے کام کیسے دیکھ سکو گے۔ میرا تمہارے پاس آنا تو بہت ضروری تھا تمہیں ابھی جیتا رہنا ہے ہمارا راج بہت عرصے سے جیتا رہنا ہے۔ تم نے میرے پر پیار کو ختم کیا ہے اپنا پر پیار ختم ہوتے ہوئے بھی تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔“ اور جب میں نے حیران ہو کر وید جی کے چہرے پر نظر ڈالی تو یہ دیکھ کر میری جان ہی نکل گئی کہ وہ میرا محتاج ہے میں نے جلا کر بھجھ کیا تھا وہ مجھے شریہ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

”بھگوان کے ہاں کوئی ذات نہیں بنائی جاتی۔ نہ اونچی ذات نہ نیچی ذات اور دل تو بھگوان نے سبھی کو دیا ہے ہم نے تو پھرے کیسے تھے آپ کی بہن سے ہمارا راج کوئی گناہ نہیں کیا تھا سوئے کار کر لیتے ہمیں تو کیا ہو جاتا اور پھر دوشی تو ہم تھے ہمارے پتا جی کو بھی مار دیا تم نے ماما جی کو بھی مار دیا ہمارے بھتیجے کو بھی مار دیا کیسا انیا کئے کیا تم نے، ہمارا راج ہم تو ہرناوتی کی وجہ سے خاموش ہو جاتے، معاف کر دیتے تمہیں مگر دوسرے معاف کرنے کو تیار نہیں ہیں، بیعتے رہو وہ تو ایسے گھنے جھٹوں نے ہمارا گھر بھونکا تھا اور اسے تمہارے پر پیار کی باری ہے۔ ہمارا راج پانچ بیٹے ہیں تمہارے دو بیٹیاں ہیں بیٹیوں کی تو شادی کر دی تم نے ان کا مہر سب سے بعد میں آئے گا۔ پہلے اپنے ان پانچ ستونوں کو گرتے ہوئے دیکھ لو ہم ایسا کر دیں گے ہمارا راج کہ تمہارے گھر میں پھر کبھی روشنی نہ آئے ہم تمہاری ساری دیوالیاں بجھا دیں گے ہم سب نے ہی فیصلہ کیا ہے مگر تمہیں جینا ہے بیمار رہو گے رہو یہ تمہاری مرضی ہے۔ ذرا صحت مند رہو تاکہ اپنے کیے کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھو۔“

یہ کہہ کر میرا دروازے سے باہر نکل گیا۔ میرے پورے جسم میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں کوئی شبہ نہیں تھا، کوئی دھوکہ نہیں دیا تھا جو کچھ دیکھا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، جو کچھ سنا تھا اپنے کانوں سے سنا تھا اور دل خون ہو کر رہ گیا تھا اس نے میرے بیٹوں کی طرف اشارہ کیا تھا اور مجھے اپنی اولاد اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتی بڑا بدحواس ہو گیا

تھامیں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں میرا بیٹا جو سب سے بڑا تھا میری اس بیماری پر کافی توجہ دے رہا تھا ایک بار اس نے پوچھا کہ میرے من کو کیا روگ لگ گیا ہے کچھ بتاؤ تو ہسی، میری دھرم جینی بھی ضد پر آگئی تو میں نے ساری کہانی ان لوگوں کو سنا دی۔ میرا بڑا بیٹا ہنسنے لگا پھر بولا :

”یہ آپ کا وہم ہے ہمارا راج آپ کے دل میں جو رہیٹ گیا ہے وہ سارے کے سارے جو مرے آپ کو ان کی موت کی وجہ معلوم ہے، حادثے ہی ہوئے تھے ان کے ساتھ۔“

”وہ کیسے حادثے ہوئے تھے۔ ذرا مجھے بھی بتا دو انسانی جسموں میں آگ لگ جائے، ناگ ایسے کاٹیں کہ بدن پانی ہو جائے پر سارے کھیل کیا تم انسانی کھیل سمجھتے ہو یا صرف حادثہ کہہ سکتے ہو۔“

وہ لوگ بھی کچھ متاثر ہو گئے تھے لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آ سکی اور پھر ہمارا راج میرا سب سے بڑا بیٹا آہ۔ میرا سب سے بڑا بیٹا ایک صبح جب گھر والوں نے اسے نہ پایا تو اس کے کمرے میں اسے پکارنے لگے تو نوکرنے اس کی لاش چھت کے کندھے سے لٹکی ہوئی دیکھی تھی اس کی زبان اور آنکھیں باہر نکل پڑی تھیں یہ نہیں پتا چلا تھا کہ کس نے اسے سولی پر لٹکایا ہے۔ زمین سے آٹھ فٹ اونچا لٹک رہا تھا وہ، گردن میں رستی ڈلی ہوئی تھی اور رسی کندھے میں۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی، پولیس کو بلا لیا گیا، پولیس نے اپنا سارا کام کیا مگر مجھے میرا کی بات یاد تھی میرا دماغ اسی طرف جا رہا تھا جو حشر ہو سکتا تھا میرے من کا ہمارا راج آپ کو پتا ہے اسی بیٹے کی شادی میں کرنے والا تھا سب کچھ جو پٹ ہو کر رہ گیا تھا آہ۔

ہمارا راج میں اپنے جیون بھر کی کمائی لٹا بیٹھا تھا اپنے ہاتھوں، ہرناوتی کے پاس پہنچا ہاتھ جوڑ کر اس کے چہرے میں جھک گیا تھا اور اس سے میں نے کہا کہ اگر میرا اس سے ملتا ہے تو میرا سے کہے کہ وہ ہم پر رحم کرے۔ ہرناوتی نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا :

”آپ نے کسی پر رحم کیا ہے ہمارا راج آج تک، آپ رحم کا نام جانتے ہیں۔“

”تو بھی تو ان کی موسیٰ ہے ہرناوتی تیرے بھی تو کچھ

گتے ہیں وہ۔۔۔۔۔ میں نے رو کر کہا۔۔۔

کوئی رشتہ نہیں ہے تم سے میرا۔ قیدی ہوں میں تمہاری۔۔۔ میرا تمہارا امید و صیاد کا رشتہ ہے۔ بس تم نے اس کا پورا کٹم مار دیا۔ اس نے سو گند کھائی ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کرے گا۔

ہرے رام ایسا مت کہہ ہرنا۔ ایسا مت کہہ بچاے اپنے بھتیجی بھتیجیوں کو۔ بچا لے انہیں۔۔۔

خون کا بدلہ خون۔۔۔ سب مریں گے، سب مریں گے کوئی نہیں بچے گا۔۔۔ وہ پاگلوں کی طرح بولی اور پھر ہنسنے لگی، پھر چیخنے لگی، پھر رونے لگی اور اس کے بعد کچھ کہنے کو باقی نہ رہا کچھ نہیں بگاڑ سکا میں اس کا اس جیسے کے بعد میرا گوندا مار گیا وہ بھائیوں میں سب سے ٹکڑا جوان تھا، سب سے خوب صورت جوان تھا دیکھنے والے اسے دیکھتے تھے تو اس کی جوانی پر رشک کرتے تھے ہمارا ج میرا گوندا رات کو کھاپی کر آرام سے سویا آدمی رات کو اس کے کمرے سے چھیننے کی آوازیں سنائی دیں، وہ طاق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔

سب کو پکار رہا تھا، ہم سب باہر کر اس کے کمرے کی طرف بھاگے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر دروازہ اندر سے بند تھا بہت سے نوکر وں نے مل کر اسے توڑا تو اندر کمرے میں دھواں بھرا ہوا تھا ہمارا ج گہرا گاڑھا کا لادھواں جس میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور اب گوندا کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی پہلے جب اس کی چھینیں سنائی دی تھیں تو پوری طاقت سے چیخ رہا تھا وہ، بعد میں اس کی آواز مدھم ہوتی چلی گئی تھی دروازے کھولیں سب بند تھے۔ پتا ہی نہیں چلا تھا کہ دھواں کہاں سے آیا۔ نوکر وں نے رکشیاں جلائیں لیکن گہرے گاڑھے کالے دھوئیں کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا دروازے کھول دیے گئے جس طرح بھی ممکن ہو سکا کمرے کا دھواں باہر نکالا گیا اور میں نے، میں نے اپنے کڑیل گوندا کی لاش زمین پر اکڑی ہوئی پائی اس کا چہرہ بڑا بھیاں بھیا ہو گیا تھا ہمارا ج یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کی گردن دبا کر اسے مار دیا ہو اور پھر ہمیں ایک قہقہہ سنائی دیا بھلا میں اس قہقہے کو نہ پہچانوں گا اس پانی کا تھا، اسی پانی میرا قہقہہ تھا وہ جیسے اپنی کامیابی سے بڑا خوش ہو ہمارا ج، ہم پر جو جیتی ہمارا

بلی

نئی نویلی دلہن نے کھانا پکانے کی ترکیبوں والی کئی کتابیں پڑھ کر پہلی بار گوشت پکایا شوہر دفتر سے واپس آیا تو دیکھا کہ وہ ٹیکسوں سے بیٹھ سی ہوئی رو رہی ہے۔

”کیا ہوا جان۔“ شوہر نے پوچھا

”میں نے بری محبت اور بری محنت سے تمہارے لیے گوشت پکایا تھا۔“ بیوی نے روتے ہوئے کہا۔ ”بلی آئی اور سارا گوشت کھا گئی۔“

”بس اتنی سی بات پر رو رہی ہو ڈھیر۔۔۔۔۔۔“ شوہر نے پیار سے تسمیایا۔ ”میں آج ہی تمہارے لیے دوسری بلی لے لاؤں گا۔“

ناصر اور یس۔ جڑانوار

مُن ہی جانتا ہے جو کہ بیٹھے تھے وہ تو کمرہ ہی بیٹھے تھے مگر اس کے بعد، اس کے بعد ہمارا ج جو ہو رہا تھا وہ پسنے میں بھی نہیں سوچا تھا۔ ایک بار پھر میں ہرنا واتی کے پاس گھر گڑا تا ہوا پہنچا مگر وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے وہ بھی پاگل ہو چکی ہے۔ مُن تو چاہتا ہے کہ سری کو زندہ جلا دوں آگ میں، سب کچھ اسی کی وجہ سے ہوا ہے مگر ہمارا ج ہمت نہیں پڑتی۔۔۔

گوندا کے بعد میرا ایک اور بیٹا میرے ہاتھوں میں دم توڑ گیا ایسا پاپا باپ ہوں میں جو مرنا چاہتا ہے مگر موت بھی اسے نظر انداز کر چکی ہے۔ نہیں آتی موت بھی مجھے بیٹھے بنگوان کے لیے میری مدد کریں، میری مدد کریں، دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں میرے، تین بیٹوں کو صبر کر چکا ہوں بڑا دل چاہتا ہے کہ میں نے اب مجھے جیون سے کوئی دل چاہی نہیں ہے آج مر جاؤں تو سارے پاپ کٹ جائیں مگر جیتے نہ رہیں دیکھ سکتا کہ ایک ایک کر کے سارے میری آنکھوں کے سامنے ختم ہو جائیں۔۔۔۔۔

کھانا پینا ختم ہو چکا ہے میرا ہمارا ج جب بہت بھوک لگتی ہے تو سٹوری بہت کوئی چیز کھا لیتا ہوں جہ جہ دن

کے فلتے کتے ہیں میں نے صرف اس خیال سے کہ بھوک اور پیاس سے مر جاؤں مگر موت نہیں آتی۔ میری ہی طرح میری دھرم پتی کا بھی حال ہے حالانکہ وہ تو بے گناہ ہے اس نے کچھ نہیں کیا مگر مجھ سے زیادہ وہ مر رہی ہے۔ میری مدد کر سکتے ہیں تو اللہ کے نام پر میری مدد کریں۔ آپ مسلمان ہیں اور اللہ کے نام پر اگر آپ سے کوئی مدد مانچی جائے تو سنا ہے مسلمان اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں سوال کرنے والوں پر۔۔۔ میں سوالی ہوں ہمارا راج، آپ کے بارے میں جو کچھ سنا ہے میں لے لے اگر جھگوان نے، اگر اللہ نے آپ کو کچھ دیا ہے تو مجھ پر خرچ کر دیں، دعا کی ہی دے سکوں گا اس کے بدلے اور کچھ نہیں کر سکوں گا ہمارا راج ساری بستی والے مجھے ناپسند کرتے ہیں اگر آپ حکم دیں کہ میں ان سارے بستی والوں کے سامنے ان کے چرنوں میں گر جاؤں تو میں اپنی انا توڑنے کے لیے تیار ہوں یہ انا مجھے درٹے میں ملی تھی ہمارا راج مگر میرے ورثے نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔۔۔“

وہ اس طرح بلک بلک کر رویا کر میرا دل پانی ہو گیا جو کہانی اس نے سنائی تھی اس میں اس کے ظلم کی داستان چھپی ہوئی تھی۔ لیکن اب بنی راج ایک تھکا ہوا انسان تھا۔ ایک ایسا شخص تھا جسے کوئی انتقام لینا بھی گناہ سمجھے ایسے آدمی کو بھلا میں کیا کہتا۔ بہت دیر تک وہ روتا رہا اس کا بدن تھر تھرا کانپ رہا تھا میں اس کی بے بسی کی حالت کو محسوس کر رہا تھا اس نے پھر کہا:

”اگر میں بستی والوں کے سامنے دن کی روشنی میں آپ کے پاس آتا تو جوتے مارتے میرے سر پر اتنی باتیں کرتے وہ کہ مجھ سے ہسی نہ جاتیں اس لیے ہمارا راج رات کا یہ سب چنا ہے آپ کو جو تکلیف ہوئی وہ مجھے پتا ہے مگر مجھے جو تکلیف ہے ہمارا راج ایک ڈوبتا ہوا آدمی پر اس چیز کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے ہاتھ آسکے میں بھی ویسا ہی ہوں۔ آپ کی تکلیف کو میں اپنی تکلیف میں بھول گیا ہوں مجھے معاف کر دیں میری مدد کریں۔۔۔“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑے آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ چہرہ حسرت و یاس کی تصویر بنا ہوا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور میں نے پھر آہستہ سے کہا:

”آج کی رات دو مجھے بنی راج، کل میں تم سے اس بارے میں بات کروں گا میں کسی نہ کسی طرح تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا اس وقت تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا لیکن کل میں تمہیں بنا سکوں گا کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے ہمارا راج دو بیٹے اور دو بیٹیاں رہ گئی ہیں میری بیٹیاں اپنی سسرالوں میں ہیں ان کے بچے بھی ہو گئے ہیں جیسا کہ ہیرا کہتا ہے کہ میرے سارے پر یوار کو میری آنکھوں کے سامنے ختم کر دے گا تو ہمارا راج بیٹوں کے بعد بیٹیوں کا نمبر آئے گا اور اس کے بعد نواسیوں کا پتا نہیں کیا کرے گا وہ کیا سب کو مار دے گا ہمارا راج بڑی امید لے کر جا رہا ہوں بڑی اس لے کر جا رہا ہوں، بڑی آس لے کر جا رہا ہوں دھونی پور والے آپ کا نام لے رہے ہیں میں میں میں، بھی بڑا سہارا رکھتا ہوں آپ کا ہمارا راج بڑا سہارا رکھتا ہوں۔۔۔“

”تم جاؤ بنی راج بس اب جاؤ۔۔۔“ میں نے کہا اور بنی راج اسی راستے سے واپس چلا گیا جس راستے سے آیا تھا۔ میرے لیے بڑی مشکلات چھوڑ گیا تھا وہ بہر طور مجھے اپنا فرض پورا کرنا تھا میں نے نیند کا خیال ترک کر دیا پانی تلاش کر کے دھو کیا اور دو زانڈ بیٹھ گیا میں اپنے لیے رہنمائی چاہتا تھا اور میری رہنمائی ہو گئی میرے دل سے آواز ابھری کہ گناہ کرنے والا گناہ کر بیٹھتا ہے اس کا حساب کتاب اللہ کے حوالے، انسان کو انسان پر رحم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اگر کوئی کسی کے ساتھ کچھ کر سکتا ہے تو اسے اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔۔۔“

بات اگر صرف بنی راج کی ہوتی تو بنی راج ہر سزا کا مستحق تھا اور وہ بھی جو اس کے ساتھ شریک تھے لیکن وہ شریک نہیں تھے جنہیں موت کے گھاٹ اتارا گیا اور یہ ایک خبیث روح کا کارنامہ ہے جو بھلک گئی ہے اور انتقام کی آگ میں جل رہی ہے۔ اور وہ عورت بھی بے قصور ہے جو ماں ہے باپ نے جرم کیا سزا بس اسی کو ملتی تو مناسب تھا لیکن ماں اس جرم میں شریک نہیں تھی اور جو غم اس کو ہو رہا ہے وہ جاری نہیں رہنا چاہیے یہ روشنی کی رہنمائی تھی مجھے اطمینان نصیب ہو گیا اس کا مطلب ہے کہ میں بنی راج کی مدد کر سکتا ہوں اور اس کے بعد مجھے مدد کرنے کا طریقہ دریافت کرنا



تھا اور میری رہنمائی ہو رہی تھی میں نے اپنے بستر پر لیٹ کر کھیل اپنے چہرے پر ڈھک لیا تھا اور تھوڑی سی ہوا میں مجھ اڑا کر نہ جانے کہاں سے کہاں لے گئی تھیں۔

صبح کی خانہ کے بعد جب نمازی مسجد سے واپس چلے گئے تو حافظ حمید اللہ صاحب میرے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگے میں نے حمید اللہ صاحب کو بتایا :

”حمید اللہ صاحب رات کو ایک عجیب واقعہ ہوا تھا کہ نبی راج دیوار پھلانگ کر میرے پاس پہنچا اور اس نے مجھے اپنی کہانی سنائی شاید آپ کو اس بات کا علم ہو کہ دھونی پور کا ٹھاکر نبی راج کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔“

”ایسی ویسی مصیبت..... کیے کا پھل پارہا ہے وہ تین بیٹے ہلاک ہو چکے ہیں اس کے اور بڑی پر اسرار داستانیں سنائی جا رہی ہیں اس کے سلسلے میں مگر وہ آپ کے پاس مدد کے لیے آیا تھا حیرت کی بات ہے وہ تو ناک پر مکھی بیٹھ نہیں دیتا.....“

”اس کی اناٹوٹ چکی ہے اور اب وہ دھونی پور کے ہر شخص کے سامنے ناک رگڑنے پر تیار ہے۔ میرا خیال ہے حافظ صاحب اس کے باقی بچوں کو زندہ رہنا چاہیے! انتقام کا یہ طریقہ کار مناسب نہیں ہے۔ سزا اگر صرف اسے ملے جس نے گناہ کیا ہو تو زیادہ بہتر ہوتا ہے جو بے گناہ ہوں انہیں کسی اور کے گناہوں کی سزا نہیں ملنی چاہیے۔“ حافظ حمید اللہ صاحب نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا پھر بولے : ”اگر آپ کچھ کرنا چاہتے ہیں مسعود میاں صاحب تو ٹھیک ہے اس سلسلے میں میری جو خدمات ہوں گی انہیں سر انجام دینے کے لیے میں حاضر ہوں۔“

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا: بس آپ کی دعائیں و دعا میں مجھے اس کے علاوہ اور کوئی ضرورت نہیں ہے: حافظ احمد اللہ صاحب مسکرا کر خاموش ہو گئے پھر میں نے ان سے پوچھا: ویسے سچی دالے بھی نبی راج سے نفرت کر کے ہونگے آپ کا کیا خیال ہے؟

”سب اس کے گھمن کھاتے ہیں بڑا سرکش آدمی رہ چکا ہے اور اس کے ہاتھوں ہمیشہ ہر ایک کو نقصان ہی پہنچا ہے آج بھی اس کے بہت سے کارندے اس کی کجی سے تنگ ہیں۔ کبنت کچھ بھی نہیں دیتا کسی کو اور سب کچھ ہڑپ کر لینے کے پکر

میں رہتا ہے آپ دیکھیں مسعود میاں اگر آپ کا دل گواہی دیتا ہے تو اس کے لیے کام کریں۔“

”ہو سکتا ہے حمید اللہ صاحب اس سے بہتوں کی بہتری بھی ہو جائے یعنی انہیں کچھ مل جائے جنہیں اس کے ہاتھوں سے کچھ نہیں ملتا وہ تو اپنے آپ کو اتنا مبہور و مبکیں ظاہر کر رہا ہے کہ یوں لگتا ہے کہ جیسے اب اسے اپنے دھن دوست سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے ہر حال دیکھتے ہیں اس کی مدد تو کرنا ہی ہوگی ہاں یہ بتائیے کہ اس حکمت سمجھنے کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔“ میں آپ کو اس کی حوبلی تک لے جا سکتا ہوں یہ کونسا مشکل کام ہے۔“

”بس ذرا لوگوں سے چپ کر جانا چاہتا ہوں تاکہ بلاوجہ شہرت نہ ہو جائے اس سلسلے میں اس شہرت سے بہت سی رکاوٹیں درمیان میں آجائیں گی۔ میں نے کہا۔“

”اس کے لیے تو میرے خیال میں رات کا وقت ہی اچھا ہوگا۔ آج کا دن گزرا سیبے عشاء کے بعد نکل جائیے ویسے بھی رات کے ایک حصے میں دھونی پور کی سٹی مکمل پر سکون ہو جاتی ہے اور یہاں راتوں کو کوئی رونق نہیں ہوتی میں آپ کو وہاں پہنچا دوں گا۔“

”آپ مجھے بس وہاں تک کا پتہ بتا دیجیے گا: میں نے حمید اللہ صاحب سے اتفاق کر لیا۔ رات کو حمید اللہ صاحب نے میرے ساتھ جانا چاہا لیکن میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ مجھے تنہا جانے

دیں یہ ضروری ہے وہ مجبوراً رک گئے البتہ انہوں نے عجیبی
وضاحت سے حویلی کا پڑتا دیا تھا میں جلی پڑا امید اللہ صاحب
نے بچ کہا تھا پوری بچی نہر خوشاں بنی ہوئی تھی کتنے تک نہیں
بھونک رہے تھے اکا دکا گھروں میں سے روشنی جھلک رہی
تھی در نہ زیادہ تر گھرتا ریکی میں ڈوبے ہوئے تھے کبھی کسی گھر سے
بچے کے رونے کی آواز سنائی دے جاتی اور پھر خاموشی پھیل
جاتی۔ میں بستی کے ایک کھلے میدان میں نکل آیا جہاں میدان کے
بچوں نے ایک چوڑا نظر آ رہا تھا جس کے عین درمیان ایک بڑ
کا درخت تھا۔ درخت کے نیچے ایک دیا روشن تھا اور اس
کی لہزدی روشنی میں کچھ لوگ بیٹھے نظر آ رہے تھے امید اللہ صاحب
نے اس درخت کے پاس میں بھی بتایا تھا سیدھے چلنا تھا اور
میدان کے اختتام سے بائیں ہاتھ مڑ جانا تھا مگر میں نے سوچا
ان بیٹھے ہوئے لوگوں سے اور تصدیق کر لوں چنانچہ ان کی
طرف بڑھ گیا قریب پہنچ کر اندازہ ہوا کہ وہ عورتیں نہیں لہنگا اور
چولی پہنے ہوئے سوگوار بیٹھی ہوئی تھیں ان سے کوئی دو گز کے
فاصلے پر ایک شخص گھٹنوں سے اونچی دھوقی باندھے اور سلوکا پہنے
گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا۔ درمیان مورت کی گود میں ایک
تقریباً سات سال کا بچہ سوتا تھا ان کے اس انداز پر مجھے حیرت
ہوئی نہ مانے بے چارے کس مصیبت میں مبتلا تھے۔

”کیا بات ہے بہنو۔۔۔ یہاں کیسے بیٹھی ہو۔“

”دیرا! ارتمی مانگ رہا ہے میں اسے ارتمی کہاں سے دوں۔“
اس عورت نے کہا جو بچے کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔

”کیا مانگ رہا ہے۔ میں کچھ نہ بکھڑ کر بولا۔ میں نے جھک کر بچہ کو
دیکھا اور سچا ہی طرح چونک پڑا۔ بچے کے جسم پر لباس نام کی کوئی
چیز نہ تھی اس کا جسم اکٹھا ہوا تھا اور گود بچے کی طرح سیاہ ہو رہا تھا
اس کے جسم میں زندگی کی کوئی روشنی نہیں تھی چہرے کے نقوش تک
جل کر مگر بچے تھے۔“

”ارتمی۔۔۔ ارتمی کہاں سے لاؤں ارتمی۔ عورت نے جس
کہا نہ فقٹا بچے نے گردن اٹھائی اور پٹی پٹی آواز میں کہیں ہیں
کے رونے لگا پھر جیسا تک آواز میں بولا۔ ہوا رتمی۔۔۔ ارتمی
پھر اس کی گردن اپنی جگہ پہنچ گئی اسی وقت گھٹنوں میں سر دیئے
بیٹھے شخص نے گردن اٹھا کر کہا۔

”میں بنانا ہوں میاں جی۔۔۔ سنو میں بنانا ہوں بستی کے
میں گھر جل گئے تھے چار ہمارے تلبے دلوں کے تھے وہ میرے

اپنی مصیبت میں پڑ گئے کر یا کرم کوئی کہنا ہمارا کتنے کی طرح جلے
ہوئے شریر گھسیٹے اور شمشان ڈال آئے چٹائیں تو جیتے ہی چنک
گئی تھیں ہماری۔۔۔ بڑے تو مجھ دار تھے مگر دھیرا بچے بے ضد کرنا
ہے پگلا کہیں کا۔ جاؤ تم اپنی گیل کھوٹی مت کرو خود پپ ہو جائیگا
اس نے کہا اور گردن دوبارہ گھٹنوں میں ڈبالی۔

میرے رونے کھڑے ہو گئے کچھ کچھ مجھ میں آ رہا تھا حقیقت کا
اندازہ ہو رہا تھا۔ میں دو قدم آگے بڑھا اور گھٹنوں میں سر دیئے
آدمی کے قریب پہنچ گیا۔

”تم لا کھو ہو میں نے پوچھا اور اس نے پھر سر اٹھایا اس بار
اس کا چہرہ اور جیسا تک نظر آنے لگا۔

”ہیں ناہیں تھے، میاں جی تھے چھوڑ نہیں اپنی جات والے
نے۔ سب سے مار دیئے سب جسم کر دیئے کھوپڑیاں بھاڑ دیں
ہماری دیکھو یہ دیکھو۔ اس نے سر جھکا دیا اس کا سر دو حصوں
میں تقسیم ہو گیا اور چہرہ اور منہ سے منہ چوڑے پڑ گیا اس کے
بدن سے دھواں اٹھنے لگا۔ فضا میں گوشت کی چراغ پھیل گئی
تھی دھوئیں نے ان عورتوں کو بھی لمبیٹ میں لے لیا اور میں
بد بو اور دھوئیں سے گھرا کر کئی گز نیچے پڑ گیا آنکھیں اور ناک
بند کر لینے پڑے تھے پھر ناک بند کر لینے سے دم گھٹا تو ہاتھ ہٹایا
مگر چوڑا ترہ خالی پڑا تھا۔ نہ عورتیں تھیں نہ بچہ نہ لاکھو اور نہ ہی
چراغ۔ تاریکی میں لپٹا بڑ کا درخت جیسا تک سناتے میں تنہا
کھڑا تھا۔۔۔ یہ منظر بہتوں کی جان لے سکتا تھا ہو سکتا ہے یہ
خبیث رویہ میں اکثر لوگوں کو نظر آتی ہوں شندھی سانس لے کر
وہاں سے آگے بڑھ گیا میدان عبور کر کے جب بائیں طرف
مڑا تو پانی طرد کی حویلی نظر آئی یقیناً دھوقی بستی کی سب سے
بڑی عمارت تھی۔ حویلی کے دروازے پر روشنی نظر آ رہی تھی
لیکن پوری حویلی پر خاموشی طاری تھی میں آگے بڑھ کر حویلی
کے بڑے دروازے پر پہنچ گیا۔ کوئی ہے بھائی میاں کوئی ہے
میں نے آواز لگائی لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ میری آواز پر کچھ
آہٹیں سنائی دیں اور پھر گیسٹ کی ذیلی کھڑکی کھل گئی۔ سفید
موٹے کھیس میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی
لائین اور پچی کر کے میرا چہرہ دیکھا۔ پھر خاموش ہوا اور لمبے میں کہا۔
”کون ہو بھائی نام۔“

”یہ فیسی صاحب کی حویلی ہے۔“

”ناہماری ہے لے جاؤ اٹھا کے۔ ارے تم ہو کون۔“

چو بڑے آدمی نے پوچھا۔

”مجھے نبی راج کے ملنا ہے۔“

”کیوں ملنا ہے؟“

”بلایا ہے انہوں نے۔“

”آدمی رات کو بلایا ہے۔ جھوٹ بولے ہو۔“

”اگر وہ حویلی میں موجود ہیں تو انہیں خبر دے دو کہ جیسے انہوں

نے بلایا تھا وہ آیا ہے۔“

”آؤ۔ اس نے کہا اور میں اندر داخل ہو گیا

”تم مجھے نبی راج کے پاس لے جا رہے ہو یا حویلی لگسا

سے ہو؟“

”پوری حویلی تو تم ساری رات میں زگوم زگوم کے مہاراج

چوکیدار نے لمبے لمبے میں ہتے ہوئے کہا۔

”اور کتنا چلنا ہے۔“

”آؤ ایک جگہ اس نے رک کر کہا۔ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اس

نے لائین نیچے رکھی اور شاید کوئی دروازہ کھولنے لگا پھر دوبارہ

لائین اٹھا کر بولا۔ آؤ اندر چل کر بیٹھو۔ مہاراج کو غیر کرداروں

”لعنت ہے۔ میں نے کہا اور دروازے کو ٹھول کر اندر

داخل ہو گیا۔ یہاں روشنی نہیں ہے میرے منہ سے نکلا گلاس

کے ساتھ ہی گلاباؤں خلا میں بہا یا ایک دم توازن بگڑ گیا سنبھلنے

کی کوشش کی لیکن نہ سنبھل سکا اور دوسرے لمحے میرا بدن خلا

میں نیچے جا رہا تھا میں نے بے اختیار دونوں طرف ہاتھ بٹھے

مگر بڑھنے کے لیے کچھ نہیں تھا میں کسی گہرے کنویں میں گر رہا

تھا !!!

چند لمحات کے لیے سوچے سمجھے کی قوتیں سلب ہو گئیں کلید

حلق میں آگیا میں پوچھتا رہا کہ کچھ گزری تھی ناگہانی تھی

اسی میں سب کچھ ہو گیا تھا تو کچھ بھی سمجھ نہیں لیکن میں ہر چیز

سے متاثر ہونا تھا اور اس وقت بھی شاید اسی احساس کا

تھکا کر اتنی گہرائی میں گر دینا تو مجھ کا کیا مشر ہو گا گہرائیاں

ختم ہوئیں مگر آخری لمحات میں جیسے بدن ٹھہر گیا۔ پاؤں بیدار

ہو گئے اور ہر پرول کے نیچے زمین محسوس ہوئی کوئی رداؤ

نہیں پڑا تھا بدن ساکت ہو گیا تھا لیکن گود تار کی تھی کچھ نظر

نہیں آ رہا تھا۔ یہ کیفیت بھی کچھ لمحات رہی پھر کہہ نہ آ سدا جالا

سا ابھرنے لگا اس پاس نظر آنے لگا یہ کنواں تو نہیں تھا ابھی

خامی وسیع و عریض جگہ تھی ہوئے حویلی چاروں طرف بھرنے
ہوئے تھے میں بھی ایک بڑے پتھر پر کھڑا ہوا تھا البتہ اوپر کچھ نظر
نہیں آ رہا تھا آسمان کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا کچھ پتھر میں نہیں
آ رہا تھا کہ کیا کردار کیا تھا یہ سب۔۔۔ چوکیدار کون تھا بدن کو
جنش دی پاؤں آگے بڑھائے اور انہیں پتھروں پر دھسا
ہوا آگے بڑھا۔ کوئی تیس چالیس قدم نکل آیا اب چاروں طرف
مردم سی روشنی پھیل گئی تھی یہ روشنی دھوا رنگ کی چھاؤں تھی
ذکی مصنوعی شے سے پیدا ہوئی تھی بس آنکھوں کو نظر آ رہا تھا۔
لیکن اس پاس کچھ بھی نہیں تھا پھر ایک منکب سے کسی کے
چھروں پر چلنے کی آواز آئی۔ اندر میں چونک کر پلٹ پڑا ایک
انسانی جسم تھا اب اس سے بے نیاز سیاہی مائل۔ میری طرف آ رہا
تھا۔ میں نے دیکھا کہ صاحب وہ قریب آیا تو دل پر لٹکا سا اثر
پڑا اب کچھ مکمل تھا مگر چہرے پر کچھ نہیں تھا نہ آنکھیں نہ
ہونٹ نہ بے حد و خال کا ایک گول سا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ کچھ
سے کچھ فاصلے پر وہ رک گیا۔

”کون ہو۔“ میں نے پوچھا۔

”اما میں تو ہمارے تے کون رہے؟“ آواز آئی۔

”جاننا ہوں تمہارا۔ میں بے اختیار مسکرا پڑا ویسے یہ آواز

اس چوکیدار کی بھی نہیں تھی جس نے مجھے فریب دے کر یہاں پہنچایا

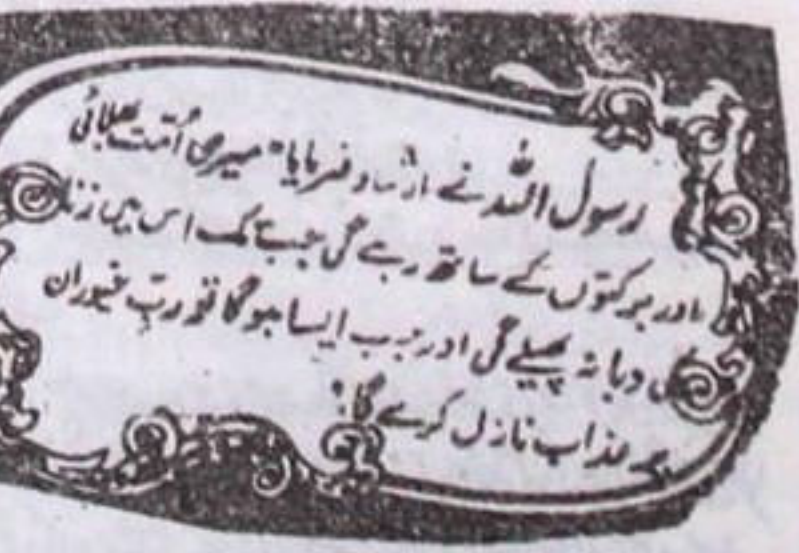
تھا۔

”مشغول کرے ہے یہاں بی۔۔۔ بھکا جانتا تھ ہے نے۔۔۔

سارا مشغول نکال دئی ہے۔۔۔ ہاں مشر چوہویں آئے رہے پھر

مشر۔۔۔ ہم اور دیکھیں تو دے مشر وا۔۔۔

”میرا ہوقم۔۔۔ میں نے پوچھا۔



۰ بمبئی میں گیا میرا... نے قحطی میں کا ہے اُسے رہے ادھر تو ہمار
کام نہ ہوتی ہے... ہم کبریت... اسے اس پانی کے لیے گئے
بے طے جس نے ہمارا کاتر سادلی ہے... سب کے سب بد لہ
یہیں گے اس سے ہاں :-

"تم کوئی ہو مجھے بناؤ۔ میں نے کہا اور چند قدم اُگے رہا
 اس کے پاس پہنچ گیا لیکن اچانک ہلکا ایک جھونکا سا آیا اور میں
 نے اس کے سیاہ جسم کو بھر کر زمین پر گرتے ہوئے دیکھا۔ گول
 پکٹے پنھروں پر جلتے ہوئے کوئلے کی ساکھ بکھری نظر آرہی تھی۔
 "تو کا کچھ جانے کی جلدوست نارس ہے بمکانے اپنی سنبھال۔"
 دوسری طرف سے آواز آئی نکل گئی وہ دوسری طرف اسی طرح
 کھڑا ہوا تھا۔

مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔ میں نے سنبھل کر پوچھا۔
 "تو جی میں بہت سارے رہے ہیں تے ادھر اپنا پکڑنا ہی
 چاہتی تھی۔"

”یہ کوئی جگہ ہے۔ میں نے ہر قدم آگے بڑھائے اور ہولکے
ساتھ پھر اس کی راکھ بکھر گئی۔ گمراہی کی آواز پہنچ سہی ست سے
سنائی دی تھی۔“

”تو ہمارا ماکہ کسرال تے اب جیتے جی یہاں سے ناکل
سکت.....“

میرا چہرہ اسی طرف گھوم گیا وہ عجب بدلتا تھا۔
"تو مار دو مجھے" میں نے کہا۔

”اے ہم کا بے ماریں۔ بھوک پیاس سے خود ہی مر جاتی ہے
اس نے کہا۔“

”ہجرت یہاں کیوں آئے ہو۔“

• تو بار بار پاپ کی حریم یاد رہے نا۔ جو ہر مکانے کو منع کرتا ہے۔ ابھی بٹولا سب پتہ مل جاتا ہے۔۔۔ جب ناگ پنکار میں لگے پھونکا جائیں گے تو بار بار چاروں طرف۔۔

”ہوں میں نے تمہیں پہچان لیا۔ سنا تھا تمہارے بارے میں آج دیکھ سہی یا بتاؤں تم کوئی ہو۔“

”جاربے قیمتی ہے..... چونکہ..... اس نے حفاظت سے
کیا۔“

پہلا حصہ :- میں نے کہا اور نہ نعت ہی جو اکا ہلایا میرا تانا....
جو نکالنے محسوس ہوا اگلا اس بار اس جگہ اس کی راکھ نہیں کھجی
تھی بلکہ وہ غائب ہو گیا تھا چوتھی بار اس کی آواز نہ کیجی سے د

سنائی دی۔ یہ خیال میرے ذہن میں ایسے ہی نہیں آگیا تھا بہت پرانی بات تھی اس وقت کی جب میرے ساتھ سب کچھ نہیں ہوا تھا میں محسوس میکن بھردار تھا اور کہا نیوں سے دلچسپی رکھتا تھا کسی بزرگ نے ایک چھلاوے کی کہانی سنائی تھی اور بتایا تھا کہ وہ کیا ہوتا ہے اور کیسا ہوتا ہے وہی کہانی یاد آگئی تھی اور میں نے اسے چھلاوہ کہا تھا یہی سننا تھا میں نے اس کہانی میں اگر چھلاوے کو پہچان لیا جائے تو وہ غائب ہو جاتا ہے اور پھر نظر نہیں آتا اور اس وقت یہ سب کچھ بالکل ہی ثابت ہوا تھا وہ سو فیصد چھلاوہ ہی تھا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب میں کیا کروں کیا اس کے الفاظ یہ بتاتے تھے کہ حویلی میں باقاعدہ بری ارواح کا سیر ہے اور زیادہ تر لوگ ہنسی راج کے تھے ہوتے ہیں اب یہ تو سوچ نہیں سکتا تھا میں کہ ایک ایسے ظالم آدمی کو نظر انداز کر دوں جس نے بہت سوں پہ مظالم کئے ہیں اور اب ان کی سزا جگت رہا ہے کیونکہ مجھے ہدایت مل چکی تھی بعض معاملات میں بر انسان بھی کسی کی وجہ سے کسی طرح نیک ہوتا ہے اس کے تین مینوں کی تندیہ میں یہی لکھا ہوا تھا باقی میں نہیں جانتا تھا کہ آگے مجھے کیا کرنا ہے میں نے ذہاں سے ہر ملگے بڑھا دیئے یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس جگہ کی وسعت کتنی ہے۔ پتھروں پر سے گزرتا ہوا میں آگے بڑھتا رہا اور ایک بار پھر مجھے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ خدہ اسی گہرائی نظر آئی تھی سا وہ میں نے کنارے سے اس سمت دیکھا تھا وہی خاندان موجود تھا۔ جس سے میں ہٹ کے درخت کے نیچے مل چکا تھا اس کے نیچے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا اور لاکھو سے بولا۔

”جو لڑتی جاوے سندر چاویے، گئی جاویے، لکڑیاں
جلاد دیو، جو کنگ رہی ہے۔“

لاکھوں ویسے ہی گمراہ انسان اِدھر اُدھر دوکھا بھر چکے
لڑکے بولائے۔ اسے چپ کر جائزائی۔ جو ک لگ رہی ہے
ارتھی چاہیے۔ اسے ہم سب کو نادر کھڑا کا، ہمارے پاس
کا ہے۔ ا۔

”پتہ، بھوکا ہوں، ایک کاپیلا۔“

تو پھر اُدھر دیکھ..... وہ کلڑ بچا اُسے کھالے اسی کو کھالے
میں کاکروں۔ لاکھوں نے کہا اور لوگوں نے بجاؤ سامنے کھول دیا
میب و غریب متظر تھا یہ بھی بار بار یہ کہنا مجھے خود اچھا نہیں لگ
رہا تھا کہ دل اس قدر مضبوط ہو گیا تھا کہ ایسے مناظر سے بند

نہیں جو ہمارا تھوڑا سا سب کچھ بھرنے کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔
نہیں تھا۔

لوگے کا سر سید بڑا تھا بدن سوکھا ہوا تھا اور اتنا سکھا ہوا
تھا کہ نہیں دانت۔ اس نے گول گول آنکھوں سے مجھے دیکھا اور
منہ کھول دیا اتنا بڑا منہ... اتنا بڑا کہ ایک اچھی خاصی گیند اس کے
منہ میں چلی جائے۔ چہرے پر انتہائی خوفناک تاثرات لیے وہ
اپنے سوکھے سوکھے قد میں سے چلنا ہوا میری جانب بڑھا۔
خامیہ نہیں توقع ہو کہ میرے حلق سے اب دھڑاکنے کی آواز
ہوگی اور میں ہلٹ کر جاگ نکلوں گا لیکن میں اسے دیکھتا ہوا
لوکا آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور میرے قریب پہنچ گیا میں
نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور کہا۔

اے... اے... آؤ آؤ آؤ اور کھانویں۔ ہوا کا بالکل دیرسا ہی...
جو ننگا محسوس ہوا اور لوکا میری نگاہوں کے سامنے سے غائب
ہو گیا۔ اب میرے چاروں طرف پتھر ہی نہیں تھا۔ یہ بڑھتے سے
آرہی تھیں وہاں کے کھیل ہو رہے تھے۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں
جانتا تھا لیکن یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ سب بے کار کی باتیں
میں مجھے جو مل کرنا ہے اس کے لیے ذرا متعلق کرنا مناسب
نہیں تھا اور اب میں جہاں بھی آچھا ہوں مجھے یہاں سے نکل جانا
پایہ ایک ہی قدم بڑھا میرے پاس۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اعتماد
تھا مجھے اپنے اس قدم پر یہ انسانی فطرت کے تحت کی بھی نہیں
متوقع بات یہ ایک لمحے کے لیے بن میں ہلکی سی کھینچا ہوا
بے شک طارنی تھی لیکن اس کے بعد وہ اعتماد بحال ہو جاتا تھا
جو مجھے ملتا تھا میں نے شانے سے قبل اتارا اور اسے اپنے
گردن پیٹ کر اپنا چہرہ اس میں چھپایا اور میرا خیال بالکل درست
ثابت ہوا چند لمحات کی طرح گزرے اس کے بعد میں نے
قبل چہرے سے ہٹایا اور منظر بدلا ہوا تھا۔ حویلی کے بڑے
دروانے کے قریب کھڑا ہوا تھا دروانے کا آدھا پٹ کھلا
ہوا تھا اور وہ پراسرار جگہ جہاں چوکیدار نے مجھے پہنچا دیا تھا
نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

میں اس شان کریبی کے قریب ہونے لگا مجھے ہوا اعتماد
بڑھ گیا تھا وہ ناقابل تخریب تھا۔ بڑے اعتماد کے ساتھ قدم آگے
بڑھائے اور حویلی کے کھلے ہوئے دروازے پر سے اندر داخل
ہوا۔ چلا وہ اندر داخل بیٹھ اپنی گوشہ نشینوں میں ملازم
ہو چکی تھیں اندر مجھ اس سمت روانہ کر دیا گیا تھا جہاں آنا تھا۔

حویلی کی راہ دریاں سنسان پڑی ہوئی تھیں بے شک
مجھے کسی رہنما کی ضرورت تھی جو مجھے منی راج پہنچا دے لیکن۔
خامیہ یہاں کے لوگوں پر بھی خوف و ہراس طاری تھا جیسا کہ اس
پہلاؤ سے نے مجھے بتایا کہ یہاں وہ اکیلا نہیں رہتا بہت سے
رہتے ہیں اس لحاظ سے حویلی میں رہنے والوں کا خون دیسے ہی
خشک ہوتا رہتا ہے۔ یہی بڑی بات ہے کہ وہ اب بھی
اس حویلی میں موجود تھے۔ غرض یہ کہ میں اپنی دمن میں آگے
بڑھتا رہا اور پھر ایک ایسے کمرے کے قریب پہنچ گیا جہاں
روشنی مہلک رہی تھی۔

گو یہ سب کچھ ایک غیر مناسب عمل تھا لیکن میں نے جان...
بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا۔ میں نے تو باقاعدہ چوکیدار کے ذریعے
یہاں آنے کی کوشش کی تھی۔ اب چوکیدار کی جگہ کون تھا مجھے
معلوم تھا۔

روشن کرے کے دروازے کے سامنے رک کر میں نے
دھک دی اندر بے شک روشنی تھی لیکن کوئی آواز نہیں سنائی
دی۔ دوسری بار اور تیسری بار دھک دی تو اندر سے ڈری
ڈری آوازیں سنائی دی... پھر کسی نے انتہائی ہمت
کے بھرائے ہوئے لمبے میں کہا۔

گنگ... کون ہے... آواز اس اندر دی اور یہی ہوئی
تھی کہ ایک لمحے کے لیے تو سمجھیں گی نہیں آئی کہ کسی مرد کی ہے
یا عورت کی۔ لیکن میں نے پھر دھک دی اور آواز سنائی
دی۔

”ارے کون ہے... کون ہے... اور اس بار میں نے اس
آواز کو پہچان لیا تھا۔ منی راج ہی تھا جس کا نام نکلا جا رہا تھا۔
میں نے سانس لیے میں کہا۔

”دروازہ کھولو منی راج مہراج۔ میں مسودہ ہوں۔“
گنگ... کون ہے... کون ہے... کون ہے...؟

”مسودہ مسودہ۔ جس کے پاس تم مولوی حیدر اللہ کے گھر سے
گئے تھے۔ میرے ان الفاظ نے فانی منی راج کے دل سے خوف
دھک دیا تھا۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی دور کر دیا ہلکی سی کہنے کی آواز
سنائی دی۔ ہوا محسوس ہوا جیسے منی راج اپنی جگہ سے اٹھ کر
بھاگا ہوا کسی چیز کے ٹکڑے پر چلا ہوا پھر دروازے پر آئیں۔
سنائی دیں اور ساتھ ہی کسی عورت کی ڈری ڈری آواز۔
”اے دیکھ تو لو گر دن نکال کر دیکھنا۔ پھر دروازہ کھولنا بیٹنا

نبی راج کی دھرم پتی ہوئی:۔ اچھے خور:۔ بری کی اور
 جے دیکھنے لگا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔
 "نبی راج میں ہی سول میں نے تم سے چہاروی ہوئی اُنکا
 وعدہ کیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں مہاراج۔ آجیئے۔ ایسے نبی راج نے
 کہا۔ اور پورا اور۔۔۔ کھول دیا۔ بڑی سہری کے ایک گوشے
 میں سفید ساڑھی میں۔ ایک عورت سگری کٹی بیٹھی ہوئی
 تھی۔ اس کے پہرے پر خوف و درشت کے آثار مجھ سے اور
 آنکھوں سے انتہائی ہراس نیک رہا تھا۔ نبی راج نے غمزدگی
 جلادی اور عورت آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے جے دیکھنے لگی۔ میں
 نے آنکھیں بند کر کے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔
 "معافی چاہتا ہوں اس وقت آنے کی لیکن یہی وقت
 میرے لیے مناسب تھا۔

"ارے مہاراج پدھاریئے۔۔۔ پدھاریئے، بھگوان کی
 سوگند آپ کے بارے میں جہانے کیا کیا سوچتا رہا ہوں میں
 نے پورا دن انتظار کیا اب تک انتظار کرتا رہا ہوں میں۔
 من لوٹ گیا تھا اور میں اپنی دھرم پتی سے یکہر رہا تھا کہ شاید
 بھگوان نے ہماری میں کوئی اچھا نہیں نکلی ہے وہ نہ مہاراج
 مسودہ ضرور آجاتے۔ نبی راج نے مخصوص بناوٹ کی ایک قیمت
 کی اٹھا کر میرے سامنے رکھ دی اور میں بیٹھ گیا۔ یہ میری دھرم
 پتی چنداوتی ہے۔ مہاراج بہت دھی ہے یہ میں بیٹھوں کا ذکر
 ہوگ رہی ہے۔

"برامت مانتا نبی محل آ نے بھی تو بہت سی ماقول کو ان کے
 بیٹوں کا دکھ دیا ہے۔ کئی کا بچل تو ملتا ہی ہے۔

"نا مہاراج نا۔ ایسا مت کہو۔ بڑی آس لگا رہی ہے۔
 ہم نے سارے انیسے میں نے کیا ہے۔ بھگوان کی سوگند کوڑھی
 ہو جاؤں۔ سانپ بھوپٹ جائیں میرے شریر سے آنکھیں
 بہہ جائیں پانی بن کر۔ جو بھی سزا طبعی مل جائے۔ بھگوان میرے
 بیٹوں اور بیٹوں کو بچالے سے لوٹ آئے اور میں اپنے سامنے
 پاؤں کا پراچت کر لوں۔ کچھ ایسا ہو جائے مہاراج۔ وہ
 بچ جائیں اب۔ اب کوئی اور دکھ مجھے نہ سہا جائے گا۔ وہ
 بلک بلک کر رونے لگا اب اس کی آواز میں کہیں
 "کلب کر گیا یہ پتا داتا اس تاندا مت ہی اب کچھ اور
 کہنا میرے لیے مناسب نہیں تھا۔

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا نبی راج۔ پورا کر لے آگیا
 دل چھوٹا کر۔ اندھا لک ہے میں گوشش کروں گا!۔
 "بڑی دیا ہوگی مہاراج۔
 "چلتا ہوں۔

"خوبی میں ملک جاکر بھگوان۔ ہمیں ڈھارس ہو جائے
 گی۔ نبی راج نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"پھر آؤں گا نبی راج ضرورت پڑنے پہ پھر آؤں گا۔ میں
 اٹھ گیا۔ نبی راج مجھے خوبی کے باہر تک بھجوتے آگیا میری
 منت سماعت کرتا رہا تھا۔ میں اسے دل سے دے کر آگے
 بڑھ گیا مسجد تک واپسی میں کوئی واقعہ نہیں پیش آیا۔ جسے
 میں تار کی تھی۔ میں درخت کے نیچے اپنے ٹھکانے پر آگیا اس
 مختصر وقت میں ہی بڑے انوکھے واقعات پیش آئے تھے جیک
 وہ ارواح نبیہ تھیں لیکن ان کے ساتھ ہی ظلم ہوا تھا ان سب
 نے نبی راج کی خوبی میں بیٹھ کر لیا تھا اور وہ اپنا انتقام لینا
 چاہتی تھیں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ واضح
 اشارہ مل چکا تھا کہ میں نبی راج کی مدد کروں لیکن ان ارواح
 ہمیشہ کے ساتھ مجھے کیا کرنا چاہیے یہ میرے علم میں نہیں تھا نیند
 آنکھوں سے دور ہو گئی تھی۔ اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ نبی راج
 کے ہاتھوں چوٹ کھائے آسیب میری طرف سے ہوشیار ہو گئے
 تھے میں کا بیوت مجھے خوبی میں داخل ہوتے ہی مل گیا تھا۔
 بہت دیر تک بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر نماز پڑھنے کو دل چاہا۔
 یوں ہی تہجد کا وقت تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر مسجد کے صحن میں آیا
 وضو کیا اور عبادت کرنے لگا۔ دل کو ناقابل بیان سکون ملا
 تھا۔ سلام پھیرا تو ایک اور تہجد گزار پر نظر پڑی اور میرا آدمی
 تھا۔ میری دائیں سمت بیٹھا ہوا تھا اس نے بھی سلام پھیر کے
 ہوسے مجھے دیکھا اور نماز سے فارغ ہو کر مجھے سلام کیا
 میں نے احترام سے اسے جواب دیا تھا۔

"موسم خوشگوار ہے اس نے کہا۔

"بلک رحمت انہی سے منور۔ میں نے جواب دیا۔

"کلام الہی کا ایک ایک حرف کائنات کی عبادت کرتا ہے
 جہاں اس کا وعدہ ہو وہاں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ ہر
 ہر جزو میں کائنات نشی ہوئی ہے ان کی کیا مجال کہ وسوسوں کے
 تصور کو بھی سمیٹ سکے۔ ایک مذ ایک جزو ایک تشدد و مہمات
 مختصر کے کوٹھول گنا گئے ہے اور کوئی دعویدار نہیں کہ ایک

آیت بھروسہ کا ہو، بھروسے اور پائے تو اس کا مقام نہ جانے کیا ہو لیکن شاید اس کے گئے ہیں اور علاج متعین کر دیئے گئے ہیں۔ گو امراض مختلف ہوتے ہیں اور دیکھ بول بے چین ہو اور دماغ فیصلہ نہ کر پائے تو گیارہ بار درود پاک پڑھ لیا کر داور آنکھیں بند کر کے رہنائی طلب کر لیا کر داور اتنا ہی کافی ہے ہر مرض کے علاج کے لیے کہ یہ سب کچھ بھی نہ سمجھ پائے لیکن بہت کچھ ہے احتیاج کہ مشکل کم اور حل زیادہ اور اس وقت جو فیصلہ ہو اس پر خورد کر و کھو کر دماغ کی کیا جہاں کران و متوں کے تصور کو بھی پائے۔

اچھا سپرد رحمت۔ السلام علیکم۔ و صاحب اٹھے اور صحن صبیح کے باہر جانے والی سیڑجیوں کی طرف بڑھ گئے میرے منہ سے بلند آواز میں سلام کا جواب نکلا تھا اور بس یوں لگا جیسے جواب سے آنکھ کھل گئی ہو۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کائنات کے خزانے سامنے بھر گئے ہوں۔ ہر شے ہوا ہرات کی طرح جھجکاتے لگی اتنی خوشی ہو رہی تھی کہ الفاظ کی گرفت میں نہیں لاسکتا۔ وہاں سے اٹھا یا دفعت کے سلیبے الگ ہو کر زمین پر دروازہ انویٹھا اور درود شریف پڑھنے لگا دماغ نے تصور کیا۔ گناہ کو تائید شیطانی حاصل ہے اور شیطان کو شیطنت کی قوت حاصل ہے۔ اسے لاملوں سے بھگایا جاتا ہے لیکن اس کی ذریعات کا خاتمہ عمل سے گزرتا ہے اور عمل یہ ہے کہ اس شیطان کو اہل غنا و ثروت کے ساتھ نکال کر دریا پاکر لایا جائے اور دریا پار اس کا گھر ہے یہاں اس عمل کا اختتام ہو چکا ہے لیکن کسی کو نہ سمجھو اور جانے۔ سو وہ جو مظلوم ہے کچھ طلب کرے گا اس کی طلب اسے دینا ضروری ہو گا جسے عقل قبول نہیں کرے گی لیکن۔

کسٹاک کی آواز ہوئی اور جیسے ایک روشن خانہ بند ہو گیا بالکل ویسے ہی جیسے بجلی کا بلب بجھا دیا جائے لیکن مجھے رہنائی مل گئی تھی اس سے زیادہ وضاحت اور کیا ہوئی ایک ناواقف کو جس طرح خوانا گیا تھا اس کے لیے عیدہ مگر کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا اور سمجھ کر کے جی نہ بھرا یہاں تک کہ مولوی حمید اللہ آگئے۔

فجر کا وقت ہو گیا ہے مسود میاں۔ انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔ میں اٹھ گیا۔ سبحان اللہ تعالیٰ جو اتنی کی اس عبادت کو قبول فرمائیے میاں نماز کے ہدایتیں ہوں

گی۔ اذان کہہ دوں وقت ہو گیا ہے۔ وہ مسجد کے مینار کی طرف چل پڑے اس طرح نمازہ دم تھا جیسے جی بھر کے سویا ہوا شمار کا نشان بھی نہ تھا۔ اذان ہوئی، نمازی آئے۔ مجھ سے بہت محبت سے ملے پھر فراغت ہو گئی۔ مولوی صاحب پائے لے آئے مجھے پیش کی اور خود بھی لے کر بیٹھ گئے۔

• رات کو بہت دیر تک جاگتا رہا تھا کس وقت واپسی ہوئی؟
• دیر ہو گئی تھی۔
• حویلی مل گئی تھی؟
• جی ہاں۔

• اور جیسی دیراج لعل۔
• وہ بھی مل گیا تھا۔
• کچھ اندازہ لگایا؟

• ہاں! حمید اللہ صاحب۔۔۔ ظالم انسان تھا۔ خود پریتی تو آنکھ کھل، مگر بہت نقصان اٹھا چکا ہے۔
• اللہ رحم کرے۔ جو کیا ہے بھر رہا ہے۔
• مشکل فلسفہ ہے حمید اللہ صاحب کیا اس نے ہے۔
• لیکن اس کے تین بیٹوں کو بھگتتا پڑا۔
• ہاں میاں، باپ کا گناہ اولاد کے سامنے آتا ہے۔
• یہ غلط ہے۔ میں نے کہا۔
• کیوں؟ حمید اللہ صاحب چونک کر پوئے۔
• عقل تسلیم نہیں کرتی۔
• مگر سامنے کی بات ہے۔
• ہمارے آپ کے سامنے کی بات، عقل اس کی نفی کرتی ہے۔
• مجھے سمجھاؤ۔

• میرے خیال میں گناہ کا سزا صرف گناہ گار کو ملتی ہے اس گناہ گار کو جو اللہ کا مجرم ہوتا ہے اور اللہ سچا منصف ہے، جو دنیا سے گئے ان کی زندگی اتنی ہی تھی۔ مگر مجرم کو اس وقت تک ان کی جہان کی غم براثت کرنا پڑے گا جب تک وہ زندہ ہے۔ میں نے کہا ناشکل فلسفہ ہے، حتیٰ مات کہنا مشکل ہے خدا ہی بہتر سمجھتا ہے۔

• اس کہانی کے بارے میں کیا خیال ہے؟
• کہانی تو پختہ ہے۔
• اور وہ روح خبیث ہے۔

”حویلی ان سے بھری ہوتی ہے جو اس کے ہاتھوں
نقصان اٹھا چکے ہیں۔ انہوں نے حویلی کو حصار میں لیا ہوا ہے
بالکل درست کہتے ہیں۔ کئی واقعات ہو چکے ہیں۔
کیسے؟“

”جنسی راج نے ہندوستان بھر سے سادھو پنڈت
اور جوگی بلائے زر و جواہر کے انبار لگا دیئے ان کے سامنے
ہر کوشش کی گئی مگر کچھ نہ ہوا بلکہ ان سب کو نقصان ہوئے
ہمارے درگاہ اس تو ابھی کچھ دن پہلے مرے ہیں۔
یہ کون تھے؟“

”گجانی دھیانی تھے۔ سالہا باد سے آئے تھے حویلی میں
جاپ کیا تین بار اٹھا کر پھینکے گئے۔ چوٹیں لگیں باز نہ آئے
یہاں تک کہ پاگل ہو گئے۔ ننگ و حرم حویلی پور کی گلیوں
بازاروں میں بھاگے پھرتے تھے۔ بچے درگاہ، باڈلا کہہ کر پتھر
مارتے تھے سالہا باد سے ان کے گھر والے انہیں لے گئے۔
مگر دو مہینے کے بعد وہ پھر واپس آ گئے اس کے بعد کئی مہینے
یہاں رہے۔ تھوڑے دن قبل لال تلیاں میں ان کی
لاش تیرتی ملی اسی سر کے کاٹکار ہو گئے تھے۔
ادہ افوس۔ میں نے کہا۔“

”کیا ارادہ ہے مسود میاں؟“
”انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا کچھ کام کرنا پڑے
گا۔“

”اللہ کامیاب کرے، امان میں رکھے، حمید اللہ صاحب
علوم سے بولے لیکن کچھ تشویش بھی سنی ان کے لیے میں۔
دو پہر کو دوبارہ جنسی راج کی حویلی پہنچا۔ جنسی راج موجود
تھا۔ راستے میں اچھا خاصا مجمع میرے ساتھ حویلی پر جا کر
منتظر ہوا۔ جنسی راج نے ہاتھ جوڑ کر میرا استقبال کیا تھا۔
”کہئے جنسی راج جی۔ سب خیریت رہی؟“

”جہیں ہمارا راج۔ رات تو بڑی دھماکہ مچی رہی۔
کیا؟ میں نے چونک کر پوچھا۔“

”بڑا اودھم مچا ہے رات کو۔ آگ کے گولے گرے حویلی
پر، خوب شہ جاکنی نوکر بھاگ گئے، میرے کمرے کا دروازہ
اکھاڑ کر پھینک دیا گیا۔ چار فائوس توڑ دیے گئے چیمیں
اور آوازیں سنائی دیں۔“

”ہوں۔ کوئی ہانی نقصان تو نہیں ہوا۔“

”نہیں ہمارا راج..... مگر اب کچھ اور مشکلیں نظر آ رہی
ہیں۔“

”کیا.....؟“
”نوکر تو اب کوئی نہیں ملے گا یہاں۔“
”آپ کے دونوں بیٹے کہاں ہیں؟“
”دونوں اور راجیش نہیں ہیں۔ پہلے تو وہ نہیں ڈرتے
تھے مگر اب پہلے پڑ گئے ہیں۔“

”بیٹیاں۔“
”وہ سسرال میں ہیں۔“
”کہاں۔“

”ایک دلی میں ہے دوسری جے پور میں۔“
”انہیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا کہیں؟“
”جہیں بھگوان کی دیا ہے۔“

”یہاں اس پاس کوئی ندی ہے۔“
”نما ندی ہے۔ بڑی شور ہے۔“

”اس کے پار آپ کی کوئی حویلی ہے؟“
”سونا باغ ہے ہمارا، سونا باغ میں پورن نے حویلی
بنائی تھی۔ اس کی موت کے بعد ہم وہاں نہیں گئے۔“

”پورن آپ کا بیٹا تھا؟“
”ہاں..... جنسی راج نے بھاری آواز میں کہا۔
”یہیں وہاں چلنا ہے۔“

”میں..... کب؟“
”جو وقت بھی آپ بتائیں جلدی سے جلد۔“

”آپ حکم دیں ہمارا راج۔“
”تیار یاں کر لیں، آج ہی چلیں۔“

”نوکر کو کتورہ مانجھی کے پاس بھیجے دیتا ہوں ناؤ تیار
کر لے۔ میری اپنی ناف ہے۔“

”بیچ دیں اور اپنے گھر والوں کو تیار کر لیں۔“
”کسے کسے لے چلنا ہے ہمارا راج۔“

”دونوں بیٹے، آپ کی بیوی اور بہن۔“
”ہر نادق؟ جنسی راج چونک کر بولا۔“

”ہاں۔ اس کا جانا بھی ضروری ہے آپ یہ ہایت
دیں اور پھر مجھے اس سے ملائیں۔“

”ٹھیک ہے ہمارا راج۔ جنسی راج نے کہا بھجے وہیں
ٹھیک ہے ہمارا راج۔ جنسی راج نے کہا بھجے وہیں

انتظار کرتا پڑا۔ پھر منی راج مجھے لیکر ہرنادتی سے ملانے
چل پڑا۔ حوٹلی کا یہ حصہ کندھ بننا ہوا تھا ایک کمرے میں
ہرنادتی موجود تھی۔ سفید ساری میں ایک پاکیزہ چہرہ چمک
رہا تھا۔ اس نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

• یہ کون میں بھیاجی۔

• میرے دوست میں ہرنا۔

• گنتے تو نہیں ہیں۔ وہ بولی۔

• ہمیں لینے آئے ہیں۔

• کہاں لے جائیں گے؟ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے
کہا۔

• سب جا رہے ہیں تمہیں بھی چلنا ہے ہرنادتی۔ میں
نے کہا۔

• میری قید ختم ہوگئی۔

• تو قید کہاں تھی ہرنا۔ میں ہی اندھا ہو گیا تھا۔ پاگل ہو
گیا تھا مگر اب۔ منی راج نے سسک کر کہا۔

• پرانی پیر جانوسو مانیں لے چلو جہاں من چاہے ہم اپنے
میں ہی کب۔ اس نے ادا سی سے کہا۔ منی راج نے نوکر
کو کشتی کے انتظام کے لیے بھیج دیا تھا۔ اس کی واپسی کا انتظار
تھا۔ میں ہرنادتی سے مل چکا تھا کوئی خاص بات نہیں تھی
بس ملازم بہت دیر میں آیا۔

• کتور یا ہریا پور گیا تھا مہاراج۔ دیر میں آیا میں اس
کا انتظار کر رہا تھا۔
• آگیا۔

• ہاں۔ تاؤ تیار کر رہا ہے کہتا ہے مہاراج گھاٹ
آجائیں نیا تیار ملے گی۔

• ملازم شام کو چھ بجے واپس آیا تھا۔ سورج ڈھل چکا
تھا۔ ہر لوگ گھاٹ چل پڑے۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے سورت
چمپ گیا۔ منی راج اس کے دونوں بیٹے، بیوی اور
ہرنادتی میرے ساتھ تھے۔ میری ہدایت پر کسی ملازم کو نہیں
دیا گیا تھا۔ گھاٹ پر بڑی کشتی ڈول رہی تھی اسی پر بادبان
باندھا گیا تھا۔ منی راج قریب آگیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا
دونوں نے رسی کھینچ کر کشتی کو کنارے لگایا اور دونوں کو پہلا
دیکر کشتی پر اتار دیا گیا۔

• یہ کتور یہ کہاں مر گیا۔ ویسے ہی رات ہوگئی۔ اسی وقت

کتور یہ کیس سنبھالے دوڑتا نظر آیا۔ دونوں نے خود بھی کشتی
میں بیٹھے ہوئے اسے ڈانٹا۔

• کہاں چلا گیا تھا رے تو۔ چل جلدی کھوٹا کھول دیر کر دی
جو قوف نے۔ کتور یہ نے کھوٹا کھولاری لپیٹ کر بادبان
میں پھینکی اور خود کشتی میں کود کر بادبان کا رخ بدلنے لگا۔ کشتی
پانی میں آگے بڑھنے لگی۔ کتور یہ تھوڑا سنبھال کر کشتی کے دوسرے
سرے جا بیٹھا تھا۔ کشتی بہاؤ پر چل پڑی۔ سب خاموش
تھے۔ بہت دیر تک یہ خاموشی طاری رہی۔ پھر منی راج بولا۔

• سونا باغ سونے کا باغ کہلاتا ہے۔ کچھ بھی لگوا دو
ایسی فصل ہوتی ہے وہاں کہیں نہیں ہوتی۔ ام تاریل اور
پہینا تو اتنا اگتا ہے کہ لیں مگر اسے لگانے والا نہ رہا۔
• چتا جی۔ ان باتوں کو یاد نہ کریں۔ راجیش نے کہا۔

• جب سے پورن نے سنسار چھوڑا میں آج اس باغ
میں جا رہا ہوں۔ منی راج درد بھرے لہجے میں بولا اور
اس کی معصوم چہرہ سسکنے لگی۔

• چتا جی۔ راجیش نے احتجاجی لہجے میں کہا۔
• کیسے بھولوں اسے، کیسے بھول جاؤں اپنے تین ہاتھیوں
کو۔ کیسے بھول جاؤں۔ وہیں جا رہا ہوں۔ ایک ایک چیز سے
اس کی یادیں برتی ہیں۔

• میں نے افسردہ نظروں سے سب کے چہرے دیکھے
آخر میں میری نظر ہرنادتی کی طرف اٹھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ ایک
پراسرار مسکراہٹ اس کے لبوں پر کیل رہی تھی۔ اس کے
ہنسیں عجیب سے انداز میں چمک رہی تھیں۔ وہ آہستہ سے
بڑبڑاتی۔

• کون بھولتا ہے، کوئی نہیں بھولتا۔ آہستہ بولی تھی
لیکن میں نے سن لیا تھا۔ جانے کیوں راجیش کو غصہ آگیا
• آپ تو چپ ہی رہا کریں بوجی۔ سب کچھ آپ کی ذمہ
سے ہوا۔

• راجیش چپ بیٹھ! منی راج بولا۔

• آپ نے سنا نہیں چتا جی۔ وہ کیا کہہ رہی ہیں۔

• خاموش بیٹھ! منی راج بولا۔ اور راجیش مزہ بنا
کر بیٹھ گیا۔ ہرنادتی آہستہ آہستہ ہنس رہی تھی۔

• اپنی جھوٹ سب کے دھکتی ہے۔ دوسرے کو کون جانے
وہ پھر بولی۔ کتور یہ بادبان کا رخ درست کر رہا تھا۔

یہ سب کچھ بول رہا ہے۔ وہ سامنے تو ہے
 سو ناباغہ و نو نے کھو دیے کہا اور اس نے بدن سے
 لپٹا کھس اتار دیا ایک تو نیم تاریک ماحول تھا۔ دوسرے کھو دیے
 نے چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ اس سے میں نے اس کی صورت نہیں
 دیکھی تھی۔ کھس اتارنے سے اس کا چہرہ نظر آیا۔ کالا سیاہ
 چہرہ، خون کی طرح سرخ آنکھیں مگر یہ سیاہ چہرہ بالکل جلا ہوا معلوم
 ہو رہا تھا۔ میں نے تو کھو دیے کو دیکھا بھی نہیں تھا ہو سکتا ہے
 وہ ایسا ہی ہو لیکن اچانک پوری کشتی پر جنمیں گونجنے لگیں۔
 بنسی راج کی بیوی نے جیج کر اپنے دونوں بیٹوں کو سینے سے
 لپٹا لیا تھا۔ بنسی راج تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اور ہر نادق
 کی ہنسی کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے کسی.... گڑ بڑ کا
 احساس ہوا۔ میری نظریں سب سے ہوتی ہوئی کھو دیے پر آ گئیں
 اس نے دونوں گال پھلائے تھے اور منہ سے ہوا نکال رہا
 تھا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھوں میں شیطانی چمک لہرا رہی تھی
 اور منہ سے اتنی تیز ہوا نکل رہی تھی کہ اس کا احساس اتنے
 فاصلے پر بھی ہو رہا تھا۔ میں نے غور کیا تو اندازہ ہوا کہ یہ
 ہوا بادبان میں بھرتی جا رہی ہے اور کشتی کی رفتار بھی تیز
 ہونے لگی ہے۔ صورت حال پوری طرح تو مجھ میں نہیں
 آئی تھی لیکن کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔ میں نے بنسی راج کے
 بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

یہ کون ہے؟ بنسی راج نے خوفزدہ نگاہوں سے
 مجھے دیکھا اور پھر اس کے منہ سے ڈری ڈری آواز نکلی۔

ہیرا..... ہیرا۔

میں تمام صورتحال سمجھ گیا تھا۔ ہر نادق کی ہنسی بھی اب مجھ
 میں آرہی تھی۔ اور یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ کشتی کی برق رفتاری
 کسی خوفناک حادثے کو بنم دینے والی ہے، وہ تو ایک
 خبیث روح تھی لیکن باقی سب ذی روح تھے اور رفتار
 پکڑنے والی بے اسرا کشتی کسی بھی لمحے تیز رفتار دریا میں اٹ
 سکتی تھی۔

میں نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ چند قدم آگے بڑھا
 اور ہیرا کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے بادبان کی طرف سے
 نظریں ہٹا کر میری طرف دیکھا اور پھر اس کی شرارت سے
 مسکراتی ہوئی سرخ آنکھوں میں نفرت کی پرچھائیاں دوڑنے
 لگیں، اس نے خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھا اور رخ بدلیں

کر لیا۔ اس کے ہونٹوں سے نکلنے والی ہوا اب میرے سینے پر
 پڑی اور مجھے ایسا ہی محسوس ہوا، جیسے کوئی سخت اور موٹی
 سل میرے سینے پر آئی ہو اور پوری قوت سے مجھے پیچھے
 دھکیل رہی ہو۔ یہ ہوا کہ طاقت تھی لیکن اثر تسالی نے مجھے بھی
 یہ ہمت عطا کی کہ میں اس شیطانی طاقت کا مقابلہ کر سکوں
 تیز ہوا بے شک میرے جسم میں سوراخ کئے دے رہی تھی
 لیکن میرے قدموں کو ایک تل باریک سی پیچھے نہ ہٹا سکی، ہیرا
 مسلسل کوششیں کرتا رہا۔ تب میں نے سر دلیجے میں کہا۔
 بس ہیرا رک جاؤ۔ اس کے بعد تمہارے نقصان کی باری آتی
 ہے۔ وہ رک گیا، ہوا بند ہو گئی۔ میں نے اسے گھورتے
 ہوئے کہا۔

جتنا کچھ تم کر چکے ہو، ہیرا، میرے خیال میں وہ بہت
 زیادہ ہے اور اب تمہیں یہ سلسلہ ترک کر دینا چاہیے۔ اس
 نے خونخوار انداز میں منہ کھولا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا
 ہو گیا۔

ابے ادھیاں..... ادھیاں جی۔ زیادہ باتیں نہ بنا
 ہمارے سامنے۔ بڑا جہا تھا ہے تو، بڑا علم والا ہے۔ ہم نہ
 جہاں میں نہ علم والے، ہم تو مظلوم ہیں، انیائے ہوا ہے ہمارے
 ساتھ۔ یہ پانی یہ ہتھیارا ہمارے پورے خاندان کو ختم
 کر چکا ہے۔ ارے تیرا ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے میاں
 پنج میں مت آ ہمارے، جو سو گندہم نے کھائی ہے اسے
 پھوٹی کئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ پنج کا جھگڑا امت نکال
 میاں جی۔ پنج کا جھگڑا امت نکال۔

تم اس سے انتقام لے چکے ہو۔ تین بیٹے مار دیے
 ہیں۔ تم نے اس کے اور کیا کر دے گے، بس اتنا کافی ہے اور تم
 تو اس کے خاندان کے ایک فرد ہو، ہر نادق سے شادی
 ہوئی ہے تمہاری۔ کچھ بھی ہے یہ اپنا خاندان ہے تمہارا
 بس اتنا کافی ہے جو تم کر چکے، بس اس کے بعد تم اپنی
 کارروائیاں بند کر دو۔

ارے چارے جا۔ کارروائیاں بند کر دو۔ ہم اس
 کے خاندان کے ہیں۔ ایسا ہوتا ہے خاندان والوں کے
 ساتھ رہے، ہمیں بھی تو اس کے ساتھ اس سناں میں بیٹھا
 گیا ہے۔ کون نیچا ہے، کون اونچا ہے۔ چار پیسے لڑکے
 کو اتنا اونچا بنا دیتے ہیں کہ وہ نیچا دیکھ ہی نہیں سکتا

ہم اس کی بہن کو عزت دیتے ہم بھی عزت سے جی لیتے
پتہ میرا مت آسماں۔ پنج میں مت آور نہ اچھا نہیں ہوگا۔
اور اگر تم نے کوئی کارروائی کی تب بھی اچھا نہیں
ہوگا میرا۔

ٹھیک ہے پھر تو ہمیں جو کرنا ہے ہم کر رہے ہیں
اے۔ اس نے پھر باد ہاں کی جانب رخ کیا۔ کشتی کی رفتار
اب بھی بہت تیز تھی۔ اور اسے کوئی سنبھالنے والا نہیں
تھا چنانچہ خطرہ ملا نہیں تھا۔ اب میرے لیے ضروری تھا
کہ میں خود بھی اپنے آپ کو عمل میں لاؤں۔ میں نے ایک
ٹھنڈی آہ بھری اور باد ہاں کی جانب دیکھنے لگا۔ میرے
دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ یہ باد ہاں جل جائے اور دوسرے
لمبے باد ہاں سے ٹھنڈے ابھرے۔ باد ہاں کسی سوکھے ہوئے
کاغذ کی طرح جل اٹھا تھا اور اس میں ایک دم آگ بھڑک
اٹھی تھی۔ آگ بھڑکتے ہی باد ہاں کی ساری ہوائ نکل گئی اور
کشتی کی رفتار رست ہو گئی۔ میرا نے میری طرف دیکھا۔
اور پھر خوشخوار انداز میں آگے بڑھا۔ میں نے دونوں ہاتھ
آگے کر لیے اور آہستہ سے کہا۔ اب تم جل کر اٹھو جاؤ
گے میرا۔ آگے نہ بڑھنا ورنہ یہی آگ تمہیں اپنے پیٹ
میں لے لے گی۔ سوچ لو میرا۔ جو کچھ نقصان تمہیں
پہنچایا جا چکا ہے میں اس میں شریک نہیں ہونا چاہتا
لیکن اگر تم نے ان لوگوں کی زندگی خطرے میں ڈالی تو
مجبور آج بھی تمہارے ساتھ بدسلوکی کرنی پڑے گی ہاں
اگر تم نے اپنی شیطانی قوتوں کو میرے خلاف استعمال
کرنا چاہا ہو تو کرو، اگر ناکام ہو جاؤ تو میری بات مان لینا
اور مجھے جو اپنی کارروائی کے لیے مجبور مت کرنا۔۔۔۔۔
دھبے دیکھتا رہا اور پھر دفعۃً اس نے اپنے بیلے
ہوئے کالے ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔

سب مے کو مارتے ہیں سب مے کو مارتے ہیں
جو ظالم ہوتا ہے اس کے لیے کوئی کچھ نہیں کرتا، کوئی
کچھ نہیں کرتا۔

میرا جے تم سے ہمدردی ہے، جے پتہ تم سے
ہمدردی ہے جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا میں اسے اچھی
لگتا ہوں سے نہیں دیکھتا۔ لیکن، لیکن تم اپنی انتہائی کارروائی
کا پسلس ترک کر دو۔ تم اپنے آپ کو پرسکون کر دیرا،

جس دنیا سے تمہارا تعلق ختم ہو چکا ہے اب اس سے یہ
تعلق مت رکھو۔

تعلق ختم ہو چکا ہے چتا تک نہ ملی ہمیں، سارا پر یوار
جلادیا ہمارا، چتا تک نہ دی پاپیوں نے۔۔۔۔۔

میں نہیں چتا دلوا سکتا ہوں ہیرا، میں تمہیں چتا
دلوا سکتا ہوں مجھے یہ کام بنسی راج کو کرنا ہوگا۔ بنسی راج تم
اپنے باغ کی طرف جارہے ہو نا، پہلا کام تمہارا یہ ہوگا کہ
میرا کے لیے چتا بناؤ اس کی چتا جلاؤ بنسی راج نے ہاتھ جڑتے
ہوئے کہا۔

میں تیار ہوں ہمارا، بچے من سے تیار ہوں، جو کچھ
ہو چکا ہے مجھے اس کا بڑا دکھ ہے ہیرا، میرا دل کبھی
خوش نہ ہو سکے گا میری دبو سے میرے تین بچے مجھ سے
چھین گئے میں تیار ہوں میرا میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں
بنسی راج رو نے لگا۔ میرا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا
اس نے پتہ سنبھال لیے کشتی کا رخ تبدیل ہونے لگا۔
آہستہ آہستہ وہ دوسرے کنارے جا رہی تھی اس کے جھول
میں کپکپاہٹ تھی ایک بدروح کو اپنی آنکھوں سے دیکھ
رہے تھے۔ بنسی راج کی دھرم پتی تھر تھر کانپ رہی تھی
اور ان پر نیم خشی کی کیفیت طاری تھی۔ ہر نادانی جو کچھ دیر
پہلے ہنس رہی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے
اور اس کے رخساروں پر دو لکیریں چل رہی تھیں۔

کچھ عجیب سی کیفیت تھی شیطانی روح سے واسطہ
پڑ چکا تھا مگر یہ پہلا شیطان تھا جو مظلوم تھا۔ کشتی کنارے
جائے اصل جگہ سے دور نکل آئی تھی۔ بنسی راج کا سوتا
باغ دور رہ گیا تھا۔ ہیرا خشی پر کود گیا میری ہدایت پر
وہ لوگ بھی کسی نہ کسی طرح خشی پر اتر آئے بنسی راج کی
دھرم پتی سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ میں نے کہا۔ وعدہ پورا
کر دو بنسی راج۔

ہاں۔ ہاں میں تیار ہوں مگر یہاں۔۔۔۔۔ یہاں
میں کیا کروں باغ تک جانا ہوگا۔

چلو۔۔۔۔۔ میں نے کہا۔ اب گرتے پڑتے باغ
کی طرف چل پڑے۔ ہیرا چند گز تک ہمارے پیچھے چلا پھر
غائب ہو گیا میں نے ہی پلٹ کر دیکھا تھا اور مجھے اس
کے غائب ہونے کا علم ہوا تھا مگر میں نے کسی سے کچھ

کہا۔ باغ واقعی خوبصورت تھا۔ پنکھوں پنج ایک عمارت بنی ہوئی تھی جس میں باغ کا رکھوالا تجارتا تھا۔ تھانے حیرانی سے مالکوں کا استقبال کیا اس وقت بنسی راج کو میرا کے موجود نہ ہونے کا احساس ہوا تھا۔

”گیا۔؟“ اس نے پوچھا۔

”تمہیں اس سے غرض نہ ہونی چاہئے بنسی راج۔!“

”اب میں کیا کروں۔؟“

”چتا تیار کراؤ۔!“ بنسی نے گردن جھکادی ہرے

بھرے باغ کے ایک گوشے میں لکڑیاں ڈھیر کی جانے لگیں

ملازم۔ تھاکے ساتھ بنسی راج کے دونوں بیٹے اور خود

بنسی راج بھی مصروف ہو گئے تھے۔ موٹی اور پتلی لکڑیوں کے

انبار کا احاطہ بنا دیا گیا تھا۔ تب میری نگاہ اس درخت کے

چوڑے تنے کی طرف اٹھ گئی تھی۔ جس کے قریب وہ سب

بیٹھے تھے پوڑھا لاکھ، تین عورتیں ایک بچہ..... میں

نے بچے کی آواز سنی۔

”بچو..... اور سنی نہیں ہے۔“

”چپ ہو جاؤ۔ پانی کے ہاتھ سے چتا ہی مل جائے

تو کافی ہے۔“ عقب سے میرا بھی آکر بیٹھ گیا تھا۔ عورتیں

خاموش تھیں۔ کوئی اجنبی شخص تو اس منظر کو سمجھ بھی نہ پاتا

مگر جو شخص بھی ہوتا وہ ہوش و حواس میں نہیں رہ سکتا تھا

بنسی راج کی دھرم پتی کو اندر عمارت میں بھجوا دیا گیا تھا

پھر تھانے انہیں دیکھ لیا۔ اور ایک لمحے پہلے میں نے

جو سوچا تھا وہ سامنے آگیا۔ یقیناً تھانے کے بارے میں

جاننا ہو گا اس نے ایک دل خراش تیج ماری اور لمبی

لمبی چھلانگیں لگاتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا بنسی راج اور

اور اس کے بیٹوں نے بھی اب انہیں دیکھ لیا تھا اور

میری طرح کانپنے لگے تھے۔

”اپنا کام جاری رکھو بنسی راج وعدہ پورا نہ ہو سکا

تو میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ بنسی راج پہلے

سے زیادہ تیز رفتاری سے کام کرنے لگا تھا مگر اس

طرح کی دہشت سے ان کی بری حالت تھی۔ چتا تیار ہو گئی

لکڑیوں کا انبار جمع ہو گیا پنج میں جگہ تھی۔

چلو چاچا..... چلو ماسی چتا تیار ہو گئی۔ سب اندر

پلے جاؤ۔ میرا نے کہا اور درخت کے پیچھے بیٹھے اٹھ

گئے کچھ دیر کے بعد وہ لکڑیوں کے ڈھیر کے اندر پوشیدہ

ہو گئے۔ میرا نے ہر ناؤ کی کو دیکھا وہ پھرائی ہوئی۔ بیٹھی

اتھی۔ میرا نے آہستہ سے اسے آواز دی۔ ”ہرنا۔“

ہرنا۔! مگر ہرناؤتی نے اسے کوئی جواب نہیں دیا وہ اسی

طرح۔ بیٹھی رہی۔ تب میرا آہستہ سے پولا۔ چلتا ہوں ہرنا

دیر ہو رہی ہے پہلے ہی دیر ہو گئی تھی۔ مگر میں کیا کرتا

ٹھیک ہے بنسی راج۔ سوچا تو یہ تھا کہ جب تک میں

روتا رہوں گا مجھے رلاتا رہوں گا مگر..... میاں جی پنج

میں آگئے میاں جی۔ غش کو جیتنے جی سنسا میں کچھ ملے

یا نہ ملے مگر اس سے اس کی چتا بھی جھین لی جائے تو.....

تو..... اچھا چلتا ہوں ہرنا چلتا ہوں بنسی راج۔ یہ باغ

تیرے بیٹے پورن نے لگایا تھا نا۔؟

”ہاں..... بنسی راج نے کہا۔“

”اب یہ تیرا نہیں ہے ہمارا ہے ان سب کا ہے جو نہیں

ہاتھوں مارے گئے۔ اس کے ایک بیڑا اب کوئی پھل نہ

لگے گا، کوئی بیڑا نہ رہے گا سب سوکھ جائیں گے تو جب

بھی نیما سے گزرے گا اسے دیکھے گا اور مجھے اپنا کیا ہوا یاد

آجائے گا۔ دیکھ پتے سوکھنے لگے۔ شاخیں سلگنے لگیں۔

ساری آتماں میں پہنچ گئی ہیں۔ ہم سب یہاں رہیں گے منع

کر دینا انہوں کو کبھی ادھر سے نہ گزریں نہیں تھی میں سب

کچھ یاد آجائے گا۔ تیرے پر یوار کا کوئی ادھر سے گزرا تو

جیتا نہ جائے گا۔

وہ منظر میں نے بھی دیکھا درخت چوں سے خالی

ہوتے جا رہے تھے ان کی شاخیں ٹنڈ ٹنڈ ہونے لگی تھیں

لمحوں میں ایسا انوکھا اچھا کسی نے نہ دیکھا ہو گا ہرنا میرا

باغ مٹوں میں سوکھ گیا تھا یہ سب میری نگاہیں دیکھ رہی

تھیں میں ان ہولناک ناقابل یقین واقعات کا گواہ ہوں

میرا نے آخری نظر ہرناؤتی پر ڈالی اور پھر چتا کی طرف

بڑھ گئی۔

”اپنا کام کرو بنسی راج..... اپنا کام کرو۔“ بنسی راج

کپکپاتے قدموں سے آگے بڑھا جیب سے ماچس نکالی

اور سوکھی لکڑیوں میں آگ لگا دی۔ آہستہ آہستہ آگ بھڑکنے

لگی۔ اور پھر لکڑیوں کا ڈھیر جہنم بن گیا۔ شعلے آسمان سے باتیں

کرنے لگے۔

ایکم: رائے راحت کے ناول

۲۵/-	چار حصے مکمل قیمت فی حصہ	۲۵/-
۳۵/-	نرواں کی تلاش تین	۳۵/-
۲۵/-	باقی ۲ حصے مکمل	۲۵/-
۳۵/-	طوفان دو	۳۵/-
۲۵/-	ایر ہوٹل	۲۵/-
۲۵/-	سلاو	۲۵/-
۴۰/-	جیل کوٹھی مکمل	۴۰/-
۱۲۰/-	بہر و پیہ مکمل	۱۲۰/-
۲۵/-	آتش گہر	۲۵/-
۳۵/-	سلاسیہ	۳۵/-
۲۵/-	فی تکا	۲۵/-
۳۰/-	تمرازہ	۳۰/-
۲۵/-	تشنہ تن	۲۵/-

بچے بچ گئے۔ ہمارا راج، ہمارا راج آپ نے، آپ نے ہمارا راج۔
میرے بچوں کو بچا لیا۔ وہ میرے پیروں پر گرنے لگا تو میں
تیپھے ہٹ گیا۔
"نہیں بنسی راج، میرے دین میں یہ حرام ہے۔ ایسا
نہ کرو۔"

"آپ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے ہمارا راج۔ بہت بڑا
احسان کیا ہے۔"
"میں نے کچھ نہیں کیا۔ جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے وہ
کسی کو ذریعہ بنا دیتا ہے میں ذریعہ بنا نہیں تھا۔ میرے
گناہوں کی سزا ملنی تھی۔ میں نہیں بتا چکا ہوں تمہارے جتنے
بچے دنیا سے چلے گئے انہیں اسی عمر میں جانا تھا ایسے نہ ہوتا
تو کچھ اور ہوتا۔ مگر یہ تمہارے لیے سزا تھی ہو سکے تو انسانوں
سے محبت کرنا سیکھو بنسی راج، اسی میں نجات ہے۔"

"میں اپنے پاپوں کا پرانٹھت کر دوں گا ہمارا راج چلے
واپس چلیں جو ہوا بہت ہو گیا۔ چلے ہمارا راج۔"
"تمہارا کام ہو گیا۔ چلے بنسی راج۔ اب تم کشی میں بیٹھ کر

"چلو ونود... چلو راجیش اپنی ماما جی کو سنبھالو ہیں
یہاں سے ہمارا راج ہرنا اٹھو بیٹی۔!"
"میں... میں کہاں جاؤں گی بھیا جی یہ میرا سسرال
ہے جیکے میں بہت رمل اب تو سسرال میں رہنے دو نا بھیا
جی کوئی رکھیل نہیں تھی میں میرا کی بچی ہوں اس کی پھرے
کے تھے میں نے بدائی تو نہ کی تمہنے سستی بھی نہ ہونے
دو گے کیا ارے واہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔"
"ہرنا... ہرنا... تو... نہیں نہیں۔ نہیں میری
بیٹی۔!"

"جاؤ جاؤ بھیا ماما پتا ہوتے تو وہ نہ کرتے جو تمہنے
کیا وہ جہیز میں آگ نہ دیتے بھیا ہونہ اس نے کہا اور
چتا کی طرف بڑھ گئی۔"

"ارے... ارے ونود... راجیش پکڑو۔ پکڑو
ارے... ارے... ارے... بنسی راج چیتا...!
بنسی راج کے دونوں بیٹے ہرنا دتی کی طرف لپکے مگر وہ
دوڑتی ہوئی آگ کے حصار میں داخل ہو گئی۔ شعلوں کے
خونناک پیش اتنے فاصلے سے جلائے دے رہی تھی
ایسی ہوناک آگ میں کسی کے داخل ہو جانے کا تصور
بھی نہیں کیا جاسکتا تھا مگر میں نے یہ منظر بھی دیکھا اور یہ بھی
ایسا مہلہ تھا کہ میں خود بھی کچھ نہیں کر سکا۔ انسانی گوشت کے
جھلنے کی چراند اٹھی اور سردوم ہو گئی۔ بھڑکنی آگ آن کی آن
میں ہرنا دتی کو چٹ کر گئی۔"

راجیش اور ونود دیکھتے رہ گئے تھے۔ پھر شعلوں کی
پیش سے گھبرا کر تیپھے ہٹ آئے۔ بنسی راج بلک بلک کر رو رہا
تھا۔ ہرنا تھی ہو گئی میری ہرنا تھی ہو گئی ہائے رام میری چھوٹی سی
بھول نے مجھے کتنوں سے دور کر دیا۔ دوش میرا نہیں تھا
یہ اونچ نیچ کا فرق مجھے سکھایا گیا تھا۔ بھگوان کے بتائے سارے
ایک جیسے ہوتے ہیں۔ یہ ہم ایک پاپی ہیں جوان میں فرق کر دیتے
میں میری بہن جل مری ہمارا راج، میری بہن جل مری۔ دھدھوتا
رہا میں خاموش کھڑا تھا پھر اسے جیسے کچھ خیال آیا اس نے
آکھیں پھاڑ پھاڑ کر راجیش اور ونود کو دیکھا تھا، انہیں آواز
دی۔ دونوں قریب پہنچے تو اس نے لپک کر انہیں اپنے سینے
سے پیچ لیا۔ تم بچ گئے۔ سن رہی ہے تو ہمارے راجیش
اور ونود بچ گئے۔ ہماری کشم اور شر دھانچ گئیں۔ ہمارے چار

واپس جاؤ۔ میری منزل ہیں اور ہے۔

”نہیں، نہیں ہمارا راج۔ اب تو میرے باغ میں پھل کھلے ہیں۔ ہم آپ کی سیوا کریں گے۔ ایسے جلنے دیں گے آپ کو ہمارا راج۔“

”نہیں، ہنسی راج بس اب تم جاؤ۔“ میں نے کہا وہ بہت کچھ کہتا رہا مگر میں تیار نہیں ہوا۔ معصوم لوگوں کی آبادی تھی یہ واقعہ مشہور ہو گیا لوگ اپنے اپنے مسائل لے کر دوڑ پڑیں گے پوچھا تو دروغ کر دیں گے میری پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا اور یہ سب کچھ مناسب نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے جی راج کو راضی کر سکا تھا۔

”میں ہے کچھ بھی نہ ہو گے ہمارا راج، وہ بولا۔“

”جو کچھ مجھے دینا چاہتے ہو خاموشی سے مولوی حمید اللہ کو دے دینا ان کی دو جوان بیٹیاں ہیں۔ غریب اور مظلوم انسان ہیں ان کی بیٹیوں کی شادی کا بوجھ بانٹ لینا۔ کچھ مجھے سب کچھ مل جائے گا۔“

”بھگوان کی سوگند۔ آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔ اپنے ہاتھوں سے ان کا بیاہ کر دوں گا۔ سارا خرچہ اٹھاؤں گا ان کا۔“ انہیں میرا سلام کہہ دینا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ جو کچھ ہوا سنا خوب ہوا تھا۔ بہت سے مناظر حیران کن تھے۔ اچانک میرا سہرا باغ سوکھ گیا تھا کسی درخت پر ایک پتہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ مظلوم ریحوں کا انتقام تھا۔ جلنے پر راستہ کس طرف جاتا ہے کچھ پوچھا نہیں تھا۔ ہنسی راج سے مگر کیا فرق پڑتا ہے۔ زمین کی دستوں میں کسی بھی جگہ چلا جاؤں۔ مجھے جانا ہی کہاں ہے۔ حلق میں ایک گولا سا اچھسا کچھ یادیں ذہن میں سرسراہیں۔ مگر مجھے اجتناب کرنا تھا ہدایت نہیں ملی تھی۔ اور خود سوچنا بھی گناہ تھا۔ جلدی جلدی وہاں سے دوڑ نکل آیا۔ جب تک چل سکتا تھا چلتا رہا۔ تنک گیا تو بیٹھ گیا۔ سبک لگ رہی تھی مگر اس پاس کچھ نہیں تھا ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا۔ عشاء کی نماز پڑھی اور پھر لیٹ گیا۔ فضا میں خنک سی پھیل گئی تھی جو بڑھتی گئی۔ کبیل کھول کر ادا رہا۔ آنکھیں بند کر لیں کچھ غنودگی سی طاری ہو گئی۔ اسے میند نہیں کہا جاسکتا تھا جانا پہچانا سامان نظر آیا۔ نور کو نے لگا کون سی جگہ ہے۔ یاد آگیا یہ وہ جگہ تھی جہاں مجھے بچا گیا تھا اور جہاں میں نے ہادی کو ملی کی طرح انسانی گوشت چباتے

دیکھا تھا۔

بالکل وہی جگہ تھی۔ یہاں بھی کالی کا ایک عظیم مجسمہ اب تادم تھا۔ پھر میں نے ہادی کو دیکھا۔ نیم برہنہ تھی پر پرجلیوں کی طرح کوئندہ تھے ہیروں کا تاج تھا ایک سمت سادہ صوفیانا تھا۔ دوسری طرف کالی داس۔ بڑی شان سے چلتی ہوئی کالی کے مجسمے کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے پیچھے ہیروں کا مجمع تھا۔ پورے ہیروں کے برہنہ تھے۔ کالی کے مجسمے کے قدموں کے پاس کوئی گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا جانے کون تھا مگر گھٹنوں میں ہونے کی وجہ سے چہرہ نہیں نظر آ رہا تھا۔ پھر میرے رک گئے کالی داس اور سمجھو بھی رک گئے۔ ہادی آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور کالی کے ہیروں کے پاس بیٹھے شخص کے سامنے پہنچ گئی۔ عجیب سا کھیل ہو رہا تھا۔ ہادی اسے دیکھ رہی تھی پھر اس کے عقب میں جا کر ڈی ہوئی اس نے مجسمے کے قدموں کو چھو کر ہاتھ مانتے سے لگائے اور پھر کالی کے ہاتھ میں دبا ہوا خنجر اپنے ہاتھ میں منتقل کر لیا۔ مگر اس وقت یہ چیخنے لگے۔ اس عظیم الشان غار کے بنی گوشتے سے نارنجی رنگ کا ایک غبار اندر داخل ہو رہا تھا جو پیاری غار کے ایک سوراخ سے نکل رہا تھا۔ ہر پیچھے ہٹنے لگے اور بہت پیچھے پہنچ گئے ہادی بھی رک کر دیکھنے لگی تھی۔ نارنجی غبار ایک انسانی جسم کی شکل اختیار کرنے لگا اور پھر اس سے جو انسان تشکیل ہوا وہ بھی میرا جانا پہچانا تھا۔ یہ بھوریا چرن تھا نارنجی رنگ کا جو گیا لبادہ اوڑھے ہوئے سر پر کوئی چارنٹ اور نچا تاج پہنے ہوئے گھٹن میں انسانی کھوپڑیوں کی مالا پڑی ہوئی۔ چہرے پر غصے کے آثار تھے۔

”جے شنکھا، ہادی نے خنجر نیچے جھکاتے ہوئے کہا۔“ لنگڑی پورنی۔ بھوریا چرن نے زہریلے لمبے میں کہا اور ہادی کے چہرے کا رنگ بدلتے لگا۔ اس نے بھوریا چرن کو گھورتے ہوئے کہا۔

”کالی کنڈ میں شنکھا کو عزت دی جا رہی ہے مگر شنکھا کو بھی کالی نو اس کے آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔“

”کالی چندولی اپنی سرحدوں کا خود خیال نہیں کر رہی بہت آگے بڑھ رہی ہے۔“

”کوئی بھول ہوئی مجھ سے؟“

”بھول ہی بھول۔ تو نے شنکھا کی میٹھ میں خنجر مارے ہیں۔“

کیسے؟
 کئی طرح سے۔ نہ کہنی تیرا بیڑہ کیسا ہے؟

پورنی ہوں۔
 شرم نہیں آتی تھے، تو نے پورن پاٹھ کیا ہے۔
 شکشا تو بڑا ہے تیری شکستہاں ہے۔ ہم تیسرا
 مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مگر ہمیں ہماری بھول بتا۔
 چھ پورنیاں تیری ہیں۔ ساتویں کہاں ہے۔
 تو جانتا ہے؟

ہاں میں جانتا ہوں۔ میں نے یہ پورنیاں ایک مسلمان
 کو دان دی تھیں۔ میرا اس کا پرانا معاذ تھا۔ میں اس کا دم
 بھرشت کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے دم کا بیوک ہے میں نے
 اس کا خون بدل کر اسے پورنا بنایا اور تو نے وہ خون پوڑ کر
 اسے پھر سے پوڑ کر دیا۔

تو اسے لے گیا تھا شکشا مجھے یاد ہے۔
 کچھ نہ بگاڑ سکا اس کام میں۔ تیری وجہ سے اس کی پوڑ تلاء
 واپس مل گئی۔

کیا وہ بہت بڑا گیانی ہے۔
 تھا نہیں۔ تیری وجہ سے بن گیا ہے۔ ایک پورنی اس
 نے خود مار دی چھ اور مارنا چاہتا تھا مگر برسوں لگ جاتے اسے
 تو نے اس کا برسوں کا کام لمحوں میں کر دیا اور اسے اپنے
 دم کی شکستہ مل گئی۔

شکشا سے بڑی شکستہ؟
 وہ تو مجھے پتہ چل جائے گا۔
 مجھے جو پتہ چلے گا وہ میں دیکھ لوں گی شکشا۔ مگر تیرے میرے
 پنج کوئی بات نہ ہو تو اچھا ہے۔
 کالی کنڈ میں جیون بتا دے گی کیا۔ باہر نہ آئے گی اس
 سے۔ شکشا سے مقابلہ کرے گی۔

بھول کر بھی نہیں سوچ سکتی مگر تو میرا اپنا کر رہا ہے
 میرے برائے اچھا نہیں سمجھ رہے۔ ہمدانی نے کہا۔

نہرے میرے۔ میرے بیروں کو دیکھنا ہے۔ نہیں دیکھا
 تو دیکھ لے۔ بھوریا چرن نے پہلے کپڑے کی ایک بھولی میں
 ہاتھ ڈال کر ماسٹس کی مٹی بھر ڈال نکالی اور اسے زمین
 پر دے مارا۔ ہمدانی نے زمین پر بکھرے ہوئے دال کے
 دانوں کو دیکھا جو بھولتے جا رہے تھے اور پھر ہمدانی سے

اطمینان

ایک دوست اپنے دوست کی موت کی خبر اس
 کی بیوی کو دینے کے لیے گیا وہ بے حد گھبرا ہوا تھا
 کہ اس کی بیوی اپنے شوہر کی موت کی خبر سن کر بے
 حد رونے لگی لیکن جب اس نے بتایا کہ اس کے شوہر
 کا ایکسڈنٹ میں اسٹل ہو گیا ہے تو اس نے بے
 ساختہ کہا۔

کم از کم مجھے یہ توہت ملے گا کہ آج کی رات
 وہ کھانا ہوگا۔

العام یافتہ: شفیق احمد۔ کمالیہ

پہلے رنگ کی ایک کڑی نکل آئی۔ پہلے وہ ننھی سی ہوتی پھر
 ایک دم بڑی ہونے لگتی یہاں تک کہ چھالی کے دلنے برابر
 ہو جاتی۔ دانے دو دو تک بکھر گئے تھے اور اسی مناسبت سے
 کڑیاں اس علاقے میں پھیل گئی تھیں۔ سب سے پہلے شنبو
 اور کالی داس۔ اپیل اچھل کر اونچی بگھوں پر چڑھ گئے۔

ہمدانی کے چہرے پر غیب سے آثار نظر آرہے تھے
 بھوریا چرن نے اور دال نکالی اور پہلے کے۔ سے انداز میں زمین
 پر پھینک دیا۔ کڑیوں کا پورا کھیت اگ گیا بڑی کڑیوں
 نے وہاں موجود ہر چیز جیٹا شروع کر دی تھی۔ پورنیوں کے
 بیر بدحواس ہونے لگے تھے وہ بے چینی سے ادم ادم
 دوڑنے لگے کڑیاں ان پر بھی چڑھنے لگیں اور وہ ناج ناج کر
 انہیں جھاڑنے لگے ادم بکھری ہوئی کڑیوں نے وہاں
 صفایا شروع کر دیا تھا۔ دندہ بھوننا تھ چسپنا۔

شمار کر دے شکشا۔ شمار کر دے دمن پوریا۔ تجھے دیوی کی
 سوگند۔ تجھے پانچک دیوتا کا واسطہ، شمار کر دے ہمدانی خٹما لگ
 نے شکشا سے، ہم اس سے آگے کچھ نہ کر سکیں گے۔

میں نے کب ایسی بات کہی سمجھنا تھ جی شکشا جہان ہے
 اسے کون مانتا۔

خٹما لگ نے شکشا سے، جے جگد ہے، جے ہمدانی۔ شمار کر دے
 شکشا شمار کر دے۔ شنبو چسپنا!

شمار کر دے بڑا، تیرے میری مان ہیں۔ ہمدانی نے کہا

اور بھوریا چرن اسے گھورنے لگا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ
سیدھے کر کے ادم ادم کر کے اور کڑیاں غائب ہو گئیں۔
”نیرے برترے ایمان کو اچھا نہیں بھڑے تھے تو
کچھ کر کیوں نہ سکے ہادوقی بھوریا چرن نے کہا۔

”شکھا کر دے۔ جو جانتا ہے وہی جانتا ہے۔
ہادوقی نے کہا۔

”بڑا گھنڈ ہو گیا ہے مجھے۔

”شکھا کے سامنے نہیں۔ ہاں شکھا کے بل پر ہو سکتا ہے۔
ہادوقی نے اچانک چولا بدل لیا۔ وہ دلکش انداز میں مکھانے
لگی۔ مکھاڑ شکھا ہنسنے لگا۔ اس نے تمبھو اور کالی داس کو
دیکھا اور بولا۔

”سہری کچھندی ہے نری۔ ایک دم کچھندی۔ چار منتر
سیکھ لے کالی کھان بن گئی اسے سمجھا کالی سنت دے کالی منتھال
ہے اس کے انت پاتال سے گھرے ہیں یہ چار منتر کالی کھان
نہیں بنا دیتے جیون بھر کالی پانٹھ کرے گی تھوڑا رہے گا۔
پگلی چندولی تریا چر تر دکھا رہی ہے شکھا کو ہسکا کر بھار ہی
ہے اسے جسے سات اپسرائیں دان کر دیں۔ ایک انجانے کو۔
وہ اپسرائیں جو ہاراج اندر کی سبھا میں ستاروں کی طرح
جگمگاتی ہیں ہونہر لنگڑی پورنی۔

”شکھا جہان ہے ہادوقی سنہیل کر بولی۔

”تو نے اس مسئلے کو اس کی دھرم سکتی دے دی جو ہم نے
بڑی مشکل سے چھینی تھی اور اب وہ گیلی بن گیا ہے۔ اس
کے ہاتھوں ہماری ہیر کو جو نقصان پہنچے گا اس کا ذکر کون لے
گا۔

”مجھے پتہ نہیں تھا ہمارا۔ کیا وہ ایسا کر سکتا ہے۔

”لال تنیکا کا ماگہ مار دیا اس نے، ایک کرودھی پر یوار کو
بھسم کر دیا۔ اگنی میں مجبور کر دیا اس نے انہیں، ورنہ وہ سنسار میں
خوب کام کرتے، یہ سب تیری وجہ سے ہوا۔

”تم اسے کتوں کی طرح گھسیٹتے رہ گئے تھے، ہمارا ج مار
کیوں نہ دیا تم نے اسے؟

”تو مار دینا چندولی۔ اسے گاؤہ تیرے پاس بھولے گا
نہیں مجھے بھوریا چرن طنزیہ لہجے میں بولا۔ پھر کال کے قدموں
میں بیٹھے نوجوان سے بولا۔ تیرا کیا خیال ہے اسے چھوڑا۔
ہوشش ٹھکانے لگے نیرے۔ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ شخص جو گھنٹوں

میں سر دیے بیٹھا تھا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ متوحش نظروں سے
ادھر ادھر دیکھتا رہتا پھر اس کے چہرے پر دھت ابرائی
”میں کہاں ہوں؟ اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”ابھی تو اسی سنسار میں ہے۔ ہم کچھ دیر اکتے تو چندولی
کے پیٹ میں ہوتا۔ اب کیا کہتا ہے؟

”یہ سب کیلے۔ اور ہادوقی ہمارا فی ہادوقی۔
رائی جی۔

”اسے، اسے کیوں جگکا دیا ہمارا ج۔ یہ کالی دان ہے۔
میں اسے کالی کو بھینٹ دے رہی ہوں۔ ہادوقی نے بے چینی
سے کہا۔

”تیرا ستیا ناس ہو۔ سارے کام وہ کر رہی ہے جو
میرے نقصان کے ہوں۔

”بکھی نہیں ہمارا ج؟ اسے کالی بھینٹ دینے دو، یہ میرے
کام کا ہے۔ ہادوقی بولی۔

”مجھ سے پہلے یہ میرے کام کا ہے، ابھی۔ یہ اماؤس کی رات
پیدا ہوا ہے اور پائل ہے۔

”یہی میرے شکٹ کو دور کر سکتا ہے، میں نے اسے بڑی
مشکل سے پایا ہے ہمارا ج۔ ہادوقی عاجزی سے بولی

”کچھندی ہے نری کچھندی حرام خور۔ اری باؤلی میرے
پاس سے بھاگا ہوا ہے اور یہ چھپتا پھردا ہے کینہ کیس کا۔

جانتی ہے وہ لڑکا جو ایک بے کار لڑکا تھا اور میں نے اسے
اس کی مرضی سے ہیر بھاگن کے مزار پر بھجنا چاہا اور وہ دنگیا

اس وقت سے میرا شکار ہے، مگر میری ضد نے اسے گیانی
بنا دیا، وہی لڑکا جو تیرے پاس سے میں نے گیا تھا۔ اگر سسرا

مجھے ہیر بھگنواد وار اپنچا دیتا تو کھنڈول بن گیا تھا میں، ستر کے
ستر ہویں گیان کو جانتی ہے نام بھی نہ سنا ہوگا تو نے تو

چندولی۔ ہم پابند ہوتے ہیں شکھا کی حد سے نکل کر کھنڈول
پھننے کے لیے، ستر کے ستر ہویں پانٹھ کے اور اس میں پلا آدی

ہی ہوتا ہے اگر اس کے بعد کام نہ ہو تو شکھا سکتی بھی چلی
جاتی ہے۔ بڑا بچھا کیا ہم نے اس سسرے کا اور ہماری

ہی اجم سے وہ اپنا دھرم گیانی بن گیا، بڑی مشکل سے ہم نے
اس کا توڑ نکالا اور یہ چھوکر وائلا شش کیا، جو اماؤس کا پائل ہے

مگر یہ مسلمان چھوکرے، پتہ نہیں ان کے کان میں کیا بھر دیا جاتا
ہے کبھی کام کے نہیں نکلتے، یہ بھاگ آیا اور چھپتا چھپتا تیرے

ہاں پہنچ گیا۔ مگر سسر اکاش سے گرا کھجور میں اٹکا تیرے
 ہی پاس مرناسا سے تلاش کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں
 جو کچھ تجھے بتایا ہے ہم نے کان کھول کر سن سے وہ سسر
 تیرے ہاتھ لگے تو جس طرح بھی ہو سکے اس سے اس کا گیان
 جھین لینا اس میں تیری نجات ہے آئے گا وہ تیرے پاس
 ضرور آئے گا۔ میں اسے لے جا رہا ہوں یہ میرے کام کا ہے
 جہاں تو سخت بے چین نظر آنے لگی اس نے غوٹی لگا ہوں
 سے اپنے بیروں کو دیکھا، پھر بے بسی سے شہسو اور کالی داس
 کو۔ سب نے گردنیں جھکا لی تھیں۔

بے میں نوجوان جس کی عمر اسی سال سے زیادہ نہ
 ہوگی، ابھی ہوئی نظروں سے اس سارے ماحول کو دیکھ رہا
 تھا جب بھوریا نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ دہشت زدہ لہجے میں
 بولا۔

”نہیں۔ نہیں میں نہیں جاؤں گا۔ نہیں جاؤں گا اس
 نصیحت روح کے ساتھ“

”بھوریا چرن نے اس کے بازو کو ایک زوردار جھٹکا دیا
 گینڈر کی اولاد، بھاگ کر شہر ہی میں آیا نا، اتنی جلدی مرنے
 کی کچھ سوچے ہے ہم نہ کہتے تو اس نے جگر تو اٹھا ہی لیا
 تھا گردن کاٹ کر بل دیتی تیری اور اس کے بعد اس کا جاتی۔
 گیا تھا بیٹا اس سنا سے اری او چند دلی۔ ہم جھوٹ بولے
 میں کیا۔“

جہاں ہادی تند نگاہوں سے بھوریا چرن کو دیکھ رہی تھی نوجوان
 لڑکا ہنسے ہنسے انداز میں بھوریا چرن کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور
 اس کے بعد اچانک ہی جیسے آنکھ کھل گئی میں نے آہستہ سے
 کیل چہرے سے ہٹایا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑا دم دم دیکھنے لگا
 وہی ماحول تھا، وہی جگہ تھی جہاں میں شک کر آرام کرنے
 ایٹ گیا تھا، آسمان پر بادلوں پر کڑے گردش کر رہے تھے
 اور تاریک رات تاحد انظر پہیلی ہوئی تھی، دل پر ایک عجیب سی
 بے چینی طاری تھی۔ سوچ کی دستیں بڑھ گئیں مجھے میری دوسری
 منزل کا احساس دلایا گیا تھا مجھے میرے آئندہ قدم کے
 نشاندہی کی گئی تھی وہ سب مختلف انداز سے میرے کانوں
 تک پہنچا تھا جو مجھے سوچنا چاہیے تھا۔ ایک منصب عطا کیا
 گیا تھا، مجھے ایک ذمہ داری دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ اپنی
 زندگی کو کس انداز سے آگے بڑھانا ہے جو قوتیں عطا کی

گئی ہیں انہیں کہاں استعمال کرنا ہے، کون کون سے فرائض
 پورے کرنے ہیں، نجانے کیوں راجہ چندر سجان کو بھول
 گیا تھا، نجانے کیوں جہاوتی کے باغ میں جگہ جگہ نصب وہ
 بے شمار عبتے ذہن سے جو ہو گئے تھے جو جہاوتی کے کالے
 جادو کا شکار تھے۔ ان سب کی مدد تو مجھ پر فرض تھی اور مجھے
 خود ہی ان کے بارے میں سوچنا چاہئے تھا۔ ساری ممکنہ دور
 ہو گئی یا دور نہ ہوئی تھی تو فرض کے احساس نے چستی عطا
 کر دی تھی۔ رکتا نہیں چاہئے تھا۔ بلکہ فرض کی اطاعتی کے لیے
 چلتے رہنا ضروری ہے، کچھ سوچے سمجھے بغیر، کوئی تعین کئے بغیر
 اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھ گیا، انسانی آبادیوں کی تلاش
 تھی رہنمائی کے لیے کوئی ذی روح درکار تھا اور اب اس
 وقت تک نہ رکتا تھا جب تک نشان منزل نہ مل جائے، آسمان
 پر تیرتے ہوئے کالے بادلوں کے کڑے آپس میں جڑ گئے اور
 گھٹا ٹوپ تاریکیاں چھا گئیں۔ پھر کچھ ننھی ننھی بوندوں نے پشانی
 آنکھ اور ناک پر اپنی موجودگی کا احساس دلا کر خوف زدہ کرنا
 چاہا لیکن جو احسان کیا گیا تھا مجھ پر اس کا فرض ہی تھا کہ سب کچھ
 بھول جاؤں، چلتا رہوں، بارشیں شروع ہو گئی، تیز ہوا کے
 ساتھ آتی تھی اور موسم بہت سرد ہو گیا تھا۔ ہوا کے ٹھیرے بھیگے
 بدن میں سونامی گر رہے تھے مگر وہ بدن کسی اور کا تھا میرا کیا تھا
 جو میں سوچتا میرا بدن تو اس جگہ کے بارے میں سوچ رہا تھا
 جہاں جہاوتی رہتی تھی سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ چندر سجان وہ بولتے
 جیسے جو مظلومیت کا نشان تھے، انہیں اس جادوگر نے سے
 نجات دلانی تھی۔ وہ عورت کالے جادو کی لٹیا غلیظ روحوں
 کی ملکہ کالی دیوی کی بہارن تھی اور اپنے جادو کی قوتیں بڑھانا
 چاہتی تھی۔ جو زیبا جیل ٹھون نے جو ناپاک خون میرے ہم میں
 داخل کر دیا تھا، جہاوتی کے ذریعے مجھے اس سے نجات مل گئی
 تھی۔ پورنیاں اس کے قبضے میں چلی گئی تھیں۔ میں آنا دہو گیا
 تھا۔ صبح محزون میں اب بھوریا چرن کے زوال کا آغاز ہو گیا تھا
 مگر وہ نوجوان لڑکا کون تھا؟ جسے وہ عورت پکڑ لائی تھی۔ اور
 بھوریا چرن جسے اپنے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ آہ کیا وہ لڑکا
 مسلمان ہے۔ کیا اب اس کے ذریعہ وہ پیر بھاگن کے مزار
 مقدس کو ناپاک کرنا چاہتا ہے۔ نہیں، یہ نہیں ہونا چاہیے۔
 ایسا نہیں ہوگا کسی قیمت پر نہیں ہوگا۔ دیکھو کالجھے....
 بھوریا چرن! میرے دانت پہنچ گئے۔

آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔ کسی نے مجھے مخاطب کیا اور
 میں چونک پڑا۔ میں نے اسے دیکھا اور حیرانی سے چاروں
 طرف آبادی تھی پوری آبادی تھی بڑے بڑے مکانات
 نظر آ رہے تھے، دن نکل چکا تھا، بجانے کی رات ختم ہوئی
 بجانے کی بارش بند ہوئی۔ کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔
 "انہیں سہائی۔ میں نے کچھ نہیں کہا۔ میں بولا، وہ شخص عجیب
 سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔ کچھ کہا تھا آپ نے۔"
 "خود سے باتیں کر رہا تھا۔"
 "آپ کے کپڑے بری طرح بھیگے ہوئے ہیں، کہیں
 پانی میں گر پڑے تھے۔؟"
 "ایسا..... یہاں بارش نہیں ہوئی۔"
 "بارش! اس موسم میں..... یہ بارشوں کا موسم کہاں ہے۔"
 "این..... ہاں..... شاید میں نے کھوئے ہوئے لیے
 میں کہا۔ مجھے واقعی کوئی اندازہ نہیں تھا لیکن بارش ہوئی تھی
 میرے بھیگے ہوئے کپڑے اس کا ثبوت تھے۔ اس شخص کے
 چہرے پر ایسے آثار نظر آئے جیسے وہ مجھے خطا الخواس بھی
 رہا ہو۔ وہ حملے لگا تو میں نے اسے روک کر کہا: "سنو سہائی
 یہ کون سا شہر ہے جاکتے ہو۔؟"
 "پردن پور ہے اس کا نام۔"
 "جھنڈا یہاں کتنی دور ہے؟"
 "ہمیں نہیں معلوم۔ اس نے جواب دیا اور وہاں سے آگے
 بڑھ گیا۔ مجھے پریشانی نہیں تھی پہل ہی جائے گا۔ دیر تک آبادی
 میں چلتا رہا کپڑے بدن پر ہی سوکھ گئے تھے۔ ایک مسافر
 نان بائی کا دکان نظر آئی تو اس میں داخل ہو گیا تا وقت پہنچا تھا
 اس لیے گاہک نہیں تھے۔ نان بائی سے کھانا طلب کیا تو اس نے
 گردن ہلا دی۔
 "کتنی روٹیاں لگا دوں میاں صاحب؟"
 "دو کافی ہوں گی۔ میں نے کہا۔ نان بائی نے پہلے تندور
 میں دو روٹیاں پکائیں پھر سالن وغیرہ نکال کر دے دیا یہاں
 جھنڈا یہاں کتنی دور ہے؟"
 "کوئی سڑک کس دور ہوگا میاں صاحب۔ کیوں پوچھ
 رہے ہو۔"
 "جانا ہے وہاں۔"
 "کب جا رہے ہو۔"

"بس جلدی۔ ہو سکتا ہے آج ہی چلا جاؤں۔"
 "پردن پور میں ہی رہتے ہو۔؟"
 "نہیں باہر سے آیا ہوں۔"
 "میاں صاحب میرا ایک رقم لے جاؤ گے وہاں میری
 بیٹی وہیں بیاہی ہے اس کے میاں کو دے دینا۔"
 "آپ دے دیجئے، دے دوں گا۔"
 "تم روٹی کھاؤ، لٹریا سے کھدو ذرا لکھ دے گی۔ تم ہاتھ
 کے ہاتھ دے دو گے ڈاک سے کئی دن لگ جاتے ہیں۔
 نان بائی اندر چلا گیا اور دو منٹ کے بعد واپس آ گیا اب وہ
 بڑی خوش اخلاق سے پیش آ رہا تھا اپنے خاندانی معاملات بتاتا
 رہا کہنے لگا: "میرا بڑا سہائی شردے سے وہیں رہتا ہے اس
 کے لونڈے سے بیاہ ہوا ہے میری بیٹی کا۔"
 "آپ بھی جاتے رہتے ہوں گے وہاں تو۔؟"
 "لوگمر آگن ہے ہمارا تو۔ دو چار مہینے میں پھر لگ جاتا
 ہے۔ وہ ہنس کر بولا۔"
 "راجہ چندر سہان ہوتے تھے وہاں۔"
 "ہاں رہتے تھے۔ میاں ان راجوں ہمارا جوں کی کیا پوچھو۔
 بس عیاشیوں میں سب کچھ کھو بیٹھ۔ چندر سہان نے توحہ ہی
 کر دی۔ ایک ڈائن گھر میں ڈال لی ہے۔ بڑی کہانیاں سن ہیں
 اس کی تو۔ سارا جھنڈا خوف سے کانپ رہا ہے ان کے نام سے
 نان بائی بہت سے انکشاف کرتا رہا پھر اس نے مجھے رقم دے دیا
 کھانے کے پیسے اس نے بڑی مشکل سے لیے مکمل رہائی ہو گئی
 مجھ۔ پردن پور سے ریل میں بیٹھا اور جھنڈا پہنچ گیا۔ ہمدانی
 کا شہر آ گیا۔ نان بائی کا گھر تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ علامتی
 ٹھکانہ درکار تھا جو ان پر اخلاق لوگوں کے پاس مل گیا بس
 ایک خط لایا تھا مگر اتنی جہان نوازی کی انہوں نے کٹر منہ ہو گیا
 رات انہیں کے یہاں گزاری۔ اور پھر رات کو حسب ہدایت
 درود شریف پڑھ کر کبسل اوڑھ لیا۔ ہمدانی کا عمل دیکھا۔ ہمدانی
 کے عجوبوں کو دیکھا۔ ہمدانی عمل میں نہیں نظر آئی کالی و اس
 موجود تھا۔ عمل پر خاموشی طاری تھی اس جگہ پر غور کیا جہاں ہمدانی
 نے کالی نواس بن کر کھا تھا۔ مگر اس کا پتہ نہیں چل سکا البتہ
 ذہن نے کہا۔ ہر کام ہل نہیں ہوتا جسے تیرا اور عمل قائم نہ رہے
 تو وجود ناکارہ ہو جاتا ہے عمل لازم ہے۔ جماب ملتا تھا
 گرہ باندھ لیا اور اس کے بعد عمل کے بارے میں سوچنے لگا۔

آغاز محل ہی سے کرنا تھا۔ دوسرے دن حلیہ درست کیا اور
میزبانوں سے اجازت لے کر چل پڑا۔ کچھ دیر کے بعد محل
کے دروازے پر تھا۔ دربانوں نے کڑی نظروں سے دیکھا
تو میں نے کہا: دیوان کمالی اس سے ملتا ہے۔
کیا کام ہے؟

” بہت ضروری کام ہے تم انہیں خبر کر دو۔“
 ” ہمیں ہدایت ہے کہ میں کسی نئے آدمی کو نہ کہے دیں
 خبر کرنا ہے کا رہے۔“

• مگر مجھے بہت ضروری کام ہے۔
 • شما کرد و بھائی ہم وہ کر سکتے ہیں جو ہم کے کہا گیا ہے۔
 دربانوں سے یہ بات ہو رہی تھی کہ سندری نظر آگئی۔ سامنے
 سے گزر رہی تھی مجھے دیکھ کر رک گئی اور پھر جلدی۔ سے میرے
 پاس آئی۔

" آپ ہمارا حق آپ؟
 " سندری یہ مجھے اندر آنے سے منع کر رہے ہیں۔
 " ارے ناکسلی دام جی آنے دیں انہیں یہ تو ہمارا یوسی کے
 خاص آدمی ہیں " سندری نے کہا۔
 " تیری ذمہ داری ہے سندری۔ "

ہاں ہاں کیوں نہیں۔ آئیے مہراج آئیے میں سندری کے
محل میں داخل ہو گیا کچھ دور چلنے کے بعد اچانک اس نے راستہ
بہل دیا۔ اور مرے آجائے ہمارا ج۔ سیدھے جانا ٹھیک
نہیں ہے آئیے اور مرے آجائے میں ٹھیک کا پھر پڑ گیا۔ یہ
یاندیوں کا علاقہ ہے یہ نہیں رہتی ہوں۔ جلدی آجائے کوئی
دیکھ نہ لے۔

۱۰۔ مگر سندھی! میں نے تعجب سے کہا۔
 ۱۱۔ اندر چل کر باتیں کریں گے، جی وہ سامنے ہی تو میرا مکان ہے۔ چھوٹا سا گھر ہے۔ تین کمرے بنے ہوئے تھے، اس نے مجھے ایک کمرے میں بٹھا دیا، اب جی بھر کر باتیں کریں، وہ گہری سانس لے کر بولی۔

• تم یہاں رہتی ہو۔؟
 • زیادہ تو محل میں رہتی ہوں۔ جب چھٹی ہوتی ہے تو یہاں
 آجاتی ہوں۔ جادوی تو ان دنوں یہاں نہیں ہیں۔
 • کہیں ہیں۔؟
 • پتہ نہیں شاید کالی نواس میں ہوں۔

” کالی نواس کہاں ہے سندھی؟ “
” سو گندے لیں مجھے نہیں معلوم بس اس دن اس کے غار کا
دروازہ دیکھا تھا۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہیں دیکھا
وہ دن یاد کرتی ہوں مہاراج تو جان نکل جاتی ہے میری اگر تم نہ
ہوتے تو میرا کیا ہوتا۔ “

”سندری مجھے کچھ بتاؤ گی تم۔“
 ”پتہ ہو گا تو ضرور بتاؤں گی۔“
 ”وہ سب کیا تھا سندری۔ نہاوتی آخر ہے کیا؟“

تم نے پہلے کبھی مجھ سے پوچھا تھا۔ ہم بانڈیاں ہیں ہمارا جی
اسی عمل میں پیدا ہوئے، اسی میں جو ان ہوئے اور اسی میں
مر جائیں گے پر ہمیں کچھ نہیں معلوم ہو گا۔ جو کہا جاتا ہے
کرتے ہیں۔ تم نے ہم پر دیا کی تھی اس دن در نہ جانے کیا ہوتا
ہمیں نہ تو پہلے پتہ تھا نہ۔ پتہ ہے۔ ہادوقی جی نے جیسا کہا
ویسا کیا۔ سندرن بولی اور پھر اس نے جلدی سے زبان
دانتوں میں دبا لی اور خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے
بولی میں اس کے اس انداز پر چونک پڑا۔ اور اسے غور سے
دیکھنے لگا۔ میرے اس طرح دیکھنے سے وہ اور گھبرا گئی بولی ہم
نے کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی ہمارا جی۔
ہاں سندری میرا خیال ہے تو سچ بول گئی ہے میں نہ ہریے
لہجے میں بولا۔

۵۔ کون سا بچہ؟ دو درجے والی پہچ میں بولی۔
۶۔ اس نے سچ ہی کہا تھا ہمارا۔ دوسرا بیچ میں آپ کے سامنے
کہوں گا۔ دروازے سے آواز سنائی دئی اور میں نے اس
طرف دیکھا اور یوں کالی داس کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سندری کو
اشارہ کیا اور وہ احترام سے واپس نشست آئی۔ کالی اس انداز گیا
تھا۔ اس نے سچ کہا ہے ہمارا بیچ زیادہ بڑی گئی ہے اس نے
وایسا ہی کیا پہلے ہم نے کچھ اور سوچا تھا مگر شمسو ہمارا بیچ نے ایک
دم خیال بدل دیا۔ آپ مسووری ہمارا بیچ نہیں نا۔
۷۔ تم لوگ مجھے بھول گئے کالی داس؟

بھلا بھول سکتے ہیں۔ آپ سمجھو یا جہن کو بھی جانتے ہیں
شوٹنگ کا کو۔ سب کچھ جانتے ہیں آپ۔ اس نے کہا تھا آپ آپ
ہیں۔ جہاد یومی نے پھر۔ لگا دیے پھر انہوں نے سوچا کہ
سندری کے ہاتھوں آپ کو بے ہوش کر دیں اور قید کر لیں
مگر ابھی ابھی جہاد یومی نے کچھ اور سندیں بھیج دیں میرے پاس

کالی داس نے کہا میں دلچسپ نفردوں سے کالی داس کو دیکھتا رہا مجھے علم تھا کہ جو ریا پر ن اور باوقی کے درمیان کیا باتیں ہوتی ہیں۔

”سندیس آپ کے لیے بھی ہے ہمارا۔“ وہ پھر لولا۔
”بتاؤ تمہیں نے کہا۔“

”انٹیس، میرے ساتھ چلیں۔“ پھر آپ کی وجہ سے لگائے گئے تھے مگر نیا سندیس کچھ اودھے۔

”ہماوقی بہت پریشان معلوم ہوتی ہے شاید چلو اب کہاں چلنا ہے اور وہ خود کہاں چکی ہے۔“

”ہمارے دیوی آپ سے بیٹھ کر رہیں گی، ادھر کریں گی اور جہاں تک ان کی پریشانی کا تعلق ہے آپ کا یہ خیال غلط ہے وہ پریشان کیوں ہوگی۔ آپ کو ان کی شکایت کا اندازہ نہیں ہے جیون بتا دیا ہے انہوں نے گیان دھیان میں۔“

”میں اس کے ساتھ کرے سے باہر نکل آیا۔ وہ مجھے پرانی حویلی کی طرف ہی۔“ چار ہاتھ اور میں جانتا تھا کہ وہ اس نے اپنی جادوگری بنا رکھی ہے لیکن مجھے کوئی خوف نہیں تھا۔ کالی داس کے ساتھ میں پرانی حویلی میں داخل ہو گیا میں نے پرانی حویلی پوری کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس بار کالی داس مجھے اس کے بالکل عقبی حصے میں لے گیا۔ میں نے اس جگہ کو جادوگری غلط نہیں کہا تھا۔ ایک دیران نورسنان برآمدہ تھا جس میں ایک بند دروازہ نظر آ رہا تھا کالی داس نے وہ بند دروازہ کھولا اور مجھے اندر چلنے کا اشارہ کیا اندر داخل ہو گیا لیکن اندر قدم رکھتے ہی دل و دماغ معطر ہو گئے یہ بچہ جادوگری تھی۔ بزرگ کی مدد و دشمنی پہلی ہوتی تھی۔ اور ایک وسیع و عریض باغ نظر آ رہا تھا لیکن سو فیصد مصنوعی باغ تھا۔ انتہائی اونچے درخت جن کی شاخیں اوپتے اوپر جا کر ایک دوسرے میں اس طرح گتے ہوئے تھے کہ آسمان کا نام و نشان نہیں نظر آتا تھا۔ گویا ایک چمٹ بنی ہوئی تھی اور سب کچھ اس چمٹ کے نیچے تھا۔ انگوروں کی بلیں ان میں جھولنے لگی تھیں اور بزرگوں کے خوشے خوشے رنگ پھول، چھپاتی چڑیاں اور دوسرے نئے پرندے جگہ جگہ فوارے کی بجائے جگہوں پر فواروں کے گرد بنی ہوئی بنوں پر حسین رنگیں بٹھیں ہوئی۔ سب میری طرف مگر۔ آنکھوں میں شوخی اور لگاؤ تھا۔ کالی داس میری رہنمائی

کر رہا تھا اس باغ میں بنی ایک عمارت کے دروازے پر پہنچ گیا۔ پھر وہ دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ گیا اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ ہماوقی آپ کا انتظار کر رہی ہیں ہمارا۔“

دروازے سے اندر قدم رکھا۔ میڑھیاں بنی ہوئی تھیں یہ کوئی بارہ میڑھیاں تھیں اور ایک گول سا کمرہ جس کا فرش سنگ مرمر کا تھا۔ دیواریں بھی سفید پتھر ہی سے بنی ہوئی تھیں درمیان میں ایک سنگھاسن تھا جس پر ہماوقی نیم دراز تھی شہد نامہ اس کے پیچھے کھرا ہوا تھا ان دونوں کے علاوہ یہاں کوئی نہ تھا۔ میں میڑھیوں سے نیچے اترا اور ہماوقی نے مجھے دیکھ کر پاؤں سکڑا دیے۔ شہد نامہ تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا اور ہماوقی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں استغناء کا اثرات تھے اور ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی غالباً وہ میری آمد سے خوشی کا اظہار کرنا چاہتی تھی اور یہ یقیناً مفاہمت کی ایک کوشش تھی، میں تھوڑا سا اور قریب پہنچا تو اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر دل آویز انداز میں گردن جھکائی۔ اور پھر سیدھی ہو کر بولی۔ ہماوقی ہمارا راج کا سواگت کرتی ہے۔ آئیے سنگھاسن پر بیٹھا۔ آئیے ہمارا راج، ایک شکتی مان، دوسرے شکتی مان کو جو احترام دے سکتا ہے وہ اس وقت میرے من میں ہے آپ کے لیے، پدھا رہے۔ ہمارا راج مجھے خوشی ہوگی۔ میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”نہیں ہماوقی، کالی داس کی یہ تخلیق میرے دین میں حرام ہوتی ہے اور ایسی کسی چیز کو بغیر کسی مجبوری کے چھونا میرے لیے مناسب نہیں ہے میں ان ناپاک چیزوں کو اپنی کسی آسائش کے لیے استعمال نہیں کر سکتا، ہماوقی کی مسکراہٹ سکڑی لیکن فوراً ہی اس نے ان الفاظ کے رد عمل کو نازل کرتے ہوئے کہا۔“ تو پھر بتائیے مسعود جی ہمارا راج، میں آپ کا سواگت کیسے کروں؟ میں یہاں کھرا ہوا ہوں ہماوقی، بس اتنا ہی کافی ہے۔“

”تو پھر تو نہیں ہو سکتا کہ سنگھاسن میرے لیے رہے؟“ پنجے سے ہٹا دینا ہی اچھا ہوگا۔“ اس نے مگر انتہائی خوبصورت سنگھاسن کو دیکھا اور دوسرے لمحہ میری نگاہوں سے اوچل ہو گیا۔ ہماوقی پھر میری جانب متوجہ ہو گئی اس نے کہا مسعود

یہ ہمارا ج، بہت سی باتیں بڑے سے بڑے گھیاں کی سمجھ میں نہیں آتیں، آپ ایک ایسے آدمی کی حیثیت سے میرے سامنے آئے جس کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن آپ کا گھیاں جمع خیمہ کر کے بتا رہا تھا کہ آپ عام آدمی نہیں ہیں۔ اب اگر میں آپ سے کوئی بات چھپاؤں تو اسے میں اپنی بوقونی کے علاوہ اور کیا کہہ سکتی ہوں۔ مسود جی ہمارا ج کو ایک نظر دیکھتے ہی میں نے پہچان لیا تھا کہ وہ پورنا میں اور پورنیاں ان کے بس میں ہیں۔ پورن بھگت ہمارے گھیاں میں بہت بڑا درجہ رکھتا ہے ہمارا ج، پر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ ایک مسلمان کے نام سے ایک کاروباری شخص کا نوکر میرے پاس کیوں آیا ہے۔ ساری باتوں کا اعتراف کر رہی ہوں ہمارا ج، یہ جاننا چاہتی تھی کہ آپ کی اصلیت کیا ہے اور اسی لیے میں نے آپ کو روک لیا تھا، پر نہ تو میں سمجھ سکتی تھی کہ میرا ج کی اصلیت اور نہ ہی ہمارا ج سمجھ سکتا تھا کہ آپ کی اصلیت کیسے اور بات بعد میں سمجھ میں آئی ہمارا ج کہ اصل میں آپ ہندو نہیں تھے بلکہ آپ کا گھیاں وہ تھا جو ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ مگر پھر پورنیاں، مینر من لپا گیا۔ کیوں کہ میں نے دیکھا تھا کہ آپ پورنا ہونے کے باوجود اپنے تو پورنیوں کو اپنی آغوش میں جگہ دیتے ہیں اور نہ ہی پورن بیروں کو، کوئی کام سوچتے ہیں۔ ہم سب بڑے پریشان رہے آپ کے لیے ہمارا ج، انہونی بات تھی جو کسی طرح سمجھ میں ہی نہیں آتی تھی۔ بھید جاننے کے ہم سارے کے سارے بے چین ہو گئے۔ مگر کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ اور جب ہمارا یہ کام ایسے نہیں ہوا تو سمجھو، ہمارا ج نے دوسرے کیل کھیلنا چاہا اس سے آپ کو تکلیف پہنچی مسود جی پر انسان ہوس کا پتلا ہوتا ہے۔ پورنیاں مولی چیز نہیں ہوتیں۔ اور جسے مل جائیں وہ بڑا شگنی مان میں جاتا ہے۔ آدھا جیون بھنگ کرنے کے بعد بھی پورنیوں کا حصول ممکن نہیں ہوتا، ہمارا ج یہ بات میں آپ سے اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میں آپ کی بڑی قدر کرتی ہوں۔ بہت بڑا درجہ ہے آپ کے لیے میرے من میں اور اگر آپ اسے سمجھیں کہ اپنے کئے پر پھنسا رہی ہوں میں کہ وہ نہ کرتی جو میں نے کیا، بلکہ دوسری طرح آپ سے اپنی منو کھنا پوری کراتی، ہمارا ج آپ نے اپنی خوشی سے وہ گندی پھرنیاں جو آپ کے دھرم میں گندی سمجھی جاتی ہیں، میرے

تو اسے کر دیں اور ان کا طریقہ وہی تھا جو میں نے اختیار کیا۔ اور کوئی ایسا کام نہیں ہو سکتا تھا۔ جس سے پورنیاں مجھے مل جائیں۔ پر نہ تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ خود ان سے چوٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے اور انہیں نہ ہر دستہ آپ پر سوار کر رہا گیا تھا اور جب پورنیوں سے آپ کو چوٹکارا ملا ہمارا ج تو آپ نے اپنے گھیاں کا پاس سسرور کر دیا۔ اور آپ کو وہ ساری چیزیں مل گئیں جو ایک بڑے گھیاں کی ملتی ہیں، ایک طرح سے تو ہمارا ج میں نے آپ کے ساتھ دوستی ہی کی۔ اور اگر ایسی بات ہے تو میں چاہتی ہوں کہ اتنا بڑا گھیاں، ہمارا ج کو دوست کی نگاہ سے دیکھ، کیا ہمارا ج میرے من کی بات سمجھ کر میری دوستی قبول کر لیں گے؟ میں نے مسکراتی نگاہوں سے ہمارا ج کو دیکھا پھر بولا۔

• "انہیں ہمارا ج، جہاں تک تیری دوستی کا تعلق ہے ظاہر ہے، اول تو ہم دونوں کے دین الگ ہیں اور پھر تو تو اپنے ہی دھرم کی نہیں ہے، ہندو دھرم میں بھی کالے جادو کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ تمہارے دیوی دیوتاؤں کا بھی یہ درس نہیں ہے کہ کالی قوتوں کو انسان کے خلاف استعمال کرو۔ میرا تو مسئلہ ہی بالکل مختلف ہے۔ بہر حال میں سمجھتی تھی کہ کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا مگر ایک کام سمجھ کر نا ہو گا اور اگر تو یہ کام کر دے تو مجھے تجھ سے کوئی دشمنی نہ رہے گی۔"

• "ہاں ہاں ہمارا ج، ٹھیک ہے تم مجھے اپنا دوست نہیں بنا سکتے داسی تو بنا سکتے ہو، حکم تو دے سکتے ہو مجھے۔"

• "اپنے جادو کو خاک کر دے ہمارا ج، کیوں کہ تیرا یہ جبار انسان دشمنی ہے اور مجھ پر لازم ہے کہ میں انسان کو تیرے جادو کے جنگل سے نجات دلاؤں جو زندگی کے مصیبتوں کا شکار ہیں اور جنہیں تو نے عذاب میں گرفت کر لیا ہے جیسے پتھر کے وہ مجھے جو جیتے جاگتے فوجوان تھے اور تیری ہوس کی بھینٹ چڑھ گئے۔ جیسے تیرا شوہر راج چندر سمجھا، سب کو ان کا مقام دے دے اور خود جا کے ایسے دیرانوں میں اپنا سکن بنا لے جہاں انسان نہ ہو، کالی قوت کے کالے فنیٹھانوں کو دیرانوں میں ہی رہنا چاہئے تاکہ انسان ان کے عذاب سے محفوظ رہیں اگر تو ایسا کرے گی ہمارا ج، تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا اور میری تیری کوئی ایسی دشمنی نہیں ہے

میں اپنی دشمنی کا اظہار کر دوں، دوست ہی نہیں مانتے تو پھر دشمنی ہی ہوگی۔

”ہاں ہمدانی تو نے ٹھیک کہا میں نے تجھے دوستی کی ایک بیش کشش کی کہ اپنی ساری قوتوں کو اپنے ہاتھوں سے فنا کر دے انسان ہو تو انسان کے روپ میں آجا، ایسا کرے گی تو تجھے مٹا کر میرا فرض ہے۔“

”چھوڑ دو، چھوڑ دو میاں جی، ہم نے بھی جیون بھر چنے نہیں بھونے میں، ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو تم اپنی شکتی آزماؤ اور ہم اپنی۔“ ہمدانی نے دونوں ہاتھ دونوں سمت پھیلا یا اور اچانک ہی ایک حیران کن واقعہ رونما ہو گیا سنگ مرمر کی سفید دیواروں میں سیکڑوں سوراخ نمودار ہو گئے اور ان کے سواخوں سے پانی کی تیز دھاریں نیچے گرنے لگیں

دروازے کی سیڑھیاں ایک دم غائب ہو گئی تھیں اور اب یہ جگہ سنگ مرمر کے ایک کنویں کی حیثیت رکھتی تھی، جو تقریباً بارہ فٹ گہرا تھا اور پانی ان دیواروں سے اس طرح نکل رہا تھا جیسے کسی دریا کا رخ ان کی جانب موڑ دیا ہو، دیکھتے ہی دیکھتے اس حوض میں پانی بھر نے لگا، میں نے کلمے

جادو کی قوت کا یہ حیران کن کرشمہ دیکھا، ویسے تو زندگی میں نبھانے کن کن واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن یہ سب اس قدر اچانک ہوا تھا کہ ایک لمحے کے لیے بدن میں جھرجھری سی آگئی۔ پانی ٹخنوں سے گزر کر گٹھنوں، گٹھنوں سے گزر کر راتوں

اور پھر کمر تک پہنچ گیا اور دفعہ ہی میں نے ہمدانی کو ایک مچلی کی صورت اختیار کرتے ہوئے دیکھا کہ چہرہ تو اس کا اپنا ہی رہا تھا لیکن گردن کے بندے سے اس کا بدن مچلی کی شکل اختیار کر گیا اور وہ اس پانی میں تیرنے لگی، برق رفتاری سے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر میرے ارد گرد

چکرار ہی تھی۔ میں نے اپنے قدموں کے نیچے سے زمین نہیں چھوڑی تھی، حالانکہ پانی کی طاقتور دھاریں میرے جسم پر پڑ رہی تھیں اور ان کی قوت اتنی تھی کہ میرا بدن بمشکل تمام اپنا توازن قائم کئے ہوئے تھا۔ لیکن چونکہ یہ دھاریں چاروں طرف سے چڑھ رہی تھیں، اس لیے میں کسی ایک سمت نہیں

لڑھکا تھا، دوسرے سمجھوتا مکتہ نے بھی اپنا روپ بدلا اور سبز رنگ کے ایک چھپنے سے سانپ کی شکل اختیار کر گیا ایسے سانپ کو تا پانی میں نظر آتے ہیں، ناگوں کا یہ بیماری ناگ

لی جس سے میرے ہاتھوں مجھے کوئی نقصان پہنچے، ہمدانی کے چہرے پر رنگ آرہے تھے جارہے تھے، اب اس کی مسکراہٹ کا فور ہو گئی تھی اور اس کی آنکھوں میں غصے کے تاثرات نظر آرہے تھے اس نے کہا: ”کیا یہ دشمنی نہیں ہے مسود جی ہمارا ج۔“

”کالے جادو سے دشمنی ہے تیری ذات سے نہیں ہمدانی۔ مجھے تجھ سے کیا لینا دینا۔“

”میں چند دلی ہوں، کالی ماما کی بہارن اور کالی ماما نے میرے جیون بھر کی پیسیا میں مجھے یہ شکتی دان دی ہے اور تم کہتے ہو کہ میں اس شکتی کو بھسم کر دوں، ارے اگر یہ شکتی بھسم ہو جائے گی تو میں کہاں رہوں گی، میں تو بس ایک شکتی ہوں، اس سے آگے کچھ نہیں۔“

”میرے بے تیری کالی قوتوں کا خاتمہ فروری ہے ہمدانی۔“

”ارے واہ، خواہ مخواہ دارو غصے پھر رہے ہو، تم اپنے دھرم کی شکتی آزماؤ، میں کہیں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی، مجھے میرے دھرم کی شکتی پر سہنے دو۔“

”تیرا دھرم کیا ہے ہمدانی۔“ میں نے سوال کیا۔

”جے ہما کالی کلکتہ والی۔“

”جادو گرنی، انسان کو نقصان پہنچانے والی۔“

”سارے کے سارے تمہارے دھرم کے تو نہیں ہیں۔“

”ہیں شہر کا اندیشہ کیوں ہے مسود جی ہمارا ج۔“

”میرا دھرم ہی کہتا ہے کہ اپنی طاقت کو بدی کی طاقت کے خلاف استعمال کرنا فروری ہے اور اگر انسانوں کو کوئی

نقصان پہنچ رہا ہے اور تمہیں اللہ نے وہ قوت دی ہے کہ تم نقصان پہنچانے والے کو روک سکو تو تم پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ تم نقصان پہنچانے والے کو روکو۔“

”دیکھو مسود جی ہمارا ج، بھوریا چرن کو جلتے ہو گئے اور کیوں نہ جانتے ہو گئے اس نے مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے، وہ شنکھا ہے، تم اس کی شکتی کا سامنا کیوں نہیں کرتے ایک چند دلی کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ پھر بھی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا دھرم، تمہارا گیان سب سے بڑا ہے تو یہ تمہاری بھول ہے، میں تم سے ٹکر نہیں لینا چاہتی لیکن جو کچھ تم نے کہا ہے وہ سیدھا سادہ دشمنی کی علامت ہے اور جب دشمنی ہے تو میرے بے فروری ہو گیا ہے کہ



ہن گئی تھا اور ان دونوں نے پانی میں اپنے لیے مقام حاصل کر لیا تھا۔ لیکن میں ظاہر ہے انسان تھا اور انسانی شکل میں ہی رہ سکتا تھا۔ البتہ ایک تصور دماغ میں ضرورتاً میرا رب میرا مبود میری مدد ضرور کرے گا۔ میں کاے جادو کا توڑ نہیں جانتا تھا۔ لیکن میرے مبود نے مشکل ترین لمحات میں میری مدد کی تھی اور اس وقت بھی میں اس کی جت سے مایوس نہیں تھا۔ چنانچہ پوری خود اعتمادی سے اپنی جگہ جمار با۔ کبل میں نے شانے سے اتار کر سر پر رکھ لیا تھا تاکہ وہ پانی سے بھیگ نہ جائے۔ ہادوقی کے چہرے پر کامیابی کی مسکراہٹ تھی وہ مچھل کے بدن کو پانی میں رہنے کے لیے باسانی استعمال کر رہی تھی اور بوڑھا سمجھو سانپ کی شکل میں خود کو محفوظ رکھے ہوئے تھا پانی گرنے کی آوازیں سماعت شکن تھیں اور ماحول دھواں دھواں ہوتا جا رہا تھا اب وہ میری کمرے گزر کر شاخوں تک اور پھر وہاں سے گردن تک آچکا تھا اور بس کچھ لمحات باقی تھے کہ وہ سر سے اڑنچا ہو جائے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور پانی کی سطح کو بلند ہوتا محسوس کرتا رہا۔

پانی کے تھپڑے میرے قدم اکھاڑے دے رہے تھے لیکن دل کو کسی خوف کا احساس نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اب مجھے یہ قوت عطا فرمادی تھی کہ ہر خوف میرے دل سے نکل گیا تھا میں جانتا تھا کہ کائنات میں آنکھ کھولنے والے ہر نومولود کے بارے میں ہم کچھ اور کہہ سکتے ہیں یا نہ کہہ سکتے ہوں یہ ضرور کہہ سکتے کہ بالآخر یہ ایک دن مر جائے گا۔ موت برحق ہے اور اس کا تعین کرنے والا حق ہے اور حق سے انحراف کیسا۔ آنکھیں اس لیے بند کر لی تھیں کہ ذہن کسی تدبیر کے جھگڑے میں نہ پڑ جائے اور قدرت سے انحراف نہ ہو۔

اچانک شور مچ گیا اور سنلے چپخے لگے۔ آنکھیں پٹ سے کھل گئیں سامنے ہادوقی تھی جو بے چینی سے اچانک رک جانے والے پانی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا مچھل کا بدن پانی میں جنبش کر رہا تھا۔ دھڑ دھڑ فرسش میں ایک بڑا سوراخ نمودار ہوا اور پانی دھشتناک آواز کے ساتھ اس سوراخ میں داخل ہونے لگا۔ ہادوقی نے ایک بھیانک چیخ ماری اور کم ہوتے ہوئے پانی میں ایک سوراخ کی طرف لپکی۔ ایک دم اس کا بدن لمبی چمکدار لکیر کی شکل اختیار کر گیا اور یہ لکیر ٹرپ کر ایک سوراخ میں

داخل ہو گئی۔ لیکن شبھو ناسخ جو سانپ کی شکل میں تھا اور پانی میں مزے سے تیرتا پھر تاتھا اس جیسی پھرتی نہ دکھاسکا۔ اچانک اس کا پتلا بدن زیادہ آسانی سے ان لاتعداد سوراخوں میں سے کسی ایک سوراخ میں داخل ہو سکتا تھا۔ شاید وہ مورتحال نہیں سمجھ سکتا تھا۔ پانی میں برق رفتاری سے سوراخ میں غائب ہوا کہ چند لمحوں میں زمین صاف ہو گئی۔ سوراخ چونکہ بلندی پر تھے اس لیے شبھو ان تک نہ پہنچ سکا وہ بدحواسی کے عالم میں بار بار جگنی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتا رہا مگر ہر بار پھسل کر نیچے گر جاتا پھر آخری کوشش کے طور پر وہ میری طرف لپکا اور مجھ تک نہ پہنچ سکا۔ تب میں نے آگے قدم بڑھائے اور جبکہ کراسے پھینکے پکڑ لیا۔ شبھو میری کلائی سے لپٹ گیا تھا۔ میں نے پہلی بار قریب سے اسے دیکھا اس کا چہرہ سانپ کے بدن کی مناسبت سے چھوٹا ضرور ہو گیا تھا لیکن اصل تھا۔ وہ بری طرح خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ پھر اس کی باریک سی آواز ابھری۔ مجھے ہوتیری ہاتھ تھامے چھوڑ دے چھوڑ دے میاں چھوڑ دے مجھے، میرا کوئی دوش نہیں ہے میں تو سنتا ہا رہی ہوں۔ مجھے چھوڑ دے دے دلی مجھے چھوڑ دے۔ ایک ہی مقصد ہے میرا شبھو ناسخ، ہادوقی کا جادو ختم کر دوں۔ اس نے جتنے لوگوں کو اپنے سحر میں گرفتار کیا ہے انہیں آزادی دلا دوں، نہ میری تجھ سے کوئی دشمنی ہے نہ کسی اور سے۔ وہ تو چندال ہے کالی دیوی کی سنتیا۔ مشکل سے ختم ہوگی۔ پر میں آتا ہوں مجھے چھوڑ دے دلی۔ کہاں بھاگ کھاؤ وہ۔

میں نہیں جانتا مجھے نہیں معلوم۔ ہو سکتا ہے کالی کنڈ چلی گئی ہو، اس کا کالا جادو تجھ پر اثر نہیں ہو سکا ڈر کر بھاگی ہے تجھ سے، اس کے تو ہزار ٹھکانے تھے میں دھرتی پر تجھ سے نہ بچ سکی تو پاتال میں چلی جائے گی۔ مارے تو ہم گئے دلی چوڑے ہمیں چھوڑ دے، شمسو بار یک آواز میں چیخا رہا۔

مجھے کالی کنڈ کا راستہ بتا شمسو مجھے وہاں بے چلے۔
 وہ مجھے نہیں چھوڑے گی۔
 ادھر میں مجھے نہیں چھوڑوں گا۔

مر گئے دیوانہ سنتے ہم تو مر گئے ہمارے اب ہم کیا کریں؟ میں نے اس دروانے کی طرف رخ کیا جس سے گزر کر یہاں آیا تھا باہر کالہ اس موجود نہیں تھا کالی داس کہاں گیا۔

وہ الگ کہاں ہے ہادوتی سے وہ تو اس کا شوک ہے اس کا گند ہے ساتھ ہی ہو گا اس کے، شمسو نے بتایا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا اس خوبصورت ماحول کا شاہد بھی نہیں تھا جس سے گزر کر میں یہاں پہنچا تھا جب کہ یہ اسی ٹوٹی ہوئی کی ایک اجاڑ راہداری تھی۔ جو سخت گندی پڑی تھی۔ درختوں کے پتے کوڑا کرکٹ اور اس پر دوڑتے ہوئے چوبے جو کچھ دیکھا وہ قریب نظر تھا یہ اس بگ کی اصل تھی اس راہداری کا دوسرا سوا حلی کے باہر نکلتا تھا۔ میں باہر نکل گیا۔

ہاں شمسو ناتھ.... کہہ رہا تھا ہے میں نے پوچھا۔

سیدھے چلتے رہو ہمارا جہاز اس نے بند دینے والے لہجے میں کہا اور میں نے آگے قدم بڑھا دیے شمسو میری گرفت میں تھا۔ اس نے کھٹی ہوئی با ایک آواز میں کہا۔

ہمارا جہاز میری گردن بوڑ دیں تو میں انسان کی جیون میں آ جاؤں۔ وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو کالی نواس میں لے جاؤں گا۔

نہیں شمسو تاجہ سانپ پر سہرور نہیں کیا جاسکتا۔

میری گردن تو ڈھیل کر دیں۔ دم گھٹ کر ہی مچاؤں گا۔

میں جانتا ہوں کہ تم ایسے نہیں مرنے میں اس وقت تک نہیں اسی طرح جکڑے رہوں گا جب تک کالی نواس میرے سامنے نہیں آجائے گا۔

سیدھے ہاتھ مچاؤ، اس نے مردہ لہجے میں کہا اور میں نے رخ بدل دیا۔ سبٹھا کے بارے میں مجھے معلومات نہیں تھیں

لیکن جو کچھ ہو رہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ کچھ جانی پہچانی جلیں نظر آنے لگیں اور میں انہیں پہچان رہا۔ یہاں تک کہ وہ جگہ آگئی جہاں میں نے خود کو دیکھا تھا اور سامنے ہی اس غار کا دروازہ نظر آ رہا تھا جہاں میں پہلے ہی جا چکا تھا۔ اندر داخل ہوا تو گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ شمسو نے مردہ آواز میں کہا۔ ہمارا جہاز۔ میں ایک دم رک گیا۔ میری آنکھوں نے زمین پر انتہائی ننھی ننھی سرخ چنگاریاں متحرک دیکھیں۔ پھر آنکھیں تاریکی کی عادی ہوئیں تو میں نے وہ اپنے کے پچھو دیکھے جو اپنا کالا ڈنک اٹھائے میری طرف پک رہے تھے۔ ننھی سرخ چنگاریوں جیسی ان کی آنکھیں تھیں۔ اتنے قریب آ گئے تھے وہ کہ ان سے پناہ مشکل تھا۔ میں نے بادل ناخواستہ کندھے سے کبل اتار کر ان کی طرف بھرا یا۔ اس وقت میرے پاس اس کے سوا کوئی چلنے کا نہیں تھا مقصد یہ تھا کہ ہوا کے چھوٹوں سے ڈر کر وہ دھڑکتے جائیں لیکن نتیجہ کچھ اور ہی نکلا۔ ہوا کے چھوٹے انہیں چھوٹے لگے اور وہ ساکت ہو گئے ان کے ڈنک نیچے جھک گئے جو ان کی موت کی علامت تھی۔

مر گئے۔ شمسو کے منہ سے نکلا۔

پچھو پہلے تو نہیں تھے؟ میں نے کہا۔

ہم سے کچھ نہ پوچھو ہمارا جہاز۔ یہ کالے پچھو میں پتھر پر ڈنک لاریں تو پانی بن جائے ہے شمسو نے کہا۔ میں پچھوؤں کے درمیان سے گزر کر آگے بڑھا تو ایک اور دروازہ نظر آیا جس کے دوسری طرف روشنی تھی۔ یہ وہی دروازہ تھا جس میں میں نے ہادوتی کو خوشنوار ملی کے روپ میں دیکھا تھا۔ جو جی میں نے دہانے سے اندر قدم رکھا تھا تک تیز گڑ گڑاہٹ کے ساتھ لاتعداد پتھر نیچے گرے۔ پتھر کیا چٹانیں تھیں جن میں سے کچھ براہ راست میرے جسم پر گری تھی بس یوں لگا جیسے روٹی کے گولے ہوں۔ لیکن یہ گولے نیچے گر کر ریزہ ریزہ ہو گئے اور مٹی کا بادل بلند ہو گیا۔ قدم رک گئے اور میں اس وقت تک ساکت کھڑا رہا جب تک یہ سلسلہ ختم نہیں ہو گیا۔ اب مجھے اندازہ ہو گیا کہ ہادوتی اندر موجود ہے اور اپنا جادو آزمادہ ہی ہے۔ میں نے ماحول صاف ہونے کے بعد اندر نگاہ ڈالی آگ کی لکیریں کھینچ رہی تھیں سائیں سائیں کی آوازوں کے ساتھ یہ لکیریں ادھر سے ادھر دوڑ رہی تھیں اور ان سے کچھ فاصلے پر کوئی کالی شے نظر آ رہی تھی پھر وہ واضح ہو گئی۔ ہادوتی

حق لیکن نہایت بھیاں تک شکل ہو رہی تھی اس کی کوئی جیسی سیاہ۔ آنکھیں گہری سرخ۔ ہونٹ مرے ہوئے تھے۔

اگیا تو پانی ملتے، ہار نہیں مانوں گی تجھ سے، ہار نہیں مانوں گی۔ پس کر کہ دوں گی۔ کچا جباہاؤں گی، کچا کھا جاؤں گی تجھے۔ اس کی زبان باہر نکل آئی۔ ایک فٹ دو فٹ اور پھر تین فٹ۔ آنکھیں بھیاں تک انداز میں پھیلنے لگیں۔ بدن پر بال جھونسنے لگے۔ وہ بھیاں تک ہلاکی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔ پھر اس نے اتنے ہولناک چنگھاڑ مزے سے نکالی کہ پورا غار لرز کر رہ گیا اس چنگھاڑ کے ساتھ ہی وہ فضا میں بند ہوئی اور دوڑتی ہوئی مجھ پر آئی۔ میں نے فوراً دو دو پاک پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ چنگھاڑ کی طرح مجھ پر سے پرداز کر گئی۔

کچھ دور جا کر وہ پھر بڑی۔ میں نے رخ بدل کر اس پر بھونک ماری اور یوں لگا جیسے اس کا پرداز کرتا ہوا بدن کسی ٹھوس دیوار سے ٹکرایا ہو۔ دھماکے کے ساتھ تیغ کی آواز سنائی دی اور وہ نیچے گر پڑی لیکن نیچے گر کر وہ ٹوٹی ہوئی دور چل گئی اور اس کا جسم چتر ہوتا گیا کچھ دور جا کر اس نے کالی ناگن کی شکل اختیار کر لی اور اس کے مزے سے شعلے نکلنے لگے۔ اس نے ایک خوفناک پھنکار ماری اور اچانک میری کلائی سے لپٹے ٹھسٹو ساتھ کے بل کھینچنے لگے۔ میرا درد بدستور جاری تھا۔ سمجھو میری مٹی میں جکڑا ہوا اب نکلنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ اور ہوا تو مسلسل پھنکار میں مار رہی تھی۔ اچانک میں نے غار کے کونوں کھدروں سے بے شمار پھنکاریں سنیں۔ کالے رنگ کے لاتعداد سانپ بے چینی سے پھنکارتے ہوئے باہر نکلے تھے اور پھر وہ مجھ پر پکے تھے۔ میں نے ان پر بھونک ماری اور ہمدردی کر کے میں نے بھونک ماری تھی وہاں سانپ ساکت ہو گئے ان کے جسم لیے لیے ہو گئے تھے لیکن چونکہ سانپ چاروں طرف سے لہراتے ہوئے آ رہے تھے اس لیے مجھے ہاروں طرف کا خیال رکھنا تھا۔ میں نے ٹھسٹو ساتھ کو دھبے سانپوں پر اچھا لایا اور پھر بدستور درد شریف ٹپکتے ہوئے کبل دونوں ہاتھوں میں سنبھال کر لہرانے لگا۔ ہوا تو کی پھنکاریں بھیاں تک ہو گئیں۔ کبل لہراتے ہوئے سانپ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے میں نے کچھ دیر یہ عمل جاری رکھا پھر اس کا زخم دیکھنے کے لیے رکنا تیر خاطر خواہ تھا۔ تمام سانپ مردہ پڑے تھے ان میں ٹھسٹو ساتھ بھی تھا۔ مگر ایک تبدیلی بھی ہوئی

تھی۔ ہوا تو کی ناگن کا روپ بدل گیا تھا۔ اب اس جگہ ایک انتہائی بوڑھی چڑیل بیٹھی ہوئی تھی۔ جس کے سر کے بال برف کی طرح سفید اور کبکھرے ہوئے تھے چہرے کی جھریاں آنی تھیں کہ اصل خدو خال چھپ گئے تھے سارے جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر نگوں کا ہال ابھرنا نظر آ رہا تھا۔ یقیناً وہ اس کا اصل روپ تھا۔ وہ اس عمر کی عورت تھی اور اس نے کالے جادو کے عمل سے یہ دلہنی اور جوانی حاصل کر رکھی تھی اس کا سر دائرے کی شکل میں گھوم رہا تھا۔ آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ اچانک اس کے مزے گہرا گاڑ حاسہ سیاہ خون ابل پڑا لیکن اس کا سر بدستور اسی طرح دائرے کی شکل میں گھومتا رہا جس کی وجہ سے خون دور دور تک اچھلنے لگا۔ میں نے کبل احترام سے سمیٹ لیا مگر درد پاک اسی طرح پڑھتا رہا۔ آہستہ آہستہ ہوا تو کی سر گھومنے کی رفتار تیز ہو گئی۔ اب اس کے مزے ایک مسلسل بھیاں تک آواز میں بلند ہوئے تھی پھر اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اس کا بدن اذیت سے مرنے ترٹنے لگا۔

اس کے بعد وہ ساکت ہو گئی۔ میں آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ یقیناً وہ مر چکی تھی۔ میں نے گہری سانس لی۔ اور غار میں ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لینے لگا مردہ سانپ ہوا میں تحلیل ہونے لگے تھے نہ جانے کیا کیا الابلامو جود میں وہ جو سستی جا رہی تھیں اور پھر وہاں خالی غار کے سوا کچھ نہیں رہ گیا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ہوا تو کی اپنے جادو سمیت کہ فنا ہو چکی ہے۔ دل مرت سے سرشار ہو گیا۔ کسی راہ کا تعین کئے بغیر چل پڑا۔ دل میں آرزو تھی کہ ہوا تو کی کے محل جاؤں ست درست ہی نکلی۔ تھوڑی دیر کے بعد آبادی نظر آ گئی اور آبادی تلاش کرنے کے بعد محل تلاش کرنے میں بھی کوئی دقت نہیں ہوئی لیکن محل سے کچھ فاصلے پر ہی سٹاک کی غیر معمولی بات کا احساس ہو گیا۔ اندر بھاگ دوڑ ہو رہی تھی پھر دار مستند کھڑے ہوئے تھے مجھے باہر ہی روک دیا گیا۔ کہاں چلا ہے۔؟

- اندر بھائی۔
- نہیں جاسکتے۔
- ضروری کام ہے۔
- کہہ تو دیا نہیں جاسکتے۔ ہمارے چند بھائی نے منع کر دیا ہے۔

” کہاں میں ہمارا جہنم ہے؟ “

” اندر ہیں اور کہاں ہیں۔ “

” میرا مطلب ہے کہ وہ تو کہیں گئے ہوئے تھے۔ “

” واپس آگئے ہیں۔ “

” تم نے خود دیکھا ہے انہیں؟ “ میں نے بے تابی سے

پوچھا۔

” نہیں تو کیا ہم اندھے ہیں۔ “

” اچھا بھائی سندری کو تو بلا سکتے ہو۔ میں اس سے دو

باتیں کر کے چلا جاؤں گا۔ “

” عجیب ڈھیٹ آدمی ہو۔ اس سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ پہرے دار

نے آنکھیں بگاڑیں تو میں وہاں سے ہٹ آیا۔ اور کوئی مقصد

نہیں تھا میں ان سنگی مجموں کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

محل سے کچھ فاصلے پر دھونی رمالی۔ اور وہاں سے جائزہ

لیتا رہا۔ افزائش نظر آ رہی تھی پھر کچھ لوگوں کو باہر نکلتے دیکھا

نوجوان تھے تباہ حال تھے بدحواسی سے باہر نکلے تھے۔

بڑی مشکل سے ان میں سے ایک کو روک سکا۔ ” سنو

بھائی..... “ میں نے روکا اور وہ ہم کر رک گیا۔ کچھ پوچھنا

چاہتا ہوں تم سے۔ “

” کیا.....؟ اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

” تم محل سے آرہے ہو نا.....؟ “

” ایں “ اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا پھر بولا ہاں

وہیں سے آرہا ہوں۔ “

” کیا ہمارا جہنم سندری محل میں آگئے ہیں؟ “

” اس جہان پرش نے ہی تو ہمیں نجات دلائی ہے۔ “

نوجوان بے اختیار بولا۔

” تم پتھر کے بت بنے ہوئے تھے نا۔ “ میں نے کہا۔

” ارے ساری باتیں جانتے ہو تو ہمیں کیوں پریشاں

کر رہے ہو “ اس نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

اپنا فرض پورا کرنا چاہتا تھا یہ میری ذمہ داری تھی جس کی ہدایت

کی گئی تھی۔ اس کے بعد بھی وہاں دو دن رکا۔ محل کے سامنے

ہی بسیرا کیا اور معلومات حاصل کرتا رہا۔ پھر دوسرے دن

سندری نظر آئی۔ محل سے باہر کسی کام سے آئی تھی میں نے

اس کا پیچھا کیا اور اس کے قریب پہنچ کر اسے آواز دی وہ اپنا

نام سن کر رک گئی۔ مجھے دیکھا اور فوراً پہچان لیا بولی۔ ” ہمارا جہنم

آپ۔ “

” سندری تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ “

” پوچھو۔ “

” جہنم جہان محل میں آگئے؟ “

” ہاں، انہوں نے چڑیل ہادوتی کو مار دیا۔ اس کا ہاڈ توڑ

دیا۔ سارے پتھر کے بت انسان بن کر اپنے گمروں کو چلے

گئے۔ اب پرانا محل کھدوا کر پھینکوا دیا جائے گا بدع اجاز کر

دوسرا لگایا جائے گا۔ “

” خدا کا شکر ہے میرے منہ سے نکلا۔ “

” اور کوئی کام ہے ہم سے ہمارا جہنم۔ “

” سندری تمہارا شکر یہ۔ “ میں نے کہا اور سندری

آگے بڑھ گئی۔ تصدیق ہو گئی کام ختم ہو گیا۔ اب جہنم جہان

سے ملنا سندری نہیں تھا چنانچہ میں نے وہاں سے باہر جانے کی

ٹھانی اور جھنڈہ سے باہر جانے والے راستے پر پیدل چل

پڑا ہادوتی کی جادوگری میری آنکھوں میں بسی ہوئی تھی۔ جادو

کی بھی ایک دنیا ہے ساری چیزوں کا تعلق شیطان سے ہے

اس ملعون نے بھی اپنا ایک نظام قائم کر رکھا ہے۔ متعدد

انسانوں کو بھٹکا کر انسانیت کو نقصان پہنچاتا ہے اور اس

کے لیے اس نے اپنی ضروریات کو شیطانی قوتوں سے آراستہ

کیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کلام الہی کی برکت اور اللہ کے

بنانے ہوئے قوانین کے سامنے شیطنت فنا ہو جاتی ہے

اور بالآخر انسانیت کو اس سے نجات مل جاتی ہے شیطانی

قوتیں حاصل کرنے والے دنیاوی آسائشیں حاصل کرنے کیلئے

غلاظت کی آخری حدود کو چھو لیتے ہیں لیکن یہ کب کوئی زندگی

ہے، انسان تو فطرتاً بہت نفیس ہے۔ یہ دوسری بات ہے

کہ طاقت کے حصول کی کوششیں اور طاقت کا نشا اے

فطرت سے بہت دور لاپھینک ہے اور وہاں ہی میں اپنے

آپ کو مکمل سمجھ لیتا ہے۔ پتہ نہیں ایسے لوگوں کی اندرونی

کیفیات کیا ہوں سوچوں کے دائرے پھیلتے۔ گئے اور میں

ماضی میں پہنچ گیا۔ درحقیقت صرف ایک احمقانہ سوچ صرف

ایک غلطی ساری زندگی کا غم بن جاتی ہے۔ میں اگر اپنے والد

اور ماموں کی طرح عام انسانوں کی مانند اپنے مستقبل کے بارے

میں سوچتا تو آج زندگی سے اتنا دور نہ ہٹ گیا ہوتا۔ کیا

کیا تکلیفیں نہیں اٹھانی تھیں۔ کیا کیا صدمے نہیں برداشت

کے تھے صرف ایک میری غلطی نے کسے کسے زندہ درگور نہیں کر دیا تھا۔ مقصد ہی تھا کہ فطرت کے بنائے ہوئے اصولوں سے ہٹ جاؤں اور محنت کے بغیر دولت حاصل کر لوں، یہی ہندو تو تھا جو مجھے کالا جادو دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا اس وقت اور کم بخت بھوریا چمن مل گیا تھا۔ محنت کے بغیر جو کچھ بھی حاصل ہو جائے وہ گندے علوم سے ہی ہو سکتا ہے خیالات کے بھوم تے احساس ہی نہ ہونے دیا کہ کتنا فاصلہ طے کر لیا ہے اور جب ہوش کی دنیا میں واپس آیا تو چاروں طرف سے تاریکی پھیل چکی تھی۔ اور مجھے سہم کرنے ہوئے کتنے ہی گھنٹے گزر چکے تھے تاہم نگاہ دیرانی، سناٹا اور خست جھاڑیاں پھر ابھی زمین.....

میں آبادیوں سے بہت دور نکل آیا تھا لیکن اب اس کا کوئی افسوس بھی نہیں ہوتا تھا۔ ظاہر ہے ایک بے منزل کے لیے ہر جگہ جہاں پاؤں تھک جائیں منزل، ہوتی ہے، ایک صاف ستھری جگہ دیکھ کر بیٹھ گیا۔ اتنی دیر میں پہلی دفعہ تھکن کا احساس ہوا تھا۔ کمانے پینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ کسب احترام سے سربانے رکھا اور لیٹ گیا۔

نیند آگئی تھی۔ اور سو تار ہا تھا غالباً اس وقت رات کے چار ساڑھے چار بجے ہوں گے جب آنکھ کھل گئی۔ جبکہ جلدی سو گیا تھا اس لیے نیند پوری ہو گئی۔ وضو سے لیے پانی موجود نہیں تھا اس لیے تیمم کیا اور دو ہاتھ پوریا دہلی میں معروف ہو گیا اور اس کے بعد سورج نکلنے تک اسی طرح مصروف رہا تھا، پھر آگے کے سفر کی ٹھانی اور دوبارہ چل پڑا۔ بہت دور نکلنے کے بعد جھاڑیوں میں خربوزے جیسی کوئی چیز نظر آئی یہ خود درجھاڑیاں تھیں اللہ کی ملکیت اور ان میں جو خوشنما پھل لگے ہوئے تھے انہیں کھایا جاسکتا تھا۔ وہ کیا تھے کیسے تھے یہ اللہ جانے لیکن میری شکمیری کے لیے بہت کافی ثابت ہوئے تھے بس دو پھلوں نے پیاس بھی بجھا دی اور پیٹ کی آگ بھی۔ سو اس سے زیادہ کچھ نہ لیا۔ جس نے اس دیران سفر میں ان جھاڑیوں میں میرے لیے پھل اگائے تھے وہ آگے چل کر بھی کہیں سے مجھے رزق عطا کر سکتا ہے، چنانچہ اس کی فکر کرنا بے سود۔ پھر وہ سفر دیرانوں کا اور اس کے بعد شام ڈھلے جب سورج کی نارنجی کرنیں زمین پر ایک اداسی بکیر رہی تھی مجھے

ایک ٹوٹا پھوٹا کھنڈر نظر آیا۔ آبادی اس کے اطراف میں بھی نہیں تھی۔ بلکہ دور دور تک نہیں تھی۔ لیکن خود ہی قدم اس کھنڈر کی جانب اٹھ گئے۔ نہانے کوں سی جگہ ہے، کبھی کبھار ہوگا اب کچھ نہیں تھا۔ لال رنگ کی اینٹوں کے ڈھیر ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے بہت سی جگہیں صاف بھی تھیں قریب جا کر اندازہ ہوا کہ مسجد جیسی کوئی جگہ ہے اور یقینی طور پر انسانوں کے استعمال میں رہتی ہے درخت آگے ہوئے تھے ایک ایک وسیع و عریض چبوترے پر درختوں کے بے شمار سوکھے پتے، رُتے پھر رہے تھے اور ان سے سرسراہٹیں ابھر رہی تھیں۔ سامنے ہی منبر بنا ہوا تھا اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ کوئی قدیم مسجد ہے پھر دوسرے لوازمات بھی نظر آ گئے۔ ایک جانب گہرا کنواں تھا اس کے کنارے چوٹی لگی ہوئی تھی۔ اور چوٹی پر رسی ٹنکی ہوئی نظر آ رہی تھی قریب ہی چبوترے کا ایک ڈول رکھا ہوا تھا دیکھ کر تعویذ ہوئی یقیناً اس پاس کوئی بستی موجود ہے۔ رات کی تاریکی میں جب روشنیاں ہوں گی تو بسنی نظر آ جائے گی۔ لیکن مجھے کسی بستی سے بھی کوئی غرض نہیں تھی۔ دل میں کچھ خیالات جاگے۔ کنویں کے نزدیک پہنچا اور جھک کر کنویں میں جھانکنے لگا۔ اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہ آیا لیکن رسی کا ڈھیر بتاتا تھا کہ کنواں کافی گہرا ہے۔ بہر طور ڈول پانی میں ڈالا اور اس کے بعد ستھوڑا سا پانی نکال لیا۔ سامنے ہی ایک ایسی جگہ بنی ہوئی تھی جہاں نمازیوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مٹی کے نوٹے قطار سے رکھے ہوئے تھے بس جی میں سماگی بہت سا پانی نکالا اور اس جگہ کو سیر دیا۔ نوٹے دھو کر فرینے سے رکھے اور اس کے بعد صحن مسجد کی جانب متوجہ ہو گیا جھاڑو موجود نہیں تھی۔ بڑے بڑے تنکے پیٹے اور انہیں اپنی قمیض کے دامن سے ایک دم جی پھاڑ کر باندھا پھر صحن مسجد سے سوکھے ہوئے پتے صاف کرنے میں مصروف ہو گیا اور اس کام میں سورج بالکل چھپ گیا۔ مسجد کا فرش صاف ہو چکا تھا پتے سمیٹ کر ایک جگہ جمع کر دیئے تھے، کچھ ایسا سکون ملا اس کام میں کہ ذہن بھی بٹ گیا اور دل بھی سرور رہا۔

پھر اچانک ہی مسجد کی چھت کی بلند یوں سے اللہ اکبر کی صدا ابھرئی۔ اور پہلی ہی آواز پر میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

میں کسی کو مسجد کی جانب آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ یہاں
دیے بھی کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ اگر موزن مسجد ہی کے کسی حصے
میں رہتا ہو گا تو کم از کم مجھے اس کی آہٹیں تو سنائی دینی چاہئے
تھیں۔

اذان کہی گئی۔ لیکن اس کے بعد بھی میں دیر تک موزن
کے بلندی سے اترنے کا انتظار کرتا رہا لیکن موزن کے قدموں
کی ہچاپ نہ سنائی دی۔ تب میں خود ہی اس جگہ آکر بیٹھ گیا جہاں
وضو کیا جاسکتا تھا۔ وضو کیا اور ابھی وضو سے فراغت ہی ہوئی
تھی کہ مجھے انسانوں کے بونے کی آوازیں سنائی دینے
لگیں پھر میں نے نمازیوں کو جو ترے پر چڑھ کر آتے ہوئے
دیکھا اور اطمینان ہو گیا کہ جو کچھ میں نے کیا وہ میرا مناسب
فرض تھا مضیض درست ہونے لگیں، لوگ بیٹھ گئے وہ آپس
میں مدد مدد گفتگو کر رہے تھے، میں نے سوچا نماز کے
بعد کسی سے قریب کی بقی کے بارے میں پوچھوں گا اور اگر
بسی زیادہ دور نہیں ہوئی تو درمیان چلا جاؤں گا کچھ دیر بعد کے
بعد نماز شروع ہو گئی اور امام صاحب مہر کے سامنے کھڑے
ہو گئے۔ مضیض بندھ گئیں۔ اور نماز شروع ہو گئی نماز سے
فراغت ہوئی اور نمازی واپس جانے لگے۔ میں کسی ایسے
شخص کو تلاش کرتے رہا جس سے بتی کے بارے میں معلوم
کروں۔ اسی وقت عقب سے آواز ابھری۔

”مسود میاں۔“ میرا دل اچھل کر حلقی میں آگیا۔ یہاں
کون ہے جو میرا شناسا ہے۔ سفید لباس میں ملبوس
ایک نورانی شخصیت مجھے مخاطب کر رہی تھی۔ اس نے اشارے
سے مجھے قریب بلایا اور میں آگے بڑھ کر اس کے پاس
ہنچ گیا۔ انہیں متوجہ نہ کرو۔ ”بزرگ نے کہا۔“

”میں کسی سے۔“ میں نے کہنا چاہا اور انہوں نے
ہاتھ اٹھا کر مجھے روک دیا۔

”ہاں ہاں علم ہے، لیکن آبادی بہت دور ہے۔“
”جی۔“ میں ششدر رہ گیا۔ میں نے زبان سے
پوری بات بھی نہیں ادا کی تھی اور وہ بھج گئے تھے۔

”نماز پورا، کو چلا جانے دو پھر بات کریں گے۔“ آواز مرا جاؤ۔
اس ہستی نے اشارہ کیا اور میں ان کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ مجھے
مسجد کے مشرقی گوشے میں لے آئے یہاں پتھر کی ایک صاف

ستھری چوکی نظر آئی انہوں نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں
پتھر کی سل پر بیٹھ گیا۔ بزرگ میرے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر لوٹے۔
”ہمارا نام جلال حسین ہے۔“

”آپ مجھے جانتے ہیں؟“ میں نے کہا۔

”ہاں جانتے ہیں۔“

”بہت سے لوگ بہت سے لوگوں سے نہیں ملتے۔“

”پھر آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟“

”میاں، بات ہمارے سینے میں رہنے دو۔“

”بہتر ہے۔“ میں نے ادب سے کہا نمازی ایک ایک کر

کے مسجد سے باہر نکلنے لگے۔ میں نے انہیں دیکھا۔ پھر اچانک مجھے
کچھ خیال آیا۔ میں نے کہا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ آبادی بہت
دور ہے۔“

”انسانوں کی آبادی یہاں سے ساٹھ سو کس ہے۔“

”مگر یہ نمازی۔“

”یہ دوسرے بندہ خدا میں۔ چلو کھانا کھاؤ کھانا آگیا۔ جلال

حسین نے دوا دیوں کو دیکھ کر کہا جو ہاتھوں میں سینیاں اٹھائے
قریب آگئے تھے ایک نے کپڑے کا دسترخوان بچھایا دوسرے
نے سینی اس پر رکھ دی۔ پانی کا کٹورہ اور مراعی بھی قریب رکھ دی
گئی۔ سینی سے بھاپ اٹھ رہی تھی اور اس بھاپ کے ساتھ چادروں
کی خوشبو شامل تھی۔ موقی کی حرا بکھرے چادروں کا انتہائی
خوشبودار پلاؤ تھا۔ جلال حسین نے کہا، چلو میاں ہم قند کرو۔۔۔۔
اول طعام بعد کلام۔۔۔۔“

کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی۔ جلال حسین بھی میرے ساتھ
اسی سینی میں شریک ہو گئے۔ کھانے کی لذت الفاظ میں بیان
نہیں کی جاسکتی۔ تاہم اعتدال سے کام لیا۔ ہاتھ روکا تو جلال
صاحب مزید کھانے پر اصرار کرنے لگے۔ مکمل شکم پری میٹھ
غیر مناسب ہے لیکن تم بہت بھوکے ہو کھاؤ۔۔۔۔ کچھ دیر کے
بعد کھانے سے فراغت ہو گئی جلال حسین نے کہا نماز عشرے
فراغت ہو جائے اس کے بعد نشست رہے گی۔

”آپ ہمیں قیام فرماتے ہیں۔“

”ہاں۔“

”اذان آپ نے کہی تھی۔“

”میں میرا حمد نے۔“

• وہ بھی ہیں رہتے ہیں •

• ہاں •

• جب میں آیا تھا تب میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا •

• ہاں نہ دیکھا ہو گا •

• آپ نے مجھ کو کیا پتا تھا •

• کیوں نہیں • جلال حسین مکرانے پر پورے تم خانہ خدا کی خدمت میں معروض تھے ہم نے مداخلت نہیں کی۔ سوڑی دیر پہل قدم کر دے۔ ہم کچھ ضروری امور نمائیں وہ اٹھ گئے۔ پھر ہے • میں نے کہا اور جلال حسین وہاں سے چلے گئے کچھ دور تک نظر آتے رہے پھر اینٹوں کے ایک ڈھیر کے نیچے روپوش ہو گئے۔ میں مسجد سے دور نکل آیا۔ تاریکی، حرزات الارض کی سربراہت، کبھی کبھی پرندوں کے پروں کی پڑ پڑاہٹ بڑا پر اسرار ماحول تھا۔ مجھے کچھ کچھ اندازہ ہوتا جا رہا تھا جلال حسین کی شخصیت اور ان کے الفاظ بھی یاد آرہے تھے۔ یہ دوسرے بندہ خدا میں۔ انسانوں کی آبادی یہاں سے ساڑھے سو کوس دور ہے۔ یہ لوگ انسان نہیں تھے یقیناً جنات تھے یقیناً۔ بدن میں پھر یہاں اٹھنے لگیں۔ ایک سرد احساس پورے وجود میں دوڑ گیا۔ کیا جلال حسین بھی جن میں ہیں۔ یہی لگتا تھا لیکن ہیراں تھے۔ اور محبت سے پیش آرہے تھے۔ پہل قدمی ہی کر دیا تھا کہ عشاء کی اذان سنائی دی اور وہاں سے بے قدم اٹھا دیئے۔ عشاء کی نماز میں نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور پورا صحن بھر گیا تھا۔ بالآخر نماز سے فراغت ہو گئی۔ اس صحن سل پر جا بیٹھا اور کچھ دیر کے بعد جلال حسین وہاں پہنچ گئے۔

• میاں کسی شے کی محبت تو نہیں ہے •

• الحمد للہ....! •

• سناؤ کیسی گزر رہی ہے •

• اللہ کا فضل ہے •

• کچھ باتیں گوش گزار کرنا چاہتا ہوں •

• ارشاد •

• اول اپنی مشاقت گزیر کر •

جس کی عمر پختائیں سدا کے قریب ہو گی۔ لیے لیے ہال کمرے بونے تھے، رنگ بھی سنیا لایا تھا اور اس پر جگہ جگہ خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ جہم پر لباس بھی نہ ہونے کے برابر تھا ہاتھ

حرورت سے زیادہ لمبے تھے جب اس نے میری سمت نگاہیں اٹھائیں تو میرے قدم ٹشک گئے بہت خوفناک شکل تھی بسا اٹھ ہی اس نے بھیا تک جھج ماری اور ایک لمبی چلا لنگ لگادی۔ میں ششدر کھڑا رہ گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی کچھ فاصلے پر باجرے کے کھیتوں میں جا گئی۔ چند لمبات اپنی جگہ ساکت رہا پھر غیر اختیاری طور پر اس سمت نگاہ اٹھ گئی جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ دوسرے لمحے بری طرح چونک پڑا۔ ایک انسانی جسم وہاں بھی موجود تھا اور زمین پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ دوڑتا ہوا وہاں پہنچا اور خوف سے اچھل پڑا۔ تو یاد دس سالہ بچے کا جسم تھا۔ جس کا پشٹا ہوا لباس اس سے چند قدم کے فاصلے پر پڑا ہوا تھا، اس کا سینہ چاک تھا، اور جسم کی آلائش قرب و حصار میں کبھری ہوئی تھی۔ جگہ جگہ زمین پر خون نظر آ رہا تھا گردن مگر دوسری سمت اختیار کر چکی تھی اس کے سینے کی جو کیفیت نظر آئی اسے دیکھ کر سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ اس میں زندگی ہو سکتی ہے۔ میں بچے کے قریب بیٹھ گیا اس کی حوی ہوئی گردن سیدھی کی معصوم شکل کا بچہ تھا جسے اس وحشی صورت نے اپنی درمندی کا شکار بنایا تھا لیکن کیوں •؟ ایک اتنے معصوم بچے سے اس بد بخت کو کیا دشمنی تھی، سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں لیکن فرض تھا کہ بستی والوں کو فوراً ہی اس حادثے کی خبر دوں، یہ خدشہ بھی تھا کہ ایسی حسد لمبات میں مردہ خور آجائیں گے اور اس کی لاش کو نوچنا شروع کر دیں گے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، لاش کی کبھری ہوئی آلائش کو جمع کرنا بھی ایک مشکل کام تھا اس کے علاوہ اورو کوئی عمر میرز بنی کہ بستی کی جانب دوڑوں، سو میں دوڑنے لگا۔ زیادہ فاصلے پر نہیں پہنچا تھا کہ پریشان حال انسان نظر آئے ہاتھوں میں لاشیاں تھیں اندر چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں میں نے زور زور سے انہیں پکارا۔ سنو بھائی، ادھر آؤ میری بات سنو۔ سنو اور وہ جلدی سے میرے قریب آ گئے۔

• وہاں اس طرف جھاڑیوں میں ایک بچے کی لاش پڑی

ہوئی ہے جس کا جسم ادھر دیا گیا ہے •

• کیا • ان میں سے ایک شخص نے پتہ پتہ آواز میں کہا۔

اور شاید اسے غش آگیا۔ اس نے لاشی زمین پر نکا کر اپنا سر اس سے لگا دیا۔ دوسرے نے اس کا بازو ختم کر محمد سے پوچھا کہ مر کہاں •؟

” اؤ میں تمہیں اس سمت لے چلوں۔“

” جنگ رام، خود کو سنبھال بھائی، آذر اچلیں، ہمت کر۔“
جس شخص کو جنگ رام کے نام سے پکارا گیا تھا اس کی آنکھوں
سے آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی۔ بھرائی آواز میں بولا: ”آہ،
وہی ہوا، وہی ہو گیا جس کا اندیشہ تھا۔ میرا بھائی تو بے موت
مر جائے گا۔ اجر ہو گیا یہ گھر، اجر گیا برباد ہو گیا۔ ہائے کیسے دیکھوں
گام میں اپنے بھتیجے کی لاش۔“

” ہمت کر جنگ رام، اچلیں تو یہی دوسرے آدمی نے
کہا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ ”... چلو بھیا ذرا بتاؤ ہمیں
وہ جگہ۔“

” یہاں مردہ خور گدہ ہیں۔ میں دوڑتا ہوا جاتا ہوں تم میرے
پیچھے پیچھے آ جاؤ۔ کہیں مردہ خور بچے کی لاش کو خراب نہ کریں۔
دیے بھی لاش بہت خراب ہو چکی ہے۔“ میں نے کہا اور
واپس دوڑ لگا دی۔ وہ دونوں بھی ہانپتے کانپتے میرے پیچھے
آ رہے تھے۔ میرا خیال درست تھا گدہ بلندی پر منڈلانے لگے
تھے میں نے ایک سو کئی ہسٹری اسٹاف اور لاش کے پاس جا کھڑا
ہوا۔ منڈلاتے ہوئے مردہ خوروں کو میں نے منہ سے آوازیں
نکل کر ڈرایا اور لکڑی ہوا میں لہرانے لگا۔ چند لمحات کے
بعد وہ دونوں بھی میرے پاس پہنچ گئے۔ جنگ رام نے بچے
کا چہرہ دیکھا اور دعاؤں مار مار کر رونے لگا۔ دوسرا لے
بجھا رہا تھا۔ اس نے بھرائی آواز میں کہا: ”ہمت کر جنگ رام
تو سوچ رہے ہو بھیا کیا حال ہو گا بھائی کیسے جئے گی بڑی
مصیبت آپڑی یہ تو۔“

” ارے بٹ گئے ہم تو ہیرا بھیا۔ ارے جیون برباد ہو گیا
ہمارا۔ میرا پرکاشی، میرا پرکاشش، جنگ رام روتا ہوا لاش
سے پیٹ گیا۔“

” تمہارا نام ہیرا ہے؟“ میں نے دوسرے آدمی
سے کہا۔

” ہاں بھیا، ہیرا لال۔“

” ہیرا لال، لاش کو یہاں سے اٹھانے کا بندوبست کرو
تم جی جاکر دوسرے لوگوں کو خبر دو۔“
” وضاحت کا طالب کار ہوں۔“

” اب تمہیں اس کپل کی ضرورت نہیں ہے، رہنمائی کرنے والی
ذات الہی ہے۔ اللہ کا کلام سینے میں ہو تو سب کچھ مل جاتا ہے

اس کی رہنمائی طلب کرو۔ یہ کپل شناخت بنے گا تو خود نہائی
کے ذمے میں آ جائے گا اسے خود سے دور کر دو تو اعتماد پیدا
ہو گا۔“

” جی..... میں نے اہستہ سے کہا۔

” دل میں دوسرے لاؤ۔ اعتماد سے بڑی نعمت اور کوئی
نہیں ہوتی۔“

” درست فرمایا۔“

” یہ چار روپے رکھ لو۔ ضروریات پوری کریں گے۔ تمہارا
وظیفہ مقرر کر دیا گیا ہے۔“ جلال حسین نے چار روپے میرے ہاتھ
پر رکھ دیے۔

” رزق حلال ہو گا۔“

” عطیہ ہے۔ اس وقت تک ملے گا جب تک ضرورت ہوگی۔
” بسم اللہ۔“

” جمال گڑھی چلے جاؤ۔ ادھر سے بلاوا ہے۔“

” راستے کی نشاندہی کر دیں۔“

” ہاں..... بس سیدھے چلے جانا مگر صبح سفر کا آغاز کرنا۔ اب
آرام سے سو جاؤ۔ اچھا اب ہم سبھی چلتے ہیں فی امان اللہ۔“ جلال
الدین نے کہا اور سلام کر کے وہاں سے چلے گئے۔ میں بہت
دیر تک پتھر کی سل پر پالٹی مارے بیٹھا رہا۔ جلال حسین کی باتوں پر
غور کرتا رہا تھا۔ بہت فرحت بخش ہوا چل رہی تھی وہیں لیٹ گیا
اور تاروں بھرے آسمان کو دیکھتا رہا۔ دل کی وادیوں میں بہت
سے پھول کھلنے لگے یا دیں ذہن میں سرسرا نے لگیں۔ کچھ لوگ
یاد آئے اور سسکی بندھ گئی۔ ان یادوں پر پابندی تھی۔

وقت جب تک خود آواز نہ دے، نیند مہربان ہو گئی۔ رات
کے آخری حصے میں خنکی ہو گئی تھی۔ کئی بار آنکھ کھلی۔ نیم خوانی کی
شکل میں ان تہجد گرا۔ دل کو دیکھا جو عبادت میں مصروف تھے
پھر سو گیا۔ فجر کے وقت آنکھ کھل گئی۔ اذان کے آخری بول
سنائی دے رہے تھے لیکن اس وقت صحن میں بالکل

سناٹا تھا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا نیت باندھ کر کھڑا ہو
گیا۔ نماز سے فراغت پائی۔ اور رخ اس پتھر کی سل کی طرف
گیا۔ وہاں سینی رکھی ہوئی تھی اس میں دو پرانے، آلو کی ترکاری
اور چائے کا پیالہ رکھا ہوا تھا جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی
اور میرا کپل موجود نہیں تھا۔ ایک لمحے کے لیے بدن پر لرزہ
طاری ہو گیا۔ پہلے یہ کپل میری نادانی سے چھین گیا تھا اور اب

واپس لے لیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہدایت بھی دی گئی تھی
میں نے ناشتے پر توجہ دی۔ تمام ہفتہ صاف کیا اس کے بعد
یہ ان رکنا مناسب نہیں تھا چنانچہ وہاں سے سیڑھا اختیار کی
اور چل پڑا۔ تین دن اور رات کے کئی گھنٹے کے سفر کے
بعد ایک آبادی نظر آئی۔ اس وقت بھی صبح کے کوئی پانچ
بجے تھے میں رات کو ہی ادھر چل پڑا تھا اور جب رات کی میاں
ختم ہوئیں تو مجھے درخت کثرت اور ان سے پرے ٹہرتے
چراغ نظر آئے تھے جن سے آبادی کے قریب آنے کا احساس
ہوا تھا۔

آبادی سے پہلے درخت کے پاس رک گیا۔ کچھ فاصلے
پر ایک ٹنڈ منڈ درخت پر کئی گدھے بیٹھے ہوئے تھے، مجھے دیکھ
کر انہوں نے پر پھر پھر اسے اور پھر ان میں سے ایک گدھے
بھیانک آواز کے ساتھ پر پھر پھر اتار دیا گیا، جیسے کسی کو اس
کی آمد کے بارے میں اطلاع دینے گیا ہو۔ نماز کا وقت
نکلنا بار ہوا تھا۔ چنانچہ درخت کے تنے کی آڑ میں، میں نے ایک
صاف جگہ تلاش کر کے فجر کی نماز پڑھی اور درود شریف کا
وظیفہ کرنے لگا۔ جب میں اس سے فراغت حاصل کی تو اپنے
دائیں بائیں بہت سے مردہ خوروں کو منتظر بیٹھے دیکھا، غالباً
میرے بدن کے سکوت سے وہ غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔
میں اٹھ کر کھڑا ہوا تو وہ سب خوف زدہ ہو کر اپنے پتلے پتلے
پیروں سے اچھل اچھل کر پیچھے ہٹنے لگے اور پھر مایوس
ہو کر فضا میں بند ہو گئے، یہ مردہ خور بعض اوقات زندہ

انسانوں پر بھی حملے کر دیتے ہیں۔ چنانچہ یہاں سے آگے بڑھ
جانا ضروری تھا۔ ذرا بستی پہنچ کر یہ معلوم کیا جائے کہ یہاں
بستی جمال گڑھی ہے۔ ایک سمت اختیار کر کے چل پڑا۔ دفعہ
کچھ فاصلے پر مجھے ایک انسانی جسم نظر آیا، کوئی پشت کے
ایک جھاڑی کے قریب بیٹھا ہوا تھا اس سمت قدم بڑھا
دیئے اور اسے دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا ہو سکتا ہے ہی
میری رہنمائی کر دے، کچھ فاصلے پر پڑے ہوئے ایک پتھر
سے ٹھوکر لگی تو جیٹھی ہوئی شخصیت اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ تب
میں نے اسے دیکھا۔ ایک بھیاںک صورت عورت تھی
”جانتا ہوں بھیاں۔ بڑی بیٹا پڑی ہے جمال گڑھی پر“
تم یہاں رکے رہو بھیاں۔ ذرا سنبھالنا جنک رام کو، ہیرا نے
کہا۔

”تم جاؤ۔“ میں نے کہا اور ہیرا لال جنک رام سے بولا
”جنک رام سنبھال خود کو۔ ابھی تو تجھے بھیاں بھی کو سنبھالنا
ہے، میں بتی جا رہا ہوں۔ سنبھال جنک رام خود کو۔“
”جا۔ بھیا۔“ جنک رام نے روتے ہوئے کہا اور
ہیرا اس کا شانہ تھپتھپاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔
”جنک رام خود کو سنبھالو۔ یہ بچہ تمہارا کون ہے؟“
”بھتیما ہے ہمارا۔ اکلوتا تھا اپنے ماما پتا کا۔ لاڈلا تھا
ہمارا۔ بڑا انیائے ہو گیا۔ بھیا بڑا انیائے ہو گیا۔“
”یہ یہاں کیسے آ گیا؟“

”سجھو ان جانے۔ رات کو کھیلنے نکل گیا تھا بچوں کے ساتھ
رات گئے تک واپس نہ آیا تو سب پریشان ہو گئے۔ سب کے
سب ڈھونڈتے پھرے میں رات بھر۔ ساری رات تلاش کیا ہے
بھیا۔ ملی تو اس کی لاش!“
”تمہارے خیال میں اسے کس نے مارا؟“
”نامعلوم بھیا، کوئی ڈاؤن لگے ہے، ہاتھ دیکھو اس کا بھی
کلیجہ نکال کر کھا گئی ہے۔“
”ڈاؤن....“ میری سانس رکنے لگی۔

”تم خود دیکھو بھیا۔ پہلے سبھی چار کا یہی حال ہوا ہے۔“
”کیا؟“ میں اچھل پڑا۔ میں نے پریشان نظروں سے
ان کھیتوں کی طرف دیکھا جہاں وہ خوفناک عورت جاگسی تھی
کیا وہ ڈاؤن تھی۔ بچوں کا کلیجہ نکال کر کھا جانے والی۔
”تم جمال گڑھی کے نا ہو کیا بھیا۔؟“
”نہیں.... میں مسافر ہوں۔“

”تبھی تو.... جمال گڑھی میں کوئی ڈاؤن گھس آئی ہے
بھیا۔ چار بچوں کو مار چکی ہے جان سے۔!“
”خدا کی پناہ۔ تمہیں ایک بات بتاؤں جنک رام۔“
”بتاؤ بھیا۔“ اس نے انگوچھے سے آنکھیں پونچھتے ہوئے
کہا۔

”میں صبح ہونے سے پہلے اس علاقے میں داخل ہوا تھا
بتی کے بارے میں کسی سے معلوم کرنا چاہتا تھا۔“ میں نے جنک
رام کو پوری کہانی سنائی اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
”کون سے کھیتوں میں۔؟“ اس نے اپنی لائٹھی مضبوطی
سے پکڑتے ہوئے کہا۔ اور میں نے کھیتوں کی طرف اشارہ
کر دیا۔ جنک رام لائٹھی ہلاتا جوش کے عالم میں چیتا کھیتوں

کی طرف دوڑا۔ میری نظریں اسی طرف لگی ہوئی تھیں جنک رام کھیتوں میں گھس گیا تھا۔ پھر اس کی دھاڑ سنائی دی: رک تو سسری بھاگ کہاں رہی ہے۔ ارے رک تیرا ستیاناس! پھر میں نے خوفناک عورت کو لمبی لمبی چھلانگیں لگاتے ہوئے جنک رام لاشی پکڑے اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ پھر اس نے لاشی گھما کر پوری قوت سے عورت پر پھینکی عورت بال بال پکی تھی۔ جنک رام ہوش غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ عورت اگر اس کے ہاتھ آجاتی تو وہ یقیناً اسے ریزہ ریزہ کر دیتا۔ جنک رام اس کے پیچھے بھاگتا ہوا دور نکل گیا تھا۔ اتنا دور کہ اب مجھے نظر نہیں آ رہا تھا البتہ بتی کی طرف سے بے شمار لوگ دوڑتے آرہے تھے میرا لال سب سے آگے آگے تھا۔ کچھ دیر کے بندستی والے قریب آگئے اور کہرام مچ گیا۔ مجھے پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔ ایک آدمی جس کی حالت بہت خراب تھی آگے بڑھا لوگ اسے پکڑے ہوئے تھے اس نے بچے کی لاش دیکھی اور غش کھا کر گر پڑا۔

”جنک رام کہاں گیا۔“ میرا لال نے مجھ سے پوچھا مگر جواب دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ جنک رام جوش سے لاشی گماتا ہوا داپس آ رہا تھا وہ دوڑتا ہوا قریب پہنچ گیا۔ پتہ چل گیا۔ آج سب کچھ معلوم ہو گیا۔ بھیا سو گندہ آج ساری باتیں پتہ چل گئیں۔ ارے کہاں ہے وہ سسرالیا۔ کہاں چھپا ہے رے سامنے آ۔“

”تمیانیہ کیا کر دیا جنک رام۔“ کسی نے پوچھا۔

”ڈان پتہ چل گئی رہا بھاگا چلا۔ ڈان پتہ چل گئی۔“

”کون ہے... کون ہے... کون ہے...؟“ بہت سی آوازیں ابھریں۔

”بھاگ بھری۔ ارے وہی سسری بھاگ بھری۔ خون سے رنگی ہوئی تھی کیٹی۔ ارے آنکھوں سے دیکھ لیا اپنی۔“

”بھاگ بھری... باؤل بھاگ بھری۔“

”نبی ہوئی باؤل ہے بھیا۔ آج دیکھ لیا آنکھوں سے۔ ارے جانے گی کہاں۔ کئی دیئے بجائے میں اس نے۔“

پوت کہاں چھپا ہوا ہے اس کا، ارے دیکھ یے اپنی میا کے کرتوت! جنک رام کا سانس پھول رہا تھا۔ پھر اس نے لاش کے پاس بے ہوش پڑے ہوئے شخص کو دیکھا اور ایک ہل پر دھاڑیں مارنے لگا۔

”ارے بھیا، ہمارا چراغ بھاگ بھری نے بجھایا ہے۔ وہی ڈان ہے بڑے بھیا۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔“ کچھ بتاؤ تو وہی جنک رام۔“

”سب دھونڈ رہے تھے پر کاش کو۔ مسافر نے خبر دی۔ ہم نے لاش دیکھی پھر خبر کوسنے گیا۔ مسافر دوسری بتی کا ہے اس نے بتایا کہ اس نے ڈان کو کھینچ جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ کھیتوں میں چھپی ہوئی ہے۔ ارے ہم دوڑے کھیتوں میں دہاں چھپی ملی بھاگ بھری۔ ہمیں دیکھ کر نکل بھاگی۔ خون میں رنگی ہوئی تھی سسری۔ نکل گئی مگر جانے گی کہاں۔ ارے جانے دیں گے سسری کو...!“

”سب سکتے کے عالم میں سن رہے تھے اور میرا دل غیب سا ہو رہا تھا۔ کیا ہے یہ سب کچھ۔ مگر کچھ سمجھا، ضرور کچھ سمجھا۔ مجھے یہاں بھیجا گیا تھا۔ یقیناً اس کا کوئی مقصد ہو گا۔ یقیناً...“

لاحاصل

ڈاکٹر نے مریض کا مکمل چیک اپ کیا۔ وہ مریض کی صحت کی طرف سے مطمئن نظر آ رہا تھا۔

”میرے خاندان میں کبھی کوئی شخص ۹۰ سال سے پہلے نہیں مرا۔ مریض نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے؟ میں اتنا جی سکوں گا؟“

”آپ کی عمر کیا ہے؟“

”چالیس سال۔“

”شراب کتنی پیتے ہو؟“

”ہاتھ بھی نہیں لگاتا شراب کو۔“

”اور سگریٹ؟“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مجھے تمباکو سے نفرت ہے۔“

”خود پر بوجھ کتنا ڈالتے ہیں آپ؟ شلاتیز ڈائوننگ جوا، سیکس وغیرہ؟“

”ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ میں منضبط زندگی گزارتا ہوں۔“

”کچھ پوچھیے تو زمیس کے پاس کار ہے، نمونر سائیکل، بیٹی دی ہے اور نہیں شادی شدہ ہوں۔“

”تو پھر آپ مزید ۵۰ سال کیوں جینا چاہتے ہیں؟“

میں نے اس عورت کو دیکھا صورت واقعی خوفناک تھی۔ میں نے خود اس کے چہرے پر خون کے دھبے دیکھے تھے مگر وہ ڈان تھی اور پہلے ہی یہ بھیا تک عمل کر چکی تھی: پپت

میں جو باتیں کہانیوں کی شکل میں سنیں، سب ہی تو سنانے آتی جا رہی تھیں۔ جانے مستقبل اور کیا کیا دکھائے گا جڑیل دیکھی تھی۔ پھل پیری سے واسطہ پڑا تھا۔ کالی دیوی سے بھی خوب واقف ہو گیا تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ رہن سہن کی بارے ہو لی دیوالی سے شتاساتی ہوئی تھی یہاں تو سارے قصے کہانیاں ہی تھیں بھوت، پریت، امرکے، چڑیلیں ان کے علاوہ اور کیا تھا مگر یہ مزید کہانیاں جنہیں سن کر انہوں کو ڈر لگتا تھا اور ماں سے چپٹ کر سونے کو..... جی چاہتا تھا۔ آج آنکھوں کے سامنے تھیں۔ آج ڈائن سے بھی ملاقات ہو گئی تھی ایسی ہوتی ہیں ڈائنیں۔

جنگ رام۔ وہ دکر ساری رام کہا فی سنار ہا تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا۔ ایک بار میں نے اس مظلوم بچے کی لاش کو بغور دیکھا اب صبح اندازہ ہو رہا تھا۔ لوگوں کا کہنا درست تھا اس کا اوپری جسم بڑھتا اور سینے کے مقام ہی سے نکلا ہوا تھا۔ دوسری آلائش بکھری ہوئی تھی کلبہ وجود نہیں تھا لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔

• پر وہ گئی کہاں جنگ رام۔؟
• ارے بھیا کیا بتائیں مسافر نے کہا، کیتوں میں چھپی ہے سہری ہم ٹھیک لے کر لپکے تو ہمیں دیکھ کر نکل بھاگی اور بھیا کیا نر دوڑی مسافر سے پوچھو، بیروں میں پکھے باندھے ہوئے تھے ذرا سوچو ڈائن ہوتی تو اتنی تیز بھاتی ہم تو بچھا ہی نہ کر پائے اور وہ یہ جا رہا کیسی بڑھیا بنی پھرتی ہے..... ہرے رام، ہرے رام ہمارے بھیا کے پوت کو کھا گئی۔ ارے اب کچھ کرو بھیا کو اٹا کر لے چلو دیکھو تو اسی کہیں دل کی دھڑکنیں بند تو نہیں ہو گئیں۔ اسے بھیا ہمارے بڑے بھیا ارے رگبیر بھیا۔

• ہاں ہاں پلورے چادر پھاڑ پر کان کو اس میں ڈالو اب تو وہ اس سنار سے چلا ہی گیا ساری باتیں کر لو، جے جانا تھا وہ تو جا چکا ہے

بہت سے لوگ مل کر لاش کی آلائش سمیٹنے لگے اور اس کے بعد بچے کے جسم کو اٹھا کر چادر پر لٹا دیا گیا وہ اپنے عقیدے کے مطاب بن مقدس اشیاء پر چڑھ رہے تھے چند لوگوں نے رگبیر رام کو سنبھال کر اچھوں پر اٹھایا اور پھر سارا قافلہ آبادی کی جانب چل پڑا میں بھی ان کے پیچھے چل رہا تھا اور ان کی

باتیں سن رہا تھا لیکن بہت ہی کم باتیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔ جمال گڈھی کا نام لیا جا چکا تھا اس لیے اب اس میں بھی شبہ نہیں تھا کہ جس بستی کی جانب میں جا رہا ہوں وہ جمال گڈھی ہی ہے جہاں جانے کی مجھے ہدایت کی گئی تھی۔ تھوڑا بہت اندازہ ہو گیا تھا اور وہ عطیہ واپس لے لیا گیا تھا جو میرے لیے بڑی تقویت کا باعث ہو گیا تھا لیکن دل کو ایک اعتماد تھا وہ یہ کہ میری امداد سے گریز نہیں کیا جائے گا۔ میں کون سا عالم تھا کہ ہر مرض کی دوا میرے پاس ہوتی ہے یہ تو ایک انتہائی منزل تھی۔ جس سے بازو بڑھ کر گزارا جا رہا تھا دل میں یہی دعا تھی کہ اگر مجھے اس منزل تک پہنچا دے جو میرے لیے متعین کی گئی ہے۔ بڑی بہت اور بڑے صبر سے اپنے فرض کی بجائے آوری کر رہا تھا۔ اور کہیں بھی کشتی ذہن میں نہیں ابھری تھی اپنے یاد آتے تو زبان کو دانتوں میں ڈال لیتا۔ اپنے جسم کو نوچنے لگتا۔ کہ یادیں پیچھا چھوڑ دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ بات ناگواری کی منزل تک پہنچ جائے اور ایک بار پھر مصائب کا شکار ہو جاؤں اپنے طور پر جس حد تک ممکن ہو رہا ہے اب ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔

• بستی کا سفر انہی خیالات میں مکٹ گیا میں بھی لوگوں کے ساتھ ساتھ ہی جنگ رام کے گھر کے دروازے پہنچا تھا اور اس کے بعد وہاں جو کچھ ہونے لگا تھا وہاں رکنا میرے لیے بے کار سی بات تھی۔ لوگ جنگ رام کے گھر کے دروازے کے باہر جمع ہو گئے تھے اندر سے روکنے پھینے کی آواز ملتی بند ہو رہی تھیں ان آوازوں میں عورتوں کا شور بھی تھا مردوں کی آوازیں بھی تھیں میں وہاں سے واپس پٹا تقریباً ساری ہی بستی والوں کو اس واقعہ کی خبر ہو گئی تھی۔ کوئی اپنے کام پر نہیں گیا۔ سب کے سب جنگ رام کے دروازے پر جمع ہو گئے تھے میں نے ایک شخص کو روکا تو وہ فوراً ہی رک کر مجھے دیکھنے لگا۔

• تم مسافر ہوتا بھیا؟ اس نے پوچھا۔
• ہاں بھائی یہ بستی جمال گڈھی ہی ہے نا۔
• ہاں بھیا ہی ہے۔
• ہاں کوئی ایسی جگہ مل سکتی ہے جی جی جہاں میں کچھ دقت قیام کر سکوں۔
• دھرم شالہ موجود ہے پنڈت رام نارائن کے پاس چلے

جاؤارے ہاں یہ تو بتاؤ ہندو ہو یا مسلمان ؟

۷ مسلمان ہوں۔ ۸ میں نے جواب دیا۔

ع تو پھر مسجد میں چلے جاؤ، یا سنو وہ سیدھے ہاتھ جاکر
جب اٹھے ہاتھ کو مرو گے تو تسلیا کا گھر نظر آئے گا نہیں۔

الشدین بھٹیاءے کی سرائے اسی کے سامنے ہے وہاں
تمہیں رہنے کی جگہ مل جائے گی۔ مسجد تو ابھی نامکمل ہے دوبارہ
بن رہی ہے سارا سا ان پڑا ہوا ہے وہاں کہاں ٹھہرو گے؟
بہت بہت شکریہ۔ میں نے جواب دیا اور اس شخص کے بتائے

ہوئے پتے پر چل پڑا اللہ دین بھٹیاری کی سرانے شاید
اس بستی کی واحد سرانے کتی کچا احاطہ بنا ہوا تھا اور اس میں
کچھ کمرے نظر آرہے تھے۔ ایک سمت تندور لگا ہوا تھا۔

۴۰ اندوین بھٹیاری کی سرائے بھی ہے نا؟

ہاں یہی ہے مگر تو کون ہے بھیا۔؟

• اللہ دین کہاں ہے؟

ہندو یا جلا کر خاک کر دی پورا کاپڑا تین سیر گوشت تھا۔ مگر تو کون بے بسیا۔؟

• مسافر ہوں بہن اس سرے میں ٹھہرنا چاہتا ہوں •

اسے کھادو..... کلوتیرا ستیا ناس کہاں مر گیا اے

بہرنگل۔

اماں تو نے ہی تو منہ کر دیا تھا کہ باہر نکلوں ٹھانے
کھا جائے گی۔ لڑکے نے کہا۔

• اسے ڈان کے چلے بہر آدیکر مسافر ایسے عورت

نے کہا اور رہی لڑکا جو مجھے جہانک کر اندر گھس گیا تھا، ماہر

• جیسا کہ بلا کر لاکھ دے نماشا ختم ہو گیا سب اڑا گیا ہے

اور وہ باہر متا رہا ہے اسے بھیجا محمد سے بات کرو میں
اللہ دین کی گھر والی ہوں۔

”مجھے یہاں رہنے کیسے مل سکتی ہے؟“

لو جھیا پورے کے پورے چار کمرے خالی پڑے

میں جس میں بی چاہے ٹھہر جاؤ مگر ڈیڑھ روپے روز ہوتا

میری جیب میں چار روپے موجود تھے جو مجھے دلیفے

کے طور عطا کئے گئے، سحر میں نے ایک بار سچریہ پیسے دیکھے

اور تین روپے نکال کر خاتون کو بے دیے۔

نہیں بہن..... ہیں ایک پیالی چائے اگر مل جائے ہے

”چار پیالی پی بو۔ اٹھنی نکال لو۔ عورت لے کرے

دیجیسیٹ ۱۹ جیٹ اینگنز، اوت

مفسر کے اور بخیر حصہ میں التواؤ میں